تاریخ دریاباد

منشی برج بھوکھن لال صاحب

تلمیذ جناب نظم طباطبائی لکھنوی

باہتمام

حاجی حافظ خواجہ قطب الدین احمد پروپرائٹر

تاج الکتب کمپنی بمبئی

[illegible]

جملہ حقوق محفوظ ہیں

قیمت مجلد [illegible]

بار اول

ضروری التماس

(۱) بوجہ قلت و قلت فرصت راقم تاریخ ہذا کی نظر ثانی سے مجبور رہا۔ اسی طرح حضرت استاد کی اصلاح سے بھی محروم رہی کیونکہ قبل تکمیل و ترتیب کتاب اُن کا انتقال ہو چکا تھا ابتدائی مسودون کے پرچے جو اُنھون نے بیماری کی حالت میں ملاحظہ فرمائے تھے قابل اطمینان نہین اس لئے جہان کہین کوئی ادبی غلطی یا سہو نظر آئے قابل معافی ہے (۲) مولف مین نہ دماغی قابلیت ہے نہ علمی استعداد ہو۔ لیکن وطن پرستی کے جوش اور حضرت استادی قبلہ و کعبہ جناب نظر لکھنوی کی ہمت افزائی نے مجبور کیا کہ چند صفحے حوالۂ قلم کئے گئے اور کتاب کا نام سیدھے سادے لفظون مین۔ **تاریخ دریاباد** رکھا گیا۔ اُمید ہو کہ ناظرین بہ نظر انصاف ملاحظہ فرما کر راقم کو دعائے خیر سے یاد فرمائین گے (۳) اس کتاب میں صرف مشاہیر اور قابل قدر اصحاب کے حالات لکھے گئے ہین اور خاص خاص یا ضروری باتیں درج کی گئی ہین۔ عام و معمولی باتیں اور عام تذکرے بخوف طوالت نیز غیر مفید سمجھ کر نظر انداز کردیے گئے (۴) کتاب ہذا مین اگر کوئی تذکرہ خلاف واقعہ معلوم ہو یا سہواً کوئی بات درج ہونے سے رہ گئی ہو تو ناظرین اور ارباب وطن براہ بندہ نوازی تکلیف گوارا فرما کر راقم حروف کو مطلع فرمائین بشرط خیریت طبع ثانی کے وقت شکریہ کیساتھ تعمیل ارشاد کیجائیگی

اس کتاب کی تالیف مین ذیل کی کتابون وغیرہ سے مدد لیگئی ہی

(۱) افضل التواریخ (۲) بوستان اودھ (۳) تاریخ اجودھیا (۴) تاریخ پانڈے الموڑھا (۵) گزیٹیر بارہ بنکی (۶) تاریخ غدر (۷) آئین اکبری اردو (۸) آئین اکبری فارسی (۹) سیر المتاخرین (۱۰) خلاصۃ التواریخ (۱۱) تاریخ تعلقداران اودھ (۱۲) مختصر تاریخ اقوام الکائستھ (۱۳) منتخب التواریخ (۱۴) تذکرۂ شعرائے اُردو فنشی (۱۵) نقشے موجن (۱۶) اڈیاوارک لاہور (۱۷) اودھ کا بیان (۱۸) مناقب رزاقیہ (۱۹) حدیقۃ الارض (۲۰) تذکرۂ اولیائے ہند (۲۱) ملفوظات حاجی مصطفیٰ (۲۲) کانکیج و نشاولی نمبر۱ (۲۳) کانکیج و نشاولی نمبر۲ (۲۴) کانکیج جغتان (۲۵) سرور یا گل دیپکا (۲۶) رسالہ صدیقیہ (۲۷) پشت نامہ خاندان بسنت رائے (۲۸) حالات خاندانی مرزا یوسف بیگ صاحب (۲۹) جغرافیہ ضلع بارہ بنکی نمبر۱ (۳۰) جغرافیہ ضلع بارہ بنکی نمبر۲ (۳۱) جغرافیہ اودھ (۳۲) جغرافیہ عالم حصہ اول (۳۳) جغرافیہ کھیتی (۳۴) ہفت جواہر (۳۵) نامی جنتری (۳۶) حکایات احمدی (۳۷) دیوان شائق (۳۸) مثنوی شائق (۳۹) رسالہ عصر جدید (۴۰) رسالہ معارف (۴۱) رسالہ سرستی (۴۲) مکاتیب اکبر (۴۳) بھگوت بھاسکر (۴۴) اَدھیاتم رامائین (۴۵) افکار شرومن (۴۶) رپورٹ کارروائی انجمن ہند (۴۷) نقل واجب العرض دریاباد (۴۸) واجب العرض بشنداس پور (۴۹) واجب العرض تاراپور (۵۰) واجب العرض تعلقہ رامپور (۵۱) واجب العرض سرائے

ہنگنئی (۵۲) واجب العرض شیخ پور (۵۳) اڈریس جونپور (۵۴) اودھ اخبار (۵۵) اخبار مشرق (۵۶) نقل فیصلہ محکمۂ بندوبست (۵۷) نقل روبکار محکمۂ بندوبست (۵۸) نقل مثل نمبری ۵۹۰ (۵۹) نقل سجل شاہی (۶۰) رپورٹ انڈسٹریل سروے بارہ بنکی (۶۱) متفرق کاغذات عدالت ہائے شاہی و انگریزی متعلقۂ دریاباد (۶۲) قدیم دستاویزات اور محضرنامے وغیرہ متعلقۂ دریاباد (۶۳) چند فارسی، بھاشا، ہندی، اردو خطوط (۶۴) کاغذات متعلقۂ دفتر بھوانی شنکر دیکھت (۶۵) فرامین شاہی ۳۰ (۶۶) شاہی پروانے ۵۰ (۶۷) چند سارٹیفکیٹ، چند خاندانی شجرے، چند کتب یادداشت، رجسٹر معائنہ اصحاب متعلقۂ شفاخانہ دیوی سنہ ۱۹۱۲ء و کانگریس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۶ء وغیرہ۔

مربیان تاریخ دریاباد کے نام نامی و اسمائے گرامی

دلی شکریہ کے ساتھ معہ زر عطیہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں

دریاباد خاص (۱) آنریبل راجہ سر راجا جلیش علی صاحب وزیر تعلیم و تعلقدار دریاباد مالک عمہ (۲) مولوی احمد کریم صاحب سب جج گونڈہ عہ (۳) خان بہادر مرزا محمد یوسف بیگ صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ صہ (۴) چودھری مصطفےٰ علی صاحب رئیس صہ (۵) حکیم مولوی محمد عبد الحبیب صاحب صہ (۶) مولوی عبد المجید صاحب ڈپٹی کلکٹر گونڈہ عہ (۷) منشی جانکی پرشاد صاحب رجسٹرار قانونگوئے (۸) شیخ عبد الکبیر صاحب صہ (۹) سید حاکم علی صاحب اسسٹنٹ ہیڈ کلرک ڈی۔ ٹی۔ ایس آفس گونڈہ صہ (۱۰) بابو چندر کا پرشاد صاحب ہیڈ کلرک ٹکنکل اسکول لکھنؤ صہ (۱۱) شیخ خلیل احمد و جمیل احمد صاحب صہ (۱۲) میر سید علی و ذاکر علی صاحب صہ (۱۳) حافظ ابو سعید صاحب صہ (۱۴) شیخ شکور بخش صاحب ضلعدار صہ (۱۵) شیخ حفیظ الدین صاحب اسٹیشن ماسٹر و مولوی حکیم الدین صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس صہ (۱۶) بابو بھگونت رائے صاحب منیجر کواپریٹو بنک سلطان پور صہ (۱۷) سید محمد شفیع صاحب و سید محمد رفیع صاحب کمیشن ایجنٹ کلکتہ صہ (۱۸) بابو شاہ محمد صاحب ٹکٹ کلکٹر اسٹیشن بنارس صہ (۱۹) چودھری عاشق علی صاحب سب انسپکٹر پولیس صہ (۲۰) بابو گوکل پرشاد صاحب رینج افسر محکمۂ جنگلات بہرائچ صہ (۲۱) منشی مگن بہاری لال صاحب آنریری سکریٹری گئوشالہ دریاباد صہ (۲۲) بابو جے پال صاحب سابق چیف پارسل کلرک اسٹیشن کانپور صہ (۲۳) حافظ محمد یونس صاحب چیف ریڈر سہر دوئی صہ (۲۴) بابو جے بہاری صاحب و چھبیل بہاری صاحب صہ (۲۵) شیخ محمد مبین صاحب گارڈ او۔ آر۔ آر صہ (۲۶) لالہ ستیل ساہ صہ پرگنہ دریاباد (۲۷) لالہ ملنک چند ساہ مہاجن و زمیندار ٹکیٹ نگر صہ (۲۸) لالہ دھن کمار ساہ مہاجن و زمیندار ٹکیٹ نگر صہ (۲۹) لالہ وصنیت ساہ و لالہ موہن چند ساہ، مہاجن و زمیندار ٹکیٹ نگر صہ (۳۰) ٹھاکر مولا بخش سنگھ صاحب رئیس کھجوری صہ (۳۱) ٹھاکر رام پال سنگھ صاحب رئیس سکردھا عہ (۳۲) ٹھاکر راج بہادر سنگھ صاحب رئیس قیام پور

(۳۳) پنڈت سفت پرشاد صاحب ہیڈماسٹر نواب گنج بارہ بنکی، اٹاوا صہ (۳۴) پنڈت رام سوچیت بی۔اے، ایل ایل بی وکیل بارہ بنکی، کھٹولی صہ دیگر حضرات (۳۵) بابو اودہ بہادر صاحب بگیہ دھاری بی۔اے، ایل ایل بی وکیل بارہ بنکی، نواب گنج صہ (۳۶) بابو قسمت رائے صاحب بگیہ دھاری بی۔اے، ایل ایل بی وکیل رائے بریلی صہ (۳۷) کنور شیام ناتھ سہائے صاحب بی۔اے، ایل ایل بی وکیل گونڈہ صہ (۳۸) بابو ست گرو دیال صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس پرتاب گڈھ صہ۔صہ۔

افسوس اور شکایت

اُن اصحاب سے نہایت افسوس کے ساتھ سخت شکایت کیجاتی ہے، جنھون نے تاریخ ہذا کی خریداری یا سرپرستی منظور فرماکر مالی امداد دینے کا حتمی وعدہ فرمایا اور فہرست پر دستخط کردئے۔ لیکن عین موقع پر بالکل خاموشی اختیار کی یا عذر لنگ پیش کرکے مجبوری ظاہر فرمائی اور اس طرح مولف کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

فہرست مضامین

ہ منشی رگھبر دیال صاحب کے اکلوتے بیٹے، از خاندان مہران دریاباد، ایف۔اے تک تعلیم یافتہ، انگریزی ٹریننگ کلاس پاس، اپنے فرائض منصبی حسن وخوبی انجام دینے مین ناموری کے ساتھ مشغول، صاحب اولاد، خلیق، ملنسار، منکسر المزاج، ولادت ۱۸۵۵ء، عرصہ سے پرتاب گڈھ سکونت، آبائی باغ دریاباد مین موجود ۱۲

تیسری فصل ذی علم اصحاب کے بیان مین

چوتھی فصل شاعرون کے بیان مین

سنسکرت دان شعراء

شعرائے بھاشا

شعرائے فارسی

انگریزی شعراء

سخنوران اردو

پانچوین فصل ویدون حکیمون اور ڈاکٹرون کے بیان مین

چھٹی فصل وکیلون کے بیان مین

ساتوین فصل سادھوؤن اور فقیرون کے بیان مین

چوتھا باب

پہلی فصل سپاہیون اور پہلوانون کے بیان مین

دوسری فصل ماہرین فن کے بیان مین

طبقۂ اول

طبقۂ دوم

طبقۂ سوم

خاص موسیقی دانون کے بیان مین

پانچوان باب

پہلی فصل مہاجنون کے بیان مین

آٹھواں باب

پرگنہ دریاباد کا بیان



دیباچہ

عرصہ سے میرا ارادہ تھا کہ کچھ اپنے وطن مالوفہ کی خدمت کروں۔ آخر میں بہت غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ اپنے وطن اور اپنے وطنی بزرگوں کے اوصاف اور کارنامے سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے کہ وہ اس سے مفید اور نتیجہ خیز سبق حاصل کر سکیں اور بزرگان کرام کا نام بھی قیامت تک یادگار رہے۔ بقول حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ۔ **شعر**

نام نیکِ رفتگان ضایع مکن تا بماند نام نیکت یادگار

شکر کا مقام ہے کہ میں اپنے ارادے میں کامیاب ہوا اور گیارہ سال کی مسلسل اور جان توڑ کوششوں کے بعد دریاباد ایسے قدیم و تاریخی قصبے کی ایک مختصر سی تاریخ تالیف ہو کر مرتب ہو گئی جس سے روسا، اہل قلم اور اہل ہنر وغیرہ کے گذشتہ حالات، جو کچھ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے، عالم آشکارا ہو جائیں گے اور بزرگوں کے نام اور کارنامے عرصہ تک زندہ رہیں گے۔ یہ خدمت اور یہ محنت و جانفشانی ذاتی منفعت کے لحاظ سے نہیں گوارا کی گئی ہے، بلکہ محض اس لئے کہ میرے وطنی بزرگوں کے نام نیک ضایع نہ ہوں اور دریاباد کی قدیم عظمت سے لوگ بخوبی واقف ہو جائیں۔

یہ تاریخ فرضی اور خیالی تاریخ نہیں کہ دریاباد کی اہمیت جتانے اور اپنی شہرت کی غرض سے خواہ مخواہ جو کچھ جی میں آیا، لکھ مارا، اور اناپ شناپ جو سُنا، درج کر دیا۔ اس میں اصلی حالات اور واقعات قلمبند کئے گئے ہیں اور حتی المقدور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ جو تذکرہ یا حال درج کیا جائے وہ مبالغہ سے پاک و صاف ہو، سنی سنائی باتوں پر کامل غور و تحقیق سے کام لیا گیا ہے۔ زمانۂ حال کے اصول اور قانون کے مطابق اکثر موقعوں پر تنقیدی نگاہ بھی ڈالی گئی ہے اور جہاں مناسب معلوم ہوا، وہاں مدلّل بحث بھی کی گئی ہے، ساتھ ہی اس کے بعض بعض حالات کے متعلق مستند حوالے بھی دیے گئے ہیں، اور اس طرح تاریخ نگاری کا پورا پورا حق ادا کیا گیا ہے۔

لیکن، نہایت افسوس ہے کہ ہم دریاباد کی تاریخ پر، جو گہری تاریکی میں پڑی ہوئی ہے، زبردست روشنی ڈالنے سے قاصر رہے اور قدیم حالات اور اہم واقعات کے چہرے سے نقاب اُٹھانے میں حسب دلخواہ اچھی طرح کامیاب نہیں ہوئے، جس کے کئی وجوہ ہیں۔ اوّل تو کوئی کتاب یا پُرانی پوتھی تلاش سے دستیاب نہیں ہوئی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے بزرگ قصبہ کی تاریخ لکھنا تضیع اوقات سمجھ کر اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، اور جن حضرات نے کچھ مختصر طور پر لکھا بھی ہے وہ زیادہ تر اُنہیں کے خاندانی حالات تک محدود ہے، دریاباد کے متعلق صرف کہیں کہیں ضمنی اشارے پائے جاتے ہیں یا خاص خاص باتیں درج کر دی گئی ہیں، جو مشہور عام ہونے کی وجہ سے ذخیرۂ معلومات میں کوئی معقول اضافہ نہیں پیدا کر سکتیں۔ دوسرے اکثر سن رسیدہ اور ذی علم اصحاب تاریخ لکھنے کے قبل ہی انتقال فرما گئے اور بعض بزرگوں نے، جو برائے نام کچھ پڑھے یا بالکل بے پڑھے تھے لیکن مسن ہونے کی بنا پر اُن سے بہت کچھ مدد ملتی، آغازِ کتاب کے چند سال بعد اس جہان سے کوچ کر دیا۔

قرب وجوار میں بھی کوئی ایسا بزرگ نہیں جس کی باتیں قابل اعتماد ہوں۔ ایسی حالت میں اگرچہ دریاباد کی یہ ناچیز اور مختصر تاریخ بالکل صحیح اور پورے طور پر مکمل نہیں کہی جاسکتی، تاہم یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس کے دلچسپ اور کارآمد بنانے میں امکان بھر کوئی مفید پہلو نظر انداز نہیں کیا گیا اور جہاں تک کوشش سے قابل اطمینان پرانی باتوں کا پتہ لگا درج کر کے ایک حد تک یہ شکایت بھی رفع کر دی گئی کہ تاریخ میں قدیم زمانے کے متعلق کچھ بھی ذکر نہیں —

راقم کو اس بات کا بھی ملال ہے کہ قصبہ کے بعض سربرآوردہ اور ذی اختیار اصحاب نے بجز اپنے ذاتی یا خاندانی حالات عنایت فرمانے کے دیگر اہل فن اور اہل علم وغیرہ کے حالات سے آگاہی نہیں بخشی۔ اگر یہ تھوڑی سی تکلیف گوارا فرمائے تو، علاوہ سہولیت پیدا ہو جانے کے بہت سی باتیں، جو اس وقت تک صیغۂ راز میں ہیں، عام طور پر ظاہر ہو جاتیں۔ اسی طرح بعضوں نے اہم کاغذات اور بعضوں نے قدیم زمانے کی قلمی پوتھیوں (جن سے غالباً بہت مدد ملتی) کے دکھلانے میں انتہائی بخل سے کام لیا۔ واللہ اعلم یہ لوگ اپنے دل میں کیا سمجھے کہ باوجود سختی وعدہ کرنے کے پھر بھی مجھے مرہون منت نہ فرمایا۔ علاوہ ان کے خواندہ حضرات میں سے بعضوں نے بے انتہا منتوں اور خوشامد آمیز تقاضوں سے نادم و محجوب ہو کر دو تین برس، کسی نے چار پانچ برس، کسی نے چھ سات برس کے بعد اپنے خاندانی حالات عنایت فرمائے بعض اپنی لاپروائی اور کوتاہ قلمی سے حیلہ و حوالہ میں ٹالتے رہے۔ جب ایک مدت گذر گئی اور کشتیٔ امید ساحل مقصود سے ہمکنار نہ ہوئی تو، ناچار ان سے عرض کیا گیا کہ "اب آپ خود تکلیف نہ کیجئے مہربانی فرما کر جو کچھ مناسب معلوم ہو قلمبند کرا دیجئے۔" چنانچہ بہ ہزار دقت کئی مہینے کے بعد ان کے خاندانی حالات دریافت ہو کر حوالۂ قلم کئے گئے۔ دریاباد کی پبلک بھی ہمارے اس کام کو ایک مخدوش اور آفت ڈھانے والی کارروائی سمجھ کر بہت دنوں تک مشتبہ نگاہوں سے دیکھتی رہی لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ ہم سے جو شاہی پروانے، پرانے کاغذات اور فرامین مانگنے کے ساتھ ساتھ ہمارے باپ دادے کے حالات بھی دریافت کئے جاتے ہیں تو، شاید یہ گورنمنٹ کا کوئی خفیہ انتظام ہے، جس کی وجہ سے ایک نہ ایک دن ہم پر خرابی آئیگی اور ہمکو سخت نقصان برداشت کرنا پڑیگا۔ لیکن ان بری شگونوں سے اس مایوس کن اور مصیبت خیز ذہنی معیار کا قلع قمع ہوا اور ہماری کوشش آئندہ کے لئے نیک شگون اور مبارک ثابت ہوئی۔ یہ امر بھی قابل تحریر ہے کہ بہت سے پرانے کاغذات، پرانی پوتھیاں، قدیم سندیں کس مپرسی کی حالت میں بالکل بیکار ہو گئی ہیں اور بیشمار پوتھیاں وغیرہ لوگوں کی غفلت سے تلف ہو کر بے نام و نشان ہو گئیں۔ یہی وجوہات ہیں جو تالیف مذکور گیارہ سال میں تمام ہوئی اور بعض اہم معاملات پوشیدہ رہے —

اس تاریخ کے سلسلے میں مالی نقصان برداشت کرنے کے علاوہ مہینوں ہر ایک اعلیٰ و ادنیٰ کی خوشامد کی۔ واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے ہر گلی کوچے کی خاک چھانی۔ بعض اہم باتوں کی تحقیقات کے لئے الہ آباد، گونڈہ، رائے بریلی، بہرائچ، بہرام گھاٹ، بارہ بنکی، اجودھیا، فیض آباد، بنارس وغیرہ نزدیک و دور کا سفر اختیار کیا اکثر شہروں کے بڑے بڑے کتب خانوں میں تاریخ و جغرافیہ کی کتابیں تلاش کیں۔ شاہی کاغذات، فرامین، پرانی دستاویزیں، پروانے وغیرہ کی فراہمی میں انتہائی کوشش کی، ساتھ ہی ساتھ بعض لوگوں کی جھڑکیاں

بھی سہیں، بہتون کے بار بیجا بھی اٹھائے، خفگی بھی سہی، لالچی بھی ٹھہرے، اصلی صحت بھی کھوئی، ملازمت سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ لیکن چہرے پر کبھی شکن نہ آئی اور اپنے فرائض کو نہایت مستعدی اور اطمینان کے ساتھ انجام دیا گیا۔

استاد مرحوم کا قول تھا "مورخ کو چاہیے کہ تاریخ لکھتے وقت تعصب، خوشامد، مروّت، رعایت اور دیرینہ بغض وعداوت کو دل سے نکال ڈالے۔ متانت اور سنجیدگی کے ساتھ رائے زنی کرے۔ کوئی لفظ قلم سے ایسا نہ نکلے جو پایۂ تہذیب سے ساقط ہو۔ وہ جوشیلی عبارت جس سے کسی کے مذہب یا کسی کی ذات پر حملہ ثابت ہو، ہرگز نہ تحریر کرے۔ اُس سچائی سے دور رہے جو قانونِ وقت کے خلاف اور فساد کا باعث ہو۔ اوصاف لکھنے کے ساتھ ساتھ عیوب کا بھی ظاہر کرنا ضروری اور مقدم سمجھے، اگرچہ بعضوں کے نزدیک یہ طرزِ عمل ایک حد تک اخلاقی جرم میں داخل ہے، لیکن آدابِ واقعہ نگاری کے عین مطابق ہے، جس کا خاص منشا یہی ہے کہ تصویر کے دونوں رُخ دکھانا چاہیے۔ روشن پہلو کو نمایاں کرنا اور تاریک پہلو کو چھپانا تاریخ کے اصلی مقصد کو فوت کر دیتا ہے۔" راقم الحروف نے حتی الامکان جہاں تک ہو سکا اور دماغ نے کام دیا مذکورۂ بالا زرّیں الفاظ کی حرف بحرف سختی کے ساتھ پابندی کی ہے۔

ہندوستان کے دیگر صوبوں کا ہمیں علم نہیں، مگر ہمارے خاص صوبہ (یوپی) میں "تاریخ بلند شہر" کے علاوہ کسی قصبہ یا شہر کی کوئی تاریخ اس وقت تک فارسی، اردو، بھاشا میں شائع نہیں ہوئی۔ گزیٹیر جو ہر ضلع میں گورنمنٹ کے زیرِ اہتمام تیار کیا گیا ہے، وہ ضلع کی تاریخ ہے، کسی قصبہ یا شہر کی خاص تاریخ نہیں۔ اس لئے دریاباد کی یہ تاریخ غالباً ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں دوسری اور اودھ میں اُردو کی پہلی تاریخ ہے، جو یقین ہے کہ قدر کی نگاہوں سے دیکھی جائیگی۔

بادی النظر میں یہ کتاب محض ایک قصبہ کی تاریخی حالات کا آئینہ ہے، جس سے بجز خاص خاص لوگوں کے پبلک کو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ لیکن، اگر غور و انصاف سے دیکھا جائے تو اس کا مطالعہ علمی دنیا میں ہر صاحبِ شوق کے لئے عام طور پر بھی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں قدیم زمانہ کا طرزِ معاشرت، قدیم ہندو مسلم اتحاد، زمانے کی نیرنگیاں، قدرت کے عجیب و غریب کرشمے، سبق آموز کارنامے، نصیحت خیز مضامین وغیرہ بہت سی سود مند باتیں دلچسپی سے خالی نہیں۔

سنہ ۱۹۱۴ء میں بمقام دریاباد تاریخ ہذا کے متعلق کام شروع کیا گیا اور سنہ ۱۹۱۷ء تک برابر یہی مشغلہ رہا۔ سنہ ۱۹۱۷ء لغایت سنہ ۱۹۲۰ء بہ سلسلہ ملازمت لکھنؤ میں قیام کرتے ہوئے بھی اس بارہ میں کوشش بدستور جاری رہی۔ مگر جب لکھنؤ میں مقیم رہ کر تاریخ کا اختتام پانا نہایت ہی مشکل نظر آیا تو، جنوری سنہ ۱۹۲۱ء میں نوکری سے سبکدوشی حاصل کر کے تھوڑے دنوں کے بعد مئی سنہ ۱۹۲۱ء میں اپنے قدیم مخلص جناب ٹھاکر رام پال سنگھ صاحب (رئیس سکردرہا، پرگنہ دریاباد) کے مکان پر آزادانہ رہنا اختیار کیا۔ موصوف کی بے حد مہربانیوں اور قابلِ تعریف دوستانہ برتاؤ سے سنہ ۱۹۲۳ء میں کام ختم ہو گیا۔ سنہ ۱۹۲۴ء میں ضروری ترمیم کے ساتھ ساتھ مسودہ کی صفائی ہوئی اور کتاب کی باقاعدہ ترتیب دی گئی، جو ۷ بابوں اور ۲۶ فصلوں پر منقسم ہے۔ باب ۱ ذکر دریاباد باب ۲

اس موقع پر احسان فراموشی ہوگی اگر اس امر کا اظہار نہ کیا جائے کہ تالیف ہذا کے بارہ مین مشورہ لینے پریس سے پہلے مخدومی و مکرمی جناب مسٹر حامد علی خان صاحب حامدؔ بیرسٹرایٹ لا (لکھنؤ) مخدومی و مکرمی جناب پنڈت بشن نارائن در بیرسٹرایٹ لا متخلص بہ ابرؔ (لکھنوی) اور بعد کو مولوی عبدالماجد صاحب ناظر بی اے حکیم مولوی محمد عبدالحسیب صاحب منشی مکن بہاری لال صاحب (ہموطن مولف) نے بڑی خوشی کے ساتھ نہایت حوصلہ افزا کلمات سے ترغیب دی تھی۔

آخر مین اُن اصحاب کا سچا شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنھون نے بلا وجہ اپنا بہت سا قیمتی وقت صرف کرکے تاریخی مواد اور رسالہ کی فراہمی مین بخوشی امداد فرمائی۔ مولف اُن کا بھی شکر گذار ہے جن حضرات نے اپنے بزرگون کے حالات عنایت فرمائے یا زبانی بیان فرماکر واقفیت حاصل کرنے کا موقع دیا اور ضروری کاغذات وغیرہ بھی دکھلائے اُن مصنفین و مولفین کے بارِ احسان سے بھی گردن ہمیشہ جھکی رہے گی جن کی کتابون سے تاریخ ہذا کی تالیف مین مدد لیگئی ہے۔

خاکسار برج بھوکھن لال محبؔ ولد بھیرون پرشاد بن سیتل پرشاد گپتہ دھاری معروف
بہ "جگدھریا" شری واستو یہ دوسرے کالستھ ساکن دریاباد ضلع بارہ بنکی صوبۂ اودھ

دسمبر ۱۹۲۴ء

اودم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب

دریاباد کی وجہ تسمیہ، اس کے بانی اور تاریخ بنا، آبادی وغیرہ کا بیان

دریاباد[۱] دیا دریا آباد - مشہور اور تاریخی قصبہ، لکھنؤ اور فیض آباد کے عین وسط میں چالیس میل کے فاصلہ سے آباد، طول البلد ۸۱ دقیقہ ۳۲ ثانیہ مشرقی اور عرض البلد ۲۶ دقیقہ ۵۳ ثانیہ شمالی پر واقع، بارہ بنکی سے ۲۴ میل پورب-

آئین اکبری، تاریخ غدر اودھ (انگریزی) بوستان اودھ، افضل التواریخ وغیرہ مین اسکا ذکر ہے -

واجب العرض دریاباد، ڈسٹرکٹ گزیٹیر بارہ بنکی اور دیگر کتابون مین جو کچھ دریاباد کے متعلق تحریر کیا گیا ہے اُسکا خلاصہ اُنھین کتابوں وغیرہ کے الفاظ مین حسب ذیل ہے-

(۱) بنیاد اس قصبہ کی ۸۳۰ھ (۱۴۲۶ء) سے ہے- وجہ تسمیہ و حال تاریخی یہ سنا جاتا ہے کہ بعہد سلطان مرزا بادشاہ دریا خان صوبہ دار مقرر ہو کے ملک اودھ مین آئے اور مقام محمود آباد مین کہ قلعہ بادشاہی تھا قیام پذیر ہوئے- چونکہ اس مقام پر جنگل کثرت سے تھا اور قوم بھرٔ نے یہان شورش و فساد کر رکھا تھا صوبہ دار موصوف نے قوم بھرٔون کو تنبیہ و خارج کیا بعد تسلط و انتظام کے جنگل کٹوا کے قلعہ تعمیر کرایا و بنیاد آبادی قصبہ کی بنام نہاد اپنے قایم کی- از نقل واجب العرض دریاباد ۲۱ فروری ۱۸۶۸ء (۲) ایک مسلمانی پرانا قصبہ ہے- محمد شاہ والی جونپور کے فوجی افسر دریا خان نے اس کو پندرھوین صدی مین آباد کیا تھا تاریخ ۱۴۴۴ء اس کے بننے کی ملتی ہے - از ڈسٹرکٹ گزیٹیر بارہ بنکی (۳) دریاباد پُرانا مسلمانون کا قصبہ آباد کردہ دریا خان افسر فوج محمد شاہ جونپوری ہے - از جغرافیہ ضلع بارہ بنکی مرتبہ ٹھاکر رگھُنندن سنگھ صاحب ورما، مطبوعہ روشن لال پریس لکھنؤ ۱۹۱۳ء (۴) اُس وقت ابراہیم شاہ جونپور سلطنت کر رہے تھے اور دلی کے لودھی خاندان بادشاہون سے (۱۴۵۰ء لغایت ۱۵۲۶ء) ادھر میں لڑائی ہو رہی تھی بیٹھیا بہرلیا، رکیوار چھتری خاندان کے لوگ وقتاً فوقتاً زور آور ہوجایا کرتے تھے اور سلطنت میں بدامنی قایم کر دیتے تھے ۔

[۱] اس نام سے الٰہ آباد مین ایک محلہ اور کشمیری کے ضلع میں ایک چھوٹا سا موضع بھی ہے - یہ مقامات دریا کے قریب بستیں مین تھے اسکی وجہ سے دریا بات ہمیں یا بھی یہی خیال ہوتا تھا جب نئیں بڑا کر آباد کیا گیا تو دریا آباد کے نام سے موسوم ہوئے ۱۲ کسی تاریخ سے اِن بادشاہوں کا پتہ نہیں چلتا ۱۲

دریاخان نے دریاباد قائم کیا تھا۔ ارجغرافیہ ضلع بارہ بنکی مولفہ منشی مقبول احمد صاحب، مطبوعہ سیٹھ کسدن لال پریس لکھنؤ، سنہ ۱۹۱۶ء (۵) حضرت مخدوم آکش دریابادی کے ارشاد کے موجب دریاخاں عامل نے جو سلطان شرقیہ جونپور کی طرف سے محمود آباد میں تعینات اور شاہ صاحب موصوف کے معتقد تھے، دریاباد کی بنیاد ڈالی تھی۔ ارحدیقۃ الارض[۱] فارسی قلمی"۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دریاباد کو دریاخان صاحب نے پندرھوین صدی مین آباد کیا تھا۔ لیکن، واجب العرض دریاباد سے پایا جاتا ہے کہ دریاباد اُس وقت ویرانہ نہ تھا، بلکہ جنگل کی صورت میں بھر قوم سے آباد تھا، جسے دریاخان صاحب نے خارج کرکے اس مقام پر شائستہ لوگون کی آبادی قایم کی جس کا نام دریاباد رکھا گیا۔ بھر قوم راجہ بھوج کے بعد ہندوؤن سے علیحدہ ہوکر غیر مہذب اور نیم وحشی قومون کی طرح اودھ کے مختلف مقامات پر آباد ہوگئی تھی جس کا تعلق ہنود کے ادنیٰ فرقہ سے تھا۔ اس قوم کے باشندے مہذب اور شائستہ لوگون سے دور رہتے اور مقام سکونت کو جھاڑی، جنگل سے پوشیدہ رکھتے تھے۔

علمی طبقہ کے علاوہ عام طور پر بھی یہی مشہور ہے کہ "دریاباد کو دریاخان نے بسایا تھا"۔ لیکن، دریاخان صاحب کی نسبت بعض بزرگون کی رائے ہے کہ "وہ سلطنت دہلی کے افسرون مین سے تھے، اُنھون نے دریاباد آباد کیا تھا"۔ چنانچہ راقم کے اوستاد مخدومی و مکرمی جناب منشی نوبت رائے صاحب نظرؔ (لکھنوی) ایک مرتبہ برسبیل تذکرہ بیان فرماتے تھے کہ "ہمارے والد مرحوم کہتے تھے کہ جس وقت ہم دریاباد ورناکیولر اسکول (سنہ ۱۸۹۰ء) میں ہیڈ ماسٹر تھے، ہمنے دریاباد کے اکثر ذی علم حضرات سے سُنا تھا کہ دریاخان نامے بادشاہ دہلی کے ایک معزز عہدیدار تھے اُن کے حکم سے دریاباد کی بنیاد پڑی تھی"۔ مولانا مفتی کاظم علی صاحب نے سر اکے ایک مقدمہ مین بیان کیا ہے کہ "قلعہ (متعلقہ دریاباد) دریاخان نے عہد سلطان غوری (آخر بارھوین صدی عیسوی) مین تیار کرایا تھا"[۲] اس سے دریاباد کی بناء بارھوین صدی کے اندر معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ قلعہ کی تعمیر آبادی کا ثبوت ہے، خواہ آبادی قایم ہونے کے بعد قلعہ تعمیر ہوا ہو، یا آبادی کے ساتھ ساتھ، خواہ چند روز قبل۔ آلھا گانے والے مشہور بزرگ، "تاطھن سید بنارس والے صوبہ جون بارھوین کیرۂ علی اللہ دل یاور دریاخان عرف علی بیگ سلطان"، گاکر بیان کرتے ہین کہ سید تاطھن آلھا اودل کے دوست تھے اور جے چند والی قنوج کے ہم جلیسون مین ممتاز تھے۔ بنارس مین اُن کا عالی شان مکان ابتک موجود ہے جو آنکی نسل والون کے قبضہ مین ہے۔ مہاراجہ بنارس بھی اُن کی خاص عزت کرتے تھے۔ وہ بڑے بہادر اور ہنود کے خیرخواہ تھے۔ آلھا اودل کے ساتھ مہاراجہ پرتھی راج کے خلاف جے چند کی طرف سے جنگ مین شریک ہوکر (زمانہ جنگ بارھوین صدی عیسوی) مارے گئے تھے۔ دریاخان نے دریاباد، علی بیگ نے علی آباد کی بنیاد ڈالی تھی۔

---

[۱] اسے دریاباد کے حکیم امداد احمد صاحب نے تالیف فرمایا تھا۔ میان جمیل احمد صاحب کے پاس موجود ہے۔ [۲] نقل فیصلہ مولوی کاظم علی گواہ مثل مقدمہ نمبری ۵۹۰، فیصلہ ۲۴ دسمبر سنہ ۱۸۸۶ء اجلاس مولوی سید اکبر علی صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر اسسٹنٹ کمشنر ضلع بارہ بنکی، راجہ سرامید سنگھ تعلقہ دار سرائے اکرام پلی تعلقہ دار دریاباد مدعا علیہ متعلقہ مسجد کی سرا ۱۲

اُس وقت بنارس اور قنوج، دہلی وغیرہ کی آمد و رفت کا راستہ دریاباد اعلیٰ آباد ہو کر تھا۔ اور یہ دونوں بھائی تاطعن سید کے بیٹے تھے، جو ہ کے بزرگ سید سالار مسعود غازی کے زمانے میں ہندو سے مسلمان ہو گئے تھے“۔ اس بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دریاباد کو آباد ہوئے آج تک کم و بیش آٹھ سو برس ہو گئے، جو غالباً والی بنارس اور والی قنوج کی سرپرستی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے منور شہید کے بارہ میں اکثر بزرگوں کی زبانی سُنا گیا ہے کہ ”وہ سید سالار کے زمانے میں دریاباد کے مقام پر شہید ہوئے تھے، جو سید سالار کے ہمراہ ادھر کی طرف آئے تھے“۔ سید سالار کا زمانہ سلطان محمود غزنوی کا زمانہ ہے، جس نے ۱۰۰۰ء میں ہندوستان پر حملہ کرنا شروع کیا تھا۔ اس سے دریاباد کی بستی نو سو برس سے بھی پہلے کی ثابت ہوتی ہے۔ مندر دالاجشم بیدواقعہ بھی دریاباد کی قدامت پر گہری روشنی ڈالتا ہے، جو غلام مولیٰ چابک سوار کے احاطہ میں زمین کے اندر سے برآمد ہوا تھا، جس کی نسبت سُنا جاتا ہے کہ اب سے بیس بائیس برس ہوئے غلام مولیٰ کے مکان کے زنانے حصے میں زمین دھنس جانے کے باعث کھدائی شروع ہونے پر ایک پختہ شیوالہ نما گنبد والا مندر نمودار ہوا، جو تخمیناً ۱۲ فٹ چوڑا اور ۲۴ فٹ بلند تھا۔ اندرونی حصے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ مندر ابھی حال ہی میں تعمیر ہوا ہے اور سفیدی کی گئی ہے۔ مندر کی مورتیں دھات کی تھیں، جن میں ایک مورت کی شکل باگھ کی تھی۔ ایک بڑے طاق پر ایک کرم خوردہ اور بوسیدہ قلمی کتاب بھی رکھی ہوئی تھی، جس کے اوراق باہم چسپاں تھے، ضخامت تخمیناً ڈیڑھ سو اوراق، فسانہ عجائب کلاں کی تقطیع۔ ایک آہنی سنسا بھی اِس پوتھی کے پاس رکھا ہوا تھا۔ چھیدی سراوک نے بیس روپیہ غلام مولیٰ کو اس غرض سے دئے تھے کہ مندر کی مورتیں ہمکو دیجائیں۔ لیکن، غلام مولیٰ نے صرف باگھ والی مورت چھیدی کو دی تھی، باقی مورتوں اور سنسے کا حال بالکل پوشیدہ رہا۔ مندر کی اینٹیں غلام مولیٰ نے بیچ ڈالیں اور اس طرح تمام مندر منہدم ہو کر بے نام ونشان ہو گیا۔ اس مندر کا حال عام طور پر لوگوں کو اُس وقت معلوم ہوا، جبکہ سارا مندر قریب قریب نیست و نابود ہو گیا، صرف زیریں حصے کی کچھ کچھ دیواریں باقی رہ گئی تھیں اور صدر دروازہ موجود تھا“۔ قاضی حاجی حسن صاحب، چھیدی سراوک ٹھاکر پرشاد عطار اور دیگر لوگ اس حیرت انگیز واقعہ کی تصدیق کرتے ہیں، جس سے صرف مندر کی تعمیر کا زمانہ آج تک ہزار برس سے کم نہیں ثابت ہوتا، اور مندر کا وجود آبادی کی عین دلیل ہے۔ اسی طرح یہ دوسرا واقعہ بھی کچھ کم معنی خیز نہیں، جس کے متعلق ٹھاکر پرشاد عطار کا بیان ہے کہ ”تخمیناً بیس پچیس برس کا زمانہ ہوتا ہے، چھٹنکی محل کے تہ خانے میں اس قسم کے بہت سے برتن (پھول کی تھالیاں، پیتل کی پراتیں) دیکھے گئے تھے، جو بظاہر مضبوط اور نئے معلوم ہوتے تھے، مگر قابل استعمال نہ تھے۔ چھو لینے سے ایک چمکتی ہوئی خاک کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگتا تھا“۔ اس موقع پر فقط اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ چھٹنکی محل دریاباد کے محلوں میں سے ایک مشہور و معروف محل تھا اور محققین کے نزدیک دھات کے برتن ہزار پانچ سو برس کے اندر زنگ آلود ہو کر بیکار

ملہ دریاباد کے باہر دکھن طرف مرے تالاب کے پاس اِن کا مزار اب تک موجود ہے، ہر سال عرس ہوتا ہے ۱۲ ملہ دھات میں مورچہ نہیں لگتا، لیکن جب ایسے خاص ترکیب کے ذریعہ آنچ میں گلا کر کوئی چیز تیار کی جائیگی تو غیر مستعمل ہونے کی صورت میں ایک مدت کے بعد زنگ آلود ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ۱۲ –

اُس وقت بنارس اور قنوج، دہلی وغیرہ کی آمد و رفت کا راستہ دریاباد، اعلیٰ آباد ہو کر تھا۔ اور یہ دونوں بھائی تاطھن سید کے بیٹے تھے، جو کہ بزرگ سید سالار مسعود غازی کے زمانے میں ہندو سے مسلمان ہو گئے تھے"۔ اس بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دریاباد کو آباد ہوئے آج تک کم و بیش آٹھ سو برس ہو گئے، جو غالباً راجائی بنارس اور راجائی قنوج کی سرپرستی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے منور شہید[1] کے بارہ میں اکثر بزرگوں کی زبانی سُنا گیا ہے کہ "وہ سید سالار کے زمانے میں دریاباد کے مقام پر شہید ہوئے تھے، جو سید سالار کے ہمراہ اودھ کی طرف آئے تھے"۔ سید سالار کا زمانہ سلطان محمود غزنوی کا زمانہ ہے، جس نے سنہ ۱۰۰۰ء میں ہندوستان پر حملہ کرنا شروع کیا تھا۔ اس سے دریاباد کی بستی نوسو برس سے بھی پہلے کی ثابت ہوتی ہے۔ مندرجہ ذیل چشم دید واقعہ بھی دریاباد کی قدامت پر گہری روشنی ڈالتا ہے، جو غلام مولیٰ چابک سوار کے احاطہ میں زمین کے اندر سے برآمد ہوا تھا، جس کی نسبت سُنا جاتا ہے کہ اب سے بیس بائیس برس ہوئے غلام مولیٰ کے مکان کے زنانے حصے میں زمین دھنس جانے کے باعث کھدائی شروع ہونے پر ایک پختہ شیوالہ نما گنبد والا مندر نمودار ہوا، جو تخمیناً ۱۲ فٹ چوڑا اور ۲۴ فٹ بلند تھا۔ اندرونی حصے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ مندر ابھی حال ہی میں تعمیر ہوا ہے اور سفیدی کی گئی ہے۔ مندر کی مورتیں دھات کی تھیں، جن میں ایک مورت کی شکل باگھ کی تھی۔ ایک بڑے طاق پر ایک کرم خوردہ اور بوسیدہ قلمی کتاب بھی رکھی ہوئی تھی، جس کے اوراق باہم چسپاں تھے، ضخامت تخمیناً ڈیڑھ سو اوراق، فسانہ عجائب کلاں کی تقطیع ایک آہنی سنسا بھی اس پوتھی کے پاس رکھا ہوا تھا۔ چھیدی سراوک نے بیس روپیہ غلام مولیٰ کو اس غرض سے دئے تھے کہ مندر کی مورتیں ہمکو دیجائیں۔ لیکن، غلام مولیٰ نے صرف باگھ والی مورت چھیدی کو دی تھی، باقی مورتوں اور سنسے کا حال بالکل پوشیدہ رہا۔ مندر کی اینٹیں غلام مولیٰ لے بیچڈالیں اور اس طرح تمام مندر منہدم ہو کر بے نام و نشان ہو گیا۔ اس مندر کا حال عام طور پر لوگوں کو اُس وقت معلوم ہوا، جبکہ سارا مندر قریب قریب نیست و نابود ہو گیا، صرف زیرین حصے کی کچھ کچھ دیواریں باقی رہ گئی تھیں اور صدر دروازہ موجود تھا۔ قاضی حاجی حسن صاحب، چھیدی سراوک، ٹھاکر پرشاد عطار اور دیگر لوگ اس حیرت انگیز واقعہ کی تصدیق کرتے ہیں، جس سے صرف مندر کی تعمیر کا زمانہ آج تک ہزار برس سے کم نہیں ثابت ہوتا، اور مندر کا وجود آبادی کی عین دلیل ہے۔ اسی طرح یہ دوسرا واقعہ بھی کچھ کم معنی خیز نہیں، جس کے متعلق ٹھاکر پرشاد عطار کا بیان ہے کہ "تخمیناً بیس پچیس برس کا زمانہ ہوتا ہے، چھٹنکی محل کے تہ خانے میں اس قسم کے بہت سے برتن (پھول کی تھالیاں، پیتل کی پراتیں) دیکھے گئے تھے، جو بظاہر مضبوط اور نئے معلوم ہوتے تھے، مگر قابل استعمال نہ تھے۔ چھو لینے سے ایک چمکتی ہوئی خاک کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگتا تھا"۔ اس موقع پر فقط اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ چھٹنکی محل دریاباد کے محلوں میں سے ایک مشہور و معروف محل تھا اور محققین کے نزدیک دھات کے برتن ہزار پانچ سو برس کے اندر زنگ آلود ہو کر بیکار

[1] دریاباد کے باہر دکھن طرف بڑے تالاب کے پاس ان کا مزار اب تک موجود ہے، ہر سال عرس ہوتا ہے ۱۲۔ [2] دھات میں مورچہ نہیں لگتا، لیکن جب اسے خاص ترکیب کے ذریعہ آنچ میں گلا کر کوئی چیز تیار کی جائیگی تو غیر مستعمل ہونے کی ساء پر ایک مدت کے بعد زنگ آلود ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ۱۲۔

فضلِ خدا افزون باد۔ یہ ہین وہان مہتمم دائرہ ساہتیہ پاٹھر منشی بہاری لال صاحب گوڑ الہ آبادی بجواب خطِ راقم الحروف رقم طراز ہین:۔ "جہان تک مین نے سنا ہے میرا خاندان بھی دریابادی ہے۔ دریاباد سے کسی بزرگ نے موضع یوسر ضلع فیض آباد مین سکونت اختیار کی۔ قانونگوئی کا سلسلہ تھا۔ میرے دادا منشی ہنومان پرشاد صاحب نے اپنی سسرال مین بمقام الہ آباد قیام اختیار کیا، اس وقت سے ہم لوگ الہ آباد مین ہین۔" ان تحریرون سے پایا جاتا ہے کہ دریاباد مین گوڑ کایستھ آباد تھے، اور اُنھون نے اب سے دو سو برس قبل یہان سے علیحدگی اختیار کرلی تھی۔ بختیار خلجی نے سنہ ۱۲۰۲ء مین بنگال پر حملہ کیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دریاباد مین گوڑ کایستھون کی بنیاد اب سے ساڑھے چھ سو برس پیشتر قائم ہوچکی تھی، جسکے یہ معنی ہوئے کہ دریاباد سنہ ۱۲۰۲ء مین آباد تھا۔

تذکرۂ ستوجائرونشی مولفہ پروفیسر رامداس گوڑ، سابق، ایم اے حصۂ اول صفحہ ۱۰۱ مین لکھا ہے: "مقامی روایات اور تحریراتِ رائجۂ سلف سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرھوین صدی عیسوی مین مقامات بنارس و کول اضلاع (کیتھولی) و نظام آباد و یوسر و سڑہر و دریاآباد مین اس فرقہ کے لوگ آباد ہوئے اور چودھوین صدی عیسوی مین گرد و نواح دہلی و دہلی و گوالیار و دیتا و مضافات خاندیش و اورنگ آباد و راجپوتانہ و ادے پور و دیگر مقامات وسط ہند مین بباعث دباؤ گوڑ دیش سے بھاگ کر گوڑ اصحاب آباد ہوئے۔ شروع اٹھارھوین صدی عیسوی مین گوڑ کایستھ دریاباد سے اٹھ گئے اور بسلسلۂ تلاش دوسرے مقامون مین آباد ہوگئے۔" اس سے بھی دریاباد گیارھوین صدی عیسوی مین آباد پایا جاتا ہے۔

ہمین تین مطبوعہ کانکبج ونشاولیان اقوام جیا برہمنون کی تاریخین اٹری تلاش سے دستیاب ہوئی ہین جن مین نیھنو و سدھ ناتھ اوستھی، کندرو بابو رام اگن ہوتری، شانت دیچھت اور جھمراج مشر کا ذکر ہے۔ ان معزز برہمنون کو آپ سیج گوتر کے مشاہیر مین جگہ دی گئی ہے اور انھین دریابادی لکھا ہے جنھون نے اپنے اصلی وطن کو خیرباد کہ کر دریاباد مین مدات خاص سکونت اختیار کی تھی۔ یہ تاریخین مختلف پنڈتون کی تالیف سے مختلف پریسون اور مختلف وقتون مین چھپ کر شائع ہوچکی ہین۔ پہلی کانکبج ونشاولی مطبوعہ کانپور ہے۔ دوسری کانکبج جنتاس ہے، جو سوامی ودیا پرکاش درجن پوری ضلع سج گڈھ کی تالیف ہے اور لکشمی وینکٹیشور پریس بمبئی مین طبع ہوئی ہے۔ تیسری کانکبج ونشاولی مولفہ پنڈت نارائن دت مشر لکھیم پوری (اودھ) ہے۔ یہ شری وینکٹیشور بمبئی مین (سمبت ۱۹۲۹ بکرمی) چھپی ہے۔ اسکی تالیف مین سمبت ۱۵۱۰، سمبت ۱۶۲۵، سمبت ۱۵۱۵، سمبت ۱۸۳۵ بکرمی یعنی ساڑھے چار سو، ساڑھے تین سو، ڈھائی سو اور ڈیڑھ سو برس کی سنسکرت پوتھیون سے مدد لی گئی ہے۔ کانکبج ونشاولی نمبر ۳ مین لکھا ہے کہ آپ سیج گوتر مین بیس پشت تک خاندان کو ترقی دیے اور خاندان کا نام روشن کرتے ہوئے بزرگون کا سلسلہ قائم رہا۔ ہر سہ تاریخون کی مدد سے شجرہ بنانے پر معلوم ہوتا ہے کہ پہلی پشت مین بھوپا پنڈت کے بیٹے جانی، دوسری مین **نیھنو**، تیسری مین کمل، چوتھی مین گوپی، پانچوین مین دھرمائی، چھٹی مین دیودت و **سدھ ناتھ**، ساتوین مین **کندرو** سہاری، آٹھوین مین ریپی، نوین مین کوپہ تانڈو، دسوین مین دیوراج، گیارھوین مین گھرداس، بارھوین مین سو، تیرھوین مین نردکیتم، چودھوین مین بالو، پندرھوین مین ٹلو، سولھوین مین مدری، سترھوین مین سیوکی، اٹھارھوین مین گوپال، انیسوین مین **جھمراج** مشر

بیسوین پُشت میں لکا دہن وغیرہ بزرگ گذرے ہین - اس تفصیل کے مطابق حسب دستورِ زمانہ (فی پشت ۳۰ برس کے حساب سے) بنھو سے لکادہن تک اُنیس پشتون کی مدت ۵۷۰ برس ہوتی ہے اور چونکہ جمراج مسترا در لنکا دہن کو گذرے ہوئے اتنا زمانہ ہوا کہ لوگ ان کے نام سے بھی واقف نہیں - صرف بعض سن رسیدہ بزرگون کی زبانی اسی قدر سُننے مین آیا ہے کہ دریاباد کی مسترون سے بھی نگیتہ کیا تھا اور کسی وقت ان کا بھی ستارہ بلندی پر تھا اس لیے ان بزرگون کا زمانہ تین چار سو برس سے بھی زیادہ پایا جاتا ہے - لیکن، اگر کم و بیش صرف تین ہی سو برس مان لیا جائے تو بھی بنھو مہراج کا دریاباد مین آباد ہونا اب سے ساڑھے آٹھ سو برس قبل ثابت ہوتا ہے اور یہ دلیل ہے اس امر کی کہ دریاباد کی بستی سنہ ۹ھ (نوین صدی عیسوی) میں موجود تھی - اب یہ بات روزِ روشن کی طرح آشکارا ہو گئی کہ دریاباد نہایت ہی قدیم قصبہ ہے، جس کی بنیاد دائی جو یوریا سلطان دہلی کے معزز افسر دریاخان صاحب کے صدہا برس پیشتر ہندوؤن کے عہدِ حکومت مین ڈالی گئی تھی - لیکن، اس کے اصل بانی اور سنگِ بنیاد کی تاریخ کا پتا لگانا ایک ایسا مشکل عقدہ نظر آتا ہے، جس کا حل کرنا لوہے کے چنے چبانے سے کم نہین -

دریاباد کے قدیم پنڈت دن جیونارائن مسترا اور رام پرشاد مسترکی لکھی ہوئی اب سے سو ڈیڑھ سو برس پہلے کی دو پوتھیان دیکھنے مین آئی ہین - پہلی پوتھی کا نام بھگونت کتھا سکرسیہ میوکہ[1] ہے، دوسری کا نام ادھیا تم راماین[2] یہ دونون سنسکرت زبان مین ہین - ان پوتھیون کے آخری صفحہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دریاباد کا اصلی نام دَرِدَرا واد تھا، جسکے مُرادی معنی سنسکرت مین (لفظی معنی جہان کے باشندے بخیل نہ ہون) "پُرفیض بستی" کے ہین[3]، تحقیقات سے پایا جاتا ہے کہ اکبری دَور مین اسکو دریاباد کے نام سے شہرت ہو گئی تھی - لیکن، اکثر سنسکرت دان پنڈت اب سے سو برس قبل یعنی غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے زمانے تک اِسے "دَرِدَراواد" ہی لکھتے رہے نصیرالدین حیدر بادشاہ کے عہدِ حکومت مین یہ سلسلہ بھی منقطع ہو گیا اور پنڈت لوگ بھی اپنی پوتھیون مین دریاباد لکھنے پر آمادہ نظر آنے لگے، اُس وقت سے بجائے "دَرِدَراواد" کے دریاباد نام عام طور پر اچھی طرح رائج اور مقبول ہو گیا -

ضلع کی تاریخ اور جغرافیہ بارہ بنکی مین اسے مسلمانی قصبہ لکھا ہے - لیکن، گزیٹیر کے فاضل مؤلف نے خود

---

[1] پنڈت مہادیو پرشاد کے پاس موجود ہے ۱۲ [2] پنڈت رام ادھین کے یہاں موجود ہے ۱۲ [3] اس نام کی نسبت ہمارے ایک وطنی عنایت فرما ارشاد فرماتے ہیں کہ بعض لوگ یہ اعتراض کر سکتے ہین کہ ہندوستیون کے نام کے آخر میں پُر یا نگر کا لفظ ہونا لازمی ہے، "دردراداد" میں داد کا لفظ ناموزون اور غیر فصیح معلوم ہوتا ہے - اس کے جواب مین صرف اسی قدر گذارش ہے کہ معترضین حضرات، پریاگ، گجنی، گاندھار، گڑھ، متھرا، لاہور، دلی، آگرہ جگناتھ، ہردوار، پاٹلی پوتر، گیا، امدیبست، گومتی، بہرائچ، بریلی، اناؤ، پرتاب گڈھ، بکسر، تلا، ہردوئی، پیلی بھیت، کمایون، گڑھوال، نینی تال، بھوپال، الموڑھا، کھیری، کالپی، چندوسی، جالون، جھانسی، اُجین، سندرابن، ندگانون، برسانہ، گوکل، رانی مئو - دلمئو، ٹیکا، آٹا، دھاوان، سکرودھا، چرہار، دھمی، براس، ایچوئی، کوٹا، اندور، مالوہ، ملتان، گولا، گورکرن، نیم سار، مسترکھ وغیرہ ناموں پر غور فرما کر ایسا اطمینان کرلین، جو پُر یا نگر کی قید سے بالکل آزاد نظر آتے ہین اور فصاحت و دلچسپی مین بھرت پور، ہستنا پور، جونپور، گورکھپور، دھارانگر، متھلانگر، دوبارکا، ورتس نگر وغیرہ سے کسی طرح کم نہیں ۱۲

سنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق دریا باد کی آبادی ۵۹۲۸ لکھی ہے، جس مین ۳۱۵۲ ہندو اور ۲۶۴۰ مسلمان، ۱۳۶ دیگر فرقے شامل کئے گئے ہیں، اس وقت بھی ہندوؤن کی تعداد غالب ہے۔ اس سے دریا باد کو ہندووانی بستی یا ہندو مسلمان کی مشترکہ آبادی کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مختلف روایات و تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دریا باد کی بستی بہ لحاظ اپنی تمدنی ترقی کے بہت ممتاز درجہ رکھتی تھی لیکن، ہندوؤن کے زمانے سے اوائل سلطنت مغلیہ تک اسکی صحیح حالت کا اندازہ کرنے کے لیے نہ کوئی تاریخی ثبوت ملتا ہے نہ مستند تحریر۔ ہمایون شاہ کے بعد جو تاریخین وغیرہ لکھی گئی ہین، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ اکبر کے عہد مین دریا باد مشہور قصبہ و پرگنہ ہونے کے علاوہ ایک بہت بڑا محال بھی تھا جسے سرکار اودھ کے جملہ محالون پر فضیلت حاصل تھی۔ مرزا عبدالرحمن صاحب (ولد موتمد بیگ) یہان کے حاکم تھے۔ اُس وقت اس کا رقبہ ۴ لاکھ ۷۸ ہزار ۱۴ بیگھہ تھا، مالگذاری و محاصل ۵ لاکھ ۳۶ ہزار ۹۵۲ روپیہ۔ ایک سَو سوار تعینات تھے، پیدل فوج کی تعداد دو ہزار تھی، جس مین راجپوت چوہان، رَیکوار چھتری فرقہ کے لوگ شامل تھے۔ پختہ اینٹون کا قلعہ موجود تھا۔ ماخوذ از ملفوظات[۱] حاجی مصطفیٰ قلمی، آئین اکبری انگریزی ایڈیشن، صفحہ ۱۷۴، جلد ۲ مطبوعہ سنہ ۱۸۹۱ء کلکتہ اور آئین اکبری فارسی صفحہ ۸۰، کالم اول مطبوعہ سنہ ۱۸۶۲ء، نولکشور پریس لکھنؤ، بیان سرکار اودھ خمسہ[۲] مصنفہ نثار دہلوی۔

منتخب التواریخ (مولفۂ نثار دہلوی) مین لکھا ہے :۔ "سرواپالی و لاہرپور مضاف صوبہ اودھ و سرکار خیرآباد و دریا باد" "سرکار خیرآباد و دریا باد" مین لفظ "سرکار اور" "واو عطف" سے پایا جاتا ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب کے بعد دریا باد صوبہ اودھ کے سرکارون مین سے ایک سرکار یعنی چیف کمشنری کے درجہ پر تھا۔ لیکن، نواب صفدر جنگ کے عہد کی شاہی تحریرون سے پتہ چلتا ہے کہ نوابی زمانے مین انتظام جدید کے وقت، جبکہ اکثر سرکارین شکست ہوکر چکلہ و نظامت قرار دی گئی تھین، دریا باد کی سرکار بھی تخفیف مین آگئی تھی۔

نواب شجاع الدولہ بہادر کا دور حکومت (۱۱۶۷-۱۱۸۸ھ) شروع ہوتے ہی یہ ایک چکلہ قرار دیا گیا۔ نواب سعادت علیخان بہادر (۱۲۱۲-۱۲۲۹ھ) کے زمانے مین محالات رُدولی و سورجپور وغیرہ شامل کرکے اسے ایک بڑا چکلہ بنا دیا گیا اور "دریا باد رُدولی" نام رکھا گیا[۳]، جس کی آمدنی اُس وقت ۵ لاکھ ۵۸ ہزار تھی[۴]۔ تھوڑے ہی دنون کے بعد غازی الدین حیدر بادشاہ (۱۲۲۹-۱۲۴۳ھ) کے حکم سے نظامت[۵] کا دفتر بھی یہان قایم ہوگیا اور کئی ایک چکلے اس مین شامل کردئے گئے۔ توپخانہ اور فوج مین بھی بہت کچھ اضافہ ہوا۔ آخر زمانۂ واجد علی شاہی تک بدستور یہی شان قایم رہی۔

---

[۱] مولوی عبدالماجد صاحب بی اے (دریاباد) کے کتب خانہ مین موجود ۱۲ [۲] پروفیسر رام داس گوڑ سارسی کے کتب خانہ مین موجود ۱۲

[۳] یہی وجہ ہے کہ آج تک عوام مین دریا باد کو "دریاباد رُدولی" کے نام سے شہرت ہے ۱۲ [۴] ملاحظہ ہو تاریخ بوستانِ اودھ مولفہ راجہ درگا پرشاد صاحب مہر سندیلوی، ذکر نواب سعادت علی خان بہادر ۱۲ [۵] نظامت اور چکلہ کی تصدیق کے لئے تاریخ اجودھیا، صفحہ ۱۰۵، بوستان اودھ (ذکر نواب سعادت علیخان) اور شاہی پروانے جو کتاب ہذا مین جابجا درج ہین ملاحظہ ہون ۱۲۔

دریاباد صرف چکلہ (ضلع) اور نظامت (کمشنری) کے ناموں ہی سے نامزد نہ تھا،[۱] بلکہ دو محکمے کا صدر مقام بھی تھا۔ عامل اور ناظم قلعہ میں رہتے تھے۔ قلعہ سے ملحق توپخانہ تھا۔ بستی کے باہر فوج رہتی تھی۔ انھیں وجوہات کی بنا پر اسے ایک اچھا اور بارونق شہر بن جانے کا فخر حاصل ہوگیا تھا۔ عملۂ شاہی کے متعلق چند مشہور عہدہ داروں کے نام حسب ذیل ہیں۔ جن میں بعض بعض دریاباد کے خاص طور پر بہی خواہ بھی تھے۔

منشی ہرپرشاد صاحب چکلہ دار ۱۲۳۹ھ، راجہ گوپال بہادر چکلہ دار ۱۲۴۹ھ، راجہ رام ادھین سنگھ بہادر ناظم ۱۲۵۲ھ، میر خلیل احمد صاحب چکلہ دار ۱۲۵۳ھ، مرزا انور محمد بیگ صاحب عامل ۱۲۵۵ھ، راجہ دلسنگھ بہادر متوکل (عہد آصفی)، راجہ بختاور سنگھ بہادر ناظم ۱۲۶۷ھ، راجہ ہردت سنگھ بہادر چکلہ دار ۱۲۶۷ھ، کمیدان گردھارا سنگھ صاحب ناظم ۱۲۶۶ھ، سید حسن علی خان بہادر عامل ۱۲۷۰ھ، پاٹھک سندر لال و سیتا رام ناظم، باقر علی صاحب ناظم ۱۲۶۳ھ، سید نور علی صاحب چکلہ دار ۱۲۶۱ھ، مہابل سنگھ صاحب عامل ۱۲۶۴ھ، راجہ مان سنگھ بہادر قائم جنگ ناظم ۱۲۶۲ھ، مرزا مہدی علی خان صاحب ناظم، رائے بدری داس صاحب چکلہ دار، مرزا امجد بیگ صاحب عامل، پاٹھک امرت لال صاحب عامل ۱۲۲۵ھ، امیر خان صاحب[۱] کمیدان لکھنوی، حسن[۲] علی خان صاحب قندھاری رسالدار، کپتان سیتلا بخش، بخشی رام[۳] پرشاد، بخشی[۴] پران سنگھ۔

سُنا جاتا ہے کہ "میاں الماس[۵] علی خان صاحب جو نواب آصف الدولہ بہادر (۱۱۸۸ھ-۱۲۱۲ھ) کے منظور نظر اور اعزاز میں وزیر اعظم سے کم نہ تھے، اکثر لکھنؤ سے دریاباد آتے اور آبادی کے باہر خیموں میں ٹھہرا کرتے تھے۔ اس آمد و رفت کے سلسلے میں انھوں نے میاں گنج کی بُنیاد ڈالی اور اپنے رہنے کے لئے ایک نہایت نفیس اور قابل دید بارہ دری تعمیر کرائی، ساتھ ہی اس کے ہمراہیوں، اور گھوڑے، ہاتھی، نیز فوج وغیرہ کے واسطے مکانات بنوانے کے بعد میاں گنج سے دریاباد تک پختہ دکانوں کے ذریعہ بازار کی تیاری کا کام بھی جاری کر دیا۔ آبادی کا سلسلہ قائم ہونے لگا، دکانیں بننے لگیں۔ لیکن، اسی درمیان میں دفعتہً اُن کی طبیعت کچھ ایسی ناساز ہوگئی کہ وہ جانبر نہ ہو سکے اور اس طرح سارا منصوبہ خواب و خیال ہوگیا۔" بعضوں کا بیان ہے کہ "دورِ آصفی ختم ہو جانے سے یہ کارروائی خاک میں مل گئی"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الماس علی خان صاحب کو دریاباد سے خاص محبت تھی، جسے ترقی دینے اور زیادہ بارونق و دلچسپ بنانے کے لئے وہ خوشی سے لاکھوں روپیہ خرچ کرنے پر آمادہ ہوگئے تھے۔

نواب آصف الدولہ بہادر کے زرّین عہد میں اس قصبہ نے خصوصیت کے ساتھ ترقی کی تھی کہ ہر گلی کوچے میں

---

[۱] [۲] [۳] [۴] یہ حضرات اپنا آبائی وطن چھوڑ کر دریاباد میں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ حسن علیخان صاحب بڑے بہادر اور نامی گرامی رسالدار تھے۔ نواب سعادت علی خان بہادر کے وقت میں خوب شہرت پیدا کی تھی۔ میندّو خان صاحب کے رشتہ دار تھے۔ ان کا مکان مردہیا محلہ میں ایک عالی شان امیرانہ عمارت تھی، جس کا شکستہ پھاٹک اب سے آٹھ دس برس قبل موجود تھا۔ رسالدار صاحب نے ایک موضع بھی خرید کیا تھا ۱۲

[۵] یہ ایسے منتظم، ہر دلعزیز، اور وفادار و جاں نثار سلطنت تھے کہ سلیمن صاحب بھی تعریف کرتے ہیں ۱۲ (ارشاد لکھنؤ صفحہ ۱۲، مؤلفہ منشی احمد علی صاحب بی اے کاکوروی)

عموماً اور بازاروں میں خصوصاً ہر طرف چہل پہل نظر آتی تھی۔ ایک طرف دیوان روشن لال صاحب اور بھوانی سنکر دیکھیت ایسے محبانِ وطن کی کوششیں، دوسری طرف رکن الدولہ میاں الماس علیخان صاحب کی مہربانیاں، اسپر مستنزاد نواب صاحب بہادر ممدوح کا ہر ہفتہ یہاں قیام فرمانا، یہ سب ایسے اسباب تھے کہ جن سے دریاباد کی رونق میں اضافہ ہوجانا ایک قدرتی بات تھی۔ کہا جاتا ہے کہ نواب آصف الدولہ بہادر ہر آٹھویں دن لکھنؤ سے فیض آباد اپنی والدہ بہو بیگم صاحبہ کی ملاقات کو جایا کرتے تھے اور اسی آمدورفت کے سلسلے میں وہ اس مقام پر دو شب قیام فرماتے تھے۔ اس کی تصدیق جغرافیہ ضلع بارہ بنکی (مرتبہ منشی مقبول احمد صاحب) سے بھی ہوتی ہے جس میں لکھا ہے کہ "نواب آصف الدولہ کا فیض آباد سے لکھنؤ کو سلطنت منتقل کرنے میں دریاباد کو عروج ہوگیا، کیونکہ یہ ایک شب کے لئے بادشاہوں کا قیام گاہ بن گیا تھا۔ شاہی راستہ فیض آباد سے شجاع گنج، حیات نگر، دریاباد، صفدر گنج، نواب گنج ہوکر لکھنؤ کو تھا۔ یہ ایک چوڑی سڑک تھی اور اس کے کنارے سایہ دار درخت اور جابجا پختہ کنوئیں، مسجدیں اور سرائیں وغیرہ بھی تھیں۔ (صفحہ ۳۷) شاہی قیام اور میاں الماس علی خان صاحب کی خاص عنایت اس امر کی کافی شہادت ہے کہ دریاباد کی آب وہوا خوشگوار اور بستی خوبصورت و دلکش تھی، جسکی وجہ سے یہ قصبہ نہ صرف امیر پسند، بلکہ بادشاہ پسند بھی تھا۔

دریاباد کی خوشحالی اور پُررونق بازاروں کے بارہ میں حضرت قاسم شاہ فرماتے ہیں: "دریاباد ایسا روشن شہر لکھنؤ اور اجودھیا کے درمیان واقع ہے، جسکے باشندے کنول کے پھول کی طرح شگفتہ اور عیش و آرام سے زندگی بسر کررہے ہیں۔ یہاں ایسے ایسے کامل بزرگ پیدا ہوئے ہیں، جن کے نورانی فیض سے شہر میں چاروں طرف روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ قاضی عدل و انصاف میں مصروف ہیں، کہیں نام کو بھی بے انصافی نہیں ہونے پاتی۔ بنیے بقال ایسے نیک اور ایماندار ہیں کہ بستی کے لوگ اُن سے بہت راضی و خوش رہتے ہیں۔ مہاجن رحیم ہیں۔ یہاں کے بہادر سپاہی مخالفوں کو پھٹکنے نہیں دیتے۔ انتظام ایسا معقول ہے کہ راستہ میں مسافروں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی۔ ہر گلی اور بازار میں وہ رونق ہے گویا چمن کھلا ہوا ہے۔ خدا کے فضل سے کسی چیز کی کمی نہیں ہے، سب کچھ موجود ہے" (ترجمہ از ہنس جواہر بھاشا)

سطور بالا کی عبارت مظہر ہے کہ دریاباد کو قاسم شاہ کے وقت میں، جو نواب برہان الملک کی حکومت کا زمانہ (۱۱۴۶ھ) تھا، بجائے قصبہ کے شہر کے نام سے شہرت ہوگئی تھی۔ اسی زمانے کی لکھی ہوئی چند پوتھیاں اور بھی دیکھنے میں آئی ہیں، جن میں اسے "نگر" تحریر کیا گیا ہے۔ سنسکرت لغت میں نگر کے معنی شہر کے لکھے ہیں۔ چنانچہ حضرت سودا مرحوم نے اپنی ایک نظم میں دہلی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مصرعہ "نگر کبھو کسی عاشق کا یہ نگر" دل تھا۔" اس مصرعہ میں نگر سے مُراد شہر ہی ہے نہ کہ دیہاتی بستی یا گانوں۔ اگر بستی یا گانوں کے معنی لیے جائیں تو فصاحت کے

ف یہ صحیح نہیں۔ بہو بیگم صاحبہ کے پاس زر وجواہرات کا بیشمار خزانہ تھا۔ اس لیے میں نواب صاحب انکی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا مطلب حاصل کرتے تھے ۱۲

ساتھ ساتھ اصل مطلب کا بھی خون ہو جاتا ہے ۔

کسی وقت اس بستی کا رقبہ بہ شکل مستطیل طولاً دو ڈھائی میل اور عرضاً ایک میل سے کم نہ تھا۔ مشرق میں بلہری، لال گنج گوجر پور، سرائے سنگئی، گوبند پور، ہونسے پور، اور مغرب میں سرائے خواجگی و کسفر کے قریب تک مسلسل آبادی قائم تھی۔ بعض بزرگوں کی زبانی سنا گیا ہے کہ "پوربی، دلیسی، جالپا دیوی کے مندر آبادی کے اندر تھے۔ دریاباد سے پچھم طرف کسفر اور سرائے خواجگی کے درمیان اور پورب لال گنج و بلہری تک جا بجا کھیتوں میں زمین دوز پختہ نیوین، اور بکثرت اینٹیں، روڑے، عمارتی کنکر دیکھنے میں آئے ہیں"۔ اِس وقت بھی بعض بعض مقامات پر ایسے نشانات موجود ہیں جنھیں دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ یہاں کبھی پختہ عمارتیں تعمیر ہوئی ہونگی۔

یہاں ہر قسم کے باشندوں کی کثرت تھی، جو اپنے مکان و سکنہ کے بذات خاص مالک[1] تھے۔ ہر فرقہ و ہر پیشہ کے لوگ آباد تھے۔ عالم، فاضل، پنڈت، ویدانتی، شاعر، انشا پرداز، درویش، مہاتما، پہلوان، سپاہی، ماہرین فن، رئیس شریف، فیاض، شوقین سیٹھ، مہاجن، وغیرہ وغیرہ بھی طرح کے لوگ موجود تھے جن میں قاسم شاہ (مصنف ہنس جواہر) ادبی حلقہ میں، حکیم مولوی نور کریم صاحب (مصنفہ شفاء الامراض) طبی جماعت میں، سنگئی ساہ جین طبقہ میں اس وقت بھی دور دور تک مشہور ہیں۔ اودھی، ددھیت، اگن ہوتری، مشر بھی کا بیج برہموں میں (اودھ سے دہلی و آگرہ تک) خاص شہرت رکھتے ہیں۔ تعمیرات کے ذیل میں پختہ مکانات بہت زیادہ اور خام بہت کم تھے۔ عمارتوں کا دوسرا سلسلہ زبردست تھا، تین تین، چار چار، پانچ پانچ منزل والی حویلیاں بھی متعدد تھیں عظیم الشان محل بھی تعمیر تھے۔ امام باڑے، کوٹھیاں مندر، مسجد، وغیرہ کے متعلق بھی بہت سی عمارتیں تھیں۔ سیر و تفریح کے لئے باغات بھی تھے اور پھلواریاں بھی آراستہ کی گئیں تھیں۔ آٹھ پختہ سرائیں، چار دھرم شالے، پانچ منڈیاں، سات بازار، بچاس محلے اور چونتیس[؟] پھاٹک قائم تھے، جن میں سے دو بازار، ۱۹ محلے معمولی حیثیت[2] سے اب بھی موجود۔ محلوں، منڈیوں اور بازاروں وغیرہ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) دسوالن ٹولہ عرف جوہری محلہ (۲) بازداران (۳) سواران (۴) خاسرادہ (۵) گوبند پور۔ (۶) ہونسے پور رائے گنیشی لال صاحب بہادر کے فیصلہ کے مطابق ۱۸۶۲ء تک شامل دریاباد، بعد اس کے موضع کی حیثیت سے علیحدہ ہونے ہی لاپتا (۷) قضیانہ، قاضیوں کا آباد کردہ، عرصہ سے مخدوم زادگان میں شامل واجب العرض دریاباد سنہ ۱۸۶۷ء میں اس کا ذکر ہے (۸) سنگئی گنج (۹) میران نگری، بانی میر محمد غوث، عرف

---

[1] ملاحظہ ہو نقل سجل شاہی بعقد سہ جہراتی سیر سازنام چودھری سیں علی، اجلاس وزارت العالیہ شاہ اودھ، ۲۳ ربیع الاول ۱۲۵۴ھ ۔ یہ نقل میاں عبد الرشید صاحب کے پاس موجود ۱۲ [2] برداری محلہ، برتا گنج، کھنی تلے، ٹھکانہ، سراوگی، دکھنیانہ، ٹھیا عرف کرمیں ٹولہ (خاص کرمیوں کی آبادی) منبوٹی چوہٹہ، سیر جی بازار، مخدوم زادگان، چودھریان، محرران، کٹرہ ردش، لال ٹبے تلے، مرداہی، پورہ حسن علی، چھیپی، سقلان، گھٹر یالی۔ ماخوذ از کاغذات مردم شماری و رجسٹر ہوس ٹیکس ۱۲ ۔

میران غوث۔ پچاس ساٹھ مکانون مین سے صرف بیس پچیس باقی۔ عرصہ سے محلہ کا نصف حصہ مردہی محلہ مین اور نصف چھیپی محلہ مین شامل (۱۰) گوجرپور، بندوبست ۱۸۶۲ء مین دریاباد سے خارج کرکے ایک موضع قرار دیا گیا، تھوڑے ہی دنون کے بعد ویران ہوکر بے نام ونشان ہوگیا (۱۱) نواب گنج، عرف کٹرہ دربا ری لال (۱۲) برداری ٹولہ برداروں کی وجہ سے مشہور۔ دستاویز نوشتہ مسماۃ امامن، دریاباد، مصدقہ دفتر رجسٹری رو ناحی ضلع فیض آباد یکم مارچ ۱۸۶۶ء، رجسٹر نمبر ۲۷، صفحہ ۱۵ میں اس کا ذکر ہے (۱۳) سگئی ٹولہ (۱۴) محلہ شیخانہ عرف شیخن محلہ۔ منشی خدا بخش صاحب سابق کے بزرگون کا آباد کردہ، شیخ ہونے کی رعایت سے شیخانہ کے نام سے موسوم، واجب العرض دریاباد ۱۸۶۰ء مین اس محلہ کا نام درج ہے، آج کل میست ونابود، زمین داخل کاشت (۱۵) پورہ چودھری، عرف لودھوں کا پورہ، بانی چودھریوں کے بزرگ، لودھون کی زیادہ سکونت (۱۶) پھاٹک اندر، بانی ماتھر کایستھ اس محدود حلقۂ آبادی کا حصہ ایک پختہ پھاٹک کے ذریعہ سے محفوظ ہونے کے باعث "پھاٹک اندر" مشہور ہوا، جو اس وقت بھی کسی نہ کسی صورت مین موجود ہے۔ منشی شمبھو دیال صاحب نے اپنے بزرگوں کے بقائے نام کی غرض سے اس کی مرمت کرا دی ہے۔ اس محلہ میں ماتھر کائستھوں کے علاوہ ہندوؤن کے دیگر فرقے بھی آباد تھے۔ عرصہ سے یہ محلہ بھی برائے نام اور ٹھیکانی محلہ مین شامل (۱۷) شیخن احاطہ شیخون کی وجہ سے مشہور، جسکی آبادی ایک پختہ احاطہ کے اندر گھری ہوئی تھی۔ دکھن طرف شاہی سڑک سے متصل پختہ پھاٹک تھا، جس پر ہر وقت ڈنکا بجا کرتا تھا، جو دریاباد کے مشہور سپاہی شیخ لطف اللہ صاحب رسالدار کو دربار اودھ سے مرحمت ہوا تھا۔ ان شیخون کی اولاد مین شکور بخش اور رحیم بخش وغیرہ موجود اور اسی محلہ کی زمین پر آباد (۱۸) دیچھتانہ (۱۹) ٹھکار (۲۰) نوٓن ٹولہ، نائیون کی کثرت محلہ کے نام کی بنیاد، بانی چودھری صاحب کے بزرگ، غدر کے بعد محلہ چودھریان مین شامل (۲۱) مردہی محلہ، مردہون کی کثرت نام کی رعایت۔ شاہی مین ان مردہون کو شہردار بھی کہتے تھے۔ یہان کے اکثر خوش نصیب مسلمانون نے محنت و مشقت پہ کمر باندھ کر کلکتہ مین روزگار کے ذریعہ بہت ترقی حاصل کی ہے۔ کئی ایک پختہ مکانات جدید تعمیر ہوئے ہین، جن سے محلہ مین بہت کچھ رونق ہوگئی ہے۔ اس محلہ کے مسلمانون نے باہمی چندہ سے ایک قدیم شہید کردہ مسجد کے بجائے ایک نئی پختہ مسجد ۳۳ فٹ طویل، ۲۰ فٹ عریض ۱۴ فٹ بلند بنوائی ہے، جس کی لاگت کا تخمینہ چار ہزار روپیہ سے کم نہین۔ اس کے بانی اور مہتمم سید ذاکر علی صاحب تھے (۲۲) پورہ حسن علی۔ بانی حسن علی صاحب شہردار (۲۳) بنّے تلے۔ اصل نام بنّے ٹولہ، بانی بنّے لل جوہری اس مقام سے متصل پورب طرف بلندی پر جوہری محلہ مین بنّے لل کا محل تھا، محل کے نشیب مین "بنّے ٹولہ" کی آبادی قائم ہوئی تھی، جو اب بھی نشیب مین واقع ہے۔ اس سے قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کچھ دنون تک محل سے قریبی چند مکان بنّے محل کے تلے والے مکانات مشہور ہوئے ہونگے، پھر رفتہ رفتہ کل آبادی کو "بنّے محل کے تلے والا محلہ" کہنے لگے ہونگے، بہت زمانے کے بعد جبکہ بنّے محل کا وجود نہ باقی رہا ہوگا تو اسے "بنّے تلے" کے نام سے شہرت ہوگئی ہوگی (۲۴)

ﮦ دستاویز مسماۃ امامن دریاباد (مصدقہ دفتر رجسٹری ردناحی ضلع فیض آباد یکم مارچ ۱۸۶۶ء رجسٹر نمبر ۲۷، صفحہ ۱۵) سے بھی اس محلہ کا پتا چلتا ہے ۱۲

چھیپی ٹولہ (۲۵) کھرن ٹولہ (۲۶) مغلن ٹولہ (۲۷) گھڑیا لی ٹولہ۔ گھڑیالیوں کی زیادتی محلہ کے نام کی وجہ (۲۸) کھتی ٹولہ۔ آبادی کے وقت ایک بہت بڑا مشہور درخت کھنی کا موجود تھا، اسی مناسبت سے محلہ کا نام کھنی ٹولہ یا کھنی تلے موسوم ہوا (۲۹) تمبولی چوہٹہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت یہاں کسی خاص جوار ہے پر تمبولی لوگ پان بیچتے رہے ہونگے اور اس طرح ایک چوہٹہ کا بازار قائم ہوگیا ہوگا۔ اس رعایت سے محلہ کا نام "تمبولی چوہٹہ" پڑگیا ہوگا، جو کہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ تمبولی سنسکرت لفظ "تام بول" سے بنایا گیا ہے، جسکے معنی پان کے ہیں، فارسی میں "تنبول" اسی کا تصرف ہے۔ چوہٹہ یعنی چار بازار (چو بمعنی چار ہٹہ مخفف ہاٹ بمعنی بازار) مراد چوہٹہ والے بازار سے (۳۰) سراؤکی ٹولہ۔ خاص سراؤگون کی بستی، یہی وجہ تسمیہ (۳۱) آصفی بازار، بازار کے متعلق آبادی، بانی لالہ رام سیوک عرف سیوک رام ناظم (۳۲) مخدوم زادگان (۳۳) محرران (۳۴) پٹھانون کا محلہ، عرف زیاپار۔ خاص پٹھانون کی بستی۔ قلعہ کی خندق کے اُس پار پچھم طرف واقع ہونے کی بنا پر "زیاپار" کہتے تھے، عرصہ سے بے نام و نشان ۱۲۱۸ھ تک آباد، واجب العرض دریاباد مین نام موجود (۳۵) کٹرہ الماس گنج عرف کٹرہ روشن لال (۳۶) چودھری محلہ (۳۷) کمھارن ٹولہ، عرف منڈی، گوپال مندر کی پُشت پر دکھن طرف۔ اس مین کمھارن کے گھر بہت تھے، جو کسی خاص مقام پر روزانہ جمع ہوکر مٹی کے برتن فروخت کرتے تھے، اس لئے اسے کمھارون کی منڈی بھی کہتے تھے مدت دراز کے بعد منڈی یا منڈئی مشہور ہوگیا۔ واجب العرض دریاباد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محلہ ۱۲۱۸ھ مین موجود تھا (۳۸) سمرا۔ باوجود کوشش وجہ تسمیہ نہ معلوم ہوئی (۳۹) پورہ رام سہائے۔ آبادکردہ لالہ رام سہائے صاحب، محلہ محرران کے پچھم طرف، آخر سرے پر۔ چند گھر اب بھی باقی ہین۔ نصف صدی قبل داخل محرران (۴۰) بکری محلہ۔ ایک خاص مقام پر بکریون کی خرید و فروخت ہونے کے باعث اس نام سے شہرت ہوئی نقل عیوضی نامہ[۱] نوشتہ فرید بخش بنام مولوی مخدوم بخش صاحب سے پتہ چلتا ہے کہ یہ محلہ ۱۲۴۲ھ مین آباد تھا (۴۱) سندداری۔ ایک دستاویز[۲] مین یہ محلہ اسی طرح لکھا ہوا دیکھا گیا ہے۔ عبارت یہ تھی "محلہ سندداری سن محلات دریاباد" (۴۲) سنارن ٹولہ (۴۳) چمارن ٹولہ۔ ٹھیا محلہ کے پورب طرف، برھا (۴۴) بان والی گلی۔ اس مین عمدہ اور نفیس بان بنانے والے بہت تھے اور ہر وقت یہان بانون کی بکری ہوتی تھی۔ (۴۵) منہارن ٹولہ۔ یہان چوڑی فروشون کے گھر زیادہ تھے (۴۶) بڑھئی ٹولہ (۴۷) کفش دوزان (۴۸) زنگسازان۔ اس محلہ مین زنگسازون کے علاوہ صیقل گرون، باڑھیون، خرادیون، آئنہ سازون کے بھی بہت سے گھر تھے۔ (۴۹) کٹرہ مہی لال۔ بانی لالہ مہی لال صاحب ناظم (۵۰) کسگر ٹولہ

منڈیون مین ترکاری منڈی، گھاس والی منڈی، بڑی منڈی یا اناج کی منڈی، بردہی، بیلون کی منڈی **بازارون مین** الماس گنج، ٹیڑھی بازار، جوہری بازار، سنگئی گنج کا بازار، آصف گنج عرف کٹرہ مہی لال، نواب گنج عرف کٹرہ درباری لال، آصفی بازار **سرائین** دھانی

[۱، ۲] یہ دستاویزین میان رشید کے پاس موجود ۱۲

بھٹیاری کی سرا عرف بھٹیاری سرا (۲) سواروں کی سرا (۳) پرانی سرا عرف بیچ کی سرا (۴) و (۵) الماس گنج کی سرائین (۶) کٹرہ مہی لال کی سرا (۷) کٹرہ درباری لال کی سرا (۸) آصفی بازار کی سرا

دھرم شالے (۱) بیجن لال کا دھرم شالہ (۲) سنگئی ساہ کا دھرم شالہ (۳) لگّو سیٹھ کا دھرم شالہ (۴) پچھی سیٹھ کا دھرم شالہ

پھاٹک دس پھاٹک دو منزلے، چوبیس برجیون والے (۱) دھرم شالہ سنگئی ساہ کا پھاٹک۔ (۲) امام باڑہ تصرف حسین کا پھاٹک (۳) و (۴) سنگئی ساہ کے بازار والے پھاٹک (۵) شیخ فضل علی کے مکان کا پھاٹک (۶) شیخ فضل علی کے امام باڑہ کا پھاٹک (۷) شیخن احاطہ کا پھاٹک (۸) مانتھر کایستھون کا پھاٹک (۹) بھٹیاری سرا کا پھاٹک (۱۰) سوارون کی سرا کا پھاٹک (۱۱) طوائفون کا پھاٹک (۱۲) و (۱۳) پرانی سرا کے پھاٹک (۱۴) حس علی خاں رسالدار کے مکان کا پھاٹک (۱۵) کمیدان کے امام باڑہ کا پھاٹک (۱۶) مہابیر جی کے مندر کا پھاٹک (۱۷) روشن لال کے مکان کا پھاٹک (۱۸) و (۱۹) الماس گنج کے پھاٹک (۲۰) و (۲۱) الماس گنج کی سرا کے پھاٹک (۲۲) لغایت (۲۷) کٹرہ درباری لال کے پھاٹک (۲۸) کٹرہ درباری لال کی سرا کا پھاٹک (۲۹) کٹرہ مہی لال کا پھاٹک (۳۰) کٹرہ مہی لال کی سرا کا پھاٹک (۳۱) آصفی بازار کا پھاٹک (۳۲) آصفی بازار کی سرا کا پھاٹک (۳۳) تیوآلہ والی پھلواری کا پھاٹک (۳۴) مٹھ والی پھلواری کا پھاٹک۔ ان میں سے بازار سنگئی ساہ، شیخن احاطہ، پرانی سرا، مکان روشن لال، الماس گنج، کٹرہ درباری لال (مغربی پھاٹک) بازار نواب گنج (سرا کا پھاٹک)، کے پھاٹک دو منزلے تھے، باقی سب برجیون والے۔ آج کل صرف آٹھ پھاٹک، پانچ معمولی اور تین دو منزلے۔

دیہات مین یہ روائیت اب تک ضرب المثل ہے کہ "دریاباد کے لڑکون نے دہلی کے گانگو اور سہادل کو حلوائی کے ہاتھ بکیر مٹھائی کھائی"۔ اس روائیت کی اصلیت یون بیان کی جاتی ہے کہ "گانگو اور سہادل دلی کے رہنے والے دیہات میں لوگون کو ٹھگ ٹھگ کر حیل و فریب سے کھاتے کماتے دریاباد آئے راستے میں کہین کسی نے یہ شناخت نہ کی کہ یہ لوگ چالاک ہیں۔ لیکن دریاباد کے حیدر بزرگون نے ان کی صورت دیکھ کر فوراً بھانپ لیا کہ یہ دونون آدمی چالاک اور بدمعاش ہین۔ اس خیال کی بناء پر اُنھون نے دو چار لڑکون کو کچھ سمجھا کر ان کے پیچھے لگا دیا جس وقت گانگو اور سہادل ایک حلوائی کی دوکان پر مٹھائی خریدنے کی غرض سے پہونچے، تعلیم یافتہ لڑکے ان کے ساتھ ہی تھے اُنھون نے ان سے پہلے حلوائی سے مٹھائی مول لی اور چلتے وقت کہہ گئے کہ دام ان سے لے لو۔ حلوائی یہ سمجھا کہ یہ لوگ لڑکون کے بزرگ ہوںگے اُٹھائی دیکر خاموش رہا۔ اور گانگو سہادل لڑکون کے اس فعل کو طفلانہ شرارت خیال کر کے چپ رہے جب یہ بھی مٹھائی لیکر چلنے لگے تو حلوائی نے پہلے لڑکون کی بابت دام مانگے اور بعد کو ان کی لی ہوئی مٹھائی کی قیمت طلب کی۔ اُنھون نے کہا کہ لڑکو نکی بابت ہم دام کیون دیں؟ حلوائی نے جواب دیا کہ "لڑکون نے چلتے وقت کہہ دیا تھا کہ دام ان سے لے لینا" تم یہ سُن کر خاموش رہے، اس لئے ہمین یقین آگیا کہ تم دونون آدمی لڑکون کے بزرگ ہو گے۔ اگر تمکو لڑکون سے کچھ تعلق نہ تھا تو تم چپ کیون رہے؟ اب تمکو دام دینا پڑین گے، اس حجت تکرار نے یہان تک طول پکڑا کہ بہت سے آدمی جمع ہو گئے اور کوتوالی مین اس واقعہ کی اطلاع کی گئی، دونون آدمی طلب ہو گئے، وہان انکی ساری قلعی کھل گئی، اور جو کچھ مکر و فریب سے کمایا تھا، سب چھین لیا گیا، جس طرح دہلی سے خالی ہاتھ نکلے تھے، بدستور لنگوٹی باندھ کر واپس گئے۔ اس واقعہ کے بعد یہ روایت مشہور ہو گئی کہ "دلی کے گانگو سہادل کو دریاباد کے لڑکون نے حلوائی کے ہاتھ بکیر مٹھائی کھائی" اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ دریاباد کے قدیم باشندے بڑے ذہین اور مردم شناس تھے، جن کی دانائی کے دہلی والے بھی قائل ہو گئے تھے۔

ٹھاکر کالکا سنگھ صاحب (نائب رئیس سکرورها) بیان کرتے ہین کہ تخمیناً ۴۰ سال کا زمانہ ہوا کہ مین ایک گھوڑا فروخت کرنے کی غرض سے فیض آباد گیا، اُس وقت میرا سن ۲۵ یا ۲۶ سال کا تھا۔ ترکاری منڈی کے پاس سرا مین قیام کیا۔ ایک دن ایک بزرگ نے (عطر فروش) جو قریب ہی کوٹھری مین ٹھہرے ہوئے تھے مجھ سے میری سکونت دریافت کی۔ مین نے کہا کہ مین دریاباد کے قریب رانی مئو مین رہتا ہون۔ دریاباد کا نام سُنتے ہی اُس بزرگ نے میری بہت بڑی تعظیم وتکریم کی۔ مین نے حیرت سے پوچھا کہ دریاباد کا نام سُن کر آپ نے میری اتنی تعظیم کیون کی؟ مرد بزرگ نے جواب دیا کہ آپ اُس دریاباد کے رہنے والے ہین جسکی بدولت قرب وجوار کے دیہاتی لوگ بھی عالی دماغ ہو گئے۔ سُنئیے! دریاباد کے پاس ہی ایک موضع کسفر ہے ٹھاکر امیر سنگھ صاحب وہان کے زمیندار تھے۔ ایک مرتبہ مین اُنکی خدمت مین عطر بیچنے کی غرض سے حاضر ہوا اور عطر کی شیشیان پیش کین۔ ٹھاکر صاحب نے عطر کی شناخت کے لئے ایک لودھن کو بلایا۔ اُس نے سب شیشیون کو سونگھ کر ایک کی نسبت کہا کہ "یہ عطر خاصا بہت اچھا ہے، یہی لے لیجئے"۔ اِس واقعہ سے میرے ہوش وحواس باختہ ہو گئے کہ ایک رذیل قوم کی عورت اس قدر تمیز دار کہ عطر کی شناخت کر لی۔ ٹھاکر صاحب نے مجھ سے قیمت پوچھی۔ مین تصویر حیرت بنا ہوا تھا، قیمت کیا کہتا، ناچار موصوف نے خود ہی ایک تولہ عطر خرید کر کے دس روپیہ میرے حوالے کئے، جو اُنکی قدردانی کی خاص دلیل تھی۔ میرا سن اُس وقت پچاس سال کا تھا۔ مین نے اپنی زندگی مین عطر فروشی کرتے ہوئے عطر کا ایسا شناخت کرنے والا آج تک نہین پایا۔ اس وجہ سے آپ کی خاص طور پر تعظیم کی کہ آپ اُس دریاباد کے جوار کے رہنے والے ہین، جس کے فیض سے کسفر کے ٹھاکر صاحب عطر کے شوقین اور قدردان ہو گئے اور اُنکی صحبت نے ایک رذیل قوم کی عورت کو تمیز دار اور صاحب دماغ بنا دیا۔" یہ بزرگ دہلی کے رہنے والے اور ذات کے مسلمان نہایت نیک اور سیدھے سادے تھے۔" یہ بیان بھی دریاباد کی اہمیت کا ایک اعلیٰ ثبوت پیش کرتا ہے۔ دہلی کے ایک جہاندیدہ بزرگ کا اِسے وقعت کی نگاہ سے دیکھنا کوئی معمولی بات نہین۔

یہ بستی بہت متمول اور شاندار تھی۔ جین فرقہ کے متعلق جیسے تلی وال، سراؤگون کی آبادی عموماً اور جوہریون کا آباد ہونا خصوصاً اس امر کی دلیل ہے کہ دریاباد بڑے شہرون مین شامل تھا۔ کیونکہ دسوال یا جوہری معمولی شہرون مین نہین آباد ہوتے۔ اسی طرح سراؤگ وغیرہ بھی تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے معمولی جگہون مین نہین بستے۔ علاوہ اِن کے دو ایک سیٹھون کے بھی یہان گھر تھے، اِن کا بھی چھوٹے مقامون پر گذر نہین۔

اسی سلسلہ مین سنگھی ساہ کی دولت مندی اور اُنکی شانِ امارت بھی لائق اظہار ہے جنھون نے زعفران ایسی قیمتی چیز گارے مین ڈلوا کر ہفت منزلہ محل تعمیر کرایا اور جن کے یہان پالوجانور مثلاً گائین بھینسین وغیرہ رسیون کے بجائے طلائی زنجیرون سے باندھے جاتے تھے۔

یہان کے ہندو مسلمانون کا باہمی میل ملاپ بھی قابل تعریف ہے، جو اِس وقت تک قائم۔ کبھی کسی قسم کا کوئی

مذہبی جھگڑا ایسا نہین ہوا جو باہمی رنجش و ملال کا باعث ہو۔ ایک مرتبہ دسہرہ و محرم کے زمانے مین چند مفسدون کی جاہلانہ کوشش سے طرفین مین کچھ عداوت کی آگ بھڑک اٹھی تھی، مگر صلح پسند اور بلند خیال ہندو مسلمانون نے فوراً اُسے بجھا دیا۔

اِس قصبہ مین مکتب خانے، ہاٹ شالے، کتب خانے بھی بہت تھے۔ کئی ایک مذہبی میلے بھی ہوتے تھے، جن مین "دھنش یگیہ" اور دسہرہ و محرم مہاسیر جی کا میلہ خاص طور پر دُور دُور تک مشہور، محرم مین قرب و جوار کے لوگون کی شرکت سے پچاس ساٹھ ہزار آدمیون کا مجمع ہو جاتا تھا، کیونکہ یہ میلہ ہندو مسلمانون کا مشترکہ میلا ہوتا ہے۔ آج کل بھی محرم کا میلہ اچھا ہوتا ہے اور ہر سال پچیس تیس ہزار آدمی شریک ہوتے ہین۔ دسہرہ بھی برا نہیں ہوتا، پندرہ بیس ہزار آدمی اس میلہ مین بھی جمع ہو جاتے ہین۔ لیکن، تعجب ہے کہ گزیٹیر مین یہان کے معززین نے اِن مین سے کسی ایک میلے کا بھی ذکر نہین درج کرایا۔ اسی طرح چھٹنکی محل، سنگی ماہ کا ست کھنڈا، عالمگیری مسجد (جامع مسجد)، مہابیر جی کا مندر بھی درج نہین۔ سنگی ساہ کا بھی حال تحریر نہین۔ جن کی دولت مندی کے بیشمار افسانے اس وقت تک زبان زد ہر خاص و عام ہین۔ قاسم شاہ (مصنف ہمس جواہر) پیرا شاہ، شیخ عبدالرسول، شیخ جہان چشتی، شاہ خوبان وغیرہ کامل بزرگون کے تذکرے سے بھی تاریخ مذکور کے صفحات خالی ہین۔ پیرا شاہ وہ بزرگ تھے کہ نواب آصف الدولہ بہادر معتقد تھے شیخ عبدالرسول صاحب، شیخ جہان وغیرہ دُرویشون کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ نامور سلاطین دہلی نے اِنھین خطابات اور معافیون، جاگیرون کے فرمان عنایت فرمائے تھے۔ قاسم شاہ کا نام ہندوستان بھر مین مشہور رہے۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر بارہ بنکی مین یہ کمی ایک افسوسناک کمی ہے۔ اس موقع پر ہم رُدولی، فتحپور، دوسرائے (ربدیع السرا) وغیرہ کے سر آوردہ اصحاب کی تعریف کئے بغیر نہین رہ سکتے جنھون نے اپنے یہان کے میلے، ٹھاکر دوارے، مسجد، مزار، واقعات، روایات، مٹی ہوئی یادگارین، فرامین شاہی، معافیون کے پروانے وغیرہ سب درجِ تاریخ کرا دیئے۔

سخاوت اور فیاضی مین بھی دریاباد ممتاز نظر آتا ہے۔ چنانچہ روایتون سے مترشح ہوتا ہے کہ چھٹنکی ساہ کے یہان ہر سال ساڑھے بائیس سیر سونا (۱/۲ ۴ مارچہ) دان کیا جاتا تھا، جسکی قیمت زمانہ حال کے مطابق دس ہزار آٹھ سو روپیہ ہوئی۔ اسی طرح پیرا شاہ چھیانوے ہزار روپیہ سالانہ خیرات کرتے تھے۔ روایات مذکور حسب ذیل ہین:۔

(۱) نواب آصف الدولہ بہادر ہر ہفتہ اپنی والدہ کی قدمبوسی کے لئے لکھنؤ سے فیض آباد جایا کرتے تھے اور اوراس آمد و رفت کے سلسلے مین ہر مرتبہ عقیدتمندی کی وجہ سے پیرا شاہ کی خدمت مین حاضر ہو کر ایک ہزار روپیہ بطور نذر پیش کرتے تھے، جسے شاہ صاحب کی فیاض طبیعت فوراً ہی لٹانے پر آمادہ ہو جاتی تھی۔ اس طرح پیرا شاہ کی بدولت ہر آٹھویں دن دو ہزار روپیہ خیرات ہونے سے سیکڑون غریب اور محتاج بہت جلد مالا مال ہو گئے تھے نواب صاحب ممدوح اور پیرا شاہ کی زندگی تک یہ غیر معمولی چشمۂ فیض برابر جاری رہا (۲) راجمی مل جوہری روزمرہ پوجا پاٹ کر کے ایک چھٹانک سونا دان کیا کرتے تھے، اسی وجہ سے اِن کا نام چھٹنکی ساہ مشہور ہو گیا تھا۔

قصبہ کی خصوصیات مین پیڑے، برفیان اور راٹری بھی قابل ذکر چیزین ہین، جن کی دُور دُور تک خاص شہرت تھی۔ پیڑے اب بھی مشہور و معروف اور جغرافیہ کی کتابون مین مذکور۔ پان بھی نہایت نفیس اور خوبصورت تیار ہوتے تھے۔ غیر شہرون مین ان باتون کی بکثرت مانگ تھی۔ عمارتون مین سنگئی ساہ کا محل چھٹنکی محل، رنگ بھون (زمانۂ تعمیر پانچ چھ سو برس قبل) شیش محل، رنگ محل (زمانۂ تعمیر ۳۰۰ برس پیشتر) بھی اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر ایک خاص اہمیت رکھتے ہین۔ سنگئی ساہ کا محل چھٹنکی محل، یہ دونون (بصفت) ہفت منزلہ ہونے کی وجہ سے "ست کھنڈے" مشہور تھے۔ یوپی کا حال نہین معلوم۔ اودھ مین "لکھنؤ والا ست کھنڈا" محمد علی شاہ (۱۲۵۳-۱۲۵۸ھ) کے وقت مین تیار ہوا تھا جسے آج تک (۱۳۴۱ھ) صرف ۸۳ برس ہوئے۔ رنگ بھون نام کی عمارت دوسری جگہ سننے مین نہین آئی۔ قلعۂ آگرہ کا شیش محل شہنشاہ اکبر کی یادگار رہے اور لکھنؤ والا شیش محل نواب آصف الدولہ بہادر کے حکم سے تعمیر ہوا تھا۔ قنوج کی رنگ محل نامی تعمیر البتہ قدیم زمانے کی تعمیر ثابت ہوتی ہے، جسے سالا راجہ جیچند نے تیار کرایا ہو۔ اس لئے دریاباد کے ست کھنڈے اور عجیب و غریب نامون کے محلات اودھ مین خصوصاً اور ممالک متحدہ مین عموماً اول تعمیرین ہین، جن مین جدت طرازی و دلکشی دونون صفتین پائی جاتی ہین۔

دریاباد مین رائے صاحب، مصر، چودھری، ککھرے کائستھ، پھاٹک اندر والے ماتھر کائستھ، دیوان روشن لال صاحب یہ چھ تعلقدار تھے اور پچیس تیس چھوٹے بڑے رئیس و زمیندار۔ بعض بعض بزرگون کی زبانی سُنا گیا ہے کہ یہان نوسو گھر خانزادون، چار سو گھر بازوارون، دو ڈھائی سو گھر سوادون، پانچ سو گھر کائستھون، سات سو گھر برہمنون، سو ڈیڑھ سو گھر چھیپی والون، سو گھر تمبولیون۔ ڈیڑھ سو گھر بکر قصابون، دو سو گھر پاسیون اور کئی سو گھر نائیون، باریون اور کہارون کے تھے۔ ہند و نقطۂ خیال سے یہ مقام بہت مقدس مانا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہان کے دیکھتون، او سیھون، جگدھریون، اگن ہوتریون نے مختلف وقتون مین بڑی دھوم دھام سے یگیہ ۵ کئے تھے، جو اس وقت تک مشہور رہین۔ اس سے اندازہ کر سکتے ہین کہ بہ حیثیت مجموعی دریاباد کیسا مقام تھا! لیکن، نہایت افسوس ہے کہ یہان کے پیشہ ور بفکرے، آرام طلب اور معززؔ "پدرم سلطان بود" پر ماران تھے شریف اور سفید پوش محنت و مشقت سے گھبراتے اور ملازمت پر قانع تھے، آبائی جائداد اور بزرگون کی کمائی پر زندگی بسر کرنا فخر سمجھتے تھے۔ رئیس عیش پرست، ناعاقبت اندیش اور نفاق پسند تھے، خاندان مین نت نئے خانگی جھگڑے لگے رہتے تھے۔ یہی وجوہات تھے جن سے دریاباد تباہی و بربادی کا شکار رہا، اگرچہ واجد علی

۵ یگیہ کی کئی قسمین ہین مگر مشہور وہی ہوتے ہین جو غیر معمولی دھوم دھام اور زبردست اہتمام کے ساتھ کئے جاتے ہین۔ ان مین "راجسویہ" اور "اشومیدھ" یگیہ اُن راجون کیلئے مخصوص ہین جو ہفت اقلیم کے مالک ہون جب تک کل دُنیا فتح نہ ہو جائے یہ یگیہ نہیں کر سکتے۔ اگن ہوتر، او ستھیہ وغیرہ یگیہ عام طور پر اعلیٰ طبقہ کے ہندو کرا سکتے ہین جن کا مقصد زبردست کامیابی یا اعزاز و خطابات حاصل کرنا ہے جو قوم کی طرف سے عطا ہوتے ہیں۔ دان پُن، پوجا پاٹھ دعوت و تواضع، برادری کی اطاعت، دوست احباب کی دلجوئی، برہمنون اور سادھوؤن کی خدمت، نیک نیتی، عاجزی، سیر چشمی، حسب منشا سائل کا سوال پورا کرنا یگیہ کے خاص ارکان اور لوازم ہیں ۱۲

تباہی ہرچند کہ غدر کی بدامنی بھی اس میں شامل تھی مگر دراصل دریاباد کی تباہی کی بہت بڑی اور زبردست وجہ یہ تھی کہ یہاں کسی خاص پیشہ کے متعلق کوئی باقاعدہ جماعت کے ذریعہ غیر شہروں سے تجارتی سلسلہ نہ قائم تھا۔ اگر بریلی ٹانڈہ کی طرح یہاں بھی ہزار دو ہزار جولاہے یا بڑھئی وغیرہ آباد ہوتے اور صنعتی و حرفتی کارخانے کھول کر اُن کی امداد کی جاتی تو باوجود ضلع شکست ہوجانے کے بھی دریاباد ویران نہ ہوتا۔

کہا جاتا ہے کہ امجد علی شاہ (۱۲۵۵ھ–۱۲۶۳ھ) کے زمانے تک ہر طرح کا امن و امان رہا۔ واجد علی شاہ کے عہد میں بدنظمی سلطنت کے باعث عمال شاہی کے ملازموں اور فوجی سپاہیوں کو رعایا پر ظلم و بدعت کرنے کا خوب موقع ملا اور اس طرح اس قصبہ کی تباہی کا دور شروع ہوا۔ جوہریوں کے یکدم پچیس گھروں کے باشندے لکھنؤ چلے گئے، باقی دہلی، آگرہ اور بنارس جاکر آباد ہوگئے۔ بکر قصاب میرٹھ اور سپرساز لکھنؤ بھاگ گئے اور وہیں "طباخی" وغیرہ کا کام کرنے لگے۔ اسی طرح دیگر اہل حرفہ کو بھی سمجھ لینا چاہئے۔ بھیا شیو رتن سنگھ صاحب، جن کی عمر اُس وقت ۹۰ برس کی تھی بیان کرتے تھے کہ "شاہی زمانے تک اس کی خوشنما آبادی بیس پچیس ہزار سے کم نہ تھی ۱۸۵۷ء کے غدر میں اسے سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن پھر بھی بعد تسلط باشندوں کی تعداد پندرہ سولہ ہزار باقی رہ گئی تھی"۔ اس سے دریاباد کی اصلی آبادی کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

"تاریخ غدر اودھ" سے پتا چلتا ہے کہ ۱۸۵۶ء میں، جبکہ واجد علی شاہ سلطنت سے علیحدہ ہوکر کلکتہ میں رونق افروز تھے، دریاباد ضلع کے ساتھ ساتھ صدر مقام بھی بنا دیا گیا تھا، جہاں سرکاری خزانہ کے علاوہ ایک انگریزی پلٹن بھی رہتی تھی۔ تاریخ مذکور میں لکھا ہے:۔

"جس زمانے میں غدر کے آثار لکھنؤ اور اُس کے اطراف میں ظاہر ہونے لگے، اُس وقت دریاباد ضلع کا صدر مقام تھا۔ جہاں پیدل فوج کی ایک یورپین پلٹن مسمی بہ نمبر ۵۔ او۔ آئی۔ انفنٹری رہا کرتی تھی، اور تین لاکھ کا سرکاری خزانہ بھی موجود تھا۔ ۲۶ مئی ۱۸۵۷ء کو اس پلٹن کے کمانیر کپتان ڈبلو ایچ ہیوس نے چاہا کہ اس خزانہ کو بحفاظت تمام لکھنؤ پہونچا دیں، لیکن سپاہیوں نے نہ مانا۔ کپتان موصوف اُس وقت خاموش ہوگئے۔ مگر دو ہفتہ کے بعد جب اُنھوں نے دیکھا کہ بغاوت صبح و شام میں پھیلنے والی ہے، تو اُنھوں نے زبردستی خزانہ کو لکھنؤ روانہ کر دینا چاہا۔ چنانچہ ۹ جون ۱۸۵۷ء کو وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ خزانہ لیکر چلے۔ لیکن ابھی نصف میل مسافت طے کی ہوگی کہ سپاہیوں نے غدر کر دیا۔ چند سپاہی جو بدستور سرکار انگریزی کے وفادار رہے تھے، وہ کپتان موصوف کے ساتھ ہوئے۔ لیکن باغیوں نے گولیاں چلانا شروع کر دیں اور چونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی، فتح انھیں کے ہاتھ رہی۔ خزانہ کی گاڑیاں باغی دریاباد واپس لے آئے، اور حکام انگریزی فرار ہوگئے۔ کپتان ہیوس کا باغیوں نے خصوصیت کے ساتھ تعاقب

۵ بڑے تجربہ کار، زمانہ دیدہ، امرائے لکھنؤ کے صحبت یافتہ، اُردو خوب بولتے تھے۔ قدیم زمانے کی باتیں بہت یاد تھیں۔ گرد و نواح کے حالات سے اچھی واقفیت تھی۔ ۹۵ برس کے ہوکر ۱۹۲۳ء میں فوت ہوئے۔ رانی مئو سکونت۔ دریاباد کے حالات لکھنے میں بھیا صاحب نے بہت بڑی مدد دی تھی جس کا راقم الحروف نہایت ممنون ہے۔

کیا، اور اُنھین اپنی گولیون کا بالکل ہدف بنا لیا، لیکن اُن کی جان بالکل محفوظ رہی، یہان تک کہ رام سنگھ تعلقدار سوہی (سیف پور) نے اُنکو پناہ دی اور ۱۱ جون کو وہ بخریت لکھنؤ پہونچ گئے - رام سنگھ نے دو اور فوجی افسرون یعنی لفٹنٹ گرانٹ و لفٹنٹ فلرٹن کو بھی معہ اُن کے سارے خاندان کے پناہ دی اور اُنھین لکھنؤ روانہ کیا - لیکن راستہ مین باغیون نے اُن کو گرفتار کر لیا اور دریاباد کی طرف سے چلے - اتنے مین دریاباد کے باغی سپاہیون کا قاصد یہ اطلاع لیکر پہونچا کہ ہمین اِن افسرون کو نقصان پہونچانا منظور نہین - چنانچہ یہ لوگ بھی بخیریت لکھنؤ پہونچ گئے دریاباد کے ڈپٹی کمشنر مسٹر ڈبلو نیین کو راجہ صاحب ہڑاہا نے پناہ دی اور اپنی حفاظت مین لکھنؤ پہونچا دیا۔ حکام انگریزی کے فرار ہو جانے کے بعد باغیون نے معزول شاہِ اودھ کو اپنا فرمانروا قرار دیا اور ہندوستانی عہدہ داران، انگریزی کی تلاش مین نکلے - اُس زمانے مین دریاباد کے مشہور ڈپٹی کلکٹر منشی عبدالحکیم تھے، وہ اپنے بعض دوستون کے مکان مین روپوش ہو گئے اور چند روز کے بعد دریاباد کے دوسرے ڈپٹی کلکٹر مرزا علی رضا بیگ (سابق کوتوال لکھنؤ) کے ساتھ حکام انگریزی سے لکھنؤ مین آملے" - ماخوذ از "تاریخ غدر اودھ" مولفہ مسٹر گبن صاحب "دریاباد زمانہ غدر مین"۔

دریاباد انگریزی زمانے مین کب تک ضلع و صدر مقام رہا؟ اس کا ٹھیک پتہ نہین چلتا - بارہ بنکی گزیٹیر سے ثابت ہوتا ہے کہ "۱۸۵۹ء مین دریاباد کے بجائے بارہ بنکی ضلع قایم ہو گیا تھا اور نواب گنج صدر مقام قرار دیا گیا تھا - اس تبدیلی کی وجہ یہ تھی کہ یہان عام طور پر ملیریا کی کثرت تھی اور اسکے گرد چارون طرف دلدل کی وجہ سے گندگی پھیلنے کے باعث آب و ہوا پر خراب اثر پڑتا تھا - برسات کے موسم مین نشیب مین واقع ہونے کی بنا پر دریاآباد اسم بامسمی ہو جاتا تھا" جغرافیہ اودھ (مولفہ پنڈت شیو نرائن صاحب ڈپٹی انسپکٹر مدارس لکھنؤ، مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ مارچ ۱۸۶۸ء دوسرے ٹائٹل پیج مین ۱۸۷۲ء، صفحہ ۴۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ "دریاباد ۱۸۶۹ء یا ۱۸۶۸ء تک ضلع رہا، مگر صدر مقام نوابگنج تھا" جغرافیہ عالم حصہ اول (مولفہ منشی الیشری پرشاد صاحب سرونیگ ماسٹر مدرسہ دستور تعلیم میرٹھ، مطبوعہ گورمنٹ پریس الہ آباد ۱۸۷۶ء، صفحہ ۲۵ و ۲۶) سے ظاہر ہوتا ہے کہ دریاباد ۱۸۷۶ء تک علاوہ مشہور شہر و ضلع ہونے کے ضلع کا صدر مقام بھی رہا[1] - ایک فولیو اٹلس میں[2] تحریر ہے

سلہ جغرافیہ عالم مین لکھا ہے کہ اودھ مین چار قسمتین اور بارہ ضلعے حسب تفصیل ذیل ہین :- (۱) لکھنؤ مین لکھنؤ، اناؤ، دریاباد (۲) فیض آباد مین فیض آباد، گونڈہ، بہرائچ (۳) بیسواڑہ مین رائے بریلی، پرتاب گڈھ، سلطان پور (۴) خیرآباد مین سیتاپور، لکھیم پور، ہردوئی - واضح ہو کہ قسمت بیسواڑے کا صدر مقام کمشنری رائے بریلی اور قسمت خیرآباد کا مقام کمشنری سیتاپور ہی باقی ضلعون اور قسمتون کے صدر مقام کے شہر اُنھین کے نام سے ہین، شہر لکھنؤ چیف کمشنر اودھ کا دارالحکومت دریائے گومتی کے کنارے ہے - یہ شہر بہت عالی شان اور بارونق ہے - اس شہر مین شیش محل، حسین آباد، مارٹین صاحب کی کوٹھی، آصف الدولہ کا امام باڑہ قابل دید ہے قسمت لکھنؤ مین نواب گنج بڑا قصبہ ہے - شہر فیض آباد کے پاس قدیم شہر اجودھیا ہے جس مین مندر بہت ہین - علاوہ ان شہرون کے جن کے نام سے ضلعے ہین، اودھ مین محمدی، ملاپور، اسلون مشہور شہر ہین ۱۲ سلہ ہرکشن بلی صاحب کے پاس موجود ۱۲ -

کہ "بتاریخ نوزدہم دسمبر ۱۸۶۶ء متی اگہن سدی دوادش سمبری ۲۳، ۱۹ ار درچہارشنبہ قیمتی ہشت آنہ بدست کنھیا لال ولد الیسری پرشاد قوم کایتھ ساکن دریاباد مقام تحصیل نواب گنج ضلع دریاباد برائے نقل فرد حصہ" ایک دوسرے سرکاری[1] کاغذ مین (فیصلہ محکمہ بندوبست، نواب علی خان مدعا علیہ، مقصود علی وغیرہ مدعیان، ۲۳ جنوری ۱۸۶۶ء، متعلقہ میلا رائے گنج) میجر شمیر صاحب بہادر مہتمم بندوبست ضلع دریاباد لکھا ہوا ہے۔[2] رسالہ صدیقیہ قلمی (مولفہ شایق دریابادی، ذکر محمد علی صاحب) مین کنتور ضلع دریاباد لکھا ہے۔ یہ رسالہ ۱۲۸۶ھ یعنی ۱۸۶۹ء مین تالیف ہوا تھا۔ جغرافیہ گیتی (مرتبہ منشی درگا پرشاد صاحب بہادر اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس صوبہ اودھ، مطبوعہ تمنائی پریس واقع محلہ نوبستہ لکھنؤ، فروری ۱۸۹۲ء) مین رقم ہے کہ "کمشنری لکھنؤ مین لکھنؤ اُناؤ، بارہ بنکی تین ضلعے۔ بارہ بنکی مین نواب گنج، زیدپور، دریاباد، رُدولی خاص قصبے ہین" بعض بزرگون کی زبانی دریافت ہوا ہے کہ "غدر کے بعد پانچ چھ برس تک دریاباد ضلع کی حیثیت سے صدر مقام رہا۔ ڈپٹی کمشنر، ڈپٹی کلکٹر تحصیلدار، منصف وغیرہ حکام بستی کے باہر اُتر جانب گورا بارک[3] سے متصل خس پوش بنگلون اور کھپریلے مکانون مین رہتے تھے۔ انگریزی حکام کے بنگلے کھپریلے تھے اور ہندوستانی حاکمون کے بنگلے پھوس کے تھے۔ کچہریان بھی وہین بنی ہوئی تھین۔ اِن کچہریون کے مکان بھی کھپریلے تھے یہ بنگلے اور مکان پہلی انگریزی مین تیار ہوئے تھے۔ بندوبست کے زمانے مین جب شمیر صاحب مہتمم بندوبست مقرر ہوئے تو بارہ بنکی ضلع اور سنہی گھاٹ تحصیل ہوگیا، ساتھ ہی اس کے منصفی اور تھانہ کا دفتر بھی وہین منتقل کردیا گیا، شاہی سڑک بھی شمیر گنج کو، جسے رانی صاحبہ (سورجپور) نے شمیر صاحب کے نام سے آباد کیا تھا، اور جو سنہی گھاٹ سے متصل واقع ہے، تبدیل ہوگئی۔ گونبد پور، ہونسے پور، پورہ چودھری، گوجرپور وغیرہ (۱۸۶۲ء مین) دریاباد سے علیحدہ ہوکر بجائے خود موضع قرار پائے۔ اس عظیم انقلاب کی وجہ سے دریاباد کی شہری شان وشوکت یک قلم زایل ہوگئی اور یہ ایک معمولی قصبہ رہ گیا۔"

مندرجۂ بالا عبارت پر غور کرنے سے چار وناچار یہ ماننا پڑتا ہے کہ دریاباد ۱۸۵۹ء کے بجائے ۱۸۶۳ء تک اودھ کے مشہور شہرون مین شمار ہونے کے ساتھ ساتھ ضلع کی حیثیت سے صدر مقام بھی رہا۔ ۱۸۶۵ء لغایت ۱۸۷۳ء صرف ضلع کے نام سے مشہور رہنے کے بعد یعنی ۱۸۸۲ء کے قبل بارہ بنکی کے خاص قصبات مین شامل ہوگیا تھا۔ اب رہی ضلع کی تبدیلی کی وجہ۔ اسکی نسبت یہی کہہ سکتے ہین کہ حکام کی مرضی لیکن گزیٹیر مین جو وجوہات ضلع کی تبدیلی کے بارہ مین بیان کئے گئے ہین وہ نہ صرف پبلک کو غلط فہمی مین مبتلا کرکے دھوکے مین ڈالتے ہین، بلکہ حکام کو بھی بہت کچھ خوف دلاتے ہین۔ وجوہات کے اصل الفاظ حسب ذیل ہین:۔

"دریاباد نشیب مین ہے، اس کے اردگرد دلدل ہے، اس لئے برسات کے موسم مین اکثر یہ پانی سے گھر کر اسم باسمیٰ ہوجاتا ہے۔ موسم خزان مین تپ ولرزہ کی زبردست شکایت رہتی ہے۔ انھین وجوہات کی بناء پر ضلع

---

[1] واحد علی صاحب (میلا رائے گنج) کے پاس موجود ۱۲ [2] شیخ اقبال احمد صاحب پوسٹ ماسٹر دریاباد کے یہاں محفوظ ۱۲ [3] کچھ کچھ نشانات اب بھی موجود ہین ۱۲۔

وصدر مقام جو قبل اور بعد غدر یہان قائم تھا، نواب گنج منتقل کر دیا گیا۔

ہمیں اس سے بحث نہین کہ گزیٹیر کے یہ شاندار الفاظ خود فاضل مولف کے قلم سے نکلے ہین یا کسی مہربان کے جوش مخالفت اور فرضی خیالات کا نتیجہ لیکن، ان کے ذریعہ سے دریاباد کی جو ہیبتناک اور بدنما تصویر کھینچی گئی ہے وہ اصلیت سے بالکل خالی اور واقعیت کے سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہان شاہی میں چکلہ و نظامت کے محکمے قایم تھے، ناظم وعامل کے اجلاس ہوتے تھے۔ آبادی کے باہر فوج رہتی تھی۔ انگریزی عملداری مین بھی یہ ۱۸۶۳ء تک ضلع کا صدر مقام رہا۔ اول انگریزی یعنی ۱۸۵۶ء مین ایک یوروپین پلٹن بھی یہان تعینات ہوئی تھی غدر کے بعد آخر جولائی ۱۸۵۸ء مین پھر دوبارہ اسے ضلع وصدر مقام قرار دیا گیا تھا۔ اگر دریاباد مین دلدل کا اندیشہ ہوتا اور نشیب کی وجہ سے برسات میں دریاباد دریا کی شکل اختیار کرتا یا آب وہوا خراب ہوتی یا ملیریا کا زور و شور ہوتا تو نہ بادشاہی مین اسکو عروج ہوتا نہ برٹش حکومت مین ۱۸۵۶ء لغایت مئی ۱۸۵۷ء سال ڈیڑھ سال کے تجربہ کے بعد عین بارش کے موقع پر یہ پھر ضلع کا صدر مقام بنایا جاتا۔ اس بارہ مین سن رسیدہ بزرگون کے بیان کا بھی خلاصہ یہی ہے کہ، دریاباد مین فصلی بیماری کی خاص شدت اور دلدل اور نشیب کی وجہ سے سیلابی وغیرہ نہ کبھی دیکھی گئی نہ سُنی گئی۔ اس مختصر بحث کے بعد جس سے حقیقت حال واضح ہو گئی، پھر بھی اگر گزیٹیر کی رائے تسلیم کر لیجائے تو سمجھ مین نہین آتا کہ دریاباد کے چارون طرف دلدلی زمین پر پورب، پچھم، اُوتر، دکھن لکھنؤ، فیض آباد، رُدولی، ٹکیت نگر، رام نگر، حیدر گڈھ وغیرہ کی سڑکین کیونکر تیار ہوئین، جن کی نسبت خود گزیٹیر کی تحریر شاہد ہے؟ آج کل وہ واقعات کیون نہین ظہور پذیر ہوتے، جو مولف گزیٹیر کے زمانے مین ہر سال پیش آتے تھے؟ اور وہ دلدل اور نشیبی زمین خود بخود نصف صدی کے اندر پوشیدہ طور پر کس طرح غایب ہو گئی؟ کیا یہ کوئی طلسمی کارخانہ تھا، یا چند روزہ انتظام آلہی کا تعجب انگیز کرشمہ، کہ لوگون کو اس وقت تک مطلق خبر نہ ہوئی؟ مشرقی بنگال کے اضلاع جو برسات مین طغیانی کی وجہ سے ہمیشہ تباہ و برباد ہو جایا کرتے ہین اور جہان ہر سال ہزارون جانین دریا کی طوفان خیز لہرون مین ضایع ہوتی رہتی ہین، کیون نہین شکست کر دئے جاتے؟ اسی طرح ہندوستان کے تمام شہرون مین عموماً، ترائی کے اکثر ضلعون مین خصوصاً ملیریا کی وبا شدت سے پھیلتی رہتی ہے، وہ کیون بدستور ضلع کی حیثیت سے قایم ہین؟ اخبارون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سال صدہا آفت خیز اور دردناک ہنگامے اور حادثے واقعے دنیا کے تمام شہرون مین نمودار ہوتے رہتے ہین لیکن، کوئی شہر دریاباد کی طرح ضلع سے محروم نہین کیا گیا۔ پس معلوم ہو گیا کہ دریاباد سے ضلع کی تبدیلی مصنوعی ملیریا اور دلدل وغیرہ کی وجہ سے نہین ہوئی، بلکہ اس کے اسباب کچھ اور تھے جو ظاہر نہین کئے گئے۔

موجودہ دریاباد ایک معمولی برائے نام قصبہ ہے، جس کی آبادی ۱۸۶۹ء کی مردم شماری مین ۵۹۹۹ اور ۱۸۹۱ء مین ۵۹۶۶، ۱۹۰۱ء مین ۵۹۲۸، جس مین ۲۹۴۴ مرد تھے، باقی عورتین۔ ۳۱۹۲ ہندو، ۲۶۰۴ مسلمان، ۱۳۲ نیچ قوم کے لوگ جو کسی مذہب مین شامل نہ تھے۔ ۱۲۹۰ مکانات مین ۲۴ گھروارہ

کے قابل تھے۔ کل آمدنی گھرواڑہ کی ۱۶۴۳ روپیہ تھی (ماخوذ از ڈسٹرکٹ گزیٹیر بارہ بنکی) سنہ ۱۹۲۰ء کی مردم شماری میں ۳۷۹۷ آدمیوں کا شمار کیا گیا تھا، یعنی ۲۰ سال کے عرصہ میں قریبًا ایک ہزار آدمی کم ہو گئے۔ یہاں ایک ورنا کیولر مڈل اسکول، دو اپر پرائمری اسکول، زنانہ مدرسہ، ٹریننگ اسلامیہ اسکول، شفاخانہ، ڈاکخانہ اور تار گھر، کانجی ہوس، بورڈنگ ہاؤس، دو آنریری مجسٹریٹیاں، ایک آنریری منصفی، آنریری اسسٹنٹ کلکٹری۔ علاوہ سرکاری مدرسوں کے ایک سنسکرت پاٹ شالہ راجہ صاحب کی سرپرستی میں قائم ہے۔ کواپریٹو بینک کا دفتر اور گئو شالہ بھی ہے۔ ستمبر سنہ ۱۹۲۳ء میں پبلک ٹریننگ اسکول اور ٹون پولیس تیکست اور رجسٹری کا دفتر سنہی گھاٹ منتقل ہو گیا ہے۔ قصبہ میں تین پختہ سڑکیں ہیں۔ ایک بھلسر اور کمیار گھاٹ کو باڑی کی باغ تک، دوسری اُتر طرف ٹکیٹ نگر اور دکھن طرف اسٹیشن ہوتی ہوئی تحصیل سنہی گھاٹ اور حیدر گڈھ کو، تیسری بدوسرائے، رام نگر کو گئی ہے۔ رُدولی، فیض آباد، لکھنؤ، ستے پور والی سڑکیں خام ہیں۔ دریاباد کا اسٹیشن بستی سے دکھن طرف ۱۲ فرلانگ کے فاصلہ پر اودھ روہیلکھنڈ ریلوے کی لوپ لائن میں دوسرے درجہ کا ہے، کیونکہ اس سے ٹکیٹ نگر اور بھٹریا دو بڑی تجارتی منڈیوں کو مال کی آمد رفت میں زبردست مدد ملتی ہے۔ اسٹیشن پر پان، سگریٹ، مٹھائی وغیرہ کھانے پینے کی ضروری چیزیں ہر وقت موجود رہتی ہیں۔ یہ قصبہ اگرچہ افلاس اور تنزل کی وجہ سے بالکل تباہ اور ویران ہے، تاہم انٹرنس پاس شدہ صاحبوں کو چھوڑ کر (جنکی تعداد معقول ہے) دو ایم اے، سات بی۔ اے، پانچ بی ٹی، ایل۔ ایل۔ بی۔ پانچ ایف۔ اے، ایک بیرسٹر، ایک شاستری، تین حکیم، تین خوشنویس، ہونے کے ساتھ ساتھ نظم و نثر، تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی جاری رہنا اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ علمی حیثیت سے اب بھی دریاباد بہت کچھ غنیمت ہے۔

ایڈریس مطبوعہ (بہ تقریب ورود مسعود آنریبل راجہ جیلیشر علی صاحب مسٹر بمقام جونپور منجانب ممبران کائستھ صدر سبھا جونپور ۱۲۔ اپریل سنہ ۱۹۲۴ء) میں لکھا ہے: "ہم لوگوں کو اس بات پر بکمال مسرت ہے کہ، گو صوبۂ اودھ میں ہماری قومی تعداد معقول ہے اور اس کے اضلاع میں خاص خاص بزرگان قوم سربرآوردہ ہیں۔ لیکن، تعلقداران اودھ کے منتخب جماعت میں جس میں ہندوؤں کے تمام شریف قوموں کے تعلقداران شامل ہیں، دریاباد کی قوم کائستھ نے ہر اعتبار سے وقعت قایم رکھا ہے"۔ اسی طرح ۱۴۔ اگست سنہ ۱۹۲۴ء کے اخبار مشرق گورکھپور میں بزیر عنوان "علی برادران کا دورہ" صفحہ ۴، کالم اول میں تحریر ہے: ۔ "دریاباد کوئی معمولی جگہ نہیں، ہمیشہ سے نام و نمود اور علم و فضل کا گہوارہ رہا ہے، اور آج تو حضرت فلسفی شاہ (مولانا عبدالماجد بی۔ اے ۱۲ مولف)۔ کی برکت سے یہ مقام بہت بڑی خانقاہ کی طرح زبان زد خاص و عام ہے"۔ ان گران قدر اور معنی خیز الفاظ سے اس اجڑی ہوئی بستی کی شہرت اور عظمت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔ لیکن رسالہ معارف (علی گڈھ) مئی سنہ ۱۹۲۴ء سے پایا جاتا ہے کہ دریاباد کا شہرہ محض صوبۂ متحدہ یا ہندوستان کی ادبی جماعت ہی تک محدود نہیں، بلکہ یورپ میں بھی اسے اپنی شاندار اور غیر معمولی علمی خدمت کی بناء پر مقبولیت اور ناموری کا افتخار حاصل ہو چکا ہے۔

مولف "پہونچا ہے شہرہ ہند سے یورپ تک اے محبّ ہو بستیاں نثار اس اجڑے دیار پر"۔

مشاہیر مین آنریبل رائے راجیشور بلی صاحب بہادر وزیر تعلیم، مولوی عبد المجید صاحب ڈپٹی کلکٹر، مولوی احمد کریم صاحب سب جج، حکیم مولوی محمد عبد الحسیب صاحب، مولانا عبد الماجد صاحب ناظر مصنف فلسفۂ جذبات وغیرہ، جن کی قابلیت کا شہرہ ہندوستان سے یورپ تک ہے، قابل فخر۔ مولف

چرخ قائم رہے، جب تک رہے دنیا آباد　　رہے تب تک یہ ترقی یہ خدایا آباد
کبھی ویران نہ ہو قصبۂ دریا آباد

دوسرا باب

علمائو فضلائو شعراء اور حکمائو وکلائو فقراء کا بیان

پہلی فصل سنسکرت دان پنڈتون کے بیان مین

پنڈت اندرجیت شاستری

پنڈت جی کا زمانۂ حیات اور انکی علمی قابلیت کا کچھ بھی پتہ نہین چلتا کہ یہ کس زمانے مین تھے اور سنسکرت کے چودہ علوم مین سے انھین کس علم پر زیادہ عبور حاصل تھا۔ لیکن شاستری کا لقب اس امر کا اشارہ ہے کہ پنڈت جی کسی ایک شاستر کے عالم تھے۔

پنڈت لکشمی دھر، پنڈت ودیا دھر

پنڈت لکشمی دھر بہ عہد شہنشاہ اکبر موتمن الدولہ راجہ ٹوڈرمل (دیوان سلطنت دہلی) کے یہان ملازم تھے ان کے بھائی پنڈت ودیا دھر کو راجہ مان سنگھ بہادر (اکبر شاہ کے نو رتنون مین تھے) کی مصاحبت کا فخر حاصل تھا اس سے ان پنڈتون کی علمی قابلیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

پنڈت کنول رام جوتشی

جوتش مین بہت بڑے قابل، اب سے دو سو برس بیشتر دور دور تک ان کی خاص شہرت تھی۔

پنڈت بھاسکر آنند تیواری

اپنے وقت کے نامور پنڈتون مین سے تھے۔ راجہ نول رائے صاحب (نائب صوبۂ اودھ) بہ عہد نواب

ابوالمنصور خان بہادر صفدر جنگ) کی اِن پر خاص نگاہ کرم اور نظرِ عنایت مبذول تھی۔ زمانۂ حیات اب سے ڈیڑھ سو برس قبل۔

پنڈت چھب ناتھ اوستھی

دیاکرن مین زبردست قابلیت رکھتے تھے۔ راجہ جھاؤلال صاحب (نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین وزیر جنگ اور افواج شاہی کے جنرل تھے) کے دربار مین اِن کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ زمانۂ حیات اب سے سوا سو برس اُدھر۔

پنڈت دینا ناتھ دوویدی

ساہتیہ (علم ادب) کے مشہور و معروف پنڈت، راجہ ٹکیت رائے کے درباری پنڈتون مین شامل۔ راجہ صاحب موصوف کی قدردانی سے نہایت اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اب سے سوا سو برس قبل موجود۔

نوٹ لا یعلم ساکت ان بزرگون کے حالات باوجود کوشش کچھ بھی دریافت نہین ہوئے۔ ہرشنکر اوستھی اور بھیا شیو رتن سنگھ صاحب کی زبانی جو کچھ سننے مین آیا اُسی پر قناعت کرکے درج تاریخ کیا گیا۔

پنڈت جیونا رائن مشر

سروریا[۵] برہمن، وتس گوتر، بیاسی مشر، عالی نسب، اپنے وقت کے نامی گرامی پنڈت، دھرم شاستر کے زبردست

---

۵ کانیکبج برہمنون کے دو فرقے مشہور ہیں، سروریا، قنوجیا۔ کانیکبج دیش کے رہنے والے کامیہ اور کبج دو بھائی تھے۔ جو دریائے سرجو کے اُس پار جاکر آباد ہوگئے، اُن کی اولاد سروریا مشہور ہوئی۔ دوسرے بھائی نے اس طرف جنوبی حصے میں سکونت اختیار کی جن کی نسل والے کانیکبج یعنی قنوجیا کہلائے۔ سروریا برہمن زیادہ تر گورکھپور، غازی پور، مرزاپور، اجودھیا، پراگ، جونپور، بستی، اعظم گڈھ، کاشی مین آباد ہین۔ قنوجیا اودھ، قنوج، دِلّی، آگرہ تک آباد ہیں اور اِن شہرون کے مجموعی رقبہ کو کانیکبج دیش کہتے ہین۔ ان برہمنون کے بہت سے فرقے ہیں یعنی پانڈے، پاٹھک، تریپاٹھی، دوویدی، ترویدی، چترویدی، اوستھی، دیکھیت، شُکل، مشر، اُپادھیا، بھٹاچاریہ، اگن ہوتری، باجپیئی وغیرہ۔ دو وید پڑھنے سے دُوویدی (دُوبے) ترویدی، چترویدی (چوبے) تریپاٹھی (تیواری) اور وید پڑھانے والے، پانڈے، پاٹھک، بھٹاچاریہ، اُپادھیا کہلائے۔ یگیہ کرنے اور کرانے سے باجپیئی، اگن ہوتری، اوستھی، دیکھیت اور عمدہ کامون مین صفائی کے سبب شکل اور اوصاف حمیدہ اور کامون میں ہوشیار اور سب مین ملے رہنے کی وجہ سے مشر مشہور ہوئے۔ عرصہ سے اس قسم کی کارروائی متروک ہے اور برہمنون کا ہر فرقہ اپنے قدیم موروثی لقب برتا زان اور رتا کرتا ہے۔ سروریا اور قنوجیا برہمنون کے گوتر قریب قریب ایک ہی ہین، صرف فرق یہ ہے کہ سروریوں مین تین گوتر گرگ، گوتم اور شانڈلیہ اعلیٰ اور تیرہ گوتر ان سے کم درجہ کے مانے جاتے ہین اور یہ تیں اور تیرہ گھر مشہور ہین۔ قنوجیون مین چھ گوتر کشیپ، شانڈلیہ، کاتیائن، بھردواج، اُپ منیو، سانکرت اول اور دس گوتر دوسرے درجہ کے تسلیم کئے گئے ہیں اول گوترون کی اولاد اصل خاندان اور دوسرے درجہ والے عالی نسب شمار کئے جاتے ہین[۱۲]

ماہر ہونے کے علاوہ ویاکرن [صرف و نحو ۱۲]، کرم کانڈ [فقہ ۱۲]، کاویہ [شاعری] سے بھی واقف تھے جیوتش [نجوم و ہیئت ۱۲] اور پرانون [تاریخ ۱۲] سے بھی دلچسپی تھی۔

پنڈت جی کی لکھی ہوئی اَدھیاتم رامایَن سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے والد کا نام تمیُر تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اِن کے بزرگ بڑے وِدْوان موضع مجھولی (ضلع بستی) کے رہنے والے وِیھیتون کے زمانۂ عروج میں یگیہ کراتے کے لیے حسب الطلب آئے تھے۔ یگیہ ختم ہونے کے بعد وِیھیتون نے اُن سے گُرُشتر (سعیت) حاصل کرکے ایسی خدمت کی کہ وہ اپنا وطن بھول کر دریابادہی مین رہ گئے اور اُن کی نسل یہان قائم ہوگئی۔ دیھیتون کے یگیہ کو آج تک چھ سو برس ہوچکے، جس کے بانی شانت مہاراج تھے۔ یگیہ مین اُس پنڈت کی ضرورت ہوتی ہے جو وید کا ماہر ہو، اور وید کی نسبت "تاریخ ہندوستان" صفحہ ۶۸ مین لکھا ہے کہ "وید پُرانی سنسکرت مین لکھے ہوئے ہین جو آج کل کی سنسکرت سے اس قدر مختلف ہے کہ بجز بڑے بڑے قابل اور عالم برہمنون کے اسکو کوئی نہین سمجھ سکتا ہے"۔ اس سے پنڈت جی کے مورث اعلیٰ کی علمی قابلیت اور دریاباد مین اِن کے خاندانی سلسلہ کی قدامت کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

چند شاہی پروانون کے دیکھنے سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ پنڈت جی کے آبا و اجداد بہت بڑے معزز پنڈت تھے جنھین دربار شاہی سے ایک سو بارہ بیگھہ پختہ آراضی بطور معافی عطا ہوئی تھی۔ پروانون کی نقلین حسب ذیل ہین جن مین پنڈت جی کے منجھلے بیٹے رامیشر مشر کا ذکر ہے اور جو انھین کے خاندان مین پنڈت مہادیو پرشاد کے پاس موجود۔

"(۱) عزیز القدر رام دواز۔ پروانہ راجہ صاحب بہادر دام اقبالہ وردد نمود کہ رامیشر نار دار ظاہر نمود کہ موازی یکصد و دوازدہ بیگہ زمین شکلپ در دہات پرگنہ دریاباد مفصلۂ ذیل بموجب اسناد از قدیم باسم دعاگو مقرر لغایت حال قابض و متصرف بود حالا آنعزیز القدر سند بنام خود میخواہد لہذا نگارش میرود کہ آنعزیز القدر آراضی مذکور موافق معمول قدیم مزاحم نشوند درین باب تاکید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند مرقوم بست و سیوم ربیع الاول ۱۱۹۰ فصلی۔ نقل دفتر دیوان ۱۱۹۵ھ۔ مہر نور محمد بیگ (۲) پروانہ مہر راجہ صاحب راجہ بینی بہادر بتاریخ بست و ہفتم ماہ شوال ۱۱۷۶ ہجری کرامی قدر رفیع الشان مرزا نور محمد بیگ۔ رامیشر نار دار ظاہر نمود کہ موازی یکصد و دوازدہ بیگہ زمین خارج جمع وجہ شکلپ از دیہات پرگنہ دریاباد از قدیم مقرر و سابق پروانہ از اینجا ہم بنام آن کرامی قدر حاصل نمودہ لیکن مستاجران کہ بعضی دیہات را تعہد کردہ اند بزبردستی نمیگذارند و سماعتی اینمقدمہ نمیکنند لہذا نگارش میرود کہ ازتاکید باید است مزاحمت از زمین خارج جمع کہ از سرکار گذاشت و معاف است موافق معمول مزاحم نشوند اگرباحق تعدی و ظلم بر غریب خوب نداند (۳) برادر صاحب عزیز از جان مرزا محمد علی بیگ حسنو۔ پروانہ مہاراجہ صاحب بہادر در ود نمود کہ رامیشر نار دار ظاہر نمود کہ موازی یکصد و دوازدہ بیگہ زمین بنجر خارج جمع شکلپ در دیہات پرگنہ دریاباد بموجب اسناد از قدیم بر اسم دعاگو مقرر لغایت حال قابض و متصرف بودہ حالا آنعزیز از جان سند بنام خود میخواہد لہذا بر طبق آن مرقوم مے نمود کہ آراضی مذکور موافق معمول قدیم بتصرف او واگذارند مرقوم پنجم شہر صفر المظفر ۱۱۸۵ ہجری"

جیو نارائن مشر علم کے سچے خادم اور پوتھیون کے بے مثل شوقین تھے، اِنھون نے دولت خرچ کرنے کے

ھ ان پروانون میں بعض الفاظ کرم خوردہ تھے اور بعض پڑھے نہیں گئے اس لئے اُنکی جگہ سادی چھوڑ دی گئی ۱۲

علاوہ ان تھک اور غیر معمولی کوششوں سے کتابوں کا ایسا زبردست ذخیرہ جمع کیا تھا جو ایک بڑے کتب خانہ سے کم نہ تھا۔

پنڈت جی کی لکھی ہوئی بہت سی پوتھیاں موجود ہیں جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ اعلیٰ درجہ کے محرر تھے، لیکن خوشنویس نہیں تھے، بلکہ بدخط لکھنے میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ سمبت ۱۹۰۹ بکرمی مطابق ۱۸۵۲ع کے قبل پیدا ہو چکے تھے اور سمبت ۱۹۸۱ بکرمی مطابق ۱۹۲۴ء میں بہ قید حیات تھے، جسے آج تک ۱۷۸ سال ہوتے ہیں۔ اولاد میں نتیانند، رامیشر، اندرمن مشہور۔ (دیکھئے چھتائی ٹولہ)

پنڈت نتیانند مشر شاستری

پنڈت جیو نارائن مشر کے فرزند اول۔ اس قدر ودّوان تھے کہ ان کی علمی شہرت سن کر مہاراجہ ٹکیت رائے نے انھیں بڑی عزت و توقیر کے ساتھ بُلایا اور کچھ دن کے بعد اِن سے گرُمنتر (بیعت) حاصل کیا۔ اِن کے چھوٹے بھائی اندرمن بھی اچھے پنڈت تھے، مہاراجہ صاحب کے درباری پنڈتوں میں شامل تھے۔ پنڈت جی کی ایک چھٹی (اس چھٹی کا ترجمہ دیوان روشن لال صاحب کے بیان میں درج ہے) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کایستھوں کے بڑے بہی خواہ تھے اور انھیں دھرم، کرم اور قومی زبان سے آگاہ کرنا اپنا خاص فرض سمجھتے تھے۔ بھاشا زبان سے سنسکرت دان پنڈتوں کی طرح نفرت نہیں کرتے تھے، بلکہ اُس سے خاص دلچسپی رکھنے کے ساتھ ہی انشا پرداز بھی تھے، لیکن تحریر میں سنسکرت کے دقیق الفاظ زیادہ استعمال کرتے تھے، جس سے محض بھاشا دان بغیر لغت کے نہیں سمجھ سکتے تھے۔ یہ پنڈت ہونے کے ساتھ ساتھ تجربہ کار، زمانہ کے نشیب و فراز سے واقف، موقع شناس، آغاز و انجام سے آگاہ بھی تھے۔ ہم وطنوں کے باہمی رنج و ملال کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور حتی المقدور اُس کے دفع کرنے کی کوشش مقدم سمجھتے تھے"۔ اِس سے پنڈت جی کی روشن خیالی اور فطری دانائی اچھی طرح ثابت ہوتی ہے۔

بعض بزرگ بیان کرتے ہیں کہ پنڈت نتیانند جی مہاراجہ ٹکیٹ رائے کے گرُو (مرُشد) نہیں تھے، بلکہ اِن کے بھائی اندرمن مہراج تھے۔ لیکن تاریخ اس بیان کی تائید میں بالکل خاموش ہے۔ "سرو ریہ کل دیپکا" (سرو ریہ برہمنوں کی تاریخ، مولفہ پنڈت گنیش پرشاد مشر ساکن گونڈہ، اسسٹنٹ ماسٹر اسکول گونڈہ) کے آخری صفحہ پر لکھا ہے۔ "پنڈت بینی مادھو کے بزرگ شیو ارام پانڈے ناگ چوری چیتیا سے آکر دریاباد ضلع بارہ بنکی میں بسے، جن کو مہاراجہ ٹکیٹ رائے کے گرو نتیانند بیاسی مشر نے اپنی لڑکی بیاہ دی تھی"۔ اس سے ماننا پڑتا ہے کہ مہاراجہ ٹکیت رائے کے گرو پنڈت نتیانند ہی مہراج تھے۔

پنڈت جی نے بنارس میں سنسکرت کی تعلیم پائی تھی۔ پنڈت لچھمی پرشاد لکھنوی کی لکھی ہوئی رگھو ونش نامے پوتھی سے پایا جاتا ہے کہ نتیانند مہراج کو شاستری کا لقب حاصل تھا اور لچھمن پرشاد ان کے شاگرد تھے۔ افسوس ہے کہ پنڈت جی کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ پوتھی مذکور مہابیر دیچھیت کے یہاں موجود ہے۔

پنڈت رام دیال پانڈے

سرو ریا برہمن، وتس گوتر، ناگ چوری پانڈے، عالی نسب (تیرہ گھروالے) جوتش میں خاص طور پر شہرت رکھتے تھے۔ بنارس میں سنسکرت پڑھی تھی۔ ریاست ہڑاہا (بارہ بنکی) کے راجہ بڑھتی پت سنگھ صاحب نے ان کی خوب قدر کی، ساٹھ بیگھہ زمین بطور معافی عنایت فرمائی تھی جس پر پنڈت جی نے ایک پورہ بھی آباد کیا تھا، جو ابتک "پورہ پنڈت" کے نام سے مشہور ہے۔

"سرو ریا کُل دیپکا" (سرو ریا برہمنوں کی تاریخ) سے معلوم ہوتا ہے کہ "پنڈت جی کے والد شوا رام پانڈے موضع پھیتیا (ضلع بستی) سے دریاباد آکر آباد ہوئے تھے جنھیں پنڈت نتیانند مشر کی بیٹی منسوب ہوئی تھی۔"

پنڈت رام دیال دریاباد ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ لاولد وفات پائی۔ زمانہ حیات اب سے سو برس قبل۔ ان کے بھائی پنڈت رام غلام منتر شاستر کے اچھے پنڈت تھے۔ ان کی اولاد میں رام پرشاد، رام بخش، رام نرائن، رام چرن، جن میں صرف رامچرن نے بزرگوں کا نام روشن کیا۔ دیکھیا نہ

پنڈت رام غلام پانڈے

پنڈت رام دیال کے چھوٹے بھائی، منتر شاستر کے زبردست ماہر، کرم کانڈ، جوتش، وویاکرن سے بھی واقف تھے۔ پہلے اجودھیاجی، پھر بنارس میں سنسکرت حاصل کی تھی۔

پنڈت جی کے نام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دریاباد کے ذی علم برہمن بھی اسلامی زبان سے اچھی طرح مانوس ہوکر اب سے ڈیڑھ سو سال پہلے فارسی الفاظ بلاتکلف بولنے لگے تھے، جس کے اثر سے اُن کے گھر کی عورتیں بھی محفوظ رہ سکیں اور پنڈت جی کو بجائے رام داس اور رام سیوک کے رام غلام کے نام سے پکارنے لگیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اُنھیں بھی مردوں کی طرح غیر ملکی زبان پیاری اور بھلی معلوم ہونے لگی تھی۔ اس سے قدیم ہندو مسلم اتحاد کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔

پنڈت رام غلام کی اولاد میں رام پرشاد، رام بخش، رام نارائن، رامچرن ان میں صرف رامچرن نے بزرگوں کا نام روشن کیا۔

پنڈت رام پرشاد مشر

عرف پرشاد داشا گدیہی برہمن، مشر کے لقب سے مشہور، بھردواج گوتر، پنڈت بودھے رام کے بیٹے، شاگرد پنڈت رام غلام دریابادی، ساہتیہ ادب اور جوتش میں اچھی استعداد رکھتے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے خاندان میں اچھے اچھے قابل اور مشہور سنسکرت دان بزرگ گذرے ہیں، لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پنڈت جی کے بزرگ کب اور کہاں سے دریاباد آکر آباد ہوئے تھے۔ پنڈت جی کے خاندانی لوگوں کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اِن کے مورث اعلیٰ دریاباد کے دکھن طرف تھوڑے فاصلے پر ایک گاؤں سے

(جس کا اب کہین پتہ نہین) آکر دریا خان صاحب کے وقت مین جبکہ دریا باد آباد ہو رہا تھا، یہان بسے تھے"۔ پنڈت جی کے یہان چند پوتھیان تلاش سے دستیاب ہوئی ہین، جو سمبت ۱۶۹۹ بکرمی اور سمبت ۱۸۸۱ بکرمی کے درمیان لکھی گئی ہین۔ اِن مین سنگھر بودھ، جاتکا النکار، لگھو جاتک، لگھو جاتک مع ٹیکا، مہورت چنتامن، ہرنے سندھو (۱۱۶ ورق ناتمام) وغیرہ جوتش کے متعلق اچھی کتابین ہین، جو اس بات کو ظاہر کرتی ہین کہ پنڈت جی کے بزرگ دریا باد مین اب سے تین سو برس قبل آباد ہو چکے تھے، جس کی نسل مین دیو کرشن ولد سی رام (سمبت ۱۶۰۰ بکرمی) پٹو ولد شیو رام بن چتامن (سمبت ۱۸۰۳ بکرمی) منی رام (سمبت ۱۷۲۸ بکرمی) تلکشی مستر وغیرہ (سمبت ۱۶۹۹ بکرمی) نجوم کے اچھے ماہر تھے اور مستر کہلاتے تھے۔ فاضلوں کا بیان ہے کہ ان برہمنون کے مورث اعلیٰ جو بیے مثل پنڈت اور بہترین وید تھے، شری کرشن چندر مہاراج کے وقت مین اُنکے بیٹے سام جی کے علاج کے لئے جو جذام مین مبتلا تھے بطلب شاک دیپ (یورپ) سے ہندوستان آئے اور بعد صحت یہین رہ گئے تھے، اُن کی نسل یہان قائم ہو کر شاکدیپی یا ساکدیپی برہمن کہلانے لگی۔ پرانون سے اس روایت کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ شاکدیپی برہمن ساڑھے چار ہزار برس سے ہندوستان مین آباد ہین، جن کا خاندان اب سے پانچ ہزار برس قبل یورپ مین موجود تھا۔ سمرتی وغیرہ پوتھیون مین لکھا ہے کہ کسی وقت آریہ ورت کے بہت سے باشندے غیر ملکون مین آباد ہو گئے تھے، جس کی تائید مین محققان یورپ نے اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ ترکستان وایران وغیرہ عموماً اور جرمن خصوصاً ہندوستان کے برہمنون کا آباد کردہ ہے، جو آج کل سنسکرت زبان کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس لئے قیاس غالب ہے کہ شاکدیپی برہمنون کا اصلی وطن ہندوستان ہی ہوگا جن کے بزرگ مدت دراز کے بعد جرمن سے پھر اپنے قدیم ملک کو واپس آگئے ہونگے یہ برہمن آپس مین شادیان کرتے ہین۔ ہندوستانی برہمن انھین ابتک اجنبی جانتے اور ان سے رشتۂ قرابت پیدا کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہین۔ ہنود کے اعلیٰ فرقے ان کے ہاتھ کا پکا یا ہوا کچا کھانا نہین کھاتے، اگرچہ تمام ہندو قوم شاکدیپی برہمنون کو برہمن تسلیم کرتی اور تعظیم وتکریم مین ہندوستان کے برہمنون سے کم نہین سمجھتی۔ یہ افسوسناک غلطی اور یہ باہمی نفاق اور قومی تفریق مہاراجہ بکرم کے بعد سے شروع ہوئی ہے۔ کیونکہ تاریخون سے پایا جاتا ہے کہ اگلے زمانے کے ہندو ان تباہ کن اور فساد انگیز باتون سے مطلق آگاہ نہ تھے جن کے وقت مین شودرون اور اچھوتون تک کی لڑکیون کے ساتھ شادیان کر لینا شاستراً اور اخلاقاً ہر طرح جائز تھا اور قومی جماعت کے روشن خیال بزرگ اسی طرز عمل کو اپنے حق مین مفید اور معراج ترقی کا زینہ سمجھتے تھے، جو افسوس! کہ بدقسمتی سے آج کل خواب وخیال ہے، جس کا نتیجہ ظاہر۔

پنڈت جی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی مہالکشمی، ست نارائن اور ادھیاتم رامائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کچھ کچھ کرم کانڈ سے بھی واقف تھے اور سمبت ۱۸۴۲ بکرمی کے قبل پیدا ہو چکے تھے، اخیر سمبت ۱۸۸۱ بکرمی مین بقید حیات تھے۔ (بھیپی ٹولہ)۔

پنڈت پراگدت دیچھت

اپنے وقت کے نامی پنڈت، بھوانی شنکر دیچھت کے اکلوتے بیٹے، از نسل شانت دیچھت، قنوجیا برہمن اپ سنج گوتر، کاویہ، کرم کانڈ، جوتش کے ماہر ہونے کے علاوہ اچھے انشا پرداز بھی تھے۔

لوگوں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ "دریابادی دیچھتوں کے خانداں میں بہت سے ودّوان ہو گئے ہیں۔ اس خاندان میں ایک مدت تک علم سنسکرت کا خاص طور پر چرچا رہا۔ جب دیچھتوں کا زمانہ زوال میں آیا تو یہ باتیں ایک افسانہ ہوگئیں۔ اب ان دیچھتوں کے وقت کی پوتھیاں شاید پنڈت ہنومان دت، جنکے بزرگ دیچھتوں کے آچاریہ تھے، کے یہاں ہوں۔ کئی پشتوں کے بعد دیچھتوں کا ستارہ چمکا اور پنڈت پراگدت پیدا ہو کر علمی شوق کے باعث سنسکرت کے ودّوان مشہور ہوئے۔ انھوں نے بصرف کثیر ایک بہت بڑا کتب خانہ قائم کیا تھا، جس میں ہر قسم کی بیشمار کتابیں موجود تھیں۔ سکرند دیچھت، پنڈت بجنا ور اور اجودھیا پرشاد وغیرہ پوتھیاں لکھتے تھے۔ مکرند دیچھت وغیرہ تو عزیزدار ہی تھے، مگر پنڈت بجنا ور اور اجودھیا پرشاد پانچ پانچ روپیہ ماہوار پر نوکر تھے"۔ یہ پانچ روپے آج کل سو روپیہ کے برابر ہوئے۔

بنارس میں سنسکرت کی تعلیم پائی تھی۔ یہ بڑے نیک، ملنسار، منکسر المزاج تھے۔ کسی قسم کا غرور نہ تھا۔ اپنے وطن کے بھی خیر خواہ تھے قرب وجوار کے اکثر بیشتر باشندے ان کی وجہ سے دیچھتانی محلہ میں آباد ہو گئے تھے فیاض بھی تھے، روز آنہ کچھ دان پُن کرتے تھے۔ غریبوں اور محتاجوں پر زیادہ مہربان رہتے تھے۔ مصیبت کے وقت ہر کس وناکس کے شریک حال ہو کر ہر طرح کی امداد دینے پر بدل وجان تیار ہو جاتے تھے۔ ان کی طبیعت صلح پسند تھی، محلہ میں جہاں کہیں لڑائی جھگڑا ہوتا تھا یہ پہونچکر فوراً میل ملاپ کرا دیتے تھے۔ ان کا اخلاقی دائرہ بھی بہت وسیع تھا۔ یہی وجہ تھی کہ چھوٹے بڑے سب انکے مداح تھے۔ دل میں تعصب کو مطلق دخل نہ تھا، ہندو مسلمان سب سے مراسم تھے۔ ان کی ذات رشک وحسد سے بری تھی۔ انھیں ہمیشہ اس بات کا ملال رہا کہ ہمارے دادا بلادیو دیوان روشن لال صاحب اور من سُکھ اوستھی سے کھنچے رہے۔ تہواروں اور تقریبوں کے موقعوں پر یہ خود اپنے ہاتھ سے غریبوں کو عمدہ کھانا تقسیم کرتے تھے۔ علمی خیرات میں بھی حصہ لیتے تھے، سیکڑوں پوتھیاں لکھوا کر نادار طلباء کو تقسیم کردیں۔ خاندان پرور، شریف نواز، مخلص نواز، علم وہنر کے قدردان بھی تھے۔

پنڈت جی فارسی دان بھی تھے۔ دریاباد کے کسی مولوی سے فارسی پڑھی تھی۔ امارت اور نفاست کے بھی دلدادہ تھے ان کا کمرہ بہت آراستہ تھا۔ امیرانہ قیمتی پوشاک پہنتے اور کھانا نہایت نفیس کھاتے تھے قصہ سُننے کے بیحد شوقین تھے، ایک داستان گو ہمیشہ نوکر رہا، جو انھیں رات کے وقت کہانیاں سُنایا کرتا تھا گانے بجانے سے بھی دلچسپی تھی، خود بھی اچھا گاتے تھے اور ستار بھی خوب بجاتے تھے۔ گانا فطری تھا، مگر ستار

کا فن لکھنؤ مین حاصل کیا تھا۔ پتنگ بھی اچھا اُڑاتے تھے لیکن یہ شوق جوانی ہی تک محدود رہے۔

دیکھیت مہاراج پنڈت ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے منتظم اور جفاکش بھی تھے۔ چنانچہ اپنے باپ کی وفات کے بعد جبکہ بلدی رام اِن کے چچا بھوانی شنکر کی جگہ پر راجہ بھوانی دین (جانشین راجہ ٹکیت رائے) کے یہان کام کرنے لگے، آبائی زمینداری و مہاجنی وغیرہ کا کام نہایت نیک نیتی اور قابلیت سے جب تک۔ زندہ رہے، انجام دیتے رہے۔ کاروبار مین کسی طرح کا فتور نہیں آیا۔ دفتر اور مہاجنی کے کاغذات کی دیکھ بھال بہت غور و فکر کے ساتھ کرتے تھے۔ اکثر ضروری کاغذون کو خود بھی لکھتے تھے۔ آخری عمر مین انھون نے "ٹھیا تلاؤ (تالاب) کو پختہ ہوانے اور اُسکے قریب ہی عالی شان پتھر کا ٹھاکر دوارہ معہ عمدہ پھلواری کے تیار کرانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ لیکن پرمیشر کو منظور نہ ہوا، قبل از وقت ناگہانی موت نے ان کی یہ آرزو پوری نہ ہونے دی۔

کیا شان الٰہی ہے کہ جہان انھین سب طرح کا سامان عیش و آرام میسر تھا، ان اولاد کی طرف سے کمی تھی۔ کئی ایک بچے پیدا ہو ہو کر کم سنی ہی مین گذر گئے۔ بڑھاپے کے زمانے میں ایک لڑکا ہوا جو زندہ رہا، لیکن بدنام کنندۂ خاندان، جاہل مطلق، مفسد، بیرواز۔

ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی بھاگوت مہاتم، دس کرم، بھاو آرتھ پرکاشکا" نامی پوتھیون کے دیکھنے سے جن کی خوشخطی اور صفائی قابل تعریف ہے، ظاہر ہوتا ہے کہ پنڈت جی خوشنویس بھی تھے اور صحیح نویس بھی۔

"بھاگوت مہاتم" سے معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت پراگدت سمبت ۱۸۷۱ بکرمی میں بقید حیات تھے اور اس لئے دریاباد کے پنڈت رام پرشاد مسر کے ہم عصر تھے۔ ہر پرشاد اکثر کہتے تھے کہ ہمکو خوب یاد ہے: "پنڈت پراگدت اپنے چچا بلدی رام کے بعد فوت ہوئے ہیں" اور بلدی رام سمبت ۱۸۶۵ بکرمی مین موجود تھے (ملاحظہ ہو باب ۳، فصل ۲، ذکر بھوانی شنکر دیکھیت) اس سے قیاس غالب ہے کہ شروع بیسوین صدی بکرمی مین پنڈت جی کا بیکنٹھ باس ہوا ہوگا۔

افسوس ہے کہ پنڈت جی کا انتقال ہوتے ہی خاندان مین باہمی جہالت اور نفاق کی تو پون نے تباہی کے وہ گولے برسائے کہ دیکھیتون کی قدیمی شان و شوکت کا مستحکم اور بلند قلعہ، جسے بھوانی شنکر نے از سر نو تعمیر کیا تھا، بات کی بات مین مسمار ہو کر ڈھیر ہو گیا۔ نہ زمینداری اور مہاجنی باقی رہ گئی، نہ دولت اور امارت۔ پنڈت جی کی یادگار مین "بھاو آرتھ پرکاشکا" (درگا پوتھی کی شرح) نامی مختصر سی نثر تصنیف غیر مطبوعہ پنڈت ہنومان دت کے پاس موجود۔ خاندانی حالات کے لئے باب ۳، فصل ۲، ذکر شاخ دیکھیت ملاحظہ ہو۔ (دیکھیتانہ محلہ)

پنڈت رُودر دت مشر

عُرف غریب دھن، سرورِیہ برہمن، از نسل پنڈت جیو نارائن مسر پنڈت اندرس مہاراج کے نامی بیٹے، جوتش میں مشہور، صاحبِ تصنیف و تالیف، دیاکرن، کاویہ، کرم کانڈ کے علاوہ پرانون کے بھی ماہر تھے، مسترشاشر مین بھی اچھی استعداد رکھتے تھے، ساتھ ہی اِس کے اچھے خاصے شاعر بھی تھے اور خوشنویس بھی۔ انھون نے پہلے

دریاباد مین پھر بنارس مین تعلیم پائی تھی -

بیان کیا جاتا ہے کہ مدن سنگھ صاحب چودھری وقانونگو (رئیس دریاباد، مورث رائصاحب) اور اسیرن سنگھ صاحب تعلقدار (قیام پور) اِن کے بڑے قدردان تھے - چنانچہ ساٹھ ساٹھ بیگھ آراضی خام دونون رئیسون نے بلالگان عنایت فرمائی تھی - لیکن، جب ٹھاکر نورنگ سنگھ صاحب زبردستی تعلقۂ قیام پور کے مالک بن بیٹھے تو اُنھون نے آراضی مذکور ضبط کر لی - کچھ دن کے بعد واللہ اعلم کیا سمجھے کہ پھر واپس دینے پر آمادہ ہو گئے - مگر پنڈت جی نے صاف کہدیا کہ "ہم یہ آرضی اُسی وقت لین گے جب ٹھاکر اسیرن سنگھ پھر تعلقدار ہو کر ہمین سنکلپ دین گے" ٹھاکر نورنگ سنگھ نے بہت کچھ کوشش کی کہ آراضی مذکور پنڈت جی قبول کر لین - لیکن، پنڈت جی بات کے دھنی اور آن بان والے تھے، تا زندگی اپنے قول پر ثابت قدم رہے - رائے صاحب کے یہان کی معافی بدستور اِن کے خاندان مین اب تک بحال ہے" ایک ہندی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ نورنگ سنگھ نے اِن کے لڑکے اندردت کو بھی آراضی مذکور دینی چاہی تھی، مگر، اُنھون نے بھی لینے سے انکار کر دیا تھا - ہندی تحریر حسب ذیل ہے -

"بھیا نورنگ سنگھ کے دسکھت سہی - سوست شری پرم مورت اندردت جیو کا لکھ بھیا نورنگ سنگھ جیو کے پرنام - آگے تم آپن سنکلپ وناپُر مان جوتہ جوتا وہ جائے ہم مجاہم نا ہو بے - آگے شبھ - متی ساون بدی تیج سن - ۱۲۵۹ **معمولی ترجمہ** بھیا نورنگ سنگھ کے دستخط صحیح - برمہ مورت پنڈت اندردت جیو! نورنگ سنگھ کا پرنام آپ کی معافی جو دناپور مین تھی، بحال کی گئی، اب ہم مزاحم نہ ہونگے - ساون بدی تیج سنہ ۱۲۵۹ فصلی"

زمانہ کا اِنقلاب دیکھئے کہ اب سے ۶۰ برس قبل یعنی آخر شاہی مین بات کے آگے ۶۰ بیگھ آراضی کوئی چیز نہ تھی، لیکن آج کل ہم لوگ ایک بسوہ زمین کے لئے سیکڑون جھوٹی قسمین کھانے کو تیار ہین -

سُنا جاتا ہے کہ رائے بدری پرشاد صاحب چکلہ دار بھی ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے - راجہ چھترپتی سنگھ کے ذمہ جب تین برس کی مالگذاری واجب الادا ہو گئی اور اُنھون نے کسی طرح ادا نہ کی تو ناچار چکلہ دار صاحب نے پنڈت جی سے کہا کہ آپ کوئی ایسی ساعت بتلائیے کہ ہم اُن کو گرفتار کر کے شاہی مالگذاری وصول کر لین پنڈت جی نے ایک ساعت مقرر کر دی جس کے مطابق چکلہ دار صاحب حملہ آور ہونے پر کامیاب ہو گئے اور دربارِ شاہی مین اُن کی بڑی عزت و توقیر ہوئی - اِس بنا پر وہ پنڈت جی کے معتقد ہو گئے تھے - اس واقعہ سے پنڈت جی کی نجوم دانی بخوبی ثابت ہوتی ہے -

پنڈت غریب دھن کی جنم کنڈلی سے پتہ چلتا ہے کہ اِن کا جنم ماگھ بدی چھٹھ سمبت ۱۸۲۶ بکرمی مین ہوا تھا "شیوراتر برت" اور بسنت راج نامے پوتھیان اِنھین کی لکھی ہوئی دیکھنے مین آئی ہین "شیوراتر برت" کے خاتمہ پر سمبت ۱۸۳۷ بکرمی تحریر ہے، جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ گیارہ برس کے سن مین کتابین لکھنے اور کرم کانڈ یعنی فقہ کی تعلیم پانے لگے تھے - بسنت راج سے معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے راجہ نرمل داس -

(جانشین راجہ تکیت رائے) کے خوش کرنے کو یہ نفیس اور پاکیزہ نظم سمبت ۱۸۴۵ بکرمی میں تصنیف کی تھی، جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ پنڈت جی ایسے ذہین تھے کہ انیسؔ ہی برس کے سن میں اچھے شاعر ہو کر ایک نامی رئیس کے دربار میں دلکش منظوم تصنیف کے ذریعہ اظہار قابلیت پر آمادہ ہو گئے تھے۔

رائے صاحب کے کتب خانہ میں ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی "دھنرویدا" نامی مشہور و معروف تصنیف کی نقل دیکھنے میں آئی ہے، جس میں جنگی فنون کا بہ تشریح بیان ہے۔ یہ پوتھی سمبت ۱۸۵۰ بکرمی میں لکھی گئی ہے خاتمہ کتاب پر پنڈت جی نے بجائے اصلی نام کے اپنا مشہور نام "غریب دھن" ہی تحریر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت جی تیر، تلوار، وغیرہ کے فن اور فوجی قواعد سے بھی واقف تھے یا واقفیت حاصل کرنے کے لئے ان فنون سے دلچسپی پیدا کی ہو جس کی شاہی زمانہ میں بیحد ضرورت تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ذی علم اور بہادر رئیس کی فرمائش پر کتاب مذکور نقل کی گئی ہو۔ کتاب پر "غریب دھن" نام تحریر ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اب سے سوا سو برس قبل دریاباد میں عام طور پر لوگ فارسی کے الفاظ استعمال کرتے تھے اور اس وقت فارسیت کا اس قدر زور ہو گیا تھا کہ پنڈت جی کے والدین بھی پنڈت رام غلام کے باپ، ماں کی طرح اس زبان سے مانوس ہو کر کایستھوں کی تقلید میں رُدر دت کو "غریب دھن" کہنے لگے، جس کے اثر سے پرمل داس اور رائے بدری پرشاد صاحب چکلہ دار وغیرہ فارسی دانوں کی صحبت سے فارسی الفاظ انھیں بھی بھلے معلوم ہونے لگے جبھی سادہ پر بجائے "رُدر دت عُرف غریب دھن" لکھنے کے صرف "غریب دھن" لکھنا برا نہ معلوم ہوا۔ "غریب"، اور "غلام" فارسی الفاظ ہیں جو سنسکرت الفاظ "رام" اور "دھن" کے ساتھ استعمال کئے گئے ہیں۔

پنڈت جی نے سو برس کی عمر پائی۔ تخمیناً سمبت ۱۹۲۷ بکرمی میں انتقال کیا۔ اولاد میں اندر دت، دیبی دت، تصنیفات کے ذیل میں (۱) منتر چنتامن، مورت استھاپا کے متعلق منتر وغیرہ (۲) بسنت راج، نفیس بہاریہ نظم (۳) پرش جیان چندر کا، منتر شاستر کے متعلق، تین سو منتر (۴) درگا بھوتنو، چار سو اشلوک، دسہرہ درگا اور نوراترات کے پوجا وغیرہ کے بیان میں (۵) مہورت پرکاش جوتش یعنی نجوم، پانچ سو اشلوک، عمدہ تام مستند اور قدیم تصنیفات کے انتخاب کا اعلیٰ مجموعہ۔ یہ کل پوتھیاں خوبصورت حرفوں میں خود پنڈت جی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی عمدہ یادگار ہیں جو، افسوس!! کہ اب تک غیر مطبوعہ اور پنڈت ہنومان دت کے یہاں موجود دیکھیا

پنڈت راجرن پانڈے

سرور یاری برہمن، ناگ پوری پانڈے، وتس گوتر، پنڈت رام غلام کے بیٹے، بہت بڑے نامور پنڈت، پنڈت اماں دت تیواری (اجودھیا) کے شاگرد رشید، راجہ مان سنگھ والی اجودھیا کے علمی مجلس کے خاص رکن، ولادت سنہ ۱۸۰۱ء، وفات ۱۸۷۱ء۔

بھیا شیو رتن سنگھ صاحب بیان کرتے تھے کہ "پنڈت رامچرن اپنے وقت کے زبردست پنڈت تھے، جن کا نام دور دور تک مشہور تھا۔ اِن کے ہم عصر و ہمنام گنیش پور[۱] کے پنڈت رامچرن اور قصبۂ ایچولی کے پنڈت درگا پرشاد بھی نامی پنڈت تھے، جو اِن سے کسی طرح کم نہ تھے۔ لیکن۔ درگا پرشاد دیاکرن (صرف و نحو ۱۲) میں اور رامچرن (گنیش پوری) ساہتیہ یعنی علمِ ادب میں اور رامچرن۔ (دریابادی) نیائے شاستر (منطق ۱۲) میں دستی استعداد تھے۔ چونکہ دریابادی پنڈت رامچرن "نیائے" کے اعلیٰ ماہر تھے اس لیے اِن کا درجہ سب سے بلند تھا۔ پنڈت رامچرن (دریابادی) راجہ مان سنگھ کے درباری پنڈت تھے۔ راجہ صاحب دریاباد کے حکلہ دار ہونے کے باعث اکثر وہاں رہتے تھے، اور شاستر آرتھ (علمی بحث) ہوا کرتا تھا، جس میں ان تینوں پنڈتوں کی باہمی خوب خوب چوٹیں چلتی تھیں اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے اپنی انتہائی قابلیت صرف کرنے پر آمادہ ہو جاتا تھا مگر، آخر میں نیائے کے پنڈت رامچرن سب پر غالب آ جاتے تھے۔ کبھی کبھی زیادہ دیر تک نوک جھونک کی باتیں ہوتے ہوتے طرفین کو تعصب بھی آ جاتا تھا اور باہمی ملال کی نوبت پہونچ جاتی تھی لیکن یہ ملال بحث و مباحثہ کے بعد ہی فوراً رخصت ہو جاتا تھا۔ پنڈت درگا پرشاد اور گنیش پوری پنڈت رامچرن بھی تیواری جی کے شاگرد تھے ٹھاکر اوتار سنگھ صاحب کے زمانے میں اکثر "یگیہ جاپ" کے موقعوں پر یہ تینوں پنڈت بڑی عزت کے ساتھ بلائے جاتے تھے، اور ٹھاکر صاحب موصوف (تعلقدار رانی مئو، پرگنہ دریاباد) کے گرو (مرشد) مہامہو پادھیائے پنڈت سورج نارائن شاستری بھی آتے تھے اور باہمی بحث و مباحثہ ہوتا تھا، جس میں دریابادی پنڈت رامچرن کی خاص طور پر تعریف کی جاتی تھی۔ پنڈت سورج نارائن کہا کرتے تھے کہ تیواری جی کے خاص خاص شاگردوں میں پنڈت رامچرن دریابادی بہت اچھے پنڈت نکلے۔"

سُنا جاتا ہے کہ جب راجہ ورتن سنگھ صاحب والئ اجودھیا نے شیوآلہ تیار کرایا تھا تو، استھاپنا کے موقع پر پنڈتوں کی ایک سبھا قرار دی گئی تھی، جس میں شاستر آرتھ (بحث) کے بعد پنڈت رامچرن مہاراج ہی کا انتخاب عمل میں آیا تھا، جس کی بناء پر انھیں کے ذریعہ راجہ صاحب بہادر نے یہ مقدس فرض ادا کیا تھا۔ اِس سے کرم کانڈ (فقہ ۱۲) کے متعلق پنڈت جی کی غیر معمولی قابلیت ظاہر ہوتی ہے۔

پنڈت جی نیائے شاستر کے علاوہ ویاکرن (صرف و نحو ۱۲)، جوتش (نجوم ۱۲)، اور پرانوں (تاریخ ۱۲) سے بھی واقف تھے، دھرم شاستر (شریعت ۱۲) میں بھی قابل تھے، کچھ کچھ فارسی سے بھی آشنا تھے، ساتھ ہی اسکے سنسکرت کے اچھے شاعر بھی تھے اور کیسے شاعر؟ سخن دوست، سخن سنج، سخن پرور! لیکن، پنڈت جی کے پوتے پنڈت بینی مادھو کی ایک تصنیف "شری گنگا جتھو منجری" جو کا ہنور کے نولکشور پریس میں مالک مطبع کے ذاتی صرفہ سے پنڈت امان دت کے اہتمام میں چھپی ہے، اسکے ٹائیٹل پیج پر "و رانگ واجپیت ستری مان پنڈت رامچرن" تحریر ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پنڈت رامچرن چھ

[۱] اِسے سہرام گھاٹ بھی کہتے ہیں، ضلع بارہ بنکی میں واقع ۱۲ [۲] آپ کی سکونت پھیپن پور (ضلع سلطان پور)، راقم کو بھی بہ سلسلۂ ملازمت رانی مئو آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا فخر حاصل ہو چکا ہے۔ ۱۲

علوم شِکشا (حروف پڑھنے کے قواعد) کلپ[۶] (یگیہ وغیرہ کاموں کے متعلق، فقہ) جوتش[۷] (نجوم وہیئت اور ریاضی) نِروکت[۸] (وید کے سخت اور مشکل الفاظ پڑھنے کے اصول) ویاکرن[۹] (صرف ونحو) چھند[۱۰] (عروض وقافیہ) کے برہسپتی (مشتری) یعنی بے مثل فاضل تھے۔

رامجرن مہراج وِدّوان ہونے کے ساتھ ساتھ مُخَیِّر بھی تھے۔ چنانچہ لالہ شنکر لال صاحب (مرہی محلّہ) بیان کرتے ہیں کہ "چالیس پچاس دوگے اور کمّل جاڑے دن میں لوہ لوٹے، جوتے گرمیوں میں بلا تفریق مذہب غریبوں کو ہمیشہ تقسیم کیا کرتے تھے۔ یہ خیرات زیادہ تر ہمارے اور لالہ رام سہائے کے ذریعہ سے ہوتی تھی"۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت جی کی یہ فیاضی عام تھی، جس میں قومی تعصب کو ذرا بھی دخل نہ تھا۔

لالہ دیبی دین[۵۲] صاحب بیان فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ جاڑے کے دنوں میں ایک کبیشر (شاعر) آیا، اُس وقت پنڈت رامجرن ٹپّو اوڑھے اور بانات کا انگرکھا پہنے تھے۔ کبیشر نے گیت (چار مصرعے والی نظم) سُنائے، جسے سُن کر یہ ایسا خوش ہوئے کہ فوراً ٹپّو اور انگرکھا اُتار کر اُسکے حوالہ کر دیا اور اُس کبیشر کی تعریف کرنے لگے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پنڈت رامجرن دیگر سنسکرت فاضلوں کی طرح بھاشا زبان سے متنفّر نہ تھے، بلکہ بھاشا ادب کے ماہر ہونے کے علاوہ اُس کے قدردان بھی تھے۔

ہر پرشاد اوستھی کہتے تھے کہ "ایک دن جاڑے میں شام کے وقت اِن سے کہیں راستے میں ایک ذی علم پنڈت جی سے ملاقات ہوگئی، جو اِس قدر غریب تھے کہ بدن پر لتّا تابُت نہ تھا۔ پنڈت جی شاعر بھی تھے، رامجرن مہراج کی شان میں بہت سے سنسکرت کے اشلوک برجستہ پڑھے۔ یہ بیحد خوش ہو کر اُنھیں اپنے گھر لائے اور اپنا مہمان بنا کر بڑی خاطر و مدارات کی۔ ایک ہفتے کے بعد قیمتی پوشاک سے اُن کی حیثیت درست کر کے اُنھیں رخصت کیا اور چلتے وقت دس روپیہ نقد بھی اُنکی نذر کئے۔ پنڈت جی ہزاروں دعائیں دیتے ہوئے اپنے گھر واپس گئے۔ پوشاک یہ تھی۔ دھوتی مخملی جوتا۔ بنارسی صافہ، بانات کا انگرکھا قیمتی دوشالہ۔ تھوڑے دنکے بعد معلوم ہوا کہ رامجرن مہراج کی سفارش سے پنڈت جی راجہ مان سنگھ کے یہاں اچھی تنخواہ پر ملازم ہوگئے تھے"۔ اِس سے پنڈت رامجرن کی رحم دلی، فیاضی، قوم پروری، علمی قدردانی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

پنڈت رامجرن جس طرح وِدّیا اور بات کے دھنی تھے، اُسی طرح اپنی جبلّی فیاضی کے باعث دولت کے دھنی نہ تھے، مگر آن بان رکھتے تھے۔ مجبوری میں اپنی ضرورتیں بجز خاص خاص دوستوں کے دوسرے سے نہیں بیان کرتے تھے، چاہے جو کچھ ہو۔ خاص خاص دوستوں میں لالہ سیتل پرشاد صاحب جگد ھریا (راقم کے دادا) شیخ کرم کریم صاحب عُرف چھید امیاں، چودھری عبّاس علی صاحب، لالہ رام سہائے صاحب مشہور تھے۔

---

[۵۲] فارسی میں بہترین فاصل کو عطارد اور سنسکرت میں مشتری سے تشبیہ دیجاتی ہے۔[۵۲ و ۵۳] راقم اِن بزرگوں کا بہت ممنون ہے کہ اِنھوں نے مہاباد کے متعلق بہت سی اہم باتیں اور پُرانے حالات بیان فرما کر آگاہی بخشی۔ لالہ دیبی دین صاحب اس وقت تک بقید حیات، ۸۶ برس کا سن، تجربہ رسیدہ ہیں۔ ہر پرشاد اوستھی، بڑے نیک، اور قابل بزرگوں میں سے تھے۔ ۹۵ برس کی عمر پائی ۱۹۲۶ء میں فوت ہوئے۔

پنڈت جی کا عام لباس ہونا، ہندو مسلمان دونوں قوموں سے یکساں برتاؤ رکھنا اس امر کی کافی دلیل ہے کہ یہ بہت بڑے وسیع الخیال اور خوش اخلاق ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کی اخلاقی تعلیم سے بھی آگاہ اور اُس کے پابند تھے، جس کا یہ منشا ہے کہ نیکی کے وقت ذات پات کی قید مٹا دو اور ہر شخص و ہر قوم سے میل ملاپ پیدا کرنے کی کوشش کرو، بشرطیکہ وہ بدچلن نہ ہو۔"

لیکن، اِن تمام خوبیوں کے باوجود پنڈت جی میں یہ بہت بڑا عیب بھی تھا کہ وِدّیا دان (علمی خیرات) سے انھیں قطعی نفرت تھی اور اس بارہ میں یہ سختی کے ساتھ پابند تھے۔ لکھنؤ کے نامی گرامی حکیم بابا صاحب بھی علمی تخل میں مشہور تھے مگر وہ ان کے ہم پلہ نہ تھے، اُنھوں نے مولوی نور کریم صاحب دریاباد کے مشہور و معروف حکیم کو اپنی علمی فیاضی سے مالا مال کر دیا تھا بہر حال اِس جگ میں پنڈت جی کی اطہر صرف قارون سے دی جا سکتی ہے کہ وہ دولت کی خیرات سے مجبور تھا اور یہ علم کی خیرات سے ناراض تھے۔ چنانچہ سُننے میں آیا ہے کہ "انھوں نے بجز اپنے بیٹے اور پوتے کے کسی برہمن کے لڑکے کو سنسکرت کی تعلیم نہیں دی۔ جس وقت یہ اپنے بیٹے یا پوتے کو تعلیم دیتے تھے تو مکان کا بیرونی دروازہ بند کر لیتے تھے تاکہ کوئی شوقین طالب علم محض آواز سن کر علم سے مستفیض نہ ہو جائے۔ جب پنڈت تنکر دیال نے انھیں وِدّیا دان سے اِس طرح جی چُراتے دیکھا تو، ناچار اُنھیں سنسکرت پڑھنے کے لئے قصبہ ایچولی کے پنڈت دُرگا پرشاد کے پاس جانا پڑا۔" کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے؟

سن رسیدہ بزرگوں کی زبانی سنا گیا ہے کہ "پنڈت رام چرن نیک مزاج، مذہب کے پابند، خوش رو، دراز اندام، دلیر، رُعب دار، دراز قد، مستقل طبیعت، صابر و شاکر، خوش پوشاک، راست گو، ملنسار، آبائی وضع کے عاشق اور کٹّر ہندو تھے۔ اپنے دھرم کی توہین سُننے کے ذرا بھی روادار نہ تھے، ساتھ ہی اس کے دوسرے مذہب کی بُرائی بھی نہیں کرتے تھے۔ خوشامد پسند تھے، خوشامد پرست نہ تھے۔ وِدّوان ہو کر مغرور بھی نہ تھے مگر شاستر آرتھ کے وقت علمی سبھا میں پنڈتوں کو دشمن کی نگاہ سے دیکھتے تھے، جہاں کہیں پنڈتوں کی سبھا میں ان کا گزر ہوتا تھا تو، پالا انھیں کے ہاتھ رہتا تھا۔"

معلوم ہوتا ہے کہ بنارس اور اجودھیا کے وِدّوان بھی پنڈت جی کی دانائی اور علمی قابلیت کے قائل ہو گئے تھے چنانچہ پنڈت شیو کمار شاستری اور پنڈت لشنندت جی کے بیان سے اس بات کی اچھی طرح تائید ہوتی ہے۔

پنڈت شیو کمار شاستری۔ مخاطب بہ مہامہوپادھیائے، بنارس کے رہنے والے جوتش، ویاکرن، ساہتیہ، پُران، نیائے، میمانسا وغیرہ کے زبردست عالم، ہندوستان کے مایۂ ناز فاضل سنسکرت کے اچھے اچھے علما و فضلا، اور بڑے بڑے راجے، مہاراجے والیانِ ملک اُن کے معتقد تھے جشن تاجپوشی کے زمانے میں شہنشاہ جارج پنجم کے حضور میں خاص طور پر باریاب ہوئے، ملک معظم نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ شاستری جی نے دعائیہ اشلوک پڑھے جس کے صلے میں خوشنودیِ مزاج کا شاہی فرمان مرحمت ہوا۔ اُنھوں نے ایک مرتبہ (غالباً ۱۹۰۸ء میں)۔ ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب سے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ "دریاباد کے پنڈت رام چرن نامی وِدّوان تھے۔

۵ تفصیلی بیان باب ۴، فصل ۲، طبقہ اول، ذکر پنڈت بھیرون دت میں ملاحظہ ہو۔

پنڈت نندت رائی متو (پرگنہ دریاباد) میں رہتے اور قرب وجوار میں اچھی طرح مشہور، ۵۵ سال کی عمر۔ اُن کا بیان ہے کہ "جس وقت ہم پندرہ سولہ برس کے سن میں "اجودھیا پاٹ شالہ" (سنسکرت کا نامی انگریزی اسکول) میں پڑھتے اور اشلوک سمجھنے اور کہنے لگے تھے، وہاں کے پنڈتوں کو اکثر سبیل تذکرہ باہم گفتگو کرتے ہوئے ہمنے یہ سُنا ہے کہ:- پنڈت رامچرن (دریابادی) اور پنڈت رامچرن (گنیش پوری) یہ دونوں بہت عقلمند اور بڑے وِدوان گذرے ہیں، جو ہر ایک علم کے متعلق بحث (شاستر آرتھ) کرنے میں نہایت تیز اور قابل تعریف تھے۔ پاٹ شالہ میں پنڈت دیبی دیال کاشمیری (ساکن جبل پور) پنڈت بینی مادھو باجپئی (اناؤ) پنڈت مہیش دت (بارہ بنکی) پنڈت ہرناتھ تھاپلی (تربت) پنڈت سورج بلی (اجودھیا خاص) ملازم تھے۔ یہ پنڈت باعتبار سنسکرت دانی کے خاص طور پر مشہور تھے"۔

اِن حالات پر نظر کرتے ہوئے ہمارے ایک لایق اور معمر ہموطن کا یہ ارشاد فرمانا ایک عجیب و غریب منطق سے کم نہیں کہ، "پنڈت رامچرن (دریابادی) میں علمی لیاقت کچھ بھی نہ تھی، البتہ دبنگ تھے، پنڈتوں کی سبھا میں جو کچھ جی میں آتا تھا بکتے چلے جاتے تھے اور دوسروں کی کچھ بھی نہیں سُنتے تھے"۔

آغاز پیری میں انھیں ایک نوجوان بیٹے کا داغ مفارقت نصیب ہوا، جس کا عمر بھر قلق رہا۔ ۷۵ سال کی عمر پائی۔ اولاد میں دو بیٹے دیو کی نندن، سکھ نندن[۱] اور ایک پوتا بینی مادھو۔ یادگار میں کانگنج ونتادلی، منوہر تنک قابل تعریف تصنیفات غیر مطبوعہ[۲] (دیھقانہ)

پنڈت کشن دت

اصلی نام کرشن دت، عرف کشن دت۔ سرورِیہ برہمن، لکھنورا کے شکل گرگ گوتر افضل خاندان، بہت بڑے معزز، پنڈت سیتارام کے بیٹے، جین دھرم کے مشہور پنڈت، مگر ویشنو مذہب کے دلی معتقد، تنتر شاستر کے زبردست ماہر، اور سنسکرت و پراکرت دونوں زبانوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ جین مذہب کے متعلق اعلیٰ معلومات حاصل ہونے کی بنا پر دور دراز شہروں شولا پور، دربھنگا، جے پور، دلی، آرہ وغیرہ کے جینی ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔

اِن کے مورث اعلیٰ پنڈت دو لچند دہلا س موضع "ترکھیاڈیہ" (ضلع بستی) سے اب سے تخمیناً دو سو برس قبل دریاباد آکر آباد ہوئے تھے، جو اپنے وقت کے نامور پنڈت تھے۔ انھیں جین دھرم سے دلچسپی پیدا ہو جانے کے باعث جین آچاریہ نے اپنا جانشین قرار دیکر گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔ سُنا جاتا ہے کہ پنڈت دولچند دہلاس دربار اودھ سے دو روپیہ روز آنہ بکار پاتے تھے جس کے متعلق فرامین ان کی نسل والوں کے پاس تھے،

---

[۱] عرف دُلی، معمولی پنڈت، مگر پہلوان اچھے تھے، چودھری لطف علی صاحب کے شاگرد تھے ۱۲ [۲] یہ پوتھیاں پنڈت بینی مادھو کے پاس تھیں، لیکن اب لاپتا ہیں ۱۲ [۳] اس علم کے زور سے دشمن کو قابو میں لا کر اسے غارت کر سکتے ہیں ۱۲۔

مگر کسی دشمن نے چورون کے ذریعہ سے اُنھین جلوا دیا۔

تنتر وِدّیا کی بدولت پنڈت جی نے ہزار ہا روپیہ پیدا کیا۔ پنڈت مادھو پرشاد عُرف مادھو جتی اِن کے حقیقی بھائی بھی اچھے پنڈت تھے۔ اِن دونون بزرگون نے آبائی مکان کو از سر نو درست کرا کے عالی شان مکان بنا دیا جس کا صدر دروازہ بہت بلند اور جسکی اگلی ڈیوڑھی دو منزل کی ہے۔

یہ کھانا بہت عمدہ اور نفیس کھاتے تھے۔ رات کو ہمیشہ تا زندگی پوری اور ترکاری کھایا کئے۔ کپڑے قیمتی پسند تھے۔ وضع قدیم تھی چپکن و مرزائی، دھوتی سُرخ کنارے کی، جو تادِتی وال، اور پگڑی اِستعمال کرتے تھے۔

پنڈت کرشن دت مہراج امیرانہ شان بھی رکھتے تھے۔ اِن کا کمرہ شیشہ آلات سے سجا ہوا تھا، جسے انھون نے خود کلکتہ مین خرید کیا تھا۔ آج کل یہ سامان مندر مین، جو کمرے سے ملا ہوا ہے، آراستہ کر دیا گیا ہے۔ (دیکھا نہ)۔

سنسکرت انھون نے پہلے اپچولی مین پنڈت درگا پرشاد سے پڑھی، بعد اُسکے اجودھیا مین، بڑا کرت ذاتی محنت و مشقت سے حاصل کی تھی۔ بیس پچیس برس کے سن مین وِدّوان ہوگئے تھے تخمیناً ۸۰ سال کی عمر مین ۱۹۱۵ء مین اِن کا بیکنٹھ باش ہوا۔ بڑے ملنسار، نیک اور خلیق تھے۔ اولاد مین پنڈت بشناتھ، آرہ شہر مین جین مندر کے پجاری ہین[۱]۔

پنڈت شنکر دیال اوستھی

کانکبج برہمن، نگرا کے اوستھی[۲]، اُپ مَنیج گوتر، عالی نسب، نامی پنڈت۔ دیا کرن، کرم کانڈ، پُران، جوتش سے واقف، بھاشا و سنسکرت کے ناظم و ماتر بنگلہ اور فارسی زبان سے بھی آشنا، صاحب تصنیف و تالیف، شاعری مین شنکر تخلّص، ولادت پھاگن سدی اشٹمی روز چہار شنبہ سمبت ۱۸۹۲ بکرمی مطابق ۱۸۳۵ء، وفات سمبت ۱۹۶۴ بکرمی مطابق ۱۹۰۷ء۔

سُنا جاتا ہے کہ پنڈت جی کے والد پنڈت سُکھدیو علم جوتش کے اچھے پنڈت تھے، دربار اودھ سے پچاس روپیہ سالانہ بطور نانکار ہمیشہ پایا کئے۔ اِن کے بزرگ نگرا (ضلع رائے بریلی) سے دریاباد آکر آباد ہوئے تھے۔ ان بزرگون کی نسل مین پنڈت پدم کی لکھی ہوئی پوتھی "نرنے آمرت" دیکھنے مین آئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پدم پان کے والد بینی دت، دادا ہر شنکر، اور پردادا پنڈت گنپت تھے۔ پوتھی "نرنے آمرت" سمبت ۱۶۰۷ بکرمی مین نقل کی گئی ہے، جسے آج تک (سمبت ۱۹۷۹ بکرمی) ۳۷۲ برس ہوئے۔ اب اگر گنپت سے پدم پان تک چار پشتون کا زمانہ قدیم دستور کے موافق (فی پشت ۳۰ برس) ۱۲۰ برس شمار کیا جائے تو پنڈت جی کا خاندانی سلسلہ ۴۹۲ برس سے کم نہین ثابت ہوتا۔ لیکن گنپت پنڈت مورث اعلیٰ نہین کہے جاتے۔ اِن سے پیشتر اور بھی کئی ایک بزرگ اس خاندان مین گذر چکے ہین۔ اس سے کہا جا سکتا ہے کہ پنڈت جی کے اول بزرگ اس سے پانچ

۱ ان کی اولاد مین چھوٹے لال بقید حیات ہیں ۱۲ ۲ کانکبج وشادیون مین نگرا کے اوستھیون کا کہین ذکر نہیں ہے ۱۲ مولف

سو برس قبل دریاباد مین آباد ہوئے ہونگے۔ تحقیق سے دریافت ہوا ہے کہ پنڈت جی کے بزرگ بڑے ودوان اور خوشنویس پنڈتون مین تھے، اُن کے پاس بہت سی خوشخط قلمی پوتھیون کا عمدہ ذخیرہ تھا۔ اُنھون نے ایک مہتمم بالشان "فارسی پرکاش" نامے کتاب تصنیف کی تھی جس مین فارسی الفاظ کا سنسکرت لفظون سے باہم مقابلہ کر کے نہایت قابلیت وانصاف کے ساتھ یہ دکھلایا گیا تھا کہ فارسی زبان کا مخرج صرف سنسکرت ہے۔ لیکن، ابھی حال ہی مین جہان اُن بزرگون کی دیگر پوتھیان خاندان والون کی غفلت سے برسات کی نذر ہو کر سٹر گل گئین، وہان یہ عجیب وغریب تصنیف بھی مٹی مین مل گئی، جسے ایک افسوسناک زبردست واقعہ سمجھنا چاہئے، اِس لئے کہ اگر یہ کتاب چھپ گئی ہوتی تو، اِس سے نہ صرف دریاباد کی شہرت ہوتی، بلکہ ہندی معلومات مین ایک قابل قدر اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہندو علوم کی قدامت پر بھی کافی روشنی پڑتی۔ مذکورہ بالا پوتھیان اِسی تلف شدہ ذخیرہ سے تعلق رکھتی ہین، جو پنڈت تسکر دیال کے یہان اُبتک موجود اور جن کی خوشخطی قابل قدر ہے۔

اِنھون نے پہلے قصبۂ ایچولی کے مشہور پنڈت دُرگا پرشاد سے سنسکرت کی تعلیم پائی، بعد کو اجودھیا مین پنڈت اُمان دت تیواری جی سے (جن کا نام آج بھی سنسکرت کی دنیا مین آفتاب کے مانند روشن ہے) تکمیل علم کی۔ اِن کی ایک تصنیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اٹھارہ برس کی عمر مین ذی استعداد ہو کر تصنیف وتالیف مین مشغول ہو گئے تھے، جو پنڈت جی کی اعلیٰ ذہانت کا کافی ثبوت ہے۔

پنڈت جی عالم باعمل تھے۔ مذہبی پابندی کے ساتھ ساتھ از روئے دھرم شاستر جسمانی طہارت کا بھی بہت بڑا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ پیشاب کرنے کے بعد "لگھ شنکا شوچیہ" یعنی استنجا ضرور پاک کرتے تھے، جہان پانی نہ ملتا تھا وہان مٹی کا ڈھیلا استعمال کرتے تھے۔ اِن کا اشنان صرف دو لوٹون پر موقوف نہ تھا۔ ہر روز علی الصباح کم از کم آدھ گھنٹے تک جسم مل مل کر نہانے کے بعد دو ہاتھ کے انگوچھے سے بدن پونچھتے تھے، بدن اور سر خشک ہو جانے پر پوجا پاٹ مین مشغول ہوتے تھے۔ یہ وظیفہ حتی المقدور زندگی بھر برابر جاری رہا، جو حفظ صحت کے قدیم اصولون مین سے پہلا اصول مانا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ مُفید طریقے ایک نامعلوم زمانے سے عام طور پر ہندوؤن مین رائج نہین۔ اشنان صرف ایک ڈھکوسلا ہو گیا ہے اور استنجا (لگھ شنکا شوچیہ) کے فوائد سے خاص خاص لوگ واقف ہین۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو قوم اپنی اصلی تندرستی کھو بیٹھی۔

یہ لکھنے مین بڑے مشّاق، معمولی خوشنویس اور زود نویس صحیح نویس بھی تھے۔ ایک دن مین ہزار شلوک (شعر) لکھتے تھے۔ اِن کا طریقۂ تعلیم نہایت مفید اور قدیم اصول پر مبنی تھا۔ یہ طالب علمون کو بہت جی لگا کے پڑھاتے تھے، پڑھانے کے وقت نرمی اور شیرین کلامی سے پیش آتے تھے، اُلجھی ہوئی باتون کا مطلب اِس طرح سُلجھا کے بیان کرتے تھے کہ فوراً ذہن نشین ہو جاتا تھا۔ غریب اور امیر ہر ودیارتھی (طالب علم) پر یکسان نظر رکھتے تھے، تعلیم بلا لحاظ معاوضہ مُفت دیتے تھے۔ لیکن، اگر کوئی ذی مقدور طالب علم اپنی خوشی سے

کچھ نذر کرتا تھا، تو اُس کے لینے مین کوئی عذر بھی نہ تھا۔ اِنھون نے کبھی کسی پدیارتھی سے کوئی سوال نہین کیا۔ تعلیم دینے مین بجائے بُخل کے ہمیشہ فیاضی سے کام لیا، کسی قسم کی پہلو تہی نہین کی۔ یہی وجوہات تھے کہ قرب وجوار کے علاوہ سیتاپور تک کے طالب علم تعلیم کی غرض سے اِن کے پاس آتے تھے، جو بہت جلد ضرورت کے موافق علم سے بہرہ یاب ہو کر نہسی خوشی اپنے وطن واپس جاتے تھے۔ شاگردون کی تعداد بہت ہے۔

پنڈت جی کے داماد بیان کرتے ہین کہ، پنڈت جی ایک روز یکّہ سے گر کر سخت زخمی ہو گئے۔ ایک ہاتھ ٹوٹ گیا، اچھے نہ ہونے پائے تھے کہ، اتفاقیہ پیٹ مین عارضہ پیدا ہو جانے کے باعث آماس آگیا اور باوجود کوشش ایک مہینے کے بعد بیکنٹھ باش ہو گیا۔ ۷۲ سال کی عمر پائی۔ اولاد مین ایک لڑکا جگدیش نامے ۱۸ سال کا موجود۔

بیکنٹھ باشی پنڈت جی مزاج نہایت نیک، رحیم، ملنسار، بُردبار، کم سخن، الاطمع، فکر دنیا سے آزاد، شگفتہ خاطر اور خوشحال بزرگ تھے، جو وضع قطع اور طرز تکلم کے لحاظ سے صاف ہندو اور پنڈت معلوم ہوتے تھے، جب تک زندہ رہے، آرام سے زندگی بسر کرتے رہے۔ رائے نارائن بلی صاحب (تعلقدار و رئیس دریاباد) کے دربار مین اِن کی خاص طور پر آؤ بھگت تھی۔ علاوہ اس کے دُور دُور تک کے خوش عقیدہ ہندو بھاگوت (مشہور اور مقدس تصنیف جس مین شری کرشن جی کا بیان ہے) سُننے کی غرض سے اِنھین بڑی عزت کے ساتھ بُلایا کرتے تھے، جس سے ہر سال ایک معقول آمدنی حاصل ہو جاتی تھی۔ اِس مبارک خدمت کی وجہ سے یہ "بھاگوتی پنڈت" کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔

تصنیفات ہین (۱) شانکر یہ رام چرتر ستسئی چھپ، بالمیکی رامائن کا دلچسپ انتخاب منظوم (۲) شَٹ پریتیہ معہ ترجمہ نثر ۱۴۰۰ اشلوک، (۳) برت بودھ ۱۴۱ اشلوک، سمبت ۱۹۶۲ بکرمی مین تصنیف ہوئی پنگل یعنی عروض کے متعلق (۴) اَنکرپ پر بودھ، اِس مین رامچندر جی کا بیان ہے، آخری سِن مین تصنیف ہوئی۔ یہ سب بزبان سنسکرت اور (۵) سَت چھپ رامائن، جس مین دوہے، چوپائیان، کبت، چھند، سور ٹھے وغیرہ ہر قسم کا کلام موجود ہے (۶) النکرت مال صنائع شاعری کے متعلق، ۱۴۴ دوہے، ۶۵ سال کی عمر مین سمبت ۱۹۵۵ بکرمی مین تصنیف ہوئی۔ یہ ہر دو تصانیف بزبان بھاشا۔ علاوہ اِن کے پچاس کبت (قطعات) اور بیس پچیس استوتر (مدحیہ نظمین) مذہبی رنگ مین علمی قابلیت اور مذہبی خدمت کی عمدہ یادگار رہین ہے کہ یہ کار آمد اور مفید تصانیف اس وقت تک غیر مطبوعہ ہین۔ (ٹھیکانہ)

پنڈت بینی مادھو پانڈے

سنسکرت کے غیر معمولی پنڈت، بھاشا ادب کے اوستاد، فارسی و اُردو کے ماہر، انگلش مین قابل انگریزی قانون سے آشنا، اور ہر زبان مین صاحب تصنیف و تالیف۔ ولادت ۱۰ اکتوبر ۱۸۵۱ء بمقام الہ آباد، وفات نومبر ۱۹۲۳ء بمقام کانپور۔

انھون نے سنسکرت اپنے دادا پنڈت رامچرن سے حاصل کی تھی، فارسی دریاباد کے نامی مکتب خانون مین، انگریزی ذاتی طور پر انٹرنس تک۔ یہ سنسکرت اور بھاشا کے اعلیٰ شاعر ہونے کے علاوہ فارسی و اُردو کے بھی اچھے شاعر تھے، یہی نہین۔ بلکہ انگریزی مین بھی شعر کہتے تھے اور انگریزی و بھاشا کے انشا پرداز بھی تھے، ساتھ ہی اِس کے جس طرح ہر زبان کے سخنور تھے، اُسی طرح سخن سنج بھی تھے اور موسیقی دان بھی۔ سنسکرت و بھاشا مین **بینی** اور فارسی و اُردو مین **خاطر**، انگریزی مین **مسٹر** تخلص تھا۔ اُردو شاعری مین منشی کالکا پرشاد صاحب **موجد** اور فارسی مین منشی عبداللہ خان صاحب **وجد** (لکھنوی) کے شاگرد تھے۔ سنسکرت کے متعلق دیاکرن (صرف و نحو)، ساہتیہ (ادب)، جتش مین (نجوم) زبردست قابلیت رکھتے تھے، دھرم شاستر (شرعیت)، کرم شاستر سے بھی واقف تھے، پُرانون سے بھی آگاہ تھے۔ لکھنو کے نامی گرامی وکیل منشی کالی پرشاد صاحب مرحوم **کُل بھاسکر** (کائستھ خاندان کے آفتاب) کی صحبت مین رہ کر انگریزی قانون مین بھی ذی استعداد ہو گئے تھے۔

پنڈت جی کے والد کا نام **دیوکی نندن** عرف "بھاگو" تھا (پنڈت رامچرن کے بیٹے، جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) جو پنڈت بھی تھے اور سنسکرت و بھاشا کے شاعر بھی، فارسی سے بھی واقف تھے۔ نہایت ذہین، نیک چلن اور ہونہار خوبصورت آدمی تھے۔ آغازِ جوانی مین ۲۷ سال کے ہو کر دنیا سے گذر گئے۔

پنڈت بینی مادھو جس انگریز حاکم سے ملتے تھے وہ اِن کی انگریزی تقریر سُن کر خوش ہو جاتا تھا، جس رئیس کے دربار مین اِن کا گذر ہوتا تھا، یہ پانچ زبانون کے ماہر قابلیت کے زور سے حسب موقع و محل کسی نہ کسی طرح اُسے اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔ نجوم، عدالتی قانون، مذہبی امورات کے متعلق ہر سائل کو معقول جواب دیکر مطمئن کر دیتے تھے۔ اشلوک، کبت، چھند، پوئیٹری، غزلین وغیرہ حسب فرمائش منظوم فرما کر پیش کر دیتے تھے۔ سنسکرت کی سبھاؤن مین شاستر آرتھ کے لئے بے دھڑک آمادہ ہو جاتے تھے۔ حسب ضرورت مذہب کے متعلق تقریر (لیکچر) کرنے سے بھی باز نہ آتے تھے۔ الغرض بہ حیثیت مجموعی پنڈت جی ایک قابل تعظیم ذی علم بزرگ تھے، جن کی ذات نہ صرف دریاباد بلکہ قرب و جوار مین بھی مغتنمات سے تھی۔

اِن مین جہان مذکورۂ بالا اوصاف تھے، وہان چند عیوب بھی تھے۔ مقدمہ بازی سے انھین خاص دلچسپی تھی، ذرا ذرا سی بات پر درخواست دینا اِن کے نزدیک ایک معمولی کھیل تھا۔ اپنے بھی خواہون سے بلا وجہ دشمنی مول لینا، سیدھے سادے آدمیون کو ٹیڑھے راستہ پر لیجا کر عدالت کے ذریعہ سے تباہی کی بھول بھلیان دکھانے کی انتہائی کوشش کرنا، اِن کا خاص حصّہ تھا۔ معمولی باتون پر بھی انھین بہت جلد غُصّہ آجاتا تھا اور غُصّے کی حالت مین یہ تہذیب کے دشمن ہو جاتے تھے۔ یہی وجوہات تھے کہ ملازمت کے سلسلے مین کہین بھی یہ مستقل طور پر اپنے فرائض منصبی انجام دیکے سر سبز نہ ہو سکے۔ لیکن پھر بھی اپنی علمیت کی بنا پر جب تک زندہ رہے، نہ کسی کے دستِ نگر ہوئے نہ کبھی تہیدست و بیکار۔ سُنا جاتا ہے کہ مرنے وقت اِن کے پاس چار سو روپیہ نقد جمع تھا،

جس کی نسبت ان کے ایک رشتہ دار نے عدالت کانپور مین نالش دائر کی تھی۔

پنڈت جی چند سال پرگنہ دریاباد کے گرداور قانونگو اور ۱۸۸۴ء لغایت ۱۸۹۱ء تحصیل اُترولا (گونڈہ) مین قائمقام پیشکار رہے۔ بعد اُسکے مہاراجہ صاحب بہادر بلرام پور کی قدردانی سے سو بیگھہ آراضی کے معافی دار ہونے کے ساتھ ہی ریاست کے گرداور قانونگو مقرر ہوئے، پانچ چھ برس رہ کر نواب کلب علیخان بہادر (والئی رامپور) کے دربار مین باریاب ہوئے اور اپنی نجوم دانی کے باعث خاص زمرۂ ملازمان مین نامزد کئے گئے تھوڑے ہی دنون کے بعد ریاست اجودھیا (عدالت کورٹ) مین داخل ہوئے اور وہان ۱۸۹۷ء-۱۹۰۰ء تک منیجر جانسٹن صاحب بہادر مدارالمہام کی مہربانی و قدردانی سے بعہدۂ ہیڈ کلرکی (مشاہرہ پچاس روپیہ ماہوار)۔ مامور رہے۔ ۱۹۰۰ء مین ملازمت چھوڑکر اپنے وطن دریاباد واپس آ گئے اور تخمیناً آٹھ برس رائصاحب کے یہان رائے نارائن بلی صاحب (رئیس و تعلقدار دریاباد) کے وقت مین پرائیویٹ سکریٹری کا کام بھی کرتے رہے اور ساتھ ہی اس کے لڑکون کو انگریزی تعلیم بھی دیتے رہے، جن مین سے رائے چندر بلی صاحب اپنی سعادتمندانہ شاگردی کا حق ادا کرتے ہوئے نہایت خلوص دل سے آج تک پنڈت جی کی علمی قابلیت کا زوردار الفاظ مین اعتراف کرتے ہین۔ ۱۹۱۱ء مین ان کی سعادتمند بی بی کا انتقال ہو گیا، اولاد کوئی نہ تھی، اس لئے پنڈت جی تنہائی کے عالم مین زندگی سے تنگ آکر کانپور چلے گئے اور وہان جذام کا عارضہ لاحق ہوجانے کی وجہ سے صرف درس تدریس کے ذریعۂ پچیس تیس روپیہ ماہوار پیدا کرکے زندگی کے دن کاٹتے رہے، گھر کُھد کر ویران ہو گیا۔

کانپور مین یہ گنگا کے کنارے رہتے تھے اور باوجود جذام مین مبتلا ہونے کے اچھے اچھے شریف دولتمند اپنے لڑکون کو سنسکرت کی تعلیم کے لئے پنڈت جی کے پاس بھیجتے تھے۔ بڑے بڑے وِدوان شکوک رفع کرنے کی غرض سے اِن کے پاس دوڑے جاتے تھے۔ دلدادگانِ سنسکرت اِن کی بیحد تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ بھاشا ادب کے مشہور ماہرین منشی دیبی پرشاد صاحب (وکیل ہائی کورٹ) اور پنڈت منّی لال صاحب متخلص بہ "برج چند" سے اِن کے گہرے تعلقات تھے۔ رَسِک سماج (بھاشا زبان کی ادبی انجمن) کے خاص ارکین مین اِن کا شمار تھا۔ مسلمانون مین مولوی فرید احمد صاحب (وکیل ہائی کورٹ جو آخر مین منصف ہو گئے تھے) اِن پر بہت مہربان رہتے تھے، جن کی فرمائش پر پنڈت جی نے اُردو کی ڈھائی سو غزلون کا مختصر دیوان ایک مہینے مین تصنیف فرما کر اُنھین خوش کر دیا تھا۔ اِس سے اندازہ کر سکتے ہین کہ پنڈت بینی مادھو کیسے سنسکرت دان پنڈت اور کتنے بڑے طبّاع و ذہین شاعر تھے؟

اِنھین مذہبی پابندی کا مطلق خیال نہ تھا۔ نہ پوجا پاٹ سے کچھ سروکار نہ برت وغیرہ سے مطلب۔ صرف کہنے سُننے کے لئے یہ سال مین دو ایک مشہور برت (روزہ) رکھ لیتے تھے، مگر وہ بھی خلاف اصول اور پھل اہار یعنی سنگھاڑے کا حلوہ وغیرہ پیٹ بھرنے والی ثقیل چیزون کے سہارے سے۔ اِن کا اشنان بھی بالکل بے قاعدہ ڈھکوسلے سے کم نہ تھا۔ "گنگا تنکا شوچیہ" یعنی استنجا پاک کرنا بھی اِن کے نزدیک کچھ زیادہ ضروری

نہ تھا۔ شاید یہی وجہ تھی جو ان کی صحت ہمیشہ خراب رہی اور ان کے چہرے پر کبھی رونق نہ آئی۔
پنڈت بینی مادھو مہراج آبائی وضع کے پابند تھے۔ انگرکھا، دھوتی، ٹوپی، تری کا جوتا پہنتے دورانِ ملازمت میں اپنے عہدہ کا فرض ادا کرتے وقت دھوتی کے اوپر اکثر چوڑی دار پائجامہ پہن لیتے تھے۔ نہایت افسوس ہے کہ ۶۹ برس کے سن میں ان کا بیکنٹھ باس ہوگیا، جس سے نہ صرف پنڈت جی کے خاندان کا چراغ ہمیشہ کے لئے گُل ہوگیا، بلکہ دریا باد سے علم سنسکرت کی زبردست روشنی بھی غائب ہوگئی، جو ہندو نقطۂ خیال سے ایک زبردست سانحہ سے کم نہیں۔ یادگار میں قابل قدر تصانیف موجود جن میں سے چند پوتھیاں کانپور کے بعض ذی ہمت اصحاب، نیز لکھنؤ کے مشہور و معروف رئیس منشی پشن نرائن صاحب (مالک نولکشور پریس) نے ذاتی صرفہ سے چھپواکر شائع کردی ہیں، جو مقبولیت عام کی سند حاصل کرچکی ہیں۔ ان بزرگوں کی یہ علمی خدمت اور علمی قدردانی بہت کچھ تحسین و شکریہ کی مستحق ہے، جس سے پنڈت جی کے لقائے نام کے ساتھ ساتھ دریاباد کی بھی ہمیشہ شہرت ہوتی رہے گی تصنیفات اور تالیفات حسب ذیل ہیں۔

(۱) سن چھپ ہرونش پران (۲) گنگا بھکتو منجری معہ ترجمہ نثر بھاشا (۳) رامائن، نہایت ضخیم اور مہتم بالشان تالیف، اس میں بالمیکی، تلسی کرت، ادھیاتم رامائن، ہنومان ناٹک، اُتر رام چرتر ناٹک وغیرہ بہت سی سنسکرت و بھاشا کی مشہور و مستند کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ یہ سب سنسکرت میں (۴) شیوبیا (۵) پریم ترنگ مالنی (۶) کائستھ کُل شکستان چترگوپت جی کے حالات (۷) گنگا لہری معہ ترجمہ نثر (۸) سانگیت رتناولی، موسیقی کے متعلق (۹) رام گیتا اپنشاد (۱۰) رام ہردے اپنشاد (۱۱) رام نام مہاتم (۱۲) دوہاولی۔ یہ کل متعلق زبانِ بھاشا (۱۳) دلو رخاطر، فارسی دیوان معہ ترجمہ اردو نثر حسب فرمائش منشی ماتا پرشاد صاحب (وکیل دریاباد) تصنیف کیا گیا۔ جسے مولانا محمد اطہر علی صاحب مرحوم (دہلوی) نے بہت پسند فرمایا تھا (۱۴) سرورِ خاطر، دیوان اردو (۱۵) سنسکرت کی ایک پوتھی کا انگریزی میں منظوم ترجمہ۔ ان میں سے (۲) و (۳) و (۸) مطبوعہ، باقی کتابیں اب تک غیر مطبوعہ، جن کی نسبت گمان غالب ہے کہ چند روز میں سرگل کرفنا ہوجائیں گی۔

پنڈت بھاگوت پرشاد مشر

کانکبج برہمن، شانڈلیہ گوتر، گویا تھی دھود ہا مشر، بہترین نسب، بہت بڑے معمر، ٹھاکر پرشاد مشر کے بڑے بیٹے (چھوٹے بھائی برج لال واشرتی لال) جوتش کے اچھے پنڈت ہونے کے علاوہ کاویہ، کوش، ویاکرن اور بعض بعض پرانوں سے بھی آگاہ تھے۔ ولادت تخمیناً ۱۸۶۳ء، وفات ۱۱۔ اپریل ۱۹۱۱ء۔
پہلے دریاباد میں پنڈت شنکر دیال، پھر پنڈت بینی مادھو سے اور بعد اُسکے اجودھیا میں انھوں نے

۵۱ ۴۷ برس کے ہوکر ۱۹۱۸ء میں فوت ہوئے ۱۲ ۵۲ ۲۶ مارچ ۱۹۱۶ء میں بمقام بمبئی وفات پائی ہوگی ۵۳ بہ قید حیات صاحب اولاد ۱۲

سنسکرت حاصل کی تھی۔ چونکہ یہ قدرتی طور پر علم کے توقین تھے اور ساتھ ہی اس کے ذہین بھی تھے، اس لیے بہت جلد صاحب استعداد ہو کر علمی ترقی مین مشغول ہو گئے تھے۔ انھون نے بہت سی نایاب قلمی پوتھیان تلاش سے جمع کی تھین جن کے مطالعہ سے عمدہ معلومات بہم پہونچائے تھے۔ بعض کہتے ہین کہ یہ پوتھیان ان کے چچا پنڈت کشن دت نے دکھشیون کے یہان سے دریعہ تحریر خرید کی تھین۔

پنڈت جی کے والد جاہل محض تھے جو کاشتکارانہ زندگی بسر کرتے تھے، لیکن چچا عقلمند اور روشن خیال تھے انھون نے ان کی تعلیم و تربیت مین کافی حصہ لیا تھا اور حتی المقدور روپیہ خرچ کر کے اس بات کی کوشش کی تھی کہ بھاگوت پرشاد پنڈت ہو جائین۔ چنانچہ ہمت مردان مدد خدا کی مثل صادق آئی اور بھاگوت پرشاد جی سنسکرت دان پنڈتون مین مشہور ہو گئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے بزرگ جدا مشر دکھشیون کی رشتہ داری کے باعث موضع "اسنی" سے آکر دریاباد مین آباد ہوئے تھے۔ دکھشیون کے دیئے ہوئے پختہ مکان مین رہتے تھے۔ مہاجنی پیشہ کرتے تھے۔ ان کے نام سے **پورۂ مشر** (متصل اٹورا) ابتک موجود ہے۔ اس پورہ کی اصلیت یہ ہے کہ جدا مشر ایک دن راجہ صاحب ہڑاہا کے کوٹ مین موجود تھے، اُن کے دشمنون نے راجہ صاحب کے دھوکے مین مشر موصوف کو قتل کر ڈالا، اس بنا پر راجہ صاحب نے اُن کے لڑکے اچھا رام کو ایک بہت بڑا لگڑا اراضی کا مروٹ مین عنایت فرمایا۔ کچھ حصہ اراضی پر اچھا رام نے اپنے باپ کے نام سے مشر کی رعایت سے پورہ آباد کیا۔ کچھ دنون کے بعد اس پورہ کی مالگذاری ادا نہ ہونے کے باعث اچھا رام کے بیٹے سیتارام نے "پورۂ مشر" راجہ صاحب ہڑاہا کو سات فاقہ کرنے کے علاوہ رائصاحب (دریاباد) کی سفارش کرا کے واپس کر دیا۔ پھر بھی راجہ صاحب نے بنظر عنایت ایک سو بیگھہ اراضی بطور معافی عنایت کی، جو راجہ نراندر بہادر سنگھ صاحب کے وقت مین ضبط ہو کر شامل ریاست ہو گئی، لیکن پورۂ مذکور کا باغ ابتک مشرون کے قبضہ مین ہے۔

پنڈت جی اپنے خاندان مین علمی حیثیت سے بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے، کیونکہ ان سے پہلے کوئی ان کے برابر ذی علم نہین ہوا تھا۔ ان کی ذات بھی دریاباد مین بہت کچھ غنیمت تھی۔ افسوس ہے کہ عمر کا بیالیسوان سال ختم ہوتے ہی دفعتہً بعارضۂ طاعون دہیضہ ان کا انتقال ہو گیا۔ (دیہاتانہ)

بیکنٹھ باسی مشر مزاج شگفتہ رو، کشادہ پیشانی، گندم رنگ، خوش قد، خوش وضع، خوبصورت، جوان، نیک چلن، ملنسار، اور ہونہار شخص تھے۔ رانی منو کے مشہور پنڈت لشندت سے خاص مراسم تھے۔ پنڈت شنکر دیال کی طرح انھین بھی "بھاگوتی پنڈت" کے لقب سے شہرت ہو گئی تھی۔ اولاد مین شیونارائن، سورج نارائن بہ قید حیات، قدیم پختہ مکان موجود۔

دوسری فصل اسلامی عالمون کے بیان مین

مولانا مُفتی محمود علی صاحب

بہت بڑے عالم اور صاحب فتوہ - یہ عہدِ شہنشاہِ اکبر نواب خانخانان کی سرکار مین ملازم تھے - افسوس ہے کہ اس سے زیادہ اِن کے حالات کچھ نہ دریافت ہوسکے -

حاجی مولنا مفتی محمد رفیع صاحب

اِن کے حالات کچھ بھی نہین معلوم ہوئے - مولوی ثابت علی صاحب کی زبانی صرف اسی قدر دریافت ہوا ہے کہ یہ صاحب فتوہ اور جیّد عالمون مین سے تھے - زمانہ حیات اب سے تخمیناً ڈیڑھ صد دو سو برس قبل حاجی کا لقب ظاہر کرتا ہے کہ مفتی صاحب کو حج بیت اللہ کا بھی شرف حاصل تھا -

مجتہد العصر مولانا سید فرزند حسین صاحب

شیعہ مذہب، سیّد، نواب شجاع الدولہ بہادر (وزیر شاہ دہلی ۱۱۸۰ - ۱۱۶۷ھ) کے عہد حکومت مین مولانا کی دھوم تھی، شاہی عالمون مین نامزد تھے، "مجتہد العصر" کا خطاب حاصل تھا -

مولانا مُفتی محمد مظہر کریم صاحب

از نسل حضرت شیخ مخدوم آبکش دریابادی فرزند دوم مولوی مخدوم بخش صاحب، اپنے زمانے کے بہت مشہور عالم و فقیہ تھے - فرنگی محل مین تحصیل علم کی، اس کے بعد وہ عزت و ناموری حاصل کی کہ خود علمائے فرنگی محل اور مولانا عبد الحیی صاحب فرنگی محلی جیسے زبردست عالم اِن کی تعظیم کرنے لگے -

مولانا زمانہ شاہی مین مفتی تھے، قیام شاہجہان پور مین رہتا تھا - قبل غدر انگریزی حکومت مین سررشتہ دار ہوگئے تھے غدر کی شورش مین جہان ہزارہا ادر بے گناہ پھنسے وہان یہ بھی محفوظ نہ رہ سکے جھوٹی مخبرین اور بدگمانیون کا زور تھا، اِن پر یہ الزام لگایا گیا کہ "جہاد کا فتویٰ دیا تھا" اور "عبور دریائے شور" کی سزا دیدی گئی - وہان پہونچکر یہ علمی خدمت مین مصروف ہوئے، یعنی جغرافیہ پر عربی زبان مین ایک بڑی ضخیم مستند کتاب مراصد الاطلاع کا ترجمہ اُردو مین کرڈالا - گورنمنٹ اُس زمانے مین معتبر ترجمون کی بیحد قدردان تھی اِس لیے اِس خدمت کے صلے مین چند سال کے بعد انھین رہائی دیدی - یہ وطن واپس آئے اور آخر وقت

تک مذہبی و علمی خدمات مین مصروف رہے۔

اِن کا خط بہت پختہ ہوتا تھا، بیسیون کتابین اپنے ہاتھ سے نقل کر ڈالین۔ سالِ وفات۔ اشتعال ۱۳۰۹ھ، یوم دوشنبہ، دُخل جنّات النعیم عربی مین مادۂ تاریخ وفات ہے (از لوحِ مزار مولانا صاحب) اولاد مین عبد الرحیم، عبد القادر دو بیٹے اور پانچ بیٹیان۔ یادگار مین تصنیفات ذیل موجود جن مین سے اکثر غیر مطبوعہ۔

(۱) ترجمہ مراصد الاطلاع، از عربی، جغرافیہ مکمل، غیر مطبوع، اُردو (۲) مظاہر قادریہ، تصوف در حالات و مناقب حضرت غوث پاک، غیر مطبوع (۳) غایۃ المرام فی تحقیق المولد والقیام۔ در فضائل آداب محفل میلاد، مطبوع، اُردو (۴) فتاوائے مظہریہ۔ فقہ و فتاوی، مولانا کے خود جاری کردہ فتوؤن کا ضخیم مجموعہ، غیر مطبوع (۵) مسائل مظہریہ، فقہ، غیر مطبوع۔ یہ دونون متعلق زبان فارسی (مخدوم زادگان)۔

حاجی مولانا مفتی محمد کاظم علی صاحب

از نسلِ سادات رضویہ، نامی گرامی عالم و فاضل، مشہور مفتی و قاری اور واعظ، اچھے حافظ قرآن و طبیب، ساتھ ہی اس کے اُردو فارسی کے شاعر و منشی بھی تھے اور رمل و جفر سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔

اِن کے پردادا میر **عثمان علی** صاحب اب سے تخمیناً دو سو برس قبل نواح دہلی سے آکر دریاباد مین آباد ہوئے تھے۔ میر کریم **بخش** صاحب دادا، مولوی **قاسم علی** صاحب پدر بزرگوار تھے۔

مولانا صاحب دس برس کی عمر مین معمولی فارسی پڑھنے کے بعد تحصیل علم کے شوق مین گھر بار چھوڑ کر لکھنؤ پہونچے اور وہان بیک لخت بیس برس تک جناب مولانا **تراب علی** صاحب مدظلہ (مصنف منتہی الکلام ساکن کرۂ ابو تراب خان) کی خدمت مین حاضر رہ کر جمیع علوم سے بہرہ یاب ہونے کے ساتھ ہی دستار فضیلت حاصل کرکے اپنے وطن دریاباد واپس آگئے۔ بعد فراغتِ تحصیل علوم تیس برس کے سن مین میر حیدر علی صاحب (ساکن بدوسرائے) کی بیٹی سے انھون نے اپنا عقد کیا۔ بہ عہد واجد علی شاہ بادشاہ لکھنؤ بیت الانشار سلطانی مین ملازمت اختیار کی۔ لیکن، واجد علی شاہی کی بساط ہی کیا! ایک بجلی کی چمک تھی جو آن واحد مین نظر سے غائب ہوگئی، پھر بھی آٹھ نو برس چین سے گذرے۔ جب نوابی دور ختم ہوگیا، تو، ناچار مولانا کو انقلاب سلطنت کے باعث دریاباد واپس آنا پڑا۔ اگر یہ چاہتے تو، گورنمنٹ کی طرف سے کسی معزز عہدے پر سرفراز ہو جاتے، لیکن انھون نے عہد کر لیا تھا کہ "شاہی ملازمت کرکے اب سرکاری نوکری نہ کرینگے" بدین وجہ نان خشک پر قناعت کرکے بقیہ عمر اسی آن بان سے بسر کی اور باوجود تکلیفین برداشت کرنے کے کسی سے کسی قسم کی خواہش خود نہ ظاہر کی۔ واہ رے استغنا!!!

ایک شاہی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا صاحب کو بہ عہد واجد علی شاہ دربار لکھنؤ سے کچھ

آراضی بھی مرحمت ہوئی تھی، اور یہ وہاں شاہانہ الطاف کی بدولت اعلیٰ عہدہ پر سرفراز تھے۔ شاہی تحریر حسب ذیل ہے:-

"حکمنامہ باسم متصدیان مہمات حال واستقبال پرگنہ دریاباد زین قبل حسب ملاحظہ معروضہ اہتمام الدولہ بہادر داروغہ نزول باغ و آراضی نزول متمولہ عیدگاہ دریاباد سید کاظم علی ابن مفتی الافتاء سلطانی عنایت گشتہ حالا مزید رأفت خسروانی دہر طرحمت سلطانی در بارہ معافی آراضی مسطورہ حکم قدر توام شرف نفاذ پذیرد کہ متار الیہ را ہموارہ بر آراضی و باغ عطیہ مذکورہ قابض مستقل داشتہ بحالتے از تصرفات و تغیرات مطالبہ چیزے نمائیند و نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن ابداً از جملہ مطالبات دیوانی و سائر تکالیف خسروانی معاف و مرفوع القلم دانند تاکید اکید و قدغن مزید پندارند یازدہم ربیع الثانی ۱۲۷۱ھ ہجری مطابق ۲۹ ماہ سلیمان سنہ احد یوم المبارک سنہ جلوس والا۔"

شاہی ملازمت کے بعد مولانا نے اپنی زندگی کا طولانی حصہ درس و تدریس، رشد و ہدایت، دینی و قومی خدمت اور مذہبی فرائض کی ادائیگی میں صرف کیا اور ساتھ ہی اس کے کلکتہ، بمبئی، حیدرآباد، بنارس، اعظم گڑھ وغیرہ کا سفر کرتے ہوئے ۱۲۹۶ھ میں مدینہ منورہ و مکہ معظمہ کی زیارت بھی حاصل کی۔ ۸۰ برس کی عمر میں ۲ برس بعارضۂ فالج مبتلا رہ کر ۱۳۰۵ھ میں وفات پائی۔

مرحوم نہایت نیک چلن، عالمانہ وضع کے لاطمع اور باعمل عالم تھے۔ مذہبی مسائل کی پیچیدہ گتھیاں سلجھانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ دور دور سے لوگ رفع شکوک کی غرض سے آکر خوش خوش واپس جاتے تھے۔ ان کا فتویٰ فرنگی محل تک تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہ ایمان اور شرع کے اس قدر پابند تھے کہ ایک دفعہ ایک امیر نے اپنے مطلب کے لئے شرع کے خلاف کچھ کارروائی کرانے کی غرض سے پانچ سو روپیہ نذر کئے، مگر انہوں نے لینے سے صاف انکار کر دیا۔

مولانا کے یہاں ایک استفتاء دیکھنے میں آیا ہے، جس میں لکھا ہے:- بخدمت علماء دین و مفتیان شرع متین حیدر علی (ساکن دریاباد) جو رسالہ میزان پر بھی قادر نہیں، وعظ دیتے اور فتویٰ زبانی جاری کرنے کے علاوہ استفتوں پر مذہبی مسائل کے متعلق دستخط بھی کرتے ہیں، اور مولوی کاظم علی صاحب (دریاباد) بھی دستخط دیتے ہیں جن کی علمیت سے علماء دین بخوبی آگاہ ہونگے، جو کل کتب درسیہ پڑھے ہوئے ہیں۔ ایسی حالت میں کس کے قول پر عمل کرنا چاہئے؟ اس کے جواب میں مولوی محمد صاحب، مولوی رؤف احمد صاحب، مولانا محمد لطف اللہ صاحب، مولانا محمد معین الدین صاحب، مولانا محمد محمود صاحب، مولانا محمد یوسف صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی، مولانا محمد نعیم صاحب (لکھنوی)، مولانا انور علی صاحب، مولانا محمد ذکریا صاحب، مولوی محمد اصغر صاحب، مولوی محمد نور کریم صاحب (دریابادی) مرزا عبداللہ صاحب چشتی، مولانا تراب علی صاحب (لکھنوی) مولوی محمد عبداللہ صاحب وغیرہ بزرگان دین نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس سے

مولانا محمد کاظم علی صاحب کے فضل وکمال پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ ناظرین کی آگاہی کے لئے چند مولوی صاحبان کی تحریرون کا خلاصہ ذیل مین درج کیا جاتا ہے۔ یہ استفتا جس پر مولوی صاحبان کے دستخط اور اُن کی مہرین لگی ہوئی ہین مولوی حاتم علی صاحب کے پاس موجود ہے۔

(۱) مولوی کاظم علی صاحب سالہائے دراز در لکھنؤ بوعظ کتاب اللہ عز اسمہ ہو اللہ الکافی واحادیث رسول مقبول مشغول ماندہ اند گاہے تا این زمان نہ شنفا ہا نہ سماعا از ثقات حرفیکہ محل جرح وطعن در مسائل دینیہ تواند شد بگوشم نرسیدہ العبد آسی انور علی (۲) درباب مسائل شرعی چہ از عبادات وچہ از معاملات ہرچہ پیش آید جماعتہ مسلمین آن جوار را اساس اعتبار و وثوق بر قول مولوی حکیم سید کاظم علیصاحب کہ فحول علما اعتراف علم و فضل و دیانت شان میدارند باید نہاد و بر قول ہیچ مفتی کہ منجملہ ناخواندگان علوم اند دست رد باید کشید العبد محمد ذکریا۔ (۳) مولوی سید کاظم علی صاحب دریاآبادی کہ واعظ وحافظ کلام الٰہی واقف احادیث رسالت پناہی عالم معقول ومنقول جامع فروع واصول تشرع متورع حکیم فہیم شاعر ناثر باہمہ صفت موصوف کمالات اُنکے ہر طرف مشہور ومعروف ہین جماعۂ مسلمین اُس سرزمین کو چاہئے کہ اتباع اور انقیاد ایسے عالم عابد کو غنیمت جانین العبد محمد صغیر (۴) جو مسئلے میر حیدر علی نے بیان کئے محض غلط ہین مسلمانون کو چاہئے کہ قول مولوی کاظم علی صاحب پر عمل کرین اسواسطے کہ میر حیدر علی کو مولوی صاحب موصوف کی سامنی لیاقت وعظ کہنی کی نہین اور فتوی دینا تو انکو کسیطرح اور کسیوقت نہ چاہئے کہ بعلم فتوی دینی والی پر فرشتے لعنت کرتے ہین العبد محمد یعقوب (۵) در علم وفضل وتقوی واستعداد تدریس کتب درسیہ و اشتغال بعلوم تفسیر وحدیث وبیان وعظ ونصایح وقوت واستنباط واستخراج مسائل فقہیہ از کتب معتبرہ ونظر کامل بر کتب سیر و آثار بنحویکہ درین سن بمولوی سید کاظم علیصاحب اللہم زد وبارک حاصل است اظہر من الشمس و ابین من الامس وزینہار محتاج بر بینہ وبرہان نیست ومردم خواص منزلت وقدر اینچنین فضایل می شناسند نہ مردم عامی کہ بہرہ از علم ندارند پس جملہ اہل اسلام را لازم است کہ بمتابعت اینچنین شخص ذی الاستعداد دین خود درست نمایند و در احترام واعزاز شان سعادت وفلاح دارین دانند حررہ محمد نور کریم الدریاآبادی عفی عنہ (۶) مولوی کاظم علی علوم دینیہ سے بہرہ کافی رکھتے اور کتاب اللہ وحدیث مایحتاج سے بخوبی ماہر ہین۔ اس لئے وہ واجب الاتباع اور واجب التقلید ہین غیاث الدین محمد المدعو مرزا عبد اللہ چشتی (۷) فضل وکمال نودی زمان المعنی دوران مولوی حکیم سید حافظ کاظم علیصاحب اظہر عیان راچہ بیان ومولوی صاحب ممدوح ہمہ کتب درسیہ منقول ومعقول بتحقیق وتدقیق خواندند واز مدت دراز در تدریس ووعظ مشغول اند واز ذات شان ہدایت بردمان حاصل ودر تحقیق مسائل شرعیہ بمولوی صاحب موصوف رجوع باید کرد حررہ ابو البرکات رکن الدین محمد المدعو تراب علی عفی عنہ (۸) فضل وکمال مولوی حکیم سید حافظ کاظم علیصاحب اظہر من الشمس وابین من الامس وبمولوی صاحب ممدوح

کہ در علوم واقفیت کما ینبغی دارند رجوع نمایند کہ امید صلاح و فلاح است محمد عبد اللہ عفی عنہٗ۔

مولانا بہت بڑے ذہین تھے اور اِن کا حافظہ بہت تیز تھا مرزا غالب مرحوم کی طرح انھوں نے بھی کسی کتاب کی نقل کی اور نہ کبھی کوئی کتاب مول لی جس کتاب کو ایک نظر دیکھ لیتے تھے، عمر بھر کے لئے ازبر ہو جاتی تھی، جو کچھ کسی سے سُنتے تھے، دل میں نقش کا نحجر ہو جاتا تھا۔ مذہبی مسائل اور الفاظ کے معنی و تصریح بیان کرکے صرف کتاب کا حوالہ ہی نہیں دیتے تھے، بلکہ صفحہ، سطر تک بتا دیتے تھے کہ میں جو کچھ کہتا ہوں اِس کی تصدیق کے لئے آپ خود فلاں کتاب کے فلاں صفحہ اور فلاں سطر میں دیکھ کر اطمینان کر لیں چنانچہ لالہ دیبی دین صاحب بیان کرتے ہیں کہ "مولوی مظہر کریم صاحب (دریا باد) اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے بہت سی کتابیں جمع کی ہیں، بغیر اِن کے کام نہیں چلتا۔ لیکن، مولوی کاظم علی صاحب کو کسی کتاب کی ضرورت نہیں وہ کُل امور اپنے حافظہ کی قوت سے بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں اور اس بارہ میں وہ اپنی نظیر نہیں رکھتے" دماغ بھی ان کا نہایت صحیح اور اعلیٰ تھا تا زندگی کبھی سر میں خوشبو دار تیل نہیں ڈالا اور دماغی بیماریوں سے محفوظ رہے۔

اگرچہ مولانا نے کوئی کتاب نقل یا قیمت کے ذریعہ سے حاصل نہیں کی تاہم ان کے پاس معقول اور مستند کتابیں کافی تعداد میں جمع ہو گئی تھیں، جنھیں بعض رئیسوں کا عطیہ، دوست و احباب کا تحفہ" اور لایق و سعادت مند شاگردوں کی نذر سمجھنا چاہئے۔ افسوس ہے کہ یہ مختصر مگر کار آمد کتب خانہ برسات کے موسم میں دفعتہً مکان کے گرجانے سے بالکل تلف ہو گیا یہ واقعہ مولانا کے بعد کا ہے۔

سُنا جاتا ہے کہ اِن کی مذہبی تقریر بہت پُر تاثیر اور معنی خیز ہوتی تھی۔ چنانچہ حیدر آباد میں جب ایک مرتبہ اِن کا وعظ ہوا تھا تو حضور نظام (نواب میر محبوب علی خان بہادر مرحوم کے والد ماجد) نے خوش ہو کر پانچ سو روپیہ انھیں عنایت فرمایا تھا۔

سیّد صاحب کی ایک خود نوشت تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۲۹۸ھ کے قبل ہز ہائینس حضور نظام کے دربار میں باریاب ہو کر الطاف خاص سے سرفراز ہوئے تھے۔ یہ افتخار حاجی حکیم مولوی مفتی محمد حسن خان صاحب صدر الصدور کے ذریعہ سے حاصل ہوا تھا۔ تحریر مذکور کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

"ازانجا کہ فیض پرورش سرکار گردوں وقار در پرورش حسنات این دربار و دُربار شاملحال مستحقان دور و نزدیک است درین شہر مبارک سنہ ماضیہ بذریعہ حاجی حکیم مولوی مفتی محمد حسن خان صدر الصدور حال سابق رکن مجلس مرافعہ عدالت حضوری اعانت و پرورش این خادم العلماء الفقر البرط قدردانی و عزت و افزائی بظہور آمدہ .... سوم ماہ مبارک ۱۲۹۸ھ ہجری"

یہ بات بھی لکھنے کے قابل ہے کہ مولانا نے افلاس اور غریبی کی حالت میں، جبکہ صرف دس برس کا سن تھا، تن تنہا لکھنؤ جا کر (جہاں بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی مونس و مددگار نہ تھا) طرح طرح کی

تکلیفیں اور مصیبتیں جھیلتے ہوئے بڑی خوشی کے ساتھ تمام علوم حاصل کر کے خاص طور پر نام پیدا کیا تھا اِس سے مولانا کا علمی شوق، مولانا کی دلیرانہ ہمت، جفاکشی، جودت طبعی ظاہر ہوتی ہے۔

افسوس ہے کہ ان کی تصانیف کا کچھ بھی پتہ نہیں چلتا۔ صرف دو مختصر رسالے (رسالہ فاتحہ تکمِلۃ عشرۃ کاملۃ) عالمانہ قابلیت کی مذہبی یادگار مطبوعہ موجود ہیں۔ اسی طرح ان کے شاگردوں میں سے جو بیسیوں کی تعداد میں تھے فقط شاعری کے متعلق لالہ شنکر لال صاحب **کمال** (دریابادی) اور حاجی مفتی مولوی محمد محسن خانصاحب (صدر الصدور حیدر آباد، ساکن مضافات اودھم) کا نام دریافت ہوا ہے۔ اولاد میں محمد حاتم علی صاحب اولاد بہ قیدحیات، آبائی باغ و عطیہ شاہی پر قابض۔ مولانا کے بیان میں جن کاغذات کا ذکر کیا گیا ہے وہ مولوی حاتم علی صاحب کے پاس موجود۔ (قصبانہ محال مخدوم اوگان)

مولانا مفتی شاہ محمد صاحب

سنی المذہب، رضوی سید، از خاندان میران غوث، مشہور مفتی و زبردست عالم تھے شہنشاہ اورنگ زیب کے دربار میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ ان کے مرنے کے بعد بادشاہ نے ان کی بیٹی، پوتی اور دیگر بیوہ عورتوں کی گذر اوقات کے لئے ساٹھ بیگھہ پختہ آراضی مرحمت فرمائی تھی جو ذیل کے پروانہ سے ظاہر ہے۔

پروانہ بمہر معتمد الملک میر جملہ معظم خان خانخاناں بہادر مظفر جنگ، آنکہ کماشتہ ہای جاگیرداران وکروریان پرگنہ دریاباد سرکار لکھنؤ صوبہ اودھ بدانند اعلام آنکہ بموجب یادداشت واقعہ عہد مرقوم پنجم شہر ذی حجہ ۱۱۲۰؁ کہ بتاریخ دہم جمادی الاول ۱۱۲۱؁ بعرض مکرر رسیدہ مواری شصت بیگہ زمین بنجر افتادہ لائق زراعت خارج جمع از پرگنہ مذکور در وجہ مدد معاش مسماۃ لی بی وغیرہ بیوہ مستحقات حسب الضمن مقرر گشتہ باید کہ بطبق یادداشت واقعہ مثل آراضی مسطور را پیمودہ و چک بستہ بتصرف آنہا بازگذارند وصلا مطلقا تغیر و تبدل بآں راہ ندہند و بوجہ من الوجوہ طلب و طمع ننمائند کہ حاصلات آنرا صرف معیشت خود ہا نمودہ بدعای دوالت ابد مدت استقلال مینمودہ باشند اگر در محلہ دیگری دختری داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند دریں باب قدغن دانستہ حسب المسطور عمل آرند بتاریخ پنجم رجب المرجب ۱۱۲۱؁ جلوس والا قلمی شد تفصیل آراضی بہت سید رکن الدین بنت عنایت اللہ بنت شاہ محمد بنت محمد علی۔ مہر قاضی اکرم۔

محضر نامہ نوشتہ قاضی نور الحق صاحب مرقومہ ۲۲ جمادی الاول ۱۱۵۸؁ھ بہ گواہان حاشیہ سید امام علی خطیب ولد محمد علی بن سید شاہ محمد مفتی درج ہے اور دستاویز نوشتہ قدرت علی بنام مولوی مخدوم بخش صاحب مرقومہ ۱۲۰۸؁ میں سید امام علی خطیب تحریر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کے بیٹے محمد علی اور پوتے امام علی تھے۔ اولاد میں میر ملاقی بہ قید حیات۔ (میران نگری، حال مردہی محالہ)۔

تیسری فصل
ذی علم اصحاب کے بیان میں

منشی نہال رائے صاحب

کائستھ، ماتھر، چھتری درن، لالہ اُجاگرچند کے فرزند دوم (بڑے صاحبزادے خوشحال رائے تھے) فارسی کے ذی استعداد انشاپرداز، بھاشا ادب کے بھی ماہر، سنسکرت سے بھی واقف، صاحب تالیف

منشی نہال رائے صاحب کے مورث اعلیٰ رائے جسرتھ رائے اکبرآبادی تھے جنھیں شیر شاہ بادشاہ دہلی کے زمانے میں رائے کا معزز خطاب عطا ہوا تھا، ساتھ ہی اس کے چند مواضعات بھی بطور جاگیر مرحمت ہوئے تھے۔ انکے نام سے ایک موضع "جسرتھ پور" اب تک آباد ہے۔ رائے صاحب کے پوتے گڈھرمل، گوبردھن، جوہرمل، تاراچند، اننت داس بھی بادشاہ دہلی کی قدردانی سے معزز عہدہ پر ممتاز اور "رائے" کے خطاب سے سرفراز تھے۔ ان بزرگوں کی نسل میں شیام سنگھ صاحب منشی نہال رائے صاحب کے دادا شاہی فوج کے رسالدار تھے، ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے۔ ہمراہ نواب ابوالمنصور خان بہادر صفدر جنگ فیض آباد آئے اور اسی طرح رائے صاحب (دریاباد) کے خاندان والوں سے سلسلۂ قرابت و رشتہ داری پیدا ہو جانے کے باعث انھوں نے دریاباد میں سکونت اختیار کی اور اپنے اصلی وطن (آگرہ) کو خیرباد کہہ دیا۔ وہ بھاشا کے اچھے شاعر بھی تھے اور فارسی داں بھی۔ شاعری میں شیام تخلص کرتے تھے۔ ماسکیت پوران کا ترجمہ دوہے اور چوپائیوں میں غیر مطبوعہ یادگار ہے جو ۱۸۲۰ بکرمی میں تالیف ہوا تھا۔ ان کے حقیقی بھائی اودت سنگھ بھی شاہی ملازم تھے۔ لیکن وہ راجہ نول رائے صاحب (نائب سلطنت اودھ) کی ہمراہی میں تعینات ہو کر لکھنؤ میں آباد ہو گئے تھے۔ (ارکھوپت کرت محررۂ اودت سنگھ صاحب)۔

منشی صاحب کی لکھی ہوئی تلسی کرت رامائن کے شروع میں یہ عبارت تحریر ہے کہ "پوتھی شری رامائن تلسی کرت دستخطی باباصاحب قبلہ شیام سنگھ جو بے مرمت شدہ بود بندہ نہال رائے در سن ۱۲۲۹ ہجری بمقام نوابگنج کہ بنا برخواہش سیدن و اصلاحات لالہ موہن لال عامل محال مذکور مقیم بود از دست خود مالک پوتھی رام مرمت ساختہ دو جلد نمود بھاگن سدی دوج سمت [illegible] بکرمی" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالی کام ان کے سپرد تھا، تحصیلداری کے عہدہ پر مامور رہے۔ افسوس ہے کہ ان کے حالات اس سے زیادہ اور کچھ نہ معلوم ہوئے۔ اولاد میں رام دیال لاولد فوت ہوئے۔ تالیف کے متعلق دسم اسکندھ بھاگوت کا ترجمہ ان کی علمی یادگار۔ مذکورۂ بالا پوتھیاں منشی نہال رائے صاحب کے خاندان میں منشی گوپال پرشاد صاحب کے پاس موجود۔ (دیکھیانہ)

مولوی فرید بخش صاحب

شیخ، فارسی و عربی کے اعلیٰ ماہر، دریاباد میں شاہی فوج کے تمندار۔ ان کے والد فوج شاہی میں کمیدان تھے۔ زمانۂ حیات اب سے سو برس قبل، اولاد میں محمد حسین، جن کا ذکر باب ۳، فصل ۲ میں ملاحظہ ہو۔ افسوس ہے کہ مولوی صاحب کے والد کا نام بھی نہ معلوم ہوا، حالات کا کیا ذکر! (قضیانہ حال مخدوم زادگان)۔

---

۵ ماخوذ از پوتھی ماسکیت مولفۂ شیام سنگھ صاحب جو منشی گوپال پرشاد صاحب کے یہاں موجود ہے (مخدوم زادگان)۔

مولوی محمد اشرف صاحب

شیخ، از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، عربی و فارسی مین صاحب استعداد، ریاضت پسند، دربار لکھنؤ سے بہت سی جاگیرون کے فرمان حاصل کئے تھے، جو خاندان والون کی غفلت سے تلف ہو گئے۔ زمانۂ حیات اب سے سو برس قبل، اولاد مین فرحت اشرف وغیرہ۔

منشی گیا پرشاد صاحب

شری واستو یہ دوسرے کائستھ، معروف بہ پانڈے المودھا، چھتری ورن، از اولادِ مہاراجہ تلوک چند فرمانروائے دہلی، لالہ درباری لال صاحب چکلہ دار کے بیٹے، راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے بھتیجے، عربی و فارسی کے زبردست ماہر ہونے کے علاوہ سنسکرت مین بھی دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے وقت مین یعنی اب سے ۵۰ برس قبل بہ قید حیات۔ اولاد مین مہادیو پرشاد، عرصہ سے تارک الوطن۔ ان کے والد کا ذکر باب ۱۰، فصل ۲ میں اور خاندانی حالات باب ہذا کی فصل اول مین بہ ذکر راجہ بھوانی پرشاد ملاحظہ ہون منشی صاحب کے بعض حالات تواریخ پانڈے المودھا سے اخذ کئے گئے ہین۔ (محرر راں)

مولوی سالار بخش صاحب

سید، شیعی المذہب، مولوی مشرف علی صاحب کے فرزند دوم (بڑے بیٹے مولوی بشارت علی صاحب ندیم تھے) فارسی و عربی کے زبردست با فیض معلم اور بڑے خوشنویس تھے۔ اُس وقت دریاباد کے عام شرفا پہلے انھیں سے اپنے لڑکون کو بسم اللہ کی تعلیم دلواتے تھے اور ان کی نہایت قدر و منزلت کرتے تھے۔ مولوی شاہت علی صاحب کہتے تھے کہ مولوی سالار بخش صاحب نے فرنگی محل لکھنؤ مین تعلیم پائی تھی اور علمی استعداد مین اپنے ہم عصر مولوی واحد بخش صاحب سے کم نہ تھے

---

[1] مولوی واحد بخش صاحب۔ سید از فرقہ شیعہ، عربی زبان کے عالم، فارسی کے بہت اچھے انشاپرداز، لکھنؤ میں علم سے بہرہ یاب اور وہیں عہدۂ قضا پر مامور، سرمایہ غدر وہیں مارے گئے موضع کوٹلا ور (پرگنہ دریاباد) کے رئیس دار تھے، وہان کے ٹھاکرون سے تنگ آ کر دریاباد میں آباد ہو گئے تھے۔ اولاد میں حسن رکی، علی حسن، علی ارتجا۔ مولوی حسن رکی صاحب عربی و فارسی مین قابل، فارسی کے اعلیٰ انشا پرداز اپنے والد کے شاگرد، زمانہ شاہی مین مقام لکھنؤ امانت کے عہدہ پر مامور، بعد غدر بہرسیور (ضلع گونڈہ) مین سررشتہ دار ہو کر تا حیات اسی عہدہ پر بحال اب سے نصف صدی قبل موجود۔ اولاد میں قاضی عنایت احمد صاحب اولاد سے قید حیات، مرزا صاحب کے یہان آنریری مجسٹریٹی کے سررشتہ دار۔ مولوی علی حسن صاحب شاہی مین کوتوال، انگریزی زمانے مین بھلسر دریاباد کے سب انسپکٹر رہنے کے بعد برتاب گڑھ تبدیل کئے گئے۔ آخر مین بہ سبب ضعف بصارت گورنمنٹ سے پنشن پا کر خانہ نشین ہو گئے۔ اب سے تخمیناً ۲۶ یا ۲۷ برس قبل قید حیات، اولاد نرینہ کوئی نہیں۔ سید علی ارتجا صاحب۔ عہد شاہی گونڈہ و بہرائچ مین عہدۂ قضا پر مامور، آٹھ مواضعات کے مالک، انگریزی مین پولیس سب انسپکٹر اور اسی سلسلہ میں فیض آباد تبدیل ہونے کے ساتھ ہی وہین محلہ سعادت گنج میں سکونت پذیر ہو گئے تھے

تاعمر درس و تدریس مین مشغول رہے۔ ان کے بزرگ غالباً نواب آصف الدولہ بہادر کے قبل دریاباد مین آباد تھے"۔

لالہ دیبی دین صاحب بیان کرتے ہین کہ مولوی صاحب مصور بھی تھے اور دستکار بھی۔ طرح طرح کے رنگین بیل بوٹے کاغذ اور کپڑے پر بنانے مین فرد تھے۔ نیچہ ساری کے فن سے بھی خوب ماہر تھے۔ پتنگ اور مخمل بھی خوبصورت بنا لیتے تھے۔ علاوہ اس کے جو نایاب چیز دیکھ لیتے فرمایش پر ہو بہو ویسے ہی تیار کر دیتے تھے مگر یہ سب فنون شوقیہ تھے، ذریعۂ آمدنی نہ تھے۔ مولوی صاحب کے والد بھی بڑے دستکار تھے۔ اِن کے دو بھائی اور بھی تھے۔ فقیر بخش لکھنؤ مین معلم گری پر مامور تھے اور امیر علی دریاباد کے مکتب خانون مین تعلیم دیتے تھے مولوی سالار بخش صاحب اسّی بیاسی برس کے سن مین غالباً اب سے ۴۰ برس قبل موجود تھے۔ اِن کے بعد دریاباد سے اِن کے خاندان کا خاتمہ ہو گیا (محلہ محرّران)۔

مولوی عبدالرحیم صاحب

شیخ قدوائی، از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی رح، مولانا محمد مظہر کریم صاحب کے بڑے بیٹے (چھوٹے بیٹے حاجی مولوی ڈپٹی عبدالقادر صاحب تھے) فارسی کے ادیب اور اردو کے ظریف الطبع انشا پرداز جس زمانہ مین اخبارات کا رواج بہت کم تھا، یہ کئی کئی اخبارات منگاتے، ملک کے اکثر ادیبون سے اِن کے تعلقات مراسلت قائم تھے۔ علاوہ اس کے یہ دستکار بھی تھے۔ کاغذ کے خوشنما بیل بوٹے اور پھول قینچی سے تراش کر بنایا کرتے تھے جنھین دیکھ کر طبیعت شگفتہ ہو جاتی تھی۔

مولوی صاحب بہت بڑے مخیر بھی تھے۔ طرح طرح کی تکلیفین اٹھاتے، مگر اپنی فطری فیاضی سے باز نہین آتے تھے۔ تنخواہ کا ایک زبردست حصہ خیرات کی نذر ہو جاتا تھا۔ یہ خیرات زیادہ تر خفیہ ہوتی تھی۔ اکثر راہ چلتے بھی یہ جہان کہین کسی کو پریشان دیکھتے تھے، بلا سوال ہندو ہو یا مسلمان، جیب مین جو کچھ ہوتا تھا چپکے سے اُس کے حوالہ کر دیتے تھے۔ علاوہ اس کے مجرب نسخہ جات کے ذریعہ اپنے صرف سے دوائین تیار کرکے داد، آتشک وغیرہ کے مریضون کو مفت تقسیم کیا کرتے تھے۔ تا زندگی یہ نیک مشاغل بدستور جاری رہے۔

انھون نے اپنے والد کے ہمراہ شاہجہان پور اور لکھنؤ مین فارسی سے استفادہ حاصل کیا۔ غدر کے بعد یہ جونپور مین کلکٹری کے نقل نویس ہوئے اور ایک عرصہ تک اسی عہدہ پر مامور رہنے کے ساتھ ساتھ ہردوئی تبدیل کئے گئے اور وہان کچھ دن کام کرکے ملازمت سے خود مستعفی ہو کر اپنے وطن مین آزادانہ زندگی بسر کرنے لگے اور آبائی زمینداری کو ذریعۂ معاش قرار دیا۔ ۱۳۱۵ھ مطابق دسمبر ۱۸۹۷ء مین انتقال ہوا، ساٹھ سال کی عمر پائی۔

مرحوم نہایت خوش مزاج، زندہ دل، سادہ و شاکر، حلیم، قناعت پسند، آبائی وضع کے پابند تھے۔

اولاد مین عبدالحلیم صاحب الف۔ اے تک تعلیم یافتہ اور ڈاکٹر محمد سلیم صاحب، جن کا حال ہی مین انتقال ہو گیا ہے۔

خاندانی حالات کے لئے باب ہذا کی فصل میں حضرت مخدوم آکبش کا ذکر ملاحظہ ہو۔ (مخدوم زادگان)

منشی مہنڈی لال صاحب ہیڈ ماسٹر

شری واستو یہ دوسرے کایستھ جھبتری دن، از خاندان محرران دریاباد، لالہ شادی لال صاحب عرف مہنگو کے بیٹے، انگریزی ادب کے اعلیٰ ماہر اور مشہور انشا پرداز۔ عرصہ تک بارہ بنکی ہائی اسکول میں عہدۂ ہیڈ ماسٹری مامور رہے۔ بعد اُس کے کھیری تبدیل ہوئے اور وہیں غالباً سنہ ۱۹۱۰ء میں وفات پائی اولاد میں تین بیٹے بقید حیات۔ (محرران)

مولوی ناظم علی صاحب

سنی المذہب، رضوی سید، مولوی قاسم علی صاحب کے فرزند دوم (بڑے بیٹے حاجی مولانا محمد کاظم علی صاحب تھے) ذی استعداد۔ اپنے بھائی سے لکھنؤ میں تعلیم پائی تھی۔ غدر کے آثار شروع ہوتے ہی دریاباد چلے آنے کے باعث دستار فضیلت سے محروم رہے۔ فارسی و عربی کے علاوہ اردو ادب سے بھی کافی بہرہ رکھتے تھے۔

یہ پہلے کورٹ کی طرف سے شیخ ارشاد علی خان صاحب مرحوم (تعلقدار میلارائے گنج) کے معلم واتالیق مقرر ہوئے جب انھیں عربی و فارسی پڑھنے کے بعد انگریزی تعلیم کے لئے حکم ہوا، تو مولوی صاحب بھیاکشن دت رام پانڈے (تعلقدار ضلع گونڈہ) کے یہاں اُن کے لڑکوں کو تعلیم دینے پر مامور ہوئے کچھ دنوں کے بعد پانڈے جی کا علاقہ کورٹ ہو گیا۔ ناظم علی صاحب نے ریاست سے علیٰحدہ ہوتے ہی نارمل پاس کرکے سررشتۂ تعلیم سے پھر میں ملازمت کرلی اور ضلع گونڈہ کے تحصیلی مدارس میں بعہدۂ افسر مدرسی کام انجام دیتے ہوئے ۱۹۱۱ء میں انتقال فرمایا۔ تخمیناً ۸۰ سال کی عمر پائی۔

مرحوم شاعر بھی تھے، اردو فارسی میں شعر موزوں کہتے تھے۔ شیخ ارشاد علی خان صاحب جو مشہور شاعر اور سخن سنج بھی تھے، مولانا کی بڑی توصیف و تعریف کیا کرتے تھے۔ اُن کی مجلس کے شعرا بھی ان کی شاعرانہ قابلیت کے خاص طور پر مداح تھے۔ کلام کا پتا نہیں ہے۔

سید صاحب شطرنج کے فن میں بھی استاد تھے، ذکی دانشمندانہ چالیں، ان کے پر غور منصوبے دیکھ کر اچھے اچھے کھیلنے والوں کی عقل دنگ ہو کر مات ہو جاتی تھی شطرنج کا فن لکھنؤ میں اور شاعری کا ہنر اپنے بھائی سے حاصل کیا تھا۔ شاعری میں ناظم تخلص فرماتے تھے۔ بڑے نیک، ملنسار، خلیق اور جفاکش بزرگ تھے۔ تا زندگی کسی کے محتاج نہیں رہے۔ اولاد میں حاکم علی صاحب اولاد۔

ﮯ خاندانی حالات کے لئے باب ۳ فصل ۱ ۔ شیو نراین صاحب ملاحظہ ہو ۱۲

قاضی نوازش حسین صاحب

انگریزی زبان کے بہترین انشا پرداز، زمانۂ حال کے گریجویٹون سے افضل، اور دُور دُور تک مشہور و معروف، عربی و فارسی مین بھی قابل ذکر، اُردو ادب سے بھی آشنا، شعر گوئی کے شوقین، خواجہ وزیر کے پوتے خواجہ افضل حسین صاحب قدیر کے شاگرد۔ ولادت ۱۸۵۶ء، وفات ۱۹۰۸ء۔

اِن کے والد منشی بہادر علی صاحب مرحوم سید عبد الغنی صاحب نیشاپوری کی نسل مین قاضی حسام الحق صاحب (دریابادی) کے نواسے اور موضع احمد پور (ضلع بارہ بنکی) کے رہنے والے تھے قاضی حسام الحق صاحب کے بیٹے قاضی فدا حسین صاحب کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے منشی جی نے اپنا وطن چھوڑ کر دریاباد مین سکونت اختیار کر لی تھی اور قاضی صاحب کی وفات پر کل نانہالی جائداد کے مالک ہو گئے تھے۔ مخدوم زادون کے شجرہ سے پایا جاتا ہے کہ شیخ نظام الدین صاحب کی بیٹی انکے یہان سید عبد الغنی صاحب کو بیاہی گئی تھی۔ اس سے بھی منشی صاحب عالی خاندان اور عالی نسب ثابت ہوتے ہین۔

نوازش حسین صاحب قاضی کے لقب سے مشہور تھے۔ عربی فارسی گھر پر مکتب خانہ مین پڑھی اور انگریزی بارہ بنکی کے ہائی اسکول مین انٹرنس تک حاصل کی ۱۸۷۲ء مین جب اِن کے والد کا تبادلہ جو نظارت کے عہدہ سے متعلق تھا، بارہ بنکی سے لکھنؤ ہوا، تو یہ بھی والد کے ہمراہ لکھنؤ آئے اور اسکول کی تعلیم ترک کرکے پرائیویٹ طور پر بابو کالی پرشاد سنہا (ماہر انگلش پہلے منصرم، بعد کو لکھنؤ مین سب جج ہو گئے تھے) اور مولوی چراغ علی صاحب (انگریزی فارسی کے ماہر ڈپٹی منصرم لکھنؤ، آخر مین حضور نظام حیدرآباد کے مدار المہام ہو گئے تھے) ایسے فاضلون کی خدمت مین علمی استفادہ حاصل کرتے رہے، اور کلکٹری کے محکمہ مین نقل نویسی کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ اتفاقِ زمانہ سے مسٹر ویلی صاحب اسسٹنٹ کمشنر بہادر (لکھنؤ) کے ہاتھ مین گھوڑے سے گر جانے کے باعث ایسی سخت چوٹ آگئی کہ وہ کام کرنے سے مجبور ہو گئے، اور چونکہ قاضی صاحب انگریزی مین غیر معمولی قابلیت رکھتے تھے، اسلئے بوساطت جے۔ ڈبلو۔ کوٹین صاحب بہادر (ڈپٹی کمشنر لکھنؤ) اسسٹنٹ کمشنر بہادر ممدوح کی پیشی مین کام کرنے لگے اور مقدمات کے متعلق بیانات، ڈگری، تجاویز وغیرہ ایسی فصیح اور صحیح عبارت مین تحریر کئے کہ صاحب بہادر اِن کی انشا پردازی پر بے انتہا خوش ہو گئے۔ جب ممدوح کو صحت کلی حاصل ہو گئی اور اپنی ڈیوٹی انجام دینے لگے تو، بہ صلۂ انعام پانچ سو روپیہ کا ایک نوٹ قاضی صاحب کو دینا چاہا، مگر اِنھون نے مہذب الفاظ مین لینے سے انکار کر دیا۔ اِس پر ممدوح نے جناب صاحب جوڈیشیل کمشنر بہادر کی منظوری سے نقشہ نویسی پر (بہ مشاہرہ مبلغ للعہ) انھین مقرر کرا دیا۔ ایک سال کے بعد اسسٹنٹ منصرمی کے عہدہ پر مامور ہو کر بارہ بنکی آئے۔ یکم اگست ۱۸۷۹ء کو مستقل عہدۂ منصرمی عطا ہوا۔ چند روز کے بعد صحت خراب ہو جانے

سے (کسی کے کہنے پر کشتہ کھا لیا جسکی وجہ سے تمام جسم مین دانے نکل آئے) مجبوراً ایک سال کی رخصت لی اور گھر پر علاج کرتے رہے جب کوئی صورت افاقہ کی نہ معلوم ہوئی تو ناچار ملازمت سے دست کش ہوگئے بیکاری کے زمانے مین مرزا نجف علی بیگ صاحب نجفؔ نے دوستانہ طور پر ہموطنی کے جوش مین ان سے کہا کہ "صاحب رزیڈنٹ بہادر کرنیل بار اور مہارانی صاحبہ ریوان مین باہمی ملال ہوگیا ہے، لہذا آپ مہارانی صاحبہ کی طرف سے براہ راست جناب ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند سے خط و کتابت کیجئے۔ یہ خدمت آپ کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی"۔ قاضی صاحب نے اسے منظور کیا اور منجانب مہارانی صاحبہ عرضداشت لکھنا شروع کیا، یا تو جناب مہارانی صاحبہ کے کسی درخواست پر جو قبل روانہ ہوچکی تھین، بالکل توجہ نہ فرمائی گئی تھی، یا ان عرضداشتون پر غور ہونے کے بعد جناب قیصرۂ ہند نے حکم صادر فرمایا کہ "مفصل کیفیت آنی چاہئے"۔ چنانچہ مفصل حالات قاضی صاحب نے قلمبند کرکے روانہ کئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بذریعۂ گورنر جنرل کشور ہند حکم صادر ہوا کہ مہارانی صاحبہ جو ناراض ہوکر باہر چلی گئی ہین، بہت عزت کے ساتھ ریاست مین پہونچا دیجائین۔ کرنیل رزیڈنٹ صاحب بہادر لندن طلب کئے گئے اور وہان ان سے سخت بازپرس کی گئی۔ قاضی صاحب جب تک زندہ رہے، ریاست ریوان سے برابر سلوک ہوتا رہا اور مہارانی صاحبہ بدل و جان قاضی صاحب کے حسن کارگذاری کی مداح رہین۔ اس واقعہ سے قاضی صاحب کی انگریزی قابلیت پر زبردست روشنی پڑتی ہے۔

قاضی صاحب خوش فہم اور سخن سنج شاعر بھی تھے۔ شہیرؔ تخلص تھا۔ طبیعت اچھی پائی تھی۔ عاشقانہ رنگ مین خوب کہتے تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ میدان سخن مین اچھی طرح جوہر نہ دکھانے پائے تھے کہ ساغر حیات لبریز ہوگیا۔ عین جوانی مین انتقال ہوا، ۳۴ سال کی عمر پائی۔ اولاد نرینہ کوئی نہین۔ ان کے دو بھائی امجد حسن و حاجی حسن بہ قید حیات (قضیا ئہ)

رائے رگھناتھ بلی صاحب

ماتھر کائستھ، ہیچتری بورن، ازخاندان رائصاحب، رائے پرتاب بلی صاحب کے فرزند دوم، رائے ابھرام بلی صاحب تعلقدار دریاباد کے حقیقی چچا زاد چھوٹے بھائی، بھاشا زبان مین قابل، بعض دلچسپ اور کارآمد فنون کے شوقین، تلسی کرت رامائن کے خاص طور پر شیدائی، صاحب تصنیف و تالیف۔ ولادت ماہ پھاگن سمت ۱۹۱۱ بکرمی مطابق ۱۸۵۴ء، وفات سمت ۱۹۷۲ بکرمی مطابق ۲۲ جون ۱۹۱۵ء، یوم سہ شنبہ۔

فارسی کا علم اپنے مکتب خانہ مین ضرورت کے موافق حاصل کیا تھا۔ اور بھاشا پنڈت تنکر دیال دریابادی سے پڑھی تھی۔ اردو زبان سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ تین کتابین ان کی علمی خدمت کی قابل قدر یادگار سے اتنک موجود ہین۔ (۱) رسالہ فوائد عامّہ اردو، اس مین امراض کی تفصیل اور مجرب نسخون کے علاوہ قدیم و جدید رنگساری، فن طعام، شعبدے وغیرہ کا بھی بہ تشریح بیان کیا گیا ہے (۲) موسیقی کے متعلق

ایک ضخیم کتاب مین ٹھمریاں، ادھے، پد، ہولیان، وغیرہ دلکش اور نفیس گانے عمدہ اور مشہور کتابوں سے انتخاب کر کے درج کیے گئے ہین، غیر مطبوع (۳) تلسی کرت رامائن کی لغت جس مین مشکل الفاظ کی نہایت وضاحت کے ساتھ بامعنی تشریح کی گئی ہے - یہ مفید اور کار آمد لغت چھپ گئی ہے اور رامائن پنڈت نیل کنٹھ کے اہتمام سے بمبئی مین چھپی ہے، اُس کے آخر میں شامل کر دی گئی ہے - ۲۰ × ۲۶ تقطیع، حجم ۲۷۳ صفحات مذکورہ بالا تینون کتابین رائے صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی رائے سدھ ناتھ بلی صاحب کے پاس موجود - انھین شراب سے زیادہ رغبت تھی، اِس وجہ سے جسمانی قوت قبل از وقت بہت زائل ہو گئی تھی - ۱۱ سال کی عمر مین انتقال ہوا - عقیدے کے مضبوط، خلیق، کم سخن، آبائی وضع کے بزرگ تھے - گندم رنگ جوانی مین خوبصورت، دوہرہ بدن، متوسط قد، بابری حجامت، سر پر چھوٹے چھوٹے بال، کتری ہوئی چھوٹی چھوٹی موچھین، داڑھی ندارد، ہاتھ پانون سڈول - اولاد مین شمبھو بلی، سدھ ناتھ بلی بقید حیات -

مولوی عبد الحلیم صاحب

از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، مولوی عبد الرحیم صاحب کے فرزند اکبر، انگریزی مین حسب استعداد ایف. اے تک تعلیم یافتہ ولادت غالباً ۱۸۶۵ء، وفات ۱۹۰۳ء - نہایت نیک، خوش مزاج، صاحب اخلاق - ملنسار، خوش وضع - نہایت افسوس ہے کہ عین جوانی مین انتقال ہو گیا - اولاد کوئی نہین -

چوتھی فصل شاعرون کے بیان مین

سنسکرت دان شعراء

پنڈت رُوردت عرف غریب دھن، پنڈت رامچرن پانڈے، پنڈت سکر دیال شنکر تخلص، پنڈت بینی مادھو بینی تخلص کے حالات باب ۲، فصل ۱ مین ملاحظہ ہون -

شعرائے بھاشا

قاسم

محمد قاسم نام، قاسم تخلص، عرف قاسم شاہ مشہور و معروف روشن خیال شاعر مصنف ہنس جواہر ان کے حالات باب ہذا کی ساتوین فصل مین مفصل درج کئے گئے ہین -

چین

گنگا سہائے نام، چین تخلص، کانیکبج برہمن، مالا کے تیوکل، بھردواج گوتر، بہت بڑے معمر، عالی نسب، بلند خیال اور زبردست شاعر تھے۔ حسب ضرورت سنسکرت سے واقف تھے۔ بہابیر دیچھیت اور پنڈت ہنومان دت کی زبانی جس قدر کلام سننے میں آیا، سیر جو کچھ تلاش سے دستیاب ہوا، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عاشقانہ اور مذہبی دونوں رنگ میں خوب کہتے تھے۔ اِن کی شاعری میں فارسی الفاظ کی آمیزش قابل داد ہے۔ اِن کا زمانۂ حیات اب سے سو برس قبل دریافت ہوا ہے، لیکن اِن کے اشعار زمانۂ حال کے شعرا کی نظموں سے ٹکر کھاتے ہیں۔ اِس سے اِن کی شاعرانہ قابلیت اور کہنہ مشقی بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔

سُنا جاتا ہے کہ اِن کے بزرگ دیچھیتوں کے رشتہ دار ہونے کی وجہ سے دریاباد آئے، یہاں اُن کی ایسی خاطر مدارات ہوئی کہ وہ اپنا آبائی مکان اور اصلی وطن بالکل بھول گئے اور اِس طرح کویہ جی کا خاندانی سلسلہ دریاباد میں قائم ہو گیا، جو نہایت قدیم زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ کانیکبج ونشاولی (قنوجیا برہمنوں کی تاریخ) سے پایا جاتا ہے کہ بالا کے تیکل برہمنوں کی نسل حفیظ آباد اور رسکوہ آباد میں قائم ہوئی تھی۔ اِس سے قیاساً کہا جا سکتا ہے کہ چین کویہ (شاعر) کے مورث انھیں مقاموں سے آئے ہوں گے۔

چین نے اپنی زندگی بڑے سکھ چین سے بسر کی۔ ریاست ہڑاہا میں اِن کی بڑی قدر و منزلت تھی یہ راجہ پرتھی پت سنگھ صاحب کے درباری رکن بھی تھے اور شاعر بھی۔ پچیس بیگھہ اراضی ایک کبت (دو شعر کا قطعہ) کے صلہ میں مع خلعت حاصل کی تھی۔ تا زندگی دوسرے دربار کا رُخ نہیں کیا۔

پنڈت ہنومان دت کے یہاں شنکل مہراج کا ایک بہاریہ کبت ایک پرچے میں لکھا ہوا دیکھا گیا ہے جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ پنڈت گرودت (دریاباد کے مشہور پنڈت) نے کسی سے سن کر لکھ لیا تھا۔ اِس سے پایا جاتا ہے کہ اِن کا کلام ایسا دلچسپ اور نفیس ہوتا تھا کہ بھاشا کے علاوہ سنسکرت داں طبقہ والے بھی مقبولیت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اولاد میں شیورام کے لڑکے شیو ساگر، اِن کے بیٹے اور پوتے بیجناتھ، رام اوتار، جگناتھ بقید حیات، مگر چھ برس سے تارک الوطن۔ یادگار میں صرف آٹھ کبت اور ایک دوہے کی مذہبی تصنیف "گنگا اشٹک" نامے غیر مطبوعہ راقم کے پاس موجود۔ باقی کلام کا پتہ نہیں ہے۔ (دیچھیتانہ)

لچھمن

لچھمن پرشاد نام، لچھمن تخلص، عرف لچھن دوبے، قنوجیا برہمن، دوبے، کہنہ مشق شاعروں میں مشہور عاشقانہ اور مذہبی دونوں رنگ میں بے مثل کہتے تھے۔ بستی کے راجہ صاحب اِن کے بڑے قدرداں تھے

زمانۂ حیات اب سے سو برس قبل۔ افسوس ہے کہ اِس سے زیادہ نہ اِن کے حالات معلوم ہوئے نہ کلام کا پتہ چلا

رَسدیو

دیبی پرشاد نام، رَسدیو تخلص، کانکبج برہمن، اُپ مُنج گوتر، عالی نسب، رامدین پاٹھک کے بیٹے، اپنے وقت کے نامی شاعروں میں تھے۔ بھاشا میں بہت اچھی قابلیت رکھتے تھے، ضرورت کے موافق سنسکرت سے بھی واقف تھے، پنگل (عروض) سے اچھی طرح ماہر تھے، طبّاع اور ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ بلند خیال اور جدت پسند بھی تھے، اکثر برجستہ شعر بھی کہتے تھے۔

اِن کے بزرگ دریاباد کے قدیم باشندوں میں سے تھے، جانا پوری پاٹھکوں کی نسل میں مورانوان (ضلع اناؤ) سے آئے تھے، اسی وجہ سے جانا پوری موراانوان کے پاٹھک کہلاتے تھے۔ اِن کے نام سے ٹھکانہ محلّہ اب تک موجود اور مشہور ہے۔ یہ لوگ بڑے دولت مند اور نہایت عالی حوصلہ تھے۔ ان پاٹھکوں میں تارا، ہربنس نہرے، مشہور بزرگ گذرے ہیں، جن کی یادگار میں تارا پور، ہربنس پور عرف ہربس پور، نہرے پور مواضعات اِس وقت تک آباد ہیں۔ یہ لوگ شہنشاہ اکبر کے زمانے میں موجود تھے۔ اِن کی نسل والے ایک مدت تک زمیندارانہ حیثیت رکھتے ہوئے قانونگوئی کے عہدہ پر مامور رہے جو سُوربیر اور سپاہی بھی تھے۔ کسی وقت دریاباد میں ان کی بھی دھاک بندھی ہوئی تھی، قرب و جوار کے بہادر لوگ اِن کا خوف کھاتے تھے سنہ ۱۲ھ سے باہمی نفاق کے باعث پاٹھکوں کی زمیندارانہ حیثیت شکست ہونے لگی سنہ ۱۲۲۶ھ میں نصف تارا پور رائے بھرام بلی صاحب (تعلقدار دریاباد) کے قبضہ میں آگیا، کچھ دن کے بعد نہرے پور بھی بیع ہوگیا، سنہ ۱۲۷۰ھ میں دیگر جائداد مکان، باغ وغیرہ کا بھی فروخت ہونا شروع ہوگیا۔ نوابی دور ختم ہوتے ہی قانونگوئی کا عہدہ نکل جانے کی وجہ سے دفعتہً پاٹھکوں پر خرابی آگئی اور غدر کے بعد شروع انگریزی عملداری میں پاٹھک لوگ آوارہ وطن ہوکر غیر جگہوں میں آباد ہوگئے، اِن کے مکانوں کا نام و نشان مٹ گیا، چند اشخاص جو باقی رہ گئے تھے وہ بھی آہستہ آہستہ اب سے پچیس برس قبل دریاباد چھوڑ کر باہر چلے گئے تاراپور کے پاٹھک اِسی خاندان سے ہیں، جو بقیہ آبائی زمینداری پر تاحال قابض۔ آج کل دریاباد میں پاٹھکوں کے نام لیوا صرف سرجو پاٹھک زندہ اور رائیصاحب کے یہاں سپاہیوں میں مُلازم۔

بیان کیا جاتا ہے کہ "رسدیو آنریبل سر مہاراجہ پرتاب نارائن سنگھ صاحب بہادر اودھ نریس کے

ص اِن حالات کے لکھنے میں بعض بعض مواقع پر تاراپورا ہربس پور، نہرے پور کی واجب العرض، رہن نامہ نوشتۂ جتیمبر پاٹھک قانونگو ساکن پرگنہ دریاباد مرقومہ سنہ ۱۲ھ، بیعنامہ نوشتۂ ماگر پاٹھک سنہ ۱۲۲۲ھ، بیعنامہ نوشتہ رامحیادن و دیبی پرشاد پاٹھک قانونگو مرقومہ سنہ ۱۲۷۲ھ وغیرہ کاغذات سے مدد لی گئی ہے۔ ان میں آخری کاغذ پنڈت شکردیال کے یہاں موجود باقی مولا پرشاد پاٹھک (تاراپور) کے پاس ۱۲ ۔

سی، ایس، آئی (دائی اجودھیا، پریسڈنٹ انجمن ہند لکھنؤ) کے درباری شاعر بھی تھے اور خاص مصاحب
بھی۔ مہاراجہ صاحب کے یہاں کھانے (یومیہ دو نفیس خوراکیں) کپڑے کے علاوہ پچیس روپیہ ماہوار تنخواہ
پاتے تھے اور پانچ سو بیگھہ آراضی کے معافی دار بھی تھے، جو مندر کے مصارف کے لئے ریاست سے عطا
ہوئی تھی۔ مہاراجہ صاحب بہادر ان کی بیحد قدر و منزلت کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنا قدیم
وطن دریاباد چھوڑ کر اجودھیا جی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ یہ صرف اجودھیا ہی میں نہیں مشہور تھے، بلکہ
دُور دُور تک اچھی خاصی شہرت رکھتے تھے۔ کُل رسون (ہر رنگ) میں کبت کہتے تھے اور دوہے، چوپائی
چھند، سورٹھے وغیرہ جملہ اصنافِ شاعری پر قادر تھے۔ اجودھیا جی کے نامی گرامی شاعر لچھ رام، جو راجہ
مان سنگھ بہادر کے درباری شاعر تھے، اِن کی بڑی تعریف کرتے تھے۔ اِن کے اکثر کبت چھپی ہوئی پوتھیوں میں
متفرق طور پر دیکھے گئے ہیں۔ گو یہ جی جہان شاعر تھے، وہاں شری رامچندر جی کے بڑے بھگت بھی تھے
اپنے وطن، نیز قرب و جوار کے رہنے والوں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ بھاشا کے شاعروں کا سب سے
زیادہ لحاظ کرتے تھے۔ گھمنڈی نہیں تھے، بڑے بھلے مانس اور ملنسار تھے۔ دس بارہ برس ہوئے (غالباً
سنہ ۱۹۱۰ء) کہ نوجوان بیٹے کے غم میں ان کا بیکنٹھ باس ہو گیا۔ مرنے کے وقت سن ۶۰ سال سے زائد
نہ تھا۔ ان کے مرتے ہی ان کی صورت بھی گڑ گئی۔ اِن کی بہو اِن کی جائداد و پختہ مکان پر قابض۔ یادگار
میں پختہ مندر وکٹوریہ پارک کے پورب طرف لب سڑک پختہ موجود۔ گندم رنگ، متوسط قد، مخروطی چہرہ
ماتھے پر چندن کا ٹیکا، چوڑا چکلا سینہ، بڑی بڑی آنکھیں، زبردست اور لمبی مونچھیں، دوہرا بدن، ہاتھ پاؤں
مضبوط، چوڑے اور بھاری بھاری ڈنٹر، سر پر چھوٹے چھوٹے بال، وضع آبائی۔ افسوس ہے کہ ان کے کلام کا پتہ
نہیں، لیکن چند کبت جو بعض شوقینوں کے زبانی سُنے گئے ہیں اُن سے رسدیو جی کی شاعرانہ قابلیت بخوبی ظاہر ہوتی
ہے۔ (پٹھکانہ)۔

سنکر

سنکر دیال نام، شنکر تخلص، اودھی، قنوجیا برہمن، ذی استعداد شاعر، صاحب تصنیف۔ ان کے حالات
باب ہذا کی پہلی فصل میں بیان ہو چکے ہیں۔

شنکر

شنکر سہائے نام، شنکر تخلص، قنوجیا برہمن، اپ منیج گوتر، عالی نسب، بڑے معزز، از اولاد اگن
ہوتری دریابادی، بہت اچھے شاعر اور شاعری میں شیرین مقال اور نازک خیال ہونے کے ساتھ ساتھ
قادر الکلام بھی تھے۔

کویہ جی کے والد بیجو سنگھ جو بہادر سپاہی بھی تھے، راے صاحب کے یہان رائے ابھرام بلی صاحب کے عہد مین، عہدۂ ضلعداری نوکر تھے، مگر انھین علمی ترقی کے شوق مین علمی خدمت پسند آئی - یہ پندرہ برس کے سن مین معمولی طور پر دیوناگری سے فارغ ہو کر سررشتہ تعلیم کی ملازمت حاصل کر کے یک لخت ۲۵ برس رامپور (ضلع سیتاپور) کے مدرسہ میں بہ عہدۂ افسر مدرسی مامور رہے - اس درمیان مین ان کی شاعری ایسی چمکی کہ ضلع کے علاوہ دور دور تک ان کا نام روشن ہو گیا، کیونکہ ریاست رامپور مین تعلقدار صاحب کی قدردانی سے بڑے بڑے نامی شاعر آتے تھے اور ان کا کلام سن کر محظوظ ہونے کے ساتھ ہی غالباً تعریف کرنے لگتے تھے - ۴۰ برس کے سن مین کویہ جی نے مدرسہ کی ملازمت سے گھبرا کر خود استعفا دیدیا اور اپنے وطن آ کر راے مہراج بلی صاحب کے دربار مین اپنا آبائی عہدہ حاصل کیا، جسے ۲۶ برس تک نہایت نیک نیتی اور ہوشیاری و مستعدی کے ساتھ انجام دینے کے بعد تخمیناً ۶۸ سال کی عمر میں خود اپنی خوشی سے بوجہ پیرانہ سالی ترک کر کے خانہ نشینی اختیار کی - راے صاحب کے یہان کب جی کی بہت کچھ قدر و منزلت تھی تنخواہ کے علاوہ دو سو بیگھہ آراضی کا پٹہ معمولی لگان پر عنایت ہوا تھا - لیکن لگان وصول نہین کیا جاتا تھا - مرتے دم تک بدستور رعایتیں قایم رہین، کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی -

شنکر کویہ سنسکرت سے بالکل ناواقف تھے مگر بھاشا زبان سے اچھی طرح ماہر تھے - شاعری مین کسی کے شاگرد نہ تھے - پنڈت شنکر دیال جی کو اپنے کبت سنایا کرتے تھے - لیکن بہ نظر اصلاح نہین، دوستانہ طریق پر کیونکہ بھاشا کی شاعری مین یہ ان سے کم نہ تھے "تلسی کرت رامائن" اور "کاویہ نرنے" کے مطالعہ سے مشق سخن میں قوت بہم پہونچا کر کافی استعداد حاصل کر لی تھی، جسکی نسبت یہ خود اپنی زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے کہ "ہمنے رامائن پڑھ کر شاعری کا فن سیکھا ہے، اس لئے ہمارے گرو (اوستاد) صرف تلسی داس جی مہاراج ہین"۔

یہ ہر رنگ مین اچھا کہتے اور ہر صنف کلام پر قادر تھے، لیکن ان کے پھڑکتے ہوئے اور چلبلے عاشقانہ کبت خصوصیت کے ساتھ قابل داد ہوتے تھے - ان کی شاعری قدیم طرز سخن کے گہوارہ میں پلی تھی، اس لئے سارا کلام پرانے رنگ میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے -

ان کی شاعری دور دور تک مشہور تھی لکھنؤ، بنارس، کانپور، سیتاپور وغیرہ کی کاویہ سبھا (مشاعرہ) سے سمسیا پتر (طرحی مصرعہ کے خطوط) آتے تھے، لیکن یہ کہین جاتے نہ تھے، البتہ کبت (شعر) کہہ کر بھیجدیتے تھے، جن کی بڑی تعریف ہوتی تھی راے صاحب کے یہان جو شعرا آتے تھے، وہ ان کے اشعار سن کر بہت خوش ہوتے تھے - بنارس لکھنؤ وغیرہ کے علاوہ سیتاپور کے ضلع مین خاص طور پر اب تک ان کی شہرت ہے پنڈت سکھ لال (کویہ جی کے نواسے) بیان کرتے ہین، کہ "ان مقامات مین اگر بھاشا کے شاعروں یا بھاشا ادب کے ماہروں سے کب جی کا نام لیا جائے تو وہ صرف تعریف ہی نہین کرینگے، بلکہ ان کے کبت بھی سنا دین گے، جس کا ہمین ذاتی تجربہ ہے"۔

انھیں ورزش کا بھی شوق تھا۔ مذہبی پابندی کے علاوہ دھرم شاستر کے بموجب اشنان اور گھر سنکا (غسل اور استنجا) کے فرائض باقاعدہ انجام دیتے تھے جس سے تندرستی ہمیشہ اچھی رہی، نہ ہاضمہ میں کبھی فتور واقع ہوا، نہ غذا میں کمی ہوئی۔ کھانے پینے کے متعلق کسی چیز سے پرہیز نہ تھا، ہر شے بلا تکلف شوق سے استعمال کرتے تھے۔ اچار بیحد مرغوب تھا، طرح طرح کے اچار تیار رہتے تھے، جسے کھانے کے وقت روز کھاتے تھے۔

خانہ نشینی کے زمانے میں اِن کی صورت کسی قدر خوفناک ہوگئی تھی، جس سے لوگ انھیں مجنون خیال کرتے تھے مگر جب کسی ذی علم یا گویہ (شاعر) سے ملاقات ہوتی تھی تو، اس قسم کی بات چیت کرتے تھے کہ دیکھنے والے دریائے حیرت میں غرق ہوجاتے تھے اور ملنے والا اِن سے خوش ہوکر اِن کا مدّاح ہوجاتا تھا۔ ۴۶ برس کی عمر پائی سمبت ۱۹ بکرمی مطابق ۱۹۱۳ء میں انتقال ہوا۔ سانولا رنگ، لانبا قد، موٹے تازے، ہاتھ پاؤں زبردست گرگٹ دل کا سر پر چھوٹے چھوٹے بال، چندیا صاف، آری حجامت، اوسط درجہ کی سیاہ مونچھیں، مُنڈی ہوئی داڑھی، خوبصورت بیلج چہرہ۔ آدمی ملنسار، خوش اخلاق، زندہ دل، رنگین مزاج، طبیعت کسی قدر شوخ اور ظرافت کے چٹخارے سے آشنا، وضع آبائی۔ دو لنگی مارکین کی دھوتی اور اسی کی مرزائی، دو پلڑی تنزیب کی ٹوپی، چمر ودھا جوتا، جاڑے میں چھینٹ کی مرزائی، لیکن، شادی بیاہ یا کسی دیگر تقریب کے موقع پر بجائے مرزائی کے انگرکھا پہن لیتے تھے۔ اولاد نرینہ کوئی نہیں، جملہ جائداد اور پختہ مکان پر اِن کی عورت قابض۔ یادگار میں انکرت مال نامے قابل قدر تصنیف جس میں مختلف رنگ کے مضامین مختلف بحروں، مختلف اصناف، شاعری پر مشتمل ہیں، غیر مطبوعہ موجود۔ اشعار سلیس، عام فہم، پُر تاثیر، مضامین چُٹیلے، زبان صاف اور رستہ۔ (ٹھکانہ)۔

بینی

بینی مادھو نام، بینی تخلص، مشہور سخنور، صاحبِ تصنیف۔ ان کے حالات باب ہذا کی پہلی فصل میں ملاحظہ ہوں۔

گریش

مہیش دت نام، گریش تخلص، پنڈت گنگا پرشاد عرف گنگا پال اوستھی کے بیٹے، پنڈت شنکر دیال کے حقیقی بھتیجے اور شاعری میں اُنھیں کے شاگرد۔ اچھے شاعروں میں تھے اور شاعری کے علاوہ موسیقی کے فن سے بھی واقف تھے۔ گورے رنگ، لمبے قد کے، دُبلے پتلے سیدھے سادے آدمی تھے۔ رائے صاحب کے یہاں پنڈتوں کے زمرہ میں ملازم تھے۔ عین شباب میں ۱۹۱۳ء کے ختم ہوتے ہی اِن کا بیکنٹھ باس ہُوا۔

ـــــــ اِن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی رتن دیو نامے بجوگی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سمبت ۱۹ بکرمی کے قبل پیدا ہو چکے تھے۔ یہ پوتھی رائے صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے ۱۲۔

۳۰ سال کی عمر پائی۔ تصنیف سے سُکھ بلاس نامی راگون کی نظم یادگار ہے جو عرصہ ہوا کہ چھپ کر شائع ہو گئی ہے۔
اولاد مین دو لڑکیان اور ایک لڑکا موجود۔

شعرائے فارسی

شائق

خدا بخش نام، شائق تخلص، بلند خیال اور کہنہ مشق شاعر، اچھے انشا پرداز، فارسی و عربی مین ذی استعداد ہونے کے علاوہ اُردو ادب سے بھی آشنا، نجوم کے بھی ماہر اور رمل وجفر سے بھی واقف، نظم ونثر دونون مین صاحب تصنیف وتالیف۔ ولادت ۲۸ شعبان ۱۲۲۴ھ ۱۸۰۹ء، وفات ۱۳۱۷ھ ۱۸۹۹ء۔

منشی خدا بخش صاحب شائق کے والد منشی نبی بخش صاحب متخلّص بہ عاصی عربی و فارسی مین کافی مہارت رکھتے تھے۔ فارسی و اُردو کے شاعر بھی تھے۔ کنتور مین پیدا ہوئے، بالغ ہونے پر اپنے وطن دریاباد آئے اور یہین ان کا عقد ہوا۔ چند روز کے بعد راجہ پرتھی پت سنگھ صاحب (تعلقدار ہڑاہا) کے دربار مین بہ عہدۂ منشی گری مامور ہو کر ایک عرصہ تک اپنے فرائض منصبی خوبصورتی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ ساٹھ سال کی عمر مین ضعف بصارت اور ثقل سماعت کی وجہ سے خانہ نشین ہونے کے ساتھ ہی علمی خدمت مین مشغول ہو گئے اور تازندگی درس وتدریس کا مشغلہ برابر جاری رہا۔ شائق صاحب کے علاوہ ان کے دو بیٹے اور بھی تھے۔ بڑے بیٹے مولوی نبی بخش صاحب شرفا کے لڑکون کو عربی و فارسی کی تعلیم دیتے تھے، منجھلے بیٹے شیخ مخدوم بخش صاحب حیدرگڑھ کے ٹھیکہ دار تھے۔ منشی صاحب خانہ نشینی کی حالت مین اپنے انھین فرزندون کی سعادتمندانہ اطاعت کے باعث تازندگی دنیاوی تکلیفون سے آزاد رہے۔ ۸ رجب ۱۲۸۵ھ مین وفات پائی۔ شائق صاحب نے تاریخ کہی:—

حیف کز دار فنا کرد نبی بخش سفر زانکہ او بود زارباب یقین پاک نفس
سالش از روئے بکا گفت سر ش محزون قطرہ پیوستہ بدریائے محیط اقدس

منشی صاحب کے اوّل بزرگ شیخ سلیمان، جو حضرت محمد ابن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسل سے آٹھوین پشت مین تھے، ملک شام مین تحصیل علوم سے فیضیاب ہو کر نجف اشرف ہوتے ہوئے بطریق سیاحی دہلی وارد ہوئے اور اپنی علمی قابلیت اور کشف وکمالات کے زور سے ابوالمظفر جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی کے دربار مین باریاب ہو کر خطاب "شیخ الاسلام" سے سرفراز ہونے کے

۵۱ عاصی صاحب کے والدین کنتور (پرگنہ بدوسرائے) مین آباد ہو گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے والد شیخ محمد علی صاحب پان بہت کھاتے تھے۔ گھر والون نے بیجا مصارف دیکھ کر نصیحت کی، انھین کچھ ایسی غیرت معلوم ہوئی کہ ترک دطن پر مجبور ہو گئے اور پھر عمر بھر دریاباد کی طرف رخ نہیں کیا ۱۲ ۵۲ ماخوذ از رسالہ صدیقیہ ۱۲۔

ساتھ ہی موضع موسی پور (پرگنہ دریاباد، غالباً یہ وہی موضع ہوگا جو آج کل ہرسنے پور کے نام سے لال گنج کے قریب آباد ہے) کی معافی کا فرمان حاصل کر کے دریاباد آئے۔ کچھ دن کے بعد اُنھوں نے سید پھول رضوی کی بیٹی سے نکاح کیا اور دریاباد مین مستقل سکونت اختیار کی۔ اِن کی اولاد شیخون کے نام سے مشہور ہوئی جس کے نام سے "شیخانہ محلہ" سنگی محلہ کے قریب ہی آباد تھا۔ اِن شیخون نے اپنی عالی نسبی، خداداد ذہانت، اپنے قابل تقلید طرز عمل اپنے غیر معمولی علم و کمال سے خاص شہرت حاصل کی تھی۔ شہنشاہ اکبر، شاہجہان بادشاہ، شہنشاہ عالمگیر، محمد شاہ بادشاہ (شاہان دہلی) اور نواب ابوالمنصور خان بہادر صفدر جنگ، نواب شجاع الدولہ بہادر، نواب آصف الدولہ بہادر (صوبہ داران اودھ) کے درباروں سے انھین عہدۂ قضا و قانونگوئی عطا ہونے کے ساتھ ساتھ جائداد اور معافیون کے فرامین بھی مرحمت ہوئے تھے۔ یہ سلاطین دہلی و حکمرانانِ لکھنؤ کے حضور مین باریابی سے سرفراز تھے۔ اِن کے قبضے مین صرف موسی پور وامین پور مواضعات و جاگیر اور سکنات و پختہ مکانات (واقع محلہ چودھری و شیخانہ) ہی نہ تھے، بلکہ اچھی خاصی زمیدارانہ حیثیت رکھنے کی وجہ سے رئیسون مین اِن کا شمار تھا۔ اِن مین چند بزرگ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہین **شیخ بھیکھا** شیخ سلیمانؒ کے بیٹے، علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ، دربار اکبری مین ذریعۂ فرمان خطاب تقوی شعاری سے سرفراز **مولانائی رعنا** شیخ سلیمانؒ کے فرزند دوم، ریاضت پسند، ذی استعداد شہنشاہ اکبر کے عہد مین ذریعۂ فرمان محررۂ ۹۶۵ھ عہدۂ قضا پر مامور **شیخ حبیب اللہ** مقرب شہنشاہِ اورنگ زیب، اپنے وقت کے بے مثل علامہ اور اعلیٰ زاہد و مرتاض، اِنھون نے تعمیر کے متعلق کُل ضروری سامان دہلی سے دریاباد بھیجکر قدیم اور آبائی خام مکان کو از سر نو پختہ بنوا کر نہ صرف اپنے آبا و اجداد کا نام و نشان ہمیشہ کے لئے استحکام کے ساتھ قائم کیا، بلکہ اپنی حب الوطنی اور مراحم خسروانہ کا کافی ثبوت دیا۔ کچھ آراضی بھی ذریعۂ فرمان ۱۰۹۵ھ مین انھین مرحمت ہوئی تھی **شیخ محمد شریف**، کعبۂ معظمہ کی زیارت کے بعد مسجدون مین وعظ دیتے ہوئے عبادت مین ہمہ تن مصروف رہتے اور علوم باطنی سے بہرہ ور ہو گئے تو شیخ دوست محمد (از اولاد شیخ خلیل الرحمٰن صاحب رئیس رُدولی) کی بیٹی سے منسوب ہو کر عہدۂ قضا پر ممتاز ہوئے **شیخ کھیسا**، قانونگوئی کے عہدہ پر مامور، دریاباد کے رئیسون مین شامل۔ یہ حالات رسالہ صدیقیہ فارسی، دیوان گلشن فیض، فہرست[1] فرامین شاہی مرتبہ شائق صاحب، اقرار نامہ نوشتہ مساۃ امامن، سے اخذ کئے گئے ہین، جو شیخ اقبال احمد صاحب پوسٹ

[1] اس فہرست میں چودہ فرامین کے نام درج ہیں (۱) فرمان شاہجہاں بنام شیخ بھیکھا (۲) فرمان شہنشاہِ اکبر بنام شیخ سلیمانؒ (۳) فرمان عالمگیر شاہ بنام شیخ حبیب اللہ (۴) فرمان محمد شاہ بنام بی بی شمس، بنت شیخ سلیمان (۵) فرمان محمد شاہ بنام بی بی صحبن ۱۱۳۳ھ (۶) فرمان محمد شاہ بنام عالم شہ ۱۱۵۴ھ (۷) فرمان نواب ابوالمنصور خاں صفدر جنگ ۱۱۴۲ھ (۸) فرمان بنام شیخ بھکھاری ۱۱۶۲ھ (۹) فرمان عالمگیر شاہ بنام شیخ حبیب اللہ ۱۰۹۳ھ (۱۰) فرمان بی بی عائشہ بنت نعمت اللہ ۱۱۶۲ھ (۱۱) فرمان نواب شجاع الدولہ بہادر بنام شیخ بساون و شیخ گھیسا ۱۱۸۷ھ (۱۲) فرمان بنام شیخ خرم علی عرف شیخ گھیسا ۱۱۸۶ھ (۱۳) فرمان نواب آصف الدولہ بہادر بنام شیخ اہل اللہ (۱۴) فرمان نواب آصف الدولہ بہادر بنام شیخ رحیم بخش ۱۱۹۳ھ [2] مصدقہ دفتر رجسٹرار رد ناحی، یکم اپریل ۱۸۶۶ء، رجسٹر نمبر ۲۷، صفحہ ۶۵

(شایق صاحب کے پوتے) دریاباد کے پاس محفوظ ہین۔

گلشن فیض (دیوان شایق) کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شائق صاحب نے اپنے والد سے تعلیم پائی تھی اور یہ حاجی وارث علی شاہ صاحب کے مرید تھے اور انھین کی ترغیب سے غزل گوئی پہ آمادہ ہو کر شاعری مین انھین کے شاگرد ہوئے تھے" لیکن شائق صاحب کے بیٹے مولوی فرید احمد صاحب بیان کرتے ہین کہ شائق صاحب کو اُن کے والد منشی بنی بخش صاحب نے عربی و فارسی علوم کی تعلیم بھی دی تھی، و شاعری مین بھی انہی کا فیض تلمذ حاصل تھا۔ اس بارہ مین دیوان مین جو کچھ لکھا ہے وہ محض اُن کی عقیدتمندی کا اظہار ہے۔ راقم کے نزدیک یہ بیان بہت صحیح ہے، کیونکہ عام طور پر سُنا جاتا ہے کہ حاجی صاحب پڑھے نہین تھے۔

منشی صاحب دریاباد مین پیدا ہوئے تھے بیس برس کے سن مین صاحب استعداد ہو کر پہلے ریاست رام نگر دھمینڈی (بارہ بنکی) مین تحصیلدار ہوئے۔ بعد اُس کے برجیس قدر بہادر کی مان بیگم صاحبہ نے کسی سے ان کی علمی قابلیت کی تعریف سُن کر انھین راجہ صاحب کی رضامندی سے اپنا میر منشی مقرر کیا۔ غدر شروع ہونے کے پہلے گردھارا سنگھ صاحب جو اُس وقت خیرآباد کے چکلہ دار تھے، ان پر مہربان ہو گئے اور بیگم صاحبہ سے اجازت لیکر منشی صاحب کو اپنے تعلقہ کے دفتر کا افسر کر دیا۔ گردھارا سنگھ صاحب ذاتی طور پر تعلقدار بھی تھے، اُن کا مکان اور ریاست کا دفتر خیرآباد ہی مین تھا۔ اسی وجہ سے اُنھون نے نظامت دریاباد کے مقابل مین خیرآباد کی چکلہ داری پسند فرما کر خود تبدیلی کرا لی تھی۔ گردھارا سنگھ صاحب کی وفات پر سلیم پور کے تعلقدار راجہ نواب علی خان صاحب نے ان کو طلب فرما کر مختارگری کے عہدہ پر سرفراز فرمایا اور خاص مصاحبون مین آبرو بخشی۔ اُس زمانے مین ریاست سلیم پور کے بارہ سوا مواضعات جو دیگر ذرائع سے شامل تعلقہ ہو کر نکل گئے تھے اُن کی بابت فنانشل کمشنر صاحب بہادر لکھنؤ کی عدالت عالیہ مین مقدمہ دائر تھا۔ راجہ صاحب نے منشی صاحب سے فرمایا کہ یہ اگر کوشش و پیروی کر کے مقدمہ جیت لیجیے گا تو پانچ سو روپیہ انعام آپ کو دیا جائے گا" خدا کے فضل سے منشی صاحب مقدمہ مین کامیاب ہو گئے اور راجہ صاحب کو خوشی سے اپنا وعدہ وفا کرنا پڑا یہ سلیم پور کے دیگر مختارون مین مختار اور عام مختار تھے، پینتالیس ؃ روپیہ ماہوار تنخواہ تھی اور دیگر رعایتین اس کے علاوہ۔ تاحیات راجہ صاحب کی بیحد قدردانی سے وہین ملازم رہے اور نہایت اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کی۔

ملازمت کے سلسلے مین شایق صاحب جہان کہین رہے اپنا فرض منصبی نہایت مستعدی و قابلیت کے ساتھ انجام دیتے رہے، اپنے سے نیچے درجہ کے ملازمون کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور اُن سے بے تکلف ملتے رہے، اپنی شیرین بیانی و دیانت داری اور راستگوئی و انکساری کی بدولت سب مین ہر دل عزیز رہے۔

اِن کی شادی برادری ملک مین شیخ امام بخش صاحب (جو لکھنؤ کے شیوخ مین شہزادہ بہرہ کی نسل سے

تھے) کی سلیقہ مند، منتظم اور نیک بخت بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی۔

یہ بڑے خوش نصیب تھے۔ تحصیل علوم سے فارغ ہوتے ہی ملازم ہوگئے اور پھر کبھی بیکار نہیں
ہمیشہ معقول مشاہرہ کے ساتھ معزز عہدہ پر مامور رہے۔ مالک جوہر شناس اور قدر دان پاتے رہے
مین نہ دنیاوی تکلیفون سے آشنا ہوئے نہ کسی سخت بیماری مین مبتلا۔ انھین کسی وقت کسی بات
نہین ہوئی، حسب حیثیت ہر چیز مہیا رہی۔ تباہ کن شوق سے فطری طور پر احتراز رہا۔ مرتے دم
لینے کی نوبت نہین آئی۔ بی بی کے مرنے کا غم، اولاد کا داغ مفارقت خواب مین بھی نہ نصیب ہو
ہونے تک ان کے سر پر والدین کا سایہ رہا۔ ایک بیٹی اور چار نوجوان۵ بیٹون کی شادیون سے فراغت حا
ہنسی خوشی ۷۰ برس کے سن مین کلمہ پڑھتے ہوئے جمعہ کے دن انھون نے انتقال کیا۔ پستہ قد، گن
گداز بدن، مانگ دار زلفین، شرعی داڑھی، شرعی مونچھین، ہاتھ پاؤن سڈول اور مضبوط، کشادہ
خوبصورت گول چہرہ۔

مرحوم روزہ نماز کی پابندی کے علاوہ ریاضت پسند بھی تھے۔ ہر روز دو بجے رات کو ا
صبح تک یاد الٰہی مین مشغول رہتے تھے۔ متعصب نہ تھے، ہندو مسلمان سب سے یکسان برتاؤ رکھ
حاجی وارث علی شاہ صاحب کے دلی معتقد تھے۔ دیگر اولیائے کرام حضرت شاہ مینا صاحب (لکھنؤ
عبدالحق صاحب (ردولی) شاہ عبدالرزاق صاحب (بانسہ) شاہ لطف رسول صاحب، شاہ ر
رحمۃ اللہ علیہم سے بھی عقیدت رکھتے تھے اور ہادی اسلام حضرت سید سالار مسعود غازی رح کے
تھے۔ ساتھ ہی اس کے مقدس زیارت گاہون نجف اشرف، کعبہ شریف، مدینہ منورہ کی طرف سے
خیالات نہایت ہی پاکیزہ تھے۔ طبیعت مین سخاوت بھی تھی، سائل کا سوال حتی المقدور خواہ ہندو
مسلمان، کبھی رد نہین کرتے تھے۔ مزاج مین صفائی اور سادگی بہت تھی، تکلف نام کو بھی نہ تھا۔
کے متعلق نوکر جو کچھ پکا کر سامنے رکھدیتا تھا، یہ خوشی سے کھا لیتے تھے اور خدا کا شکریہ ادا کرتے تھے۔ ان
لباس بھی سادہ اور بالکل معمولی تھا۔ ڑے پائینچے والا نین سکھ کا پائجامہ، تنزیب کا انگرکھا، کرتا، دو
ٹوپی، زرد مخملی گول پنجے والا جوتا، جاڑون مین روئی دار دگلا استعمال کرتے تھے۔ کچہری کے وقت سر پر گ
لیتے تھے۔ نوابی سے انگریزی تک یہی وضع بدستور قائم رہی، کسی قسم کا فرق نہین آیا۔

شیخ صاحب اپنے ہم وطنون کا بہت بڑا ادب کرتے تھے۔ جب سلیم پور سے دریاباد آتے تو تکیہ
قریب پالکی سے اتر پڑتے اور اپنے مکان تک پیدل آتے تھے، بستی کے اندر کبھی کسی سواری پر سوار
اس سے ان کے اخلاق و عادات اور طرز عمل کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ کیسے دانشمندانہ اور
اصول پر مبنی تھا۔

۵ نوازش احمد، ہادی احمد، فرید احمد، علی حسن۔ ان مین سے نوازش احمد سنہ ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء مین اور علی حسن سنہ ۱۹۲۰ء مین فوت ہوگئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ" ایک مرتبہ جب یہ بہت بیمار ہوئے تو ان کے لڑکے جو باہر ملازم تھے، خبر علالت سن کر انھین دیکھنے کے لئے آئے۔ انھون نے اُن سے کہا کہ" ابھی تم لوگ کیون آئے؟ جب ہمکو اپنی موت کا زمانہ قریب معلوم ہوگا تو ہم تمکو خود اطلاع دینگے"۔ جس وقت اِن کے مرنے مین ایک دن باقی رہ گیا تو انھون نے گھر مین کہدیا کہ" ہم کل مرینگے، اب سب لوگون کو کیسے اطلاع ہوسکتی ہے؟" چونکہ یہ اتفاقیہ طور پر سلیم پور سے اچھے بھلے چنگے آئے تھے اور دفعتہً بیمار ہوکر پھر سنبھل گئے تھے، اِس لئے کسی کو اس بات کا مُطلق یقین نہ آیا۔ لیکن، دوسرے ہی روز یکایک اِن کا انتقال ہوگیا، جسے سُن کر لوگون کو سخت حیرت ہوگئی۔" یہ بھی روایت ہے کہ ایک دفعہ انھون نے اپنی بی بی سے خود ہی کہدیا تھا کہ" تم ہمارے مرنے کے دس برس بعد مرد گی" اور یہ پیشین گوئی بھی راست آئی"۔ اِس سے شایق صاحب کی نجوم دانی اچھی طرح ثابت ہوتی ہے۔

انھون نے ذاتی قابلیت پر کبھی گھمنڈ نہین کیا، بلکہ ضرورت سے زیادہ اپنی ہیچدانی کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ "گلشن فیض" کے دیباچہ مین تحریر ہے کہ" این رہ نوردِ بادیۂ ہیچدانی وبستۂ سلاسلِ نادانی رائگی از ہزار داندکی از بسیار لیاقت صوری ومعنوی نصیب نہ گشت بلکہ بالطبع شیشۂ بلند نامی بزرگان را بسنگ جہل وبدلیاقتی بادرہم شکست اصلا سرمایہ لیاقتی درخود نداشت کہ حرفی بصفات اکابران آفاق تحریر می ساخت"۔ لیکن، شاعری وہ فن ہے کہ، جسے حاصل ہوجاتا ہے وہ قدرتی طور پر کچھ نہ کچھ نازاں ہونے کے ساتھ ہی اُس کا اظہار بھی کرنے لگتا ہے۔ شایق صاحب بھی اس صفت سے موصوف ہوکر اپنی غزلون کی تعریف مین" ہر غزل گنجینۂ اسرار است وہر سطرش گوہر آبدار"۔ لکھنے پر مجبور ہوگئے، جو اسی دیباچہ مین کسی جگہ مرقوم ہے۔

"گلشن فیض"، "تحفۃ الاصفیہ" کے ٹائٹیل پیج اور "مثنوی شایق" کے آخری صفحہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ منشی صاحب عظیم آباد (پٹنہ) تشریف لیگئے تھے (غالباً یہ سفر پیرانہ سالی کے زمانے مین یعنی ۱۳۰۰ھ کے قبل ہوا ہوگا) اور وہان مولوی محمد یحییٰ صاحب (وکیل وآنریری مجسٹریٹ) سے دوستانہ تعلقات پیدا ہوگئے تھے۔ منشی درگا پرشاد صاحب (داروغہ محبس ضلع لکھنؤ) سے بھی خاص مراسم تھے۔ انھین بزرگون کی بیحد قدردانی سے شایق صاحب کی تصانیف چھپ کر دوامی یادگار کا باعث ہوئین۔

شایق صاحب وطن کے سچے عاشق بھی تھے اور خادم بھی۔ ذیل کی غزل اِن کی وطنی خدمت اور وطنی محبت کی ایک شاعرانہ عمدہ یادگار ہے، جو اگرچہ بیجا لفاظی کی بھرمار سے اصلیت کے خلاف غلو کی حد تک پہونچ گئی ہے، لیکن، قابلِ گرفت نہین۔ کیونکہ اب سے تین سو برس پہلے ہند کے مشہور فاضل اور باکمال شاعر تلسی داس جی مہاراج فرما گئے ہین۔" جہان بسے وہ سُندر دیسو" یعنی جہان سکونت ہو وہی خوبصورت ملک ہے۔

غزل

بود تا خاک وآب وآتش وباد الٰہی باد دریاباد آباد

عجب شہرے کہ در اطرافِ عالم　　بہم جنسی دُستوانِ خبر داد
درین بُستان دو نخلِ سرکشیدہ　　یکے چون سرو و دیگر ہمچو شمشاد
بحسنِ صورت و خوبیِ سیرت　　نباشد مثلِ آنہا چرخ را یاد
چو از سامانِ آنجا نقش بندند　　بلرزد مرقدِ مانی و بہزاد
بحُسن و دلبری خوبانِ آنجا　　سبق بردند از حور و پری زاد
بہ پیشِ عالمانش پیر گردون　　کند تہ زانوئے چون پیشِ اُستاد
زحل دارد سرِ مدحت در آنجا　　بخاکِ آستانِ جملہ زہاد

لیکن، اِس غزل کو دیکھ کر اُن کے قلم سے نکلے ہوئے یہ الفاظ نہایت دِلشکن اور حیرت انگیز ہوتے ہیں کہ: "مشہور است کہ اول کسے را کہ احداث و تعمیر عمارت پختہ در قصبہ خاص دریاباد کرد آن شیخ حبیب بود کہ چوب کڑی و کنواڑ و سامان طیاری سقف مکانات از دہلی بدریاباد فرستادہ چنانکہ آن عمارت تا حال باستثناء چند ابواب قائم و موجود است داتری از کہنگی ندارد" (از رسالہ صدیقیہ مؤلفہ شایق صاحب) منشی صاحب کا یہ فرمانا سراسر خلاف واقعہ ہے کہ "خاص دریاباد میں پہلے پہل پختہ عمارت کی بنیاد شیخ حبیب اللہ صاحب (شایق صاحب کے بزرگوار) نے قائم کی اور یہ اُن کی جدت ہے" یعنی دریاباد میں شیخ صاحب کے قبل جس قدر مکانات تھے وہ سب کے سب خام تھے اور پختہ تعمیر اور اُس کے متعلق ضروری اشیاء سے کوئی مطلق آگاہ نہ تھا یا تعمیری سامان کا دستیاب ہونا غیر ممکن تھا، جب شیخ صاحب موصوف نے سے "چوب کڑی و کنواڑ و سامان طیاری سقف مکانات" دریاباد روانہ فرما کر اپنا مکان پختہ بنوایا تو د دیکھی دیگر مکانات بھی پختہ تیار ہونے لگے۔ شیخ حبیب اللہ صاحب کا زمانہ سن بلوغیت عالمگیر شاہ عہدِ حکومت کے بیشتر نہیں ثابت ہوتا اور دریاباد میں اِس سے بہت پہلے صد ہا پختہ مکانوں کے ع چند نہایت عظیم الشان مشہور و معروف عمارتیں بھی تعمیر ہو چکی تھیں۔ اکبر شاہ کے زمانے میں حاجی مصد صاحب نے محلسرا، رنگ محل، شیش محل، مسجد وغیرہ پختہ عمارتیں بنوائیں۔ اب سے پانچ چھ سو برس قبل سنگ ساہ کے حکم سے ست کھنڈا (محل) چار منزلہ الاولی کنوان، پھلواری کے متعلق پختہ چہار دیواری، مکان تعمیر ہوئے۔ گنج میں پختہ دو کانیں بنیں، پختہ شہر پناہ قائم ہوئی، پھاٹک بنے، دھرم شالے تیا ہوئے۔ علاوہ اِس کے او ستھیون، اگن ہوتریون، جگہ مصرایوں، دیکھتیوں کی حویلیاں اور تکیہ شالے عمارتیں بھی قدیم زمانے میں تعمیر ہوئی تھیں جھلنگی محل، رنگ بھون، لکشمی بھون، للّو اور لچھی سیٹھ کے د شالے، دھنو سیٹھانی کا بیچ محلہ وغیرہ وہ عمارتیں ہیں جن کی قدامت کا آج تک باوجود کوشش صحیح نہ چلا۔ ان میں سے جھلنگی محل جو غدر کے بعد بھی کچھ دن تک شکستہ حالت میں موجود رہا، شایق صاحب خود ملاحظہ کیا ہوگا، اور سنگھی ساہ کا محل (کھنڈر کی صورت میں) اِس وقت تک موجود۔ حاجی مصطـ

شاہ صاحب کی عمارتوں کا ذکر کتاب حدیقۃ الارض مین درج ہے۔ دیگر مکانون کی قدامت تحقیقات سے بخوبی ثابت ہو چکی ہے، جسکے اظہار کی چندان ضرورت نہین۔ اب ناظرین غور فرمائین کہ دریاباد مین اول کس نے پختہ عمارت کی بنیاد قائم کی؟ اور اس ایجاد کا سہرا کس کے سر بندھتا ہے؟

تحقیق اور تصانیف سے پتہ چلتا ہے کہ شائق صاحب چوبیس برس کے سن مین باقاعدہ تصنیف و تالیف کے میدان مین آ گئے تھے اور ۱۲۹۰؁ھ یعنی ۶۲ سال کی عمر تک علمی خدمت کے جوہر دکھایا کئے۔

منشی خدابخش صاحب شائق معمولی شاعر نہ تھے، قدردان جماعت مین اپنے وقت کے سعدی و حافظ اور مولانا روم سمجھے جاتے تھے۔ انھین عروض و قافیہ سے اچھی طرح واقفیت تھی، اصناف سخن پر کامل عبور تھا، صنائع و بدائع سے خاص دلچسپی تھی۔ لکھنؤ، عظیم آباد، گورکھپور کے ادبی مجلسون مین ان کی اچھی شہرت تھی، قدرت نے انھین زبردست دل و دماغ عطا فرمایا تھا، ان کی طبع موزون روانی مین دریا سے کم نہ تھی، اُسپر علمی قابلیت و ذہانت مستزاد تھی۔ زود گوئی، پُرگوئی، خوشگوئی، مشق سخن ان کے خاص جوہر تھے۔ شاعری سے ان کو فطری لگاؤ تھا۔ ملازمت کے سلسلے مین اپنے فرائض منصبی انجام دیتے ہوئے فکر سخن مین بھی مشغول رہتے تھے اور اس طرح ایک مدت تک مشق سخن کرتے کرتے انھون نے شاعری مین پوری قابلیت حاصل کر لی تھی جسکی تصدیق کے لئے گلشن فیض (دیوان شائق) اور مثنوی شائق کی ورق گردانی کافی ہے۔

گلشن فیض مین غزلین، رباعیان، خمسے، قصائد، مستزاد، قطعات، ترجیع بند، معشر، مثنویان، تاریخ وغیرہ ہر قسم کا کلام موجود ہے۔ بہت سی غزلین، قطعات، رباعیان خاص صنائع شاعری کے متعلق نظم کی گئی ہین جیسے منقوط، غیر منقوط، مرادف، تجنیس خطی، ذوبحرین، ذوالقوافی، چیستان، معما وغیرہ انواع و اقسام کی لفظی صنعتون سے مزین ہین۔ ان مین دو ایک غزلین ایسی بھی ہین جن مین خاص شیخ سعدی رح کی تقلید کا گہرا رنگ نظر آتا ہے۔ چند غزلین اس قسم کی ہین جو دیوان مین دائرے، مثلث، گلدستہ کے اندر لکھی ہوئی ایک خاص ترکیب سے پڑھی جا سکتی ہین۔ کلام کا زیادہ حصہ تصوف، معرفت، حمد و نعت، مناجات، اولیائے کرام کے اوصاف، ہادیان اسلام کی تعریف، مقدس زیارت گاہون کی صفت اور حاجی وارث علی شاہ صاحب کے عشق سے لبریز ہے۔ عاشقانہ رنگ کے اشعار بھی لطیف اور پاکیزہ ہین۔ اکثر سنگلاخ زمینون مین بھی طبع آزمائی کی گئی ہے اور خوب خوب اشعار نکالے گئے ہین۔ ہر شعر دلچسپ و فصیح، مضامین مفید اور نتیجہ خیز، لفظی رعائت معقول، بندش درست، ردیف و قافیہ مربوط۔ بعض بعض نظمون مین قافیہ و ردیف کے اعتبار سے جدت طرازی و اختراع پردازی کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔

مثنوی شائق۔ تصوف و اخلاق مین مشہور و معروف، مثنوی مولانائے روم کے برابر۔ مثنوی کے خاتمہ پر (مستجانب مطبع) لکھا ہے کہ:۔ درین زمان گلدستۂ بہارستان توحید و تشگرف گوہرین گنج معانی تفرید جا مع نکات معارف و حقائق مسمی بہ مثنوی شائق چہ خوش شاہد یست کہ بآرائش

لمعات فیض ارشادات حضرت سید وارث علی شاہ صاحب از حجلۂ بطون بجلوہ گاہ ظہور خرامیدہ و بمشاطگیٔ طبع موزون سخنور بیمثال شاعر شیرین مقال معتقد خاص الخاص حضرت موصوف مولوی خدابخش صاحب متخلص بہ شائق ولد مولوی نبی بخش مرحوم متخلص عاصی رئیس دریاباد بزیور نظم آبدار و دلکش ہر ہفت شدہ بر چار بالش جلوہ آرائی متمکن گردیدہ۔ چہ خوش مثنوی ست مملو از شگرف مضامین اخلاق و تصوف با ایزاد حکایات مثالیہ در صورت و حقیقت با مثنوی حضرت ملا جلال الدین رومی ہم معنی زیراکہ ہر دو حضرات از یک وادیٔ سخن راندہ اند و ابواب معارف از انداز و نصائح و پند پر روی کافہ طالبین کشادہ و بنای دفاترش بموجب عدد لطائف ستہ مقررہ نزد سالک طریقت کہ لطیفہ اول نفس باشد دوم قلب سوم روح چہارم سر پنجم خفی و ششم اخفی باشد مثنوی موصوف را بر شش دفتر منقسم فرمودہ حسب فرمایش بلند حوصلہ منشی درگا پرشاد صاحب داروغہ محبس ضلع لکھنؤ در مطبع نامی جناب منشی نولکشور صاحب بماہ اکتوبر ۱۸۷۶ء منطبع گردید۔ (خلاصہ از مثنوی شائق مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۷۶ء)۔

مذکورۂ بالا تصانیف کے علاوہ حال میں گلزار شائق نام ایک تیسری تصنیف کا پتہ لگا ہے، جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب بھی چھپ گئی تھی اور لوگوں میں بہت مقبول ہوئی تھی۔ یہ نظم نایاب ہے، اسلئے اس کی شاعرانہ خوبیوں اور اس کے نفس مضمون پر کسی قسم کی رائے زنی فضول محض ہے لیکن "مثنوی شائق" اور "گلشن فیض" دیکھ کر اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ "گلزار شائق" بھی شاعری کے جملہ لوازمات سے آراستہ، فصاحت و بلاغت سے معمور اور دیکھنے کے قابل ہوگی۔

حضرت شائق محض فارسی ہی کے شاعر نہ تھے، اردو شعر گوئی کا بھی شوق رکھتے تھے اور اس بارہ میں بھی اپنے والد ہی کے شاگرد تھے۔ فارسی کی طرح اردو شاعری میں بھی خوب مشق بہم پہنچائی تھی، اس لئے جو شعر کہتے تھے بہت اچھا کہتے تھے۔ قیام لکھنؤ کے زمانہ میں وہاں کے بعض بعض نامی گرامی شاعروں سے ایسے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے، انھیں کے ہمراہ یہ اکثر مشاعروں میں شریک ہو کر غزلیں پڑھا کرتے تھے اور اس طرح چند روز میں ان کی اردو صاف اور شستہ ہو گئی تھی۔ لیکن جس طرح "گلزار شائق" کا پتہ نہیں ہے، وہی حال ان کے اردو کلام کا بھی ہے، صرف دو شعر مولوی ثابت علی صاحب کی زبانی سننے میں آئے ہیں وہ آگے موقع سے درج کئے جائیں گے۔ انھوں نے اپنے بیٹے مولوی علی حسن صاحب کو بھی اردو شاعری کی تعلیم دی تھی اور خود ہی ان کا تخلص "لائق" قرار دیا تھا۔ اس سے شاعری کے متعلق ان کی زمانہ شناسی بھی ثابت ہوتی ہے کہ انگریزی عہد میں بجائے فارسی کے اردو کا رواج ترقی پر ہے، اس لئے اردو شاعری "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" کے عین مطابق ہونے سے زیادہ مفید اور عام مقبولیت کا باعث ہو سکتی ہے۔

مولانا جہاں عربی، فارسی اور اردو زبان کے ماہر اور نجوم، رمل، جفر تینوں علوم سے آگاہ

ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر دستی بھی تھے، وہاں خدا کے فضل سے زمیندارانہ حیثیت بھی رکھتے تھے اور دریاباد کے رئیسون مین مشہور تھے۔

تصنیفات کے ذیل ہین (۱) گلشنِ فیض۔ دیوان کا تاریخی نام جس سے سنہ ۱۲۹۰ھ نکلتے ہین اور یہی سال ترتیب ہے۔ یہ دیوان ۱۵ شعبان سنہ مذکور کو مرتب ہوا۔ ۱۱ محرم سنہ ۱۳۰۵ھ مین مولوی محمد یحیٰی صاحب (وکیل و آنریری مجسٹریٹ پٹنہ) کی فرمائش سے عظیم آباد کے مطبع قیصری میں چھاپا گیا۔ تقطیع ۲۰×۲۶ گندہ اور معمولی کاغذ (۲) مثنوی شائق سنہ ۱۲۹۰ھ مین مرتب ہوئی اور حسب فرمائش منشی ڈ. گاپرشاد صاحب (داروغہ محبس ضلع لکھنؤ) نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۲۹۴ھ مطابق سنہ ۱۸۷۷ء مین چھپ کر شائع ہوئی۔ ۲۰×۲۶ تقطیع، ۱۲۵ صفحات، فی سطر چار مصرعے۔ خاتمہ کتاب پر منشی بھگوان دیال صاحب عاقل (سابق سررشتہ دار دفتر مطبع، حال ایجنٹ نول کشور پریس کانپور) کا قطعہ تاریخ درج ہے۔ "ہست زیباچہ گلشنِ عرفان" مادہ تاریخ ہے، جس سے سنہ ۱۲۹۴ھ نکلتے ہین (۳) گلزار شائق مطبوعہ نگر لانبا ہونے کی وجہ سے یہ نہین کہہ سکتے کہ یہ شائق صاحب کا دوسرا دیوان ہے یا کوئی دیگر تصنیف (۴) تحفۃ الاصفیہ۔ حاجی وارث علی شاہ صاحب کی سوانح عمری، نثر، مصنف کی ساٹھ سالہ عمر مین تصنیف ہوئی، اس مین جا بجا موقع و محل سے مصنف کے طبع زاد بہت سے اشعار بھی ہین۔ عبارت نہایت دلچسپ، سال ترتیب سنہ ۱۳۱۸ھ یہ کتاب پہلی مرتبہ مطبع انوار محمدی (لکھنؤ) مین فتح محمد تائب کے اہتمام سے چھپی، ۱۶۸ صفحات، تقطیع خورد ۱۸×۳۰۔ دوسری مرتبہ وکیل صاحب موصوف کی فرمائش سے عظیم آباد کے مطبع قیصری مین چھپ کر شائع ہوئی، سال طبع سنہ ۱۳۰۶ھ (۵) رسالہ صدیقیہ، نثر، مولف کے خاندانی حالات کی مختصر کتاب جو سنہ ۱۲۸۹ھ مین تالیف ہوئی ۱۷×۲۰ تقطیع، ۴۴ صفحات، غیر مطبوعہ۔

ناظرین کی آگاہی کے لئے شائق صاحب کے چند اشعار دیوان گلشن فیض سے نقل کرکے بطریق نمونہ ذیل مین درج کئے جاتے ہین۔ (تشخانہ حال بیداری محلہ)

از پنجۂ من موی پریشان گلہ دارد
درگریۂ من دشت و بیابان گلہ دارد

از دیر و خرابات سوی صومعہ رفتم
آن کافر بدکیش ز ایمان گلہ دارد

ہر غنچہ بہ تنگ است ز تنگیٔ دہانت
وز خندۂ تو ہر گلِ خندان گلہ دارد

جانم ز تن و تن ز رگ و رگ ز دمِ سرد
وین سرد دم از سینۂ سوزان گلہ دارد

صد مردہ دلان را بدمی زندہ نماید
شائق ز لبش چشمۂ حیوان گلہ دارد

ثنائی حسنِ او حدِ بیان نیست
زبان را چشم و چشمی را زبان نیست

ع یہ شعر تلسی داس جی کی اس مشہور چوپائی سے لڑتا نظر آتا ہے۔ سیام گور کم کردن بکھانی، گرا انین نین بن بانی ۱۲۔

کمال

شنکر لال نام، کمال تخلص، از خاندان کائیتھان کھرے، لالہ شیو دین لال صاحب کے بیٹے، نامور او خوش فکر شاعر، صاحبِ استعداد۔ ولادت ۱۸۳۱ء، وفات ۱۹۰۰ء۔

فارسی مولانا کاظم علی صاحب (دریابادی) سے پڑھی اور شاعری کا فن بھی انھیں سے حاصل کیا۔ شاعری کے علاوہ کبوتر بازی کا بھی شوق تھا، قیمتی کبوتر اِن کے ہاں پلے ہوئے تھے۔ بڑے ملنسار، نیک، رنگین طبیعت، خوش مزاج بزرگ تھے۔ شیخ مظفر کریم صاحب (وکیل بادہ) لالہ پرمیشر دیال صاحب، منشی ماتا پرشاد صاحب وکیل، اِن کے خاص وطنی دوستوں میں تھے۔ قرب وجوار میں ٹھاکر مہابیر بخش سنگھ صاحب (رئیس سکرورھا) اور بھیا ہمت بہادر سنگھ صاحب (قیام پور) سے بھی خاص مراسم تھے۔

کمال صاحب پہلے ریاست سورجپور میں، بعد اُس کے ریاست رائی مئو میں مختارِ عام ہوئے اور ٹھاکر اوتار سنگھ صاحب کے رہا حیات تک بدستور نہایت عزت کے ساتھ اپنے کارِ متعلقہ پر مامور رہے ٹھاکر جنگ بہادر سنگھ صاحب کے عہد میں، جو بیحد تنگی مزاج تھے، علیحدہ ہو کر خانہ نشین ہو گئے اور پھر زندگی بھر کسی کی نوکری نہیں کی۔ ۷۰ سال کی عمر پائی، لاولد فوت ہوئے۔ کلام کا پتا نہیں ہے، بڑی مشکل سے ایک غزل کے چند اشعار دستیاب ہوئے ہیں، جن سے اِن کا کمال شاعری ظاہر ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہوں۔ (کھرن ٹولہ حال مخلان)۔

گفتہ کہ رنجوری چرا، گفتم ز فرقت ہائے تو
گفتہ علاجِ خود بہ گو، گفتم کہ خاکِ پائے تو

گفتہ از اینجا دور شو، گفتم اگر بوسہ دہی
گفتہ نہ زیبد این ترا، گفتم بود زیبائے تو

گفتہ کجا داری مکان، گفتم کہ باشم لامکان
گفتہ کہ بر بامم بیا، گفتم بود رسوائے تو

گفتہ کہ اسمِ خود بہ گو، گفتم کمالِ خستہ دل
گفتہ چرا کردی فغان، گفتم کہ از سودائے تو

خاطر

بینی مادھو نام، خاطر تخلص۔ اِن کا بیان باب ہذا کی پہلی فصل میں درج ہو چکا ہے۔ یہ چونکہ کانپور میں فوت ہوئے تھے اور اِن کی تصانیف دہیں اِن کے پاس تھیں، لہذا اِن کا فارسی دیوان دستیاب نہ ہونے سے کلام کا نمونہ اس جگہ درج نہ ہو سکا۔

ف؎ مادرانی حالات کے لئے باب ۳، فصل ۱، ذکر لالہ بھگوان پرشاد صاحب چکلہ دار ملاحظہ ہو ۱۲۔

اقبال

مہادیو لی نام، اقبال تخلص - باب ۳، فصل ۱ میں ان کا مفصل ذکر کیا گیا ہے، یہاں پر صرف چند اشعار درج کئے جاتے ہیں جن سے ان کا پایۂ شاعری معلوم ہوتا ہے -

چو چھمن در ام شاہ سنگا ہم نمودند تیر باران
ز تیر دہشت دلکد چو شد خستہ رام ببرید یک سراو
چو دید ہر بار این تماشا برید یکبار دہ سرش را
نمود تا ہفت روز با رام روز و شب جنگ سخت راون
صدا برآمد کہ رام بہ جہات نیست انسان گشت ادان

پئے مدد در رسید سگریو ہنومانش ہمرکاب آمد
سر و گر سند بجا تن پیدا بجسم امر عجاب آمد
فتاد بر روئے خاک واز جام مرگ مست و خراب آمد
باخر از بش شستر گہیر گشتنش کامیاب آمد
ہم از پئے قتل ہر تا کتب بشکل تیر از عتاب آمد

انگریزی شعرا

مستر

بینی مادھو نام، مستر تخلص، صاحب تالیف - ان کے حالات باب ہذا کی پہلی فصل سنسکرت دان پنڈتوں کے بیان میں ملاحظہ ہوں -

سخنوران اردو

ندیم

بشارت علی نام، ندیم تخلص سنی المذہب، شیخ مولوی مشرف علی صاحب کے بڑے بیٹے (چھوٹے بیٹے مولوی سالار بخش تھے، جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) مشہور شاعر، خواجہ حیدر علی صاحب آتش لکھنوی کے شاگرد دریاباد میں اردو شاعری کے بانی مبانی - ان کے قبل یہاں فارسی کے سوا کوئی اردو کے نام سے بھی آشنا نہ تھا، یہی اول اول قابل فخر بزرگ ہیں جنھیں فارسی کے زمانہ عروج میں ادب اردو سے محبت ہونے کے ساتھ ہی آتش ایسے نامی گرامی استاد کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا تھا اور جن کے فیض سے دریاباد میں نہ صرف اردو کا رواج ہوا، بلکہ اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کو اس نئی انوکھی اور غیر مانوس زبان سے اس قدر دلچسپی پیدا ہوئی کہ انھیں اردو میں شعر گوئی کا اعلیٰ شوق پیدا ہو گیا -

ندیم صاحب فرنگی محل (لکھنؤ) میں علوم سے بہرہ یاب ہوئے تھے، عربی و فارسی میں پوری دستگاہ

رکھتے تھے - رند، صبا، خلیل، اسیم وغیرہ مشہور شاعروں کے ہم عصر و ہم صحبت و ہم مشاعرہ تھے - اپنے اوستاد کے ہمراہ مشاعروں مین شریک ہو کر غزلین پڑھتے تھے - یہ سحور ہونے کے علاوہ سخن فہم اور سخن دوست بھی تھے اور جس طرح اُردو کے زبردست شاعر تھے، اُسی طرح فارسی کی انشاپردازی مین بھی اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے - فارسی خطوط پُر مضمون اور نہایت اختصار کے ساتھ لکھتے تھے، جن کی عبارت رقعات عالمگیری سے ٹکّر کھاتی تھی -

یہ پہلے ٹکیٹ رائے (دیوان ولی عہد بہادر) کے یہان ملازم ہوے، بعد اُس کے راجہ جیالال صاحب گلشن (دیوان قدیم و مہتمم دفتر سلطانی بہ عہد محمد علی شاہ بادشاہ لکھنؤ) کی بیحد قدردانی سے - اُن کے یہان عرصہ تک مُعلم گری پر مامور رہے - بعد غدر اپنے وطن آکر رائے صاحب کے یہان اسی عہدہ پر مقرر ہوئے - ایک روز رائے تیوراج بلی صاحب کی زبان سے نکل گیا کہ "مولوی صاحب لڑکے گستاخ ہوئے جاتے ہین" یہ کلمہ سنتے ہی مولوی صاحب ناراض ہو کر اپنے گھر چلے آئے اور پھر تا عمر اُن کی ڈیوڑھی پر نہین گئے، حالانکہ منشی سینڈی لال صاحب وغیرہ معزز مصاحبین کے علاوہ رائے تیوراج بلی صاحب خود انھین بلانے کے لئے اِن کے مکان پر تشریف لاے - رائے صاحب کی ملازمت ترک کرنے کے ساتھ ہی انھون نے دیوان روشن لال صاحب کے مکان پر اپنا ذاتی مکتب قایم کر دیا اور شرفا کے لڑکے تعلیم کے لئے آنے لگے اور اِس طرح ایک آزاد آنہ گذراوقات کی معقول صورت نکل آئی - اِس درمیان مین راجہ صاحب سو بجیور نے اپنے لڑکے کی تعلیم کے لئے شیخ کرم کریم صاحب عرف چھیدا میان، جن سے قریب و جوار کے تمام رئیسون سے دوستانہ مراسم تھے، کی معرفت اِن کے پاس پیغام بھیجا کہ "اگر آپ ہمارے یہان ملازمت قبول کرلین تو ہم پچاس روپیہ ماہوار تنخواہ دینے کو تیار ہین" مگر مولوی صاحب نے جواب مین صاف صاف کہدیا کہ "ہمنے کایستھون کی نوکری کی ہے اور وہی ہمارے قدردان ہین، جب ہمنے اُن کی نوکری چھوڑدی تو اب گنواروں کی نوکری کرنا شان کے خلاف ہے"

چند روز کے بعد ہائی اسکول دیوبا مین دوسری زبان کی تعلیم کے لئے نسفیلڈ صاحب بہادر ڈائرکٹر رشتۂ تعلیم کی قدردانی سے کمی تنخواہ پر باین شرط ملازمت اختیار کی کہ ہم مین اسکول نہ جاؤنگا، لڑکے خود میرے مکتب خانہ مین تعلیم کے لئے آیا کرینگے چنانچہ جب تک اسکول قایم رہا، اسی طرح اپنے مکتب خانے مین طلبا کو تعلیم دیتے رہے - دوران ملازمت مین بارہا حکام نے اِن سے کہا کہ "اگر آپ اسکول مین تعلیم دین تو تنخواہ زیادہ کردی جائے لیکن انھون نے اِسے منظور نہین کیا - ورنا کیولر مڈل اسکول قایم ہونے پر

ے مشہور شاعر، لکھنؤ کے امرا مین سے تھے - چونکہ یہ بھی حضرت آتش کے شاگرد تھے اس لئے اِن مین اور ندیم صاحب مین باہمی برادرانہ رشتہ قایم ہوگیا تھا جسے طرفین نے نہایت خوبی کے ساتھ زندگی بھر نباہ دیا - افسوس ہے کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ ہندو مسلمان آپس مین بھائی ہو جاتے تھے، ایک یہ زمانہ ہے کہ حقیقی بھائیوں مین بھی میل نہین ۱۲-

اعلی درجہ کے طالب علمون کو اُردو زبان کی تعلیم دینے لگے اور تازندگی اپنے قول کی پابندی کے ساتھ علمی خدمت مین مشغول رہے۔ اُس وقت لایق اُردو دان کمیاب تھے، اسی وجہ سے حکام اور گورنمنٹ میں ایسے اوستادون کی زیادہ قدرومنزلت کی جاتی تھی۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب بڑے آن بان والے اپنے عہد کے پکے اور لاطمع تھے، ساتھ ہی اس کے احسان فراموش بھی نہ تھے، کائستھون کی قدردانی کے حاضروغائب مداح تھے، اِن کی علمی قابلیت کا شہرہ تھا، روساء نامدار و حکام سررشتۂ تعلیم اِن کے بڑے قدردان تھے۔

مولانا ندیم صاحب نہایت نیک، خلیق، متوسط قد، گندم رنگ، لاغر اندام، باوضع بزرگ تھے غالباً ۸۰ سال کی عمر پائی، ۱۸۵۵ء مین انتقال ہوا۔ اولاد نرینہ کوئی نہ تھی، صرف ایک لڑکی تھی، جس کی اولاد مین مولوی علی حسین صاحب ابتک بہ قید حیات، ایک مدت سے تارک الوطن ہو کر لکھنؤ مین سکونت پذیر شاگردون مین درسی تعلیم کے متعلق منشی ماتا پرشاد صاحب وکیل مرحوم اور شاعری میں ساغر و فرحت مشہور

یہ مختصر حالات لالہ دیبی دین صاحب اور مولوی ثابت علی صاحب سے دریافت کر کے لکھے گئے ہین۔ (محرران)

نہایت افسوس ہے کہ مرحوم کے حالات نیز کلام کی نسبت مولوی علی حسین صاحب کو کئی مرتبہ تکلیف دی گئی کہ آپ ندیم صاحب کے حالات سے واقف ہین اور سُنا جاتا ہے کہ اُن کا ذخیرۂ کلام بھی آپ کے پاس موجود ہے، مہربانی فرما کر مختصر حالات اور کلام عنایت فرمائیے۔ مگر باوجود حتمی وعدہ کے اُنھون نے کچھ بھی توجہ نہ فرمائی اور آخر مین بہت تقاضے کے بعد صاف صاف کہدیا کہ "ایک بیاض شعرون کی تھی ضرور، لیکن اب پتہ نہین ہے، اور حالات مجھے کچھ بھی نہین معلوم۔ اِن پُرانی اور فضول باتون سے کیا نتیجہ؟ دریاباد کی تاریخ لکھنے سے کیا فائدہ؟" ایک شعر جو مولوی ثابت علی صاحب کی زبانی سُننے مین آیا تھا وہ درج کیا جاتا ہے۔

بیشک یہ فیض حضرتِ آتش کا ہے ندیم   جو شاعرون مین آج ہمارا شمار ہے

شایق

خدابخش نام، شایق تخلص، اِن کے حالات فارسی شاعرون کے بیان مین مفصل طور پر درج ہو چکے ہین کلام کا پتہ نہین ہے، گھر والون کی غفلت سے تلف ہو گیا۔

لائق

علی حسن نام، لائق تخلص، منشی خدابخش صاحب شایق کے فرزند چہارم، طبّاع اور قابل شاعر ولادت سنہ ۱۲۶۲ھ، مطابق سنہ ۱۸۴۳ء، وفات سنہ ۱۳۲۰ھ، مطابق سنہ ۱۹۰۲ء

اِنھون نے اپنے والد سے تعلیم پائی تھی اور انھین کی شاگردی مین شاعری کا فن بھی حاصل کیا تھا اور

اس مین اچھی استعداد پیدا کی تھی - یہ قدیم طرز شاعری کے عاشق تھے اور عاشقانہ رنگ کی غزلیں خوب کہتے تھے - عربی مین معمولی لیاقت تھی مگر فارسی کے لائق ادیب تھے۔

اکیس برس کی عمر مین اپنے والد کے ذریعہ سے سلیم پور (ضلع لکھنو) کی ریاست مین ضلعداری کے عہدہ پر مامور ہوئے ۴۰ برس تک یکساں محنت ملازم رہنے کے بعد ۶۱ سال کی عمر مین پنشن لیکر خانہ نشین ہوگئے - ریاست مین سیدرہ روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے - دس برس کا زمانہ ہوا کہ انھون نے اپنا وطن دریاباد ترک کرکے اپنی سسرال میں رہنا اختیار کیا تھا - شیخ امتیاز علی صاحب زمیندار (ببہرپھا) کی بیٹی سے ان کا عقد ہوا تھا ببہرپھا سلیم پور سے تین کوس پر ہے - زمانۂ ملازمت مین کار متعلقہ کو نہایت ہوشیاری و نیک نیتی سے انجام دیا - پنشن پانچ روپیہ ماہوار تھی -

لائق صاحب روزہ نماز کے پابند خلیق بڑے منکسر المزاج، حاجی وارث علی شاہ صاحب کے مُرید تھے ۸۰ برس کی عمر مین وفات پائی - اولاد مین نظیر حسن، محمد حسن بقید حیات - کلام کا پتہ نہیں ہے -

ساغر

ماتا پرشاد نام، ساغر تخلص، شری واستو یہ دوسرے کائیتھ اپھتری ورن، از نسل محرران دریاباد، لالہ ہر پرشاد صاحب عرف سدھاری لال کے بیٹے، رنگین خیال شاعر -

فارسی مولوی بشارت علی صاحب ندیم (دریابادی) سے پڑھی تھی اور شاعری مین بھی انھین کے شاگرد تھے - علمی استعداد اچھی تھی - قدیم طرزِ سخن مین طبع آزمائی کرتے تھے - قدرت نے انھیں طبیعت کی روانی کے ساتھ ساتھ دل و دماغ بھی اچھا عنایت کیا تھا - ان کے اشعار فصیح اور دلچسپ ہوتے تھے - غزل گوئی کے علاوہ کبھی کبھی قصیدہ بھی کہتے تھے - چنانچہ سُنا جاتا ہے کہ ”ایک قصیدہ جو رائے نارائن بلی صاحب تعلقدار (دریاباد) کی شان میں کسی تقریب کے موقع پر انھون نے کہا تھا وہ بہت ہی دلکش اور نفیس تھا“

لالہ سدری پرشاد صاحب (راجہ بھوانی پرشاد صاحب مرحوم کے پوتے) بیان کرتے تھے کہ ساغر صاحب ایک مرتبہ بتلاش روزگار ریاست دھولپور پہونچے - وہان کئی روز تک سرگشتہ و پریشان رہنے کے بعد کسی سے پوچھا کہ مہاراجہ صاحب کے دربار مین رسائی کیونکر ہوسکتی ہے ؟ جواب ملا کہ ”حضور سے ملاقات ہونا بہت دشوار ہے - اتنا سُنتے ہی ان کی زبان سے برجستہ نکل گیا - شعر ”دستور خوب دیکھ چکے ہم حضور کے ؛ پورے غدد مین ”رنج“ کے اور ”دھول پور“ کے ؛ اِس سے ساغر صاحب کی جولانیٔ طبع اور دماغی قابلیت کا پورا پتہ چلتا ہے - رنج - ر ۲۰۰ + ن ۵۰ + ج ۳ میزان ۲۵۳ - دھول پور ... = ۲۵۳ میزان ۲۵۳ -

ساغر صاحب جوانی مین خوبصورت تھے، ساتھ ہی اس کے نفیس مزاج اور شوقین بھی تھے، پوشاک صاف

اور قیمتی پہنتے تھے، قدیم وضع کے پابند تھے، اشراف کساب سے بھی اچھی طرح لذت آشنا تھے۔ انگرکھا، ٹرے پائینچے والا پائجامہ، صافہ، نری کا جوتا، چکن کا ٹرا رومال تقریبوں کے موقع پر، روزمرہ دھوتی، کرتا، دوپلی ٹوپی استعمال کرتے تھے۔ گداز بدن، متوسط قد، گندم رنگ، ملیح چہرہ، کشادہ پیشانی، خندہ رو، ابری حجامت گھونگروالے بال، ہاتھ پاؤں سڈول۔

بیس برس ہوئے کہ منشی ماتا پرشاد صاحب ساعر نے مذہب اسلام قبول کرکے مشتاق رسول نام رکھا تھا اور فقیرانہ وضع اختیار کرلی تھی۔ سو سال ۱۹۲۲ء میں انتقال ہوگیا۔ تخمیناً ستر بہتر برس کی عمر پائی۔ آبائی مکان و زمینداری رحصت۔ اولاد میں شیو راج بلی بہ قید حیات، نواب گنج بارہ بنکی مسکن۔ خاندانی حالات کے لئے باب ب، فصل ۲، ذکر لالہ شیونارائن ملاحظہ ہو۔ (محلہ محرران)

ساعر صاحب کے کلام کا پتہ نہیں ہے، چند شعر جو بڑی مشکل سے دستیاب ہوئے، ملاحظہ ہوں۔ زبان فصیح و سلیس، عاشقانہ رنگ قابل داد۔

بادۂ گلگوں پلا اب ساقیا دو چار دن	دورِ ساعر دیکھ لیں ہم بھی ترا دو چار دن
زلفِ شبگوں، روئے مہوش پر ہے گرا ناعرور	یہ شبِ مہتاب ہے اے مہ لقا! دو چار دن
چشم کا، لب کا، دہن کا، زلف کا، رخسار کا	ہے یہ سب ہر دم جدا گانہ تصور یار کا!
دور میں گیسوئے مشکین ناز کے بے قدر ہے	مشک تہست کا، ختن کا، چین کا، تاتار کا
کس کس کا بار اٹھائے دلبرنا زکبدن؟	طوق کا، ہیکل کا، نورتن کا، ہار کا!!
کوچۂ یار تک اپنی جو رسائی ہوتی +	خاک حسرت سے نہ یوں سر پہ اڑائی ہوتی

فرحت

مرتضیٰ بیگ نام، فرحت تخلص، شاعرِ شیرین مقال، شاعری میں مدیم صاحب دریابادی کے شاگرد، عربی و فارسی ہر دو علوم کے زبردست ماہر تھے۔ ولادت ۱۸۴۳ء، وفات ۱۸۷۵ء

سنا جاتا ہے کہ انھوں نے فرنگی محل میں تعلیم پائی تھی اور بیس پچیس برس محنت کرکے اس قدر قابلیت بہم پہونچائی تھی کہ اگر ایک سال اور زندہ رہتے تو دستارِ فضیلت سے سرفراز ہوکر عالموں میں مشہور ہوجاتے۔

ان کے والد کا نام خواجہ مرزا تھا۔ مرزا ابلاق بیگ صاحب (رئیس دریاباد) کی دو لڑکیاں خواجہ صاحب کو بیاہی تھیں اور تیسری لڑکی مرزا نیاز بیگ صاحب کو، اس رشتہ سے خواجہ صاحب اور مرزا صاحب آپس میں ہم زلف تھے۔

خواجہ صاحب کے بزرگ مشہور و معروف ولی عبداللہ احرار عربی کی نسل سے تھے، جو ابو المنصور خاں بہادر صفدر جنگ کے عہد میں ملک عرب سے ہندوستان آکر مرزا بخش اللہ بیگ صاحب ناظم (مرزا ابلاق بیگ صاحب کے والد) کے چھوٹے بھائی کے ہمراہ پہلے دو دہلی میں آباد ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد جب ان کے بیٹے مرزا تقی بیگ صاحب

اُردو دلی چھوڑ کر دریا باد چلے آئے تو یہ عربی نژاد بزرگ بھی وہاں کی سکونت ترک کرکے غالباً اب سے سوا سو برس قبل یہیں آباد ہوگئے یہ لوگ خواجہ کہلاتے تھے۔ اِن کی نسل میں خواجہ مرزا کی اولاد مرزا اُبلاق بیگ صاحب سے رشتہ، قرابت پیدا ہوجانے پر مرزا کے لقب سے مشہور رہی۔

مرزا فرست شعر کہتے کہتے اچھے خاصے شاعر ہوگئے تھے۔ عاشقانہ رنگ کے علاوہ حمد ونعت میں بھی خوب کہتے تھے۔ اصنافِ سخن میں کسی صنفِ خاص کے پابند نہ تھے۔ غزلیں، قطعے، رُباعیاں، خمسے وغیرہ جو جی میں آتا تھا، نظم کرتے تھے۔ شاعری کا شوق فطری تھا طبیعت نہایت موزون اور جولان تھی۔ اپنے دلی جذبات کو سیدھے سادے الفاظ میں صفائی کے ساتھ خوبی سے نظم کرنے پر قادر تھے تحصیل علوم کی غرض سے جب تک لکھنؤ میں رہے، اچھے اچھے مشاعروں میں غزل پڑھتے اور آدابِ مشاعرہ سے آگاہی حاصل کرتے ہوئے دادِ سخن سے فیضیاب ہوتے رہے۔

مرزا صاحب محض اردو ہی کے شاعر نہ تھے، فارسی میں بھی شعر گوئی کا شوق تھا حکمت کے فن سے باقاعدہ آگاہ ہوکر حکیم بھی ہوگئے تھے۔ ورزش کے بھی بڑے شوقین تھے۔ مرزا پیار بیگ صاحب رئیس دریاباد)۔ انھیں اپنے بیٹے اصغر بیگ سے روز کشتی لڑواتے تھے۔ اِن کی شادی رونا ہی (ضلع فیض آباد) کے رئیس شہباز خان کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی۔ نہایت افسوس ہے کہ عین جوانی میں عمر کا پچیسواں سال ختم ہوتے ہی بعارضۂ تپِ دق اِن کا انتقال ہوگیا۔ اِن کی بی بی بھی صدمہ کے باعث دو ہی ایک برس کے اندر دنیا سے گذر گئی۔ خاندان میں اِن کے بھائیوں مرزا رضا بیگ، علی مرزا، امان بیگ کی اولاد بقیدِ حیات اور آبائی زمینداری کے متعلق کچھ حصہ کی مالک، مکان مغلن ٹولہ میں موجود۔

مولانا کے کلام کی نسبت بہت کچھ کوشش کی گئی، مگر کچھ دستیاب نہ ہوا۔ صرف چند شعر جو مولوی تاج علی صاحب نے تلاش کرکے عنایت فرمائے تھے، ناچار وہی غنیمت سمجھ کر ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

جس پہ دل آئے وہی حسن وجمال اچھا ہے	جو حسین دل سے ملے اُس کا وصال اچھا ہی
دردِ فرقت سے نہیں چین مجھے کوئی گھڑی	یوں تو خاطر سے کہو کہدوں کہ حال اچھا ہی
ہم میں اے جان خوشامد کی صفت اچھی ہے	آپ میں ہمکو ستانے کا کمال اچھا ہی
عیش وراحت نہیں اچھی تیری مرضی کے خلاف	تو اگر خوش ہو تو شادی سے ملال اچھا ہی
جس وقت کہ اُس شوخ کی صورت نظر آئی	**فرحت**! مجھے اللہ کی قدرت نظر آئی!!
اُدھر اُس شوخ کی نظر بدلی	چھا گئی دل پہ غم کی اِدھر بدلی

نجف

نجف علی بیگ نام، نجف تخلص، سُنی المذہب، اصل، مرزا خیرات علی بیگ صاحب کے بیٹے، فصیح البیان

اور ظریف الطبع شاعر، مرزا جلیل لکھنوی کے شاگرد، حسب ضرورت فارسی سے آشنا - ولادت ۱۸۴۲ء، وفات ۱۸۹۲ء

عروض و قافیہ سے زیادہ ماہر نہ تھے، مگر مشق سخن اور موزونیٔ طبع کے باعث شاعروں میں شمار ہو گئے تھے -
عاشقانہ طرز شاعری کے دلدادہ تھے اور اس رنگ مین بہت اچھا کہتے تھے - حمد و نعت اور اخلاقی مضامین پر بھی طبع آزمائی کرتے تھے - غزلوں کے علاوہ، قطعے، رباعیاں بھی نظم کرتے تھے - ان کی طبیعت بہت جولان واقع ہوئی تھی چنانچہ سُننے مین آیا ہے کہ جب کبھی کوئی اچھا شعر ان کے سامنے پڑھا جاتا تھا تو فوراً سننے کے ساتھ ہی برجستہ مصرعے کہہ کر خمسہ سُنا دیتے تھے کہ سامعین پھڑک جاتے تھے - کلام صاف ستھرا، لحاظ سے پاک -

بیان کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کے بزرگ سردار مرزا حسن اللہ بیگ صاحب کے ہمراہ جو انھین کے خاندانی عزیر داروں مین تھے اب سے ڈیڑھ سو برس قبل دریاباد آکر آباد ہوئے تھے اور سردار صاحب کے توسل سے دربار اودھ مین کسی معزز عہدہ پر مامور ہو گئے تھے -

مرزا صاحب علاوہ شاعری کے موسیقی سے بھی واقف تھے ٹھمریان، دادرے، ادھے، ہولیان خوب کہتے تھے ان کی تصنیف کردہ ٹھمریان، ادھے وغیرہ گوپال برہمن جو گھبر ساہ کے یہان ملازم تھے، کی زبانی اکثر سننے مین آئی ہیں، جن مین سے ایک ادھے کا پہلا بند (مطلع) اور اس کے بعد کا انترہ یعنی دوسرا شعر اب تک یاد ہے، وہ یہ ہے "نجف پیا آئے نہ سجیا مور - انترہ، برہا بھاسون رین کٹت نہین کیسے ہوئی بھور" -
ستار بھی خوب بجاتے تھے اور اس کے از حد شوقین تھے - عکس پرست بھی تھے -

یہ مضمون نگار بھی تھے - ظریفانہ اور سنجیدہ دونوں قسم کے مضامین لکھتے تھے "اودھ پنچ" اور "اودھ اخبار" (لکھنؤ کے مشہور اخبار) مین واقعاتی طور پر وقتاً فوقتاً شائع ہوا کرتے تھے - سنجیدہ مضامین کی عبارت فسانۂ عجائب کے طرز پر مسجّع اور مُقفّیٰ ہوتی تھی - غالباً ۳۰ برس کا زمانہ ہوا، مولوی مرزا عابد علی بیگ صاحب مرحوم (نجف صاحب کے خاص عزیز) منشی گوپال پرشاد صاحب کے مکتب خانہ مین نجف صاحب کے اشعار اور مضامین راقم کو سُنایا کرتے تھے جبکہ اس مذاق کے متعلق دلچسپی کی غرض سے اُنکی خدمت مین حاضر ہونے کی نوبت آتی تھی - افسوس ہے کہ جو کچھ سُنا تھا اُس کے متعلق ایک مضمون کی صرف اس قدر عبارت یاد رہ گئی ہے "مسمی .. زرگر اُس چاہ جانکاہ مین رسّی کے سہارے سے اُترا کہ دفعتہً کنوین کا سارا پانی خشک ہو گیا - لیکن، زرگر مذکور پر کچھ ایسی دہشت طاری ہوئی کہ اُسے نہایت بیقراری ہوئی، اور وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا، جان سے ہاتھ دھو بیٹھا - یعنی اُس کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا، بظاہر بیٹھا تھا، مگر مر گیا" -

حضرت نجف بڑے خوش پوشاک، خوش خُلق، ملنسار، قول کے پابند، رند و دنیدار کے عاشق، دوستوں کے ہمدرد، ہندو مسلمان سب کے طرفدار، ہم وطنوں کے بہی خواہ، سخنوروں، سخن فہموں کے ولی دوست، با وضع ریاست ریوان مین بہ عہدۂ وکالت ممتاز تھے - آخر جوانی مین ابجار صنعت دق بہ مقام "ستھا" (ریاست ریوان سے ۴۰ کوس کے فاصلہ پر) وفات پائی تخمیناً پچاس سال کی عمر نصیب ہوئی - سیاہ فام، لیستہ قد، چیچک رو -

چھوٹی داڑھی، نہ بہت دُبلے نہ بہت موٹے، آبائی لباس پہنتے تھے۔ اولاد مین اشرف علی بیگ ریلوے مین ملازم۔ مکان ویران۔ (گھڑیالی)

افسوس ہے کہ مرزا اشرف علی بیگ صاحب سے کئی مرتبہ عرض کیا گیا کہ آپ اپنے والد ماجد کے حالات نیز مختصر کلام کا نمونہ عنایت فرمائیے، مگر افسوس صاف مجبوری ظاہر کی۔ کئی پرچے غزلون کے میان محمد مقیم صاحب نے ۱۹۰۳ء مین عنایت فرمائے تھے جو طاعون کے زمانے مین ایک دوست کی غفلت سے کھو گئے، صرف چند شعر حافظہ کی بدولت محفوظ رہ گئے ہیں وہ ذیل مین درج کیے جاتے ہین۔

عشق کا شعلہ یون ہی دل مین بھڑکتا جائے گا
حشر تک داغِ جنون اپنا چمکتا جائے گا

آج ٹپکا ہے زمین پر روئے گلگون سے عرق
عطرِ مٹی کا قیامت تک مہکتا جائے گا

اُس ابرو کا عکس ہے جام شراب مین
آتے ہیں دو ہلال نظر آفتاب مین

شہیدِ ناز و ادا اے نگار ہم بھی ہین
ہزار شکر کہ تیرے جان نثار ہم بھی ہین

لگا نہ تیغِ نگہ کا جگر پہ زخم کوئی
بس اپنے وقت کے اسفندیار ہم بھی ہین

ناظم

ناظم علی نام، ناظم تخلص۔ ان کے حالات باب ہذا کی تیسری فصل مین درج ہو چکے ہین۔ افسوس کلام کا پتہ نہیں ہے۔ شیخ نوشاد علی خان صاحب تعلقدار ان کے بڑے قدردان تھے۔ ایک قصیدے کے صلے مین علاوہ معقول رقم عنایت فرمانے کے ساٹھ روپیہ سالانہ وظیفہ بھی تاحیات (سنہ ۱۹۱۰-۱۹۰۳ء) برابر دیتے رہے۔ اپنی زندگی مین کئی مرتبہ اپنے یہان کی ملازمت کے لئے ناظم صاحب سے سخت اصرار کیا۔ لیکن۔ انھون نے یہی کہہ کر ٹال دیا کہ جس ریاست سے کورٹ نے ہمکو بیکار سمجھ کے خارج کردیا اب وہان رہنا شان کے خلاف ہے۔ اِس سے ناظم صاحب کی آن بان اور قناعت پسندی بھی ثابت ہوتی ہے۔

خاطر

خاطر تخلص پنڈت بینی مادھو۔ اِن کے حالات باب ہذا کی پہلی فصل مین بیان ہو چکے ہین۔ یہان پر صرف ایک شعر، جو راقم کو یاد آگیا ہے، درج کیا جاتا ہے۔ دیوان کا پتہ نہیں ہے۔

مین وہ ہون "بلبلِ بستانِ نفاست" خاطر!
"جانبِ گل نہ اُٹھے آنکھ، جو ہو خار کے پاس"!!

پانچوین فصل ویدون، حکیمون اور ڈاکٹرون کے بیان مین

پنڈت ہیرا لال وید

نامی وید، زمانہ حیات اب سے ڈھائی تین سو برس قبل - افسوس ہے کہ ویدجی کے حالات دریافت کرنے میں بے انتہا کوشش کی گئی، لیکن نتیجہ کچھ نہ ہوا -

پنڈت شیو دت وید

مصر بیہ برہمن، لکھنورا کے متوکل، گرگ گوتر، بہت بڑے عالی نسب، مشہور و معروف وید ہونے کے علاوہ سنسکرت کے ادیب اور جنتر[لہ]، منتر، تنتر وغیرہ شاستروں کے بھی اعلیٰ ماہر تھے -

بارہ برس کی عمر میں تحصیل علم کا شوق پیدا ہوا - کسی وجہ سے مہاراشٹر (مرہٹوں کا ملک) پہنچے، وہاں سنسکرت کی تکمیل کے بعد ویدک (علم طب) پڑھی، پھر بنگال دیش میں تنتر ودیا حاصل کی - ۲۵ برس کے سن میں سنسکرت سیاہتیا اور تنتر ودیا کے علاوہ جین دھرم کے متعلق بھی اچھی طرح واقفیت حاصل کرکے دریاباد واپس آئے - چند روز کے بعد اِن کی علمیت کا چاروں طرف شہرہ ہو گیا - بڑے بڑے ودوان وید، اچھے اچھے تانترک پنڈت، نامی نامی جین مہاتما اِن کی تعظیم و تکریم کرنے لگے، اور لکھنؤ تک کے جینی اِن کے دلی معتقد ہو گئے -

ویدجی نبض نہیں دیکھتے تھے، بلکہ بشرے سے تشخیص مرض کرتے تھے - پردہ نشین عورتوں کی نبض صرف ڈورے کے ذریعہ سے معلوم کرتے تھے - مرض تجویز کرکے جو نسخہ لکھ دیتے تھے، بیمار کو اُس سے شفا ہو جاتی تھی - نسخہ مختصر اور زود اثر ہوتا تھا - یہ لالچی نہ تھے - سراوگوں کی غیر معمولی قدر دانی نے اِن کا دل غنی بنا دیا تھا، اسی وجہ سے اِن کے نزدیک مریضوں سے فیس لینا ایک گناہِ عظیم تھا - علاوہ اِس کے یہ فطری طور پر قناعت پسند بھی تھے باوجود اِس صفت کے اِن میں یہ عیب بھی تھا کہ انھیں ذرا سی بات پر بہت جلد غصّہ آ جاتا تھا - جہاں مریض نے کسی قسم کا شک کیا یا علاج کرنے میں ذرا بھی پہلو تہی کی، بس یہ جامے سے باہر ہو گئے، پھر ہزار منت سماجت کیجئے لیکن، ویدجی علاج نہیں کرتے تھے - اگر اِن کے کہنے کے مطابق عمل کیا جاتا تھا تو دعویٰ کے ساتھ صحت پانا یقینی تھا - بہرحال ویدجی مہاراج اپنے وقت کے ایک غیر معمولی حکیم تھے -

بیان کیا جاتا ہے کہ نوابی زمانے میں ایک مرتبہ کسی شہزادی کی طبیعت ناساز ہوئی - بڑے بڑے حکیموں نے علاج کیا، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا - دریاباد کے چکلہ دار نے اِن کی نسبت بادشاہ کو اطلاع دی - شاہی حکم سے ویدجی لکھنؤ روانہ کئے گئے - انھوں نے دربارِ شاہی میں حاضر ہو کر وہی دوا پیش کی، جو چکلہ دار کی زبانی مریضہ کی حالت سُن کر اپنے گھر میں تیار کی تھی - شیعہ مذہب میں ہندوؤں کے یہاں کی چیز کھانا شرعاً ممنوع ہے، مگر،

[لہ] [illegible] نام علوم جن سے ہر قسم کی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں ۱۲ -

اُترا کیا نہ کرتا، مصیبت کے وقت حرام بھی حلال ہو جاتا ہے، نا چار پنڈت جی کی بنائی ہوئی دوا شہزادی کو دی گئی جس کے استعمال سے صرف تین ہی دن میں عارضہ غائب ہو گیا اور شہزادی کی طبیعت بدستور اول بشاش ہو گئی۔ بادشاہ نے خوش ہو کر کئی ہزار روپیہ مع خلعت کے مرحمت فرمائے، مگر انھوں نے لینے سے صاف انکار کر دیا اور سبب یہ بیان کیا کہ "میں اپنے عہد کے مطابق عام طور پر کسی سے کچھ انعام اکرام یا فیس وغیرہ نہیں لیتا ہوں، یہ فن رفاہ عام کی غرض سے حاصل کیا گیا ہے، نہ کہ روپیہ کمانے کیلئے۔ کھانے بھر کو جینوں سے مل جاتا ہے، بس وہ کافی ہے، اس لئے معافی کا خواستگار رہوں۔ لیکن سنا ہے کہ حضور کے یہاں چڑیا خانہ میں کبوتر کا ایک بے مثل جوڑا ہے، اگر وہ عنایت ہو تو عین بندہ نوازی ہے"

بادشاہ نے پہلے تو پس و پیش کیا اور اس کے عوض بہت سی دولت کی ترغیب دلائی، لیکن جب یہ کسی طرح راضی نہ ہوئے تو، نا چار کبوتر کا جوڑا انھیں عنایت ہوا اور پنڈت جی خوش ہو کر اپنے گھر واپس آئے اس سے دید جی کی طبی قابلیت اور قناعت ابدی کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کبوتر کے بہت بڑے شوقینوں میں تھے۔

شیو دت مہاراج محض دید اور پنڈت ہی نہ تھے، بلکہ ایک قد آور، خوبصورت اور بہادر سپاہی بھی تھے اور اچھے خاصے سوار بھی۔ چھ مہینے دریاباد میں اور چھ مہینے بارہ بنکی میں رہتے تھے۔ بارہ بنکی میں کوئی لکھپتی سراؤگ ان کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا، اُسی کے مکان پر قیام رہتا تھا۔ زمانۂ حیات اب سے ستر اسی برس قبل، اولاد میں شیو دیال محض جاہل۔ خاندانی حالات کے لئے باب ہذا کی پہلی فصل میں پنڈت کشن دت جی کا بیان، جو دید جی کے حقیقی چچا تھے، ملاحظہ ہو۔ (دیکھئے پانی ٹولہ)

حکیم حاجی امداد احمد صاحب

شیخ غلام حسین صاحب کے فرزند دوم، علم طب کے ماہر ہونے کے علاوہ منطق، صرف و نحو، تاریخ فقہ، موسیقی، فن لغت، انشا سے بھی بہرہ ور، عربی و فارسی میں ذی استعداد، اُردو سے بھی آشنا، اور بہر زبان کے مصنف و مولف، اعلیٰ ذہین، کثیر التصانیف، نامی حکیم، اپنے خاندان میں علمی مجلس کے مشہور رکن حضرت مخدوم آنکش دریابادی کی اولاد میں سے تھے۔

حکیم صاحب ۱۱۹۳ھ میں اپنے آبائی وطن دریاباد میں پیدا ہوئے۔ پہلے فارسی دریاباد میں پڑھی بعد ازاں ۱۲۰۹ھ لغایت ۱۲۲۳ھ تک لخت چودہ برس لکھنؤ میں قیام کر کے فرنگی محل میں عربی اور مشہور طبیبوں سے علم طب حاصل کیا۔ ۱۲۲۳ھ میں لکھنؤ سے بنارس ہو کر دو مہینے تک تعلیم مطب میں منہمک رہنے کے بعد ناگپور میں بخشی محب الحق صاحب کے وسیلہ سے راجہ راگھو جی بھونسلہ سینا بہادر (مرہٹوں کے سردار، سیندھیا اور برار کے راجہ تھے) کی ملازمت اختیار کی۔ تین برس تک اپنے فرائض

مصیبی انجام دیکر اپنی والدہ کے حسب الطلب دریاباد واپس آئے۔ دو برس لکھنؤ وغیرہ میں بسر کر کے ۱۲۲۹ھ میں کلکتہ تشریف لے گئے، وہاں انگریزوں کی تعلیم دینے کے لئے "ایسٹ انڈیا کمپنی" کے ملازم ہو گئے۔ لیکن ایک ہی سال کے بعد اپنے گھر چلے آئے۔ کچھ دن گھر میں قیام کر کے نواب مولوی عبدالقادر خاں صاحب بہادر (والیٔ ٹونک) کی سرکار میں، جو اس وقت بنارس میں رونق افروز تھے، حاضر ہو کر ملازمت سے سرفراز ہوئے دو سال سات مہینے کے بعد نواب صاحب کے بیٹے مولوی خادم حسین خاں صاحب نے انہیں سجل نویسی کے عہدہ پر ممتاز فرمایا۔ انہوں نے اپنے حسن خدمات سے ممدوحین کو کچھ ایسا گرویدہ بنا لیا کہ یہ خاص مصاحبین و رفقا میں شامل کر لئے گئے۔ نواب صاحب کی بے حد مہربانیوں سے حکیم صاحب نے چالیس سال کی عمر میں ۱۲۴۲ھ تک لکھنؤ، کانپور، فرخ آباد، مکن پور، سیرٹھ پور، شاہجہاں آباد، فیض آباد، ٹانڈہ، جونپور، بنارس، چھپرہ، گورکھپور، مجھولی، الہ آباد، تمام بندیل کھنڈ، جھانسی، دتیا، اورچھا، کالپی، باندہ، ہمیر پور، ساگر و ندیا وغیرہ کی سیر و سیاحت فرما کر خوب معلومات حاصل کئے۔ (از حکایات احمدی مولفہ حکیم صاحب)۔

ان کی لکھی ہوئی مشکوٰۃ شریف حدیث (عربی، ۵۲ جزو) سے ثابت ہوتا ہے کہ حکیم صاحب ۱۲۴۴ھ میں بنارس میں مقیم تھے اور وہیں یہ کتاب نقل کی گئی تھی۔ شاید یہ قیام نواب صاحب ممدوح کی ملازمت کے سلسلے میں تھا۔

حکیم امداد احمد صاحب کے ایک خود نوشت جمع خرچ سے، جو محرم ۱۲۴۳ھ لغایت ربیع الاول ۱۲۴۴ھ کا ہے، پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے حضرت مخدوم آبکش دریابادی رح کی مسجد اور خانقاہ کی مرمت، سیر جانماز کی خریداری میں ستّانوے روپیہ پندرہ آنہ (۹۷ روپیہ ۱۵ آنہ) صرف کئے تھے۔ اس سے شاہ صاحب کے متعلق ان کی خاص عقیدتمندی کا اظہار ہوتا ہے۔

ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ضخیم کتابیں قرابادین قادری، تحفۃ المومنین، شرح وقایہ، بحر الجواہر، کشف الحقائق معانی والبیان، رموز القرآن، مشکوٰۃ شریف حدیث وغیرہ ظاہر کرتی ہیں کہ حکیم صاحب عربی و فارسی لکھنے میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ لیکن خوشنویس نہیں تھے، معمولی لکھنے والوں میں تھے۔

میزان طب قلمی محررہ ۵ رجب ۱۲۱۲ھ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دس برس کی عمر میں طب کی کتابیں نقل کرنے لگے تھے اور علم طب سے فطرتاً خاص طور پر مانوس تھے۔ ان کی تصانیف و تالیفات سے یہ بھی آشکارا ہوتا ہے کہ حکیم صاحب آغاز شباب سے ضعیفی کے زمانے تک (۱۲۳۲ھ لغایت ۱۲۸۵ھ) جہاں کہیں رہے برابر علمی خدمت میں مشغول رہے، جس سے ان کو قدرتی دلچسپی تھی۔ اس خدمت کا زبردست حصہ غالباً نواب صاحب ممدوح کی قدردانی پر مبنی تھا۔ یہ خلیق، ملنسار، نیک مزاج، عالی ہمت بزرگ تھے۔

حکیم صاحب جہاں علمی خدمت کے شیدائی تھے، وہاں مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں بھی قاصر نہ تھے چنانچہ حکایات احمدی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مشہور شہروں کی سیاحی کے بعد انہیں مدینہ منورہ

اور مکہ معظمہ کی زیارت کا بھی شوق پیدا ہوا تھا، جسکی نسبت سُنا جاتا ہے کہ "انھون نے اِن پاک مقامون کی زیارت حاصل کرکے سعادت دارین حاصل کی تھی، اور غدر کے پانچ چھ برس قبل وفات پائی تھی"۔ اولادین باسط احمد مکان پختہ موجود، جس پر جلیل احمد و جمیل احمد صاحب قابض۔ یادگارین حسب تفصیل ذیل تصنیفات و تالیفات غیر مطبوعہ، جو افسوس! کہ غفلت کے ہاتھوں غارت ہوکر بہت جلد فنا ہوجائینگی (مخدوم زادگان)

(۱) رسالہ دربیہ فارسی، دو جز و موجود، سن تالیف ۱۲۳۱ھ (۲) لغات احمدی فارسی ۱۲۲۱ھ کے قبل تالیف ہوئی، صرف چند ورق موجود (۳) رسالہ احمدی فارسی (۴) انشاء احمدی فارسی، دو جز و موجود، سن تصنیف ۱۲۳۳ھ (۵) رسالہ موسیقی فارسی، چھ ورق موجود (۶) رسالہ منطق، سن تصنیف ۱۲۳۲ھ، آخر کے تین ورق موجود (۷) رسالہ نحو (۸) رسالہ صرف (۹) تاریخ قدوایان، شروع کے ۱۲ ورق موجود (۱۰) حدیقۃ الارض فارسی، جغرافیہ و تاریخ، دس ورق موجود (۱۱) بیان العوارض، طب، سولہ ورق موجود (۱۲) حکایات احمدی فارسی، آٹھ جز و موجود، تالیف ۱۲۴۴ھ (۱۳) مجربات احمدی، طب، موجود (۱۴) رسالہ تذکرۃ المذاہب، تالیف ۱۲۵۵ھ، صرف چھ ورق باقی (۱۵) ردّ محی الدین وغیرہ، آٹھ ورق موجود (۱۶) رسالہ کلام، ایک جز و موجود، سن تصنیف ۱۲۴۳ھ (۱۷) رسالہ النبض، طب (۱۸) فتاوی، دو ضخیم جلد، جس میں مدراس و کارنوال اور کلکتہ کے علماء کی مہرین ثبت ہیں (۱۹) رسالہ اوزان الادویہ، ڈھائی جز و موجود، تصنیف ۱۲۵۰ھ (۲۰) نسخۃ الشفاء، چھ اوراق موجود (۲۱) رسالہ دلائل احمدی، چوبیس ورق موجود (۲۲) قواعد احمدیہ، ۳۸ ورق موجود، سن تصنیف ۱۲۵۲ھ (۲۳) رسالہ صلواۃ احمدی، دس ورق موجود، ۱۲۵۲ھ مین تالیف ہوا (۲۴) رسالہ شہادت اردو، سن تصنیف ۱۲۴۶ھ، صرف دس ورق موجود (۲۵) خطبات عربی و اردو، صرف چند ورق موجود۔

حکیم مرزا برکت اللہ بیگ صاحب

مثل، طبابت اور ریاضی مین قابل تعریف، اپنے وقت کے نامور حکما مین سے تھے۔ لکھنؤ مین عربی و فارسی کی تعلیم پائی تھی اور دہین طب کا فن بھی کسی مشہور اوستاد سے حاصل کیا تھا۔

اِن کے نسخے مختصر اور زود اثر ہوتے تھے، غریب و امیر سب کا یکسان علاج کرتے تھے۔ بڑے بھلے مانس اور نیک بزرگ تھے۔

حکیم صاحب کے بزرگ سردار مرزا بخش اللہ بیگ صاحب ناظم (رئیس دریاباد) کے ہمراہ قندھار سے ہندوستان آکر صوبہ اودھ مین مختلف مقامات پر رہتے ہوئے دریاباد مین آباد ہوگئے تھے، جو سردار صاحب کے خاص عزیز اور رفیق بھی تھے۔

اِن کا زمانۂ حیات اب سے نصف صدی قبل دریافت ہوا ہے۔ اِن کے بعد اِن کے لڑکے مرزا

محمد رضا بیگ صاحب کی اولاد میں صرف ایک لڑکی بہ قید حیات ہے جو مرزا محمد بیگ صاحب (سررشتہ دار ریاست جہانگیر آباد ضلع بارہ بنکی) کو منسوب ہے۔ اس طرح ڈیڑھ سو برس کے بعد حکیم صاحب کا خاندانی سلسلہ دریاباد سے ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گیا۔ (مغلاں)

فخرِ وطن حکیم مولانا محمد نور کریم صاحب

ملقب بہ "طبیب گر" شیخ از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، مولوی مخدوم بخش صاحب رئیس کے فرزند اکبر، ملک کے مایۂ ناز طبیب اور اپنے وقت کے حکیم اور رازی، عربی و فارسی کے بہترین ماہر بہت بڑے علمی خادم، دریاباد میں اردو نثر نگاری کے موجد، صاحب تصنیف و تالیف و مترجم۔ ولادت ۱۲۳۱ھ، وفات ۶۔ رجب ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۸۹۳ء یوم جمعہ بعد عصر۔

مقام دریاباد پیدا ہوئے۔ علوم عربیہ و فارسیہ کی تحصیل علمائے فرنگی محل سے کی۔ علم طب ہندوستان کے مشہور و کہنہ مشق اوستاد حکیم محمد علی صاحب عرف حکیم بّبا (لکھنؤ) سے حاصل کیا اور وہ قابلیت پیدا کی کہ اُستاد کو شاگرد پر ناز ہو گیا۔

پہلے لکھنؤ میں مطب شروع کیا۔ لیکن چونکہ جو نازک ذمہ داریاں طبیب پر عملاً و مذہباً عائد ہوتی ہیں اُن سے مولانا بہ احسن الوجوہ سبکدوش نہیں ہو سکتے تھے، لہٰذا مطب کو خیرباد کہ کر درس و تدریس میں ہمہ تن مشغول ہو گئے اس غیر معمولی فیاضی سے ان کے اوستاد حکیم ببا صاحب ناراض ہو کر فرمانے لگے کہ "اگر میں جانتا کہ تم اس شریف فن کو اس طرح عام طور پر ظاہر کر دوگے تو میں ہرگز نہ سکھلاتا۔" مولانا نے عرض کیا کہ "جس وقت میں نے اس علم کو شروع کیا تھا اور مجھے اس کے حاصل کرنے میں دقتیں اور زحمتیں پیش آئیں، تو میں نے خدا سے معاہدہ کیا کہ اگر مجھے یہ فن حاصل ہو جائے تو، میں کسی طالب فن سے بخل نہ کروں گا۔ اس کامیاب ہو جانے پر اُس کا ایفا کر رہا ہوں۔ یہ معقول جواب سُن کر حکیم ببا صاحب بہت خوش ہوئے، اور اجازت دیدی، کہ خوب پڑھاؤ، چنانچہ یہ آخر عمر تک علم طب پڑھاتے رہے۔ انتقال کے وقت سات سو شاگردوں کا شمار ہوا تھا۔ ان کے حلقۂ درس میں صرف ہندوستان ہی کے طلبا کی کثرت نہ تھی، بلکہ کابل، قندھار، کاشغر، شیراز، طہران تک کے طالب علم آتے اور فیض حاصل کرتے تھے۔ اُس وقت اقلیم ہند کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہاں ان کا ایک آدھ شاگرد نہ ہو۔ بوجوہ علمی طبقہ میں حکیم صاحب "طبیب گر" کے خطاب سے مشہور ہو گئے تھے۔

۵ میاں عبدالرشید صاحب کے پاس جو کاغذات موجود ہیں اُن کے دیکھنے، نیز تحقیقات سے پایا جاتا ہے کہ مولوی مخدوم بخش صاحب بہت بڑے منتظم اور عقلمند، دور اندیش، زمانہ شناس اور دینی حوصلہ بزرگ تھے موروثی زمینداری کا جس قدر حصہ نکل گیا تھا، اُسے از سر نو حاصل کیا، دریاباد کے بہت سے ٹکڑے خریدے۔ اس طرح پھر دوبارہ ایک اچھی خاصی ریئسانہ حیثیت پیدا ہو گئی تھی ۱۲۴۳ھ میں بہ قید حیات تھے ۱۲۔

حکیم صاحب علاوہ طب کے علم ادب وغیرہ کی بھی تعلیم دیتے تھے، اور اس تعلیمی سلسلہ مین اکثر انگریز بھی شامل تھے۔ زبردست عالمانہ استعداد حاصل تھی، ہر علم و فن مین کافی دخل تھا۔ فارسی و عربی کے ساتھ ساتھ اُردو زبان سے بھی دلچسپی تھی۔ اور اس کے بڑے حامی اور ترقی خواہ تھے۔ اُس زمانے میں عام طور پر اُردو نثر کا رواج نہ تھا، اس لئے مولانا دریابادی اُردو نثر کے بانی اور غالبًا اپنے ضلع بارہ بنکی میں اول طبیب تھے جھون نے طب کی کتابون کو عربی و فارسی سے اُردو ادب کے قالب مین جلوہ گر فرما کے ایسی شاندار خدمت کا علمی ثبوت پیش کیا، جس سے اُردو زبان کے سرمایۂ حیات مین ایک معقول اور قابل قدر اضافہ ہو گیا۔

خوشنویس بھی تھے اور ساتھ ہی زود نویس اور صحیح نویس بھی، حالانکہ خوشنویسی کے ساتھ زود نویسی و صحیح نویسی کی صفت شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہے۔ قرآن پاک، تفسیر، حدیث، طب، ادب، تاریخ، تصوف، فلسفہ، ہیئت، منطق، کی کتابین اپنے ہاتھ سے نہایت خوشخط اور صحت کے ساتھ لکھین۔ ایک رات مین گلستان سعدی، کے چار یا پانچ باب لکھ ڈالے۔ یکمل نسخہ "قانون شیخ" (طب) تین مرتبہ لکھا۔ پہلے اپنے استاد کی خدمت مین بطور ہدیہ نذر کیا، دوسرا غدر ۱۸۵۷ء مین تلف ہو گیا، جو کسی طرح "مدرسۂ طبیہ دہلی" کے کتب خانہ میں پہونچا، تیسرا "کتب خانۂ حکیم عبدالحسیب" دریاباد مین موجود ہے۔ انھوں نے ۱۶ یا ۱۸ سال کی عمر مین شرح ملاجامی لکھی، جسے دیکھ کر شاہی عدالت میں سجل نویسی کا عہدہ عنایت ہوا تھا۔ ضخم سے ضخیم کتابین دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک قلم ہے، جس پر کبھی قط نہین لگایا گیا ہے۔

تصنیف و تالیف کے اعتبار سے بھی اِن کا درجہ بہت معزز اور بلند نظر آتا ہے۔ علم طب مین "شفاء الامراض" ایک ایسی نادر و مقبول کتاب تصنیف کی، جو اِس وقت تک طبی دنیا مین ایک خاص شہرت رکھتی ہے اور "ٹیبلک اینڈ طبی کالج دہلی" کے اُردو کورس مین داخل ہے، اور جسکی مدد و مطالعہ سے صدہا لوگ طبیب ہو گئے۔ علاوہ اِس کے "مخزن الادویہ" جو علم الادویہ مین مستند کتاب ہے، "مطلع العلوم"، "کیمیائے عاصی"، "شرح اسباب" وغیرہ کتابون کے اُردو مین ترجمے کئے، جو بارہا چھپ کر شایع ہو چکے ہیں۔ شفاء الامراض کا اصل مسودہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا، اور "مخزن الادویہ کا اصلی اُردو ترجمہ" کتب خانۂ حکیم عبدالحسیب" مین موجود۔

فہرست بُک ڈپو نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۰۱ء، صفحہ ۱۳۰ مین لکھا ہے:- "شفاء الامراض۔ یہ مجموعہ باباب دستور العمل اطبائے بناض و اُستاد معرفت انواع مزاج و اصول اقسام علاج مین بے مثل و نظیر ہے۔ اِس مین کُل مطالبہ طبیہ کو بطور سوال و جواب کے ابواب و فصول مین بیان کیا ہے اور تشریح کے بیان مین تصویر اعضاء بھی دکھا دی ہے۔ امراض سر سے تا قدم کا بیان ہے۔ معہ علاج اور ادویہ مفردہ و مرکبہ کا مذکور ہے اور حمیات و بحران و امراض جلدی و علاج زہرہا کے معدنی و نباتاتی اور کاٹنے جانوران زہردار وغیرہ شرح و

بسط سے بیان کیا ہے، جو فہرست عنوان کتاب سے بخوبی واضح ہوسکتی ہے۔ از تصنیفات حکیم مولوی محمد نور کریم صاحب جنکی اور کتابین اور ترجمے بھی علم طب مین موجود ہین ؎

"از تصنیفات"، "اور کتابین"، "اور ترجمے بھی" کے معنی خیز الفاظ اچھی طرح ثابت کرتے ہین کہ حکیم محمد نور کریم صاحب کئی کتابوں کے مترجم ہونے کے علاوہ متعدد کتابوں کے مصنف و مولف بھی تھے۔ لیکن نہایت تعجب اور افسوس ہے کہ بجز شفا الامراض کے دیگر تصنیفات و تالیفات کا کچھ بھی پتہ نہین چلتا۔

علمی خدمت کے سلسلے مین درس و تدریس، نقول کتب، خوشنویسی، تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ انھین کتب خانہ کا بھی بیحد شوق تھا۔ بہ صرف کثیر اور کوشش و سعئی بلیغ، اور محنت و مشقت سے اس قدر قلمی کتابین بہم پہونچائی تھین کہ غدر کے زمانے مین بہت سے نسخے غارت ہو جانے پر بھی کتابوں کی معقول تعداد باقی رہگئی ہے۔

پابندی کے ساتھ باقاعدہ یادداشت لکھنے کی بھی عادت تھی۔ روز مرہ کے حالات، واقعات، ضروری باتیں مختصراً قلمبند کرتے تھے مرنے کے دو روز پہلے تک یہ مشغلہ برابر جاری رہا۔ اس سے مولانا کی عقلمندی اور دور اندیشی پائی جاتی ہے۔

مولانا کے مشہور تلامذہ میں سے جن کی تعداد بہت زیادہ ہے، بہت کچھ کوشش اور تحقیق کے بعد صرف چند نام دریافت ہوئے ہین، جو حسب ذیل ہین۔ انھین میں بعض انگریزوں کے نام بھی شامل کر دئے گئے ہیں جنکو اردو اور عربی کی تعلیم دی گئی تھی۔

خاص طب کے متعلق (۱) حکیم محمد ابراہیم صاحب جھوائی ٹولہ لکھنؤ (۲) حکیم مظفر حسین خان صاحب لکھنوی (۳) حکیم سید محمد صاحب موہانی۔ طبیب اول شفاخانہ شاہی (۴) مولوی حکیم وکیل احمد صاحب سکندرپوری مصنف نصرۃ المجتہدین (۵) حکیم نواب اعتماد الدین مراد آباد (۶) حکیم مشرف حسین صاحب حیدرآبادی (۷) حکیم مولوی عبدالعزیز صاحب دریابادی (۸) حکیم ابو الحسن صاحب وزیر دربار نواب مرشد آباد۔ **ادب وغیرہ کے متعلق** (۹) شمس العلماء مولوی سید علی صاحب بلگرامی (۱۰) سید حسن صاحب بلگرامی (۱۱) نواب عماد الملک مؤتمن جنگ سید حسین صاحب بلگرامی حیدرآباد مین ابتک بقید حیات (۱۲) شمس العلماء مولوی امجد علی صاحب پروفیسر میور سنٹرل کالج الہ آباد (۱۳) مولوی عبدالقادر صاحب ڈپٹی کلکٹر، دریابادی (۱۴) مولوی اشرف علی صاحب ایم، اے، ہیڈ ماسٹر دیکولہ آباد یونیورسٹی (۱۵) مولوی محمد حسین صاحب دیوان ریاست کھیر گڑھ (ممالک متوسط) (۱۶) منشی حامد حسین صاحب طالب برادر امیر مینائی لکھنوی (۱۷) منشی سعادت حسین صاحب برادر امیر مینائی لکھنوی **صاحبان انگریز** (۱۸) پادری اسٹوور صاحب (۱۹) پادری بیکم صاحب (۲۰) پادری دا صاحب (۲۱) مسٹر ہیس اسسٹنٹ رزیڈنٹ دربار اودھ۔ دیوان متنبی وغیرہ پڑھکر مستفید ہوئے

سنہ ۱۲۲۶-۱۲۷۲ھ مطابق سنہ ۱۸۰۵-۱۸۵۶ء عدالت العالیہ شاہی مین مجلس نویس (تجویز و فیصلہ نویس) رہے ۴۸ سال دربار اودھ سے تعلق رہا۔ نواب سعادت علی خان بہادر کے زمانے سے واجد علی شاہ کے عہد حکومت تک برابر شاہی سرپرستی قائم رہی۔ انتزاع سلطنت کے بعد مسٹر ہیس اسسٹنٹ رزیڈنٹ اودھ کی سفارش سے ۱۰۔ اگست سنہ ۱۸۵۶ء کو بعہدۂ پیشکاری صاحب جوڈیشل کمشنر بہادر ستینا سو روپیہ ماہوار کے مشاہرہ سے مامور ہوئے۔ غدر سنہ ۱۸۵۷ء مین محکمہ مذکور شکست ہو جانے سے علیحدگی ہوگئی۔ اگست سنہ ۱۸۵۸ء سے سنہ ۱۸۶۳ء تک ۵ برس ۵ مہینے بنارس، الہ آباد، غازی پور

مغل سرائے، کلکتہ، بھاگل پور، پٹنہ، مرشد آباد، مونگیر، فیض آباد، جونپور، گورکھپور، کانپور، مرزاپور وغیرہ کے سفر میں گذرے۔ سنہ ۱۸۶۶ء میں جس وقت "کیننگ کالج" (لکھنؤ) کھولا گیا تو عربی کے پروفیسر ہوکر ۲۵ جنوری ۱۸۷۱ء تک اپنے عہدہ کا کام انجام دیا۔ ۲۹ جنوری ۱۸۷۱ء کو حسب الطلب مہاراجہ صاحب لکھنؤ سے بڑودھا کا سفر کیا۔ اپنی جگہ اپنے چھوٹے صاحبزادہ مولوی حکیم محمد عبدالعزیز صاحب کو دلادی۔ بڑودھا پہونچکر حکیم صاحب مہاراجہ کے دربار میں بہ صیغۂ طبابت سو روپیہ ماہوار پر نوکر ہو گئے لیکن، افسوس ہے کہ وہاں بوجہ ضعیفی و ناموافقت آب و ہوا ان کی صحت قائم نہ رہ سکی، اور قریباً آٹھ مہینے ملازمت کرکے ۷۸ برس کی عمر میں وہیں انتقال فرمایا بارہ بجے شب "تکیہ عجبی ترسیدی" میں دفن کیے گئے اولاد میں عبدالکریم، عبداللطیف، عبدالعزیز وفات کی خبر سنکر حضرت طالب لکھنوی نے تاریخ نظم فرمائی:۔

"جناب مولوی نور کریم آہ! + کہ رحمت باد بر روح روانش + بہ ہر علم و ہنر بود کامل + کریم النفس عالی خاندانش + خوشا شیخ مشائخ عبدالرزاق + کہ بانسبہ بود ملجا و مکانش ؛ ز اجدادش اجل بود این خوش انجام + گل تازہ ز باغ بے خزانش + دل او در معقول و منقول ؛ اصول فقہ حکمت بر زبانش + ز فکرش مشکلے ہر مطلب آسان مفصل جملہ مجمل از بیانش + جہان آرا و دریا بود مسکن + کہ خوش شد چون الف از در میانش + شدہ از لکھنؤ سوئے بڑودھا بعزت بر ودور آسمانش + ملازم گشت در فن طبابت + ارسطو علم عالم قدر دانش ؛ در آن بلدہ ہشتم چو گذشت حدابحاد در نصر جانش + نوشتم مصرع تاریخ طالب + بیامرز و خدا وندِ جہانش"۔ اس کے علاوہ دیگر شاعروں نے بھی وفات کی تاریخیں ارشاد فرمائی تھیں، جو بخوف طوالت نظر انداز کی گئیں۔ اس سے مولانا کی اخلاقی وسعت کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ قطعہ مذکور حافظ عبدالرشید صاحب، جو مولانا کے خاندان میں سے ہیں، کی "نوٹ بک" میں اسی طرح غلطیوں سے مملو درج ہے، جس پر لکھتے وقت کچھ توجہ نہیں کی گئی۔ راقم الحروف بھی بجنسہٖ نقل کرنے پر مجبور ہوا۔

مرحوم پابند مذہب، وضعدار، خدا ترس، نہایت نیک سیدھے سادے، بڑے مخیر اور فیاض تھے۔ اخلاقی دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ تمام قرب وجوار کے عزیز و احباب اور بڑے بڑے رئیس و شریف مہمان رہتے تھے کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا، جب روز دو چار مہمان تشریف نہ رکھتے ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ ہمیشہ عسرت سے بسر ہوئی۔ مگر مہمان نوازی میں کبھی کسی قسم کی پہلو تہی نہیں کی، جیتے جی بڑی فراخدلی اور جوش مسرت کے ساتھ مہمانوں کی خدمت گذار رہے اپنے ہم وطنوں کا بہت خیال رکھتے اور دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر طرح اعانت کے لئے تیار رہتے تھے بہت سے لوگوں کو سفارش کراکے نوکر رکھا دیا۔ ہندو مسلمان سب سے اتحاد قائم تھا۔ رنج کے خوگر، محنت و مشقت کے عادی تھے۔ دل میں صبر و استقلال تھا۔ طبیعت قانع تھی۔

مسٹر ہیس اسسٹنٹ رزیڈنٹ سلطنتِ اودھ شاگرد ہونے کی وجہ سے بہت ادب اور تعظیم کے ساتھ پیش آتے، نواب علی نقی خان بہادر، نواب امین الدولہ بہادر وغیرہ (وزراء سلطنتِ اودھ) مولوی سبحان علی خان صاحب وکیل سرکار وغیرہ بھی لحاظ کرتے تھے۔ منشی نول کشور صاحب سی۔ آئی۔ ای رئیس و مالکِ مطبع اودھ اخبار لکھنؤ

بڑے قدر دان تھے۔ کئی ضخیم نسخے عربی و فارسی کے ترجمے کرائے اور معقول معاوضہ دیا۔ مولانا محمد نعیم صاحب و مولوی نفیر اللہ صاحب وغیرہ علمائے فرنگی محل، افضل الدولہ دبیر الملک منشی مظفر علی خان صاحب تخلص اسیر لکھنوی منشی غلام حسین صاحب قدر بلگرامی پروفیسر کیننگ کالج لکھنؤ کے علاوہ معززین و روسائے لکھنؤ سے بھی خاص دوستانہ مراسم تھے۔ لکھنؤ کی سلطنت آصفی دور سے واجد علی شاہی تک رزیڈنٹی کے ماتحت رہی۔ کوئی حکمران رزیڈنٹ بہادر کے خلاف کچھ نہ کرسکتا تھا، اور اسسٹنٹ رزیڈنٹ بہادر مولانا کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اِس سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ مولانا کا دربارِ شاہی میں کیسا وقار رہا ہوگا؟

ایک شاہی پروانہ سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ مان سنگھ بہادر قائم جنگ بھی حکیم صاحب کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے، اور کچھ آراضی بطور معافی پہلے سے اِن کے نام تھی۔ جب محمد علی شاہی دور ختم ہوا۔ امجد علی شاہ تخت نشین ہوئے تو بار ستوت حور مطلب کی دھن میں "ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت + رفت منزل بدیگرے پرداخت" کا راگ الاپتے ہوئے نئی سند کی پخ لگاکر کاغذی گھوڑے دوڑانے لگے لیکن راجہ صاحب کی مہربانی سے کسی کے کچھ بنائے نہ بنی سب اپنا سا منھ لیکے رہ گئے نقل پروانہ حسبِ ذیل ہے۔

"پروانہ بنام تحصیلدار سورجپور بمہر سید ذاکر حسین چکلہ دار۔ برادر عزیز از جان گرامی مثل سعادت و اقبال نشان میر ساحت حسین تحصیلدار سورجپور دکھنیا حفظ آلہی باشند۔ بعد دعوت ترقی عمر و درجات مطالع باد بموجب پروانگی راجہ صاحب خداوند نعمت راجہ مان سنگھ بہادر دام اقبالہ قلمی میگردد بہر قدر آراضی معافی قدیم در موضع دواہدی پور علاقہ متعلقہ ضلع سورجپور بنام مولوی نور کریم صاحب از مخدوم زادگان دریاآباد اند مقرر است یافتہ آمدہ اند لہٰذا درسالہال نیز آراضی مذکورہ مزاحم و متعرض نشوند و آئندہ ہم سند جدید طلب نداشتہ مزاحمت نساز ند دریں باب تاکید مزید و قدغن بلیغ دانستہ حسب مسطور بعمل آرند المرقوم بست و دویم ذیقعدہ سنہ ۱۲۶۱ ہجری"۔ یہ پروانہ شاہی زمانے کی باضابطہ نقل ہے، جو حافظ عبدالرشید صاحب کے پاس موجود ہے۔

فخرِ وطن مولانا محمد نور کریم صاحب کو دربارِ شاہی میں اچھا رسوخ حاصل تھا، رزیڈنٹ بہادر تک خاص طور پر ذاتی رسائی تھی، اراکینِ سلطنت اور معززین و مصاحبینِ سلطانی مہربان تھے۔ اس لئے اگر یہ ذرا بھی خواہش کرتے تو کسی بڑے عہدہ پر ممتاز ہو جاتے۔ لیکن، انھوں نے کبھی اسکی پروانہ کی۔ کیوں؟ اِس لئے کہ اِن کی طبیعت قدرتاً درس و تدریس، تصنیف و تالیف وغیرہ علمی خدمت پر مائل تھی۔ سجل نویسی کے علاوہ اور کسی عہدہ کے فرائض کو اچھی طرح انجام نہ دے سکتے تھے۔ ایسی حالت میں عہدہ قبول کرنا مذہباً جائز نہ تھا اور مولانا آئین مذہب کے سخت پابند تھے۔

شاہی دفتر کے معمولی متصدی بھی ہر سال ہزاروں روپیہ پیدا کرکے عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے تھے اور مولانا عدالت العالیہ کے سجل نویس (رجسٹرار منٹ رائیٹر) تھے، جہاں بالائی آمدنی کی کوئی انتہا ہی نہ تھی۔ لیکن مولانا کوئی شان و شوکت نہ پیدا کرسکے۔ اِن کے نزدیک اِس قسم کی آمدنی حرام تھی اور احکام آلہی کے خلاف۔ اس سے مولانا کی روشن خیالی اور فطری نیک نیتی کا اظہار ہوتا ہے۔ اِن حالات کے لکھنے میں اکثر مولانا محمد نور کریم صاحب کی کتاب

یادداشت[۵] سے مدد کی گئی ہے۔ (مخدوم زادگان)۔

پروفیسر حکیم مولوی عبدالعزیز صاحب

فخرِ وطن حکیم مولانا محمد نورکریم صاحب کے فرزند سوم، بڑے نامی گرامی کامل طبیب، فارسی وعربی کے قابل ادیب، اُردو سے بھی خوب آگاہ اور اچھے علمی خادم، اپنے والد کے لائق تعریف طرزِ عمل کے خاص مُقلّد، صاحبِ تصنیف وتالیف ومترجم - ولادت ۱۷۔ ذیقعدہ سنہ ۱۲۶۱ھ مطابق ۸ نومبر سنہ ۱۸۴۵ء یوم چہارشنبہ، وفات ۲۱ جمادی الثانی سنہ ۱۳۱۴ھ مطابق ۲۷ نومبر سنہ ۱۸۹۶ء

فارسی وعربی کی تعلیم اپنے والد اور دیگر نامور علمائے فرنگی محل (لکھنؤ) سے پائی۔ کتب طبیّہ خاص اپنے والد سے پڑھیں مطب کے معلومات حکیم مظفر حسین خان صاحب لکھنوی وحکیم ابراہیم صاحب (جھوائی ٹولہ لکھنؤ) سے حاصل کئے۔ حکیم ابراہیم صاحب اُس زمانے مین ہز ہائینس نواب کلب علیخان بہادر بالقابہ والئی رامپور کے علاج کی غرض سے رامپور مین تشریف رکھتے تھے اِس لئے حکیم صاحب کو وہان جانا پڑا۔ کتابِ یادداشتِ مولانا محمد نورکریم صاحب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر ۳۰ مارچ سنہ ۱۸۶۸ء کو ہوا تھا۔

جب حکیم محمد نورکریم صاحب نے ریاست بڑودہ مین ملازمت اختیار کرلی، تو اُنکی جگہ پر عبدالعزیز صاحب (فروری سنہ ۱۸۷۱ء) کیننگ کالج لکھنؤ مین بعہدہ پروفیسری (عربی وفارسی کے متعلق) مقرر ہوگئے، ساتھ ہی اس کے لکھنؤ مین مستقل طور پر مطب بھی جاری کردیا اور علم طب کی تعلیم بھی علماً وعملاً دینے لگے۔ تازندگی نہایت قابلیت سے ہر ایک کام انجام دیتے رہے۔

حکیم صاحب لکھنؤ مین حاذق طبیب اور قابل اوستاد سمجھے جاتے تھے۔ اُس وقت چند ہی اطبا اُنکی ہمسری کا دعویٰ کرسکتے تھے۔ حُمیات کے علاج مین یدِطولیٰ رکھتے تھے اور خوب مشق بہم پہونچائی تھی۔ دِق اور سِل کے مریضون کی نبّاضی مین خاص دخل تھا۔ ذیابیطس کا علاج بھی معمولی اور خاص طریقہ سے کرتے تھے جس مین اچھی کامیابی ہوئی تھی۔ نسخہ مختصر چند جزو کا ہوتا تھا طویل نسخے ناپسند تھے۔

اپنے والد کی طرح اِنھون نے بھی طب وغیرہ علوم کے پڑھانے مین بہت فیاضی سے کام لیا۔ صدہا طالب علم حکیم بن گئے، سیکڑون شاگرد ہندوستان کے مختلف حصّون مین کامیابی سے مطب کرنے لگے، پچاسون طلبا فارسی وعربی کے لائق ادیب ہوگئے۔ خاص خاص شاگردون مین سے چند صاحبون کے نام حسبِ ذیل ہین۔

طِب کے متعلق (۱) حکیم محمد علی صاحب طبیب ہردوئی، ایڈیٹر مرقعِ عالم ومشہور ناولسٹ (۲) حکیم مولانا محمد اطہر علی صاحب دہلوی (۳) حکیم ظہور الحسن صاحب سندیلہ (۴) حکیم سیّد خورشید علی صاحب لکھنوی (۵) حکیم صفدر علی صاحب ساکن گدیہ، بارہ بنکی، مطب بہرائچ (۶) حکیم محمد زبیر صاحب بدایون (۷) حکیم سیّد حسین صاحب مراد آباد (۸) حکیم محمد حیات صاحب، بہار، مطب کانپور (۹) حکیم محمد عبدالحسیب صاحب دریابادی (۱۰) حکیم عبدالغنی

---

[۵] یہ کتاب کتب خانۂ عبدالحسیب میں بمقام دریاباد موجود ہے ۱۲۔

صاحب غازی پوری (۱۱) حکیم امجد علی صاحب سترکھی، بارہ بنکی (۱۲) حکیم بسا و صاحب جائیسی، رائے بریلی علم ادب کے متعلق (۱۳) سید ظہور احمد صاحب وکیل ہائی کورٹ (۱۴) منشی امتیاز علی صاحب وکیل فیض آباد (۱۵) بابو بلدیو پرشاد صاحب وکیل فیض آباد (۱۶) بابو اجیت پرشاد صاحب گورنمنٹ پلیڈر (۱۷) شمس العلما مولوی محمد عبد المجید صاحب فرنگی محلی (لکھنؤ) (۱۸) مولوی محمد نسیم صاحب ایڈوکیٹ، لکھنؤ (۱۹) بابو بنّا لال صاحب لکھنوی وکیل بارہ بنکی (۲۰) حاجی قربان احمد صاحب وکیل بارہ بنکی (۲۱) منشی سجاد حسین صاحب وکیل بارہ بنکی (۲۲) مرزا محمد عسکری صاحب بی۔ اے سکریٹری انجمن اردو لکھنؤ (۲۳) منشی سجاد حسین صاحب کاکوروی، ایڈیٹر اودھ پنچ لکھنؤ (۲۴) ابو حوالا پرشاد صاحب برق جج خفیفہ لکھنؤ، مشہور نامہ نگار اودھ پنچ اور قابل ناولسٹ (۲۵) پنڈت تربھون ناتھ ہجر، خاص نامہ نگار اودھ پنچ (۲۶) ڈاکٹر ہری گوپال چٹرجی سول سرجن بنارس (۲۷) نواب محمد عظیم خان صاحب ڈپٹی کلکٹر (۲۸) پنڈت سورج نارائن سب جج (۲۹) سید شہنشاہ حسین صاحب رضوی وکیل لکھنؤ (۳۰) مرزا محمد سمیع صاحب ڈپٹی کلکٹر (۳۱) عبد الرافع صاحب ڈپٹی کلکٹر (۳۲) پنڈت سیتلا پرشاد جج وغیرہ۔

مولانا محمد نور کریم صاحب کی کتاب یادداشت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہنڈفورڈ صاحب (ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم ممالک مغربی و شمالی اودھ) بھی مولوی عبد العزیز صاحب کے شاگرد تھے جنھوں نے ۲۰۔ اگست ۱۸۶۹ء کو لکھنؤ میں سبق شروع کیا تھا۔ غالباً عربی یا فارسی و اردو پڑھی ہوگی۔

عبد العزیز صاحب لکھنؤ کے علاوہ شاہجہان پور، بنارس، الہ آباد، کھیری، باندہ وغیرہ دور دور مقامات پر علاج کرنے کے لیے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ راجہ گوکل داس گوپال داس صاحب کے علاج کے واسطے جبل پور بھی گئے تھے اور انھیں صحت ہوگئی تھی۔ سنا جاتا ہے کہ ایک دفعہ مہاراجہ بنارس کے یہاں بھی جانا ہوا تھا اور وہ بھی اچھے ہوگئے تھے۔

قاضی اکرام اللہ صاحب تعلقدار سرکہ، چودھری طالب علی صاحب تعلقدار کرسی، رائے مہراج بلی صاحب و رائے نارائن بلی صاحب تعلقدار دریاباد، راجہ پرتھی پال سنگھ صاحب تعلقدار سورجپور، چودھری محمد عظیم صاحب تعلقدار سندیلہ، مولوی غلام مجتبیٰ صاحب وکیل ہائی کورٹ الہ آباد، علمائے فرنگی محل لکھنؤ وغیرہ حکیم صاحب کے علاج کے خاص معتقد تھے، ہمیشہ انھیں کا علاج کرتے رہے۔

بلا ناغہ ہر اتوار کو اپنے وطن دریاباد جاتے اور غربا و شرفا وغیرہ کا علاج بڑی شفقت و دلسوزی سے کرتے تھے۔ اس وضعداری میں کسی نقصان کی پروا نہیں کی اور نہ کبھی فرق آنے پایا۔ بستی میں کبھی کسی سے نہ فیس لی نہ بعد صحت علاج کا معاوضہ لینا پسند فرمایا۔ اس سے حکیم صاحب کی حب الوطنی اور وطن پرستی کا خوب اظہار ہوتا ہے۔

پروفیسر اور طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ مولوی صاحب مصنف و مولف بھی تھے اور مترجم بھی۔ علم طب کے متعلق میزان الادویہ بزبانِ اردو تصنیف کی، جو استخراجِ مزاج ادویہ میں بہترین کتاب ہے۔ میزان الطب اور تحفہ اثنا عشریہ کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اِن کتابوں میں سے آخری کتاب ابتک غیر مطبوعہ ہے۔ رقعات بیدل، سہ نثر ظہوری،

سکندر نامہ، رقعاتِ عالمگیری کے بعض حصص (کتابی صورت میں داخلۂ کورس ایف، اے، بی، اے، ایم۔ اے) کی شرح اُردو میں لکھی۔جو کئی مرتبہ مطبع تیغ بہادر و نول کشور پریس میں چھپ کر شائع ہوئی۔اکثر الہ آباد یونیورسٹی کے ممتحن بھی ہوئے اور عمدہ پرچے تیار کرکے نام پیدا کیا۔ اس سے حکیم صاحب کی ادبی خدمت اور اُردو قابلیت بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔

کتابوں سے بھی دلچسپی تھی۔اپنے آبائی کتب خانہ میں بہت سی کتابوں کا اضافہ کیا اور کتب خانہ کو درست حالت میں رکھا۔ہر سال کتابوں کی جلد بندی وغیرہ میں روپیہ صرف کرتے رہے۔

لکھنؤ میں مرزا محمد عبّاس صاحب رئیس، ڈپٹی خداداد بیگ صاحب، بابو باسدیو لال صاحب ایڈوکیٹ ؔ، آنریبل بابو گنگا پرشاد صاحب ورما ممبر کونسل ممالک متحدہ و اودھ، ایڈیٹر اخبار ہندوستانی و ایڈوکیٹ، مفتی امیر احمد صاحب امیر مینائی سے خاص دوستانہ مراسم تھے۔

مولوی صاحب پابند مذہب، عام طور پر نہایت خلیق، مروت دار، نیک دل، نفیس مزاج، غیر متعصب، خوش وضع، خوش لہجہ، خوش رفتار، جناب حاجی حافظ شاہ غلام جیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانسوی کے مُرید۔لباس نہایت صاف ستھرا پسند تھا۔پان نفاست آمیز طریقہ سے بنے ہوئے استعمال کرتے تھے۔طبیعت عجز و انکسار اور قناعت کی جانب رجوع تھی۔نخوت و طمع سے قطعی احتراز تھا۔غریبوں کی امداد میں حصّہ لیتے، ضرورت کے وقت کوشش و پیروی اور سعی و سفارش سے کام نکال دیتے تھے۔عزیز و اقارب اور خاندان والوں سے نہایت اچھا برتاؤ تھا۔اکثر اپنے اعزا کو ذاتی صرف سے تعلیم دلوائی، اور ہر طرح کی دستگیری کی۔اپنے خاص خاندان میں اتحاد و اتفاق کے عملی طور سے حامی رہے، جیتے جی خاندانی شیرازہ کو منتشر ہونے دیا۔

لانبا قد، گورا رنگ، کشادہ پیشانی، گول زیدن، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، خمیدہ ابرو، مانگ وار زلفیں، سر کے بال گھنے، سُرخ و نازک لب، گول چہرہ، خوبصورت، فراخ سینہ، ہاتھ پانوں سڈول اور مضبوط، دراز گردن، جامہ زیب۔ اکثر جامدانی اور کبھی کبھی عمدہ تنزیب یا شربتی کا چوڑی گوٹ والا انگرکھا، نیچے جالی کا شلوکہ، جھالٹین یا مین سکھ کا چوڑے پائنچے والا پائجامہ، جامدانی کی دو پلڑی ٹوپی، دلی وال یا امرتسری جوتا، کبھی کبھی مرلا کے کا کبوتر دار سیاہ بوٹ بھی۔ جاڑوں میں عمدہ چھینٹ یا آنوا (بانات کا مشہور اور نفیس کپڑا) کا اٹوکیا ہوا دگلا، نیچے چھینٹ یا فلالین کا شلوکہ، جامہ وار کی چوگوشیہ ٹوپی، شالی رومال استعمال کرتے تھے۔

نہایت افسوس ہے کہ حکیم صاحب جن امراض کے علاج سے بخوبی واقف تھے، وہی موت کا باعث ثابت ہوئے یعنی بعارضہ ذیابیطس و سِل ۵۲ سال کی عمر میں وفات پائی، اپنے قبرستان میں دفن ہوئے۔اولاد میں دو لڑکیاں بڑی صاحبزادی کی شادی شیخ محمد نعیم الزمان صاحب رئیس سندیلہ کے ساتھ ہوئی اور چھوٹی حکیم مولوی عبدالحسیب صاحب (پروفیسر صاحب کے برادر زادہ بھتیجے) کو بیاہی گئی۔

ؔ بابو صاحب مولوی عبدالعزیز صاحب کے ناموں شاگردوں میں تھے غلطی سے ان کا نام یہاں درج ہو گیا، ناظرین معاف فرمائیں ۱۲

انتقال کی خبر پاکر مسٹر وائیٹ صاحب پرنسپل کیننگ کالج لکھنؤ کو بہت افسوس ہوا اور ایک دن کے لئے کالج بند کر دیا گیا۔ حضرت امیر مینائی مرحوم و مغفور نے تاریخ ارشاد فرمائی جو لوح مزار پر کندہ ہے۔

قطعہ تاریخ وفات "ز دنیا سفر کرد عبد العزیز + بجنت بقائے عزیز و حکیم + امید است از حق کہ او تنعم نماید بخلد نعیم + خدا غرق دریائے رحمت کند + طفیل محمد رسول کریم + مسخر بُدے خلق از خلق او + کہ بُد حاجت نیض و خُلق عمیم + وجیہ و فقیہ و حسین و متین + ولش پاک از عیب طبعش سلیم + طبیب و شفیق از جہان رفت شد شدہ جانت دو ستانش نقیم + سر تربتش نقش کن اے امیر + خلیق و وحید و کریم و رحیم" + یہ تاریخ اسی طرح مشکوک اور غلط حافظ عبد الرشید صاحب دریابادی کی کتاب یادداشت مین درج ہے۔

مرحوم نے اپنی بڑی بیٹی کی شادی مین بڑی اُولالعزمی اور بلند حوصلگی سے کام لیا تھا۔ اِس تقریب مین لکھنؤ و دریاباد کے قرب و جوار کے شرفا، اور زمینداروں کے علاوہ تعلقدار صاحب سترکھ، رائے صاحب تعلقدار دریاباد، راجہ صاحب ہڑہا، چودھری محمد عظیم صاحب و چودھری نصرت علی صاحب (تعلقداران سندیلہ) شیخ صمصام علی صاحب تعلقدار گنڈارا، چودھری صاحب تعلقدار بروی، چودھری خلیل الرحمن صاحب تعلقدار رُدولی (بارہ بنکی) وغیرہ شریک ہوئے تھے شمس العلما، مولانا محمد نعیم صاحب و مولوی عبد الوہاب صاحب (فرنگی محل لکھنؤ) بھی تشریف لائے تھے۔ کھانا بہت پر تکلف، امیرانہ، اور انتظام نہایت معقول، بارگاہ خوب آراستہ تھا۔ (مخدوم زادگان)۔

ڈاکٹر خدا بخش صاحب

شیخ، سنی المذہب، انگریزی فوج مین رسالہ کے ڈاکٹر تھے، انگریزی پڑھے تھے، روزہ و نماز کے پابند، عقیدے کے مضبوط، مخیر بھی تھے۔ غریبون اور محتاجون کو اکثر کچھ نقد وغیرہ اپنی حیثیت کے مطابق دیا کرتے تھے، علاوہ اس کے ہر سال محرم کے زمانے مین دریاباد آکر عشرہ کے دن شربت کی سبیل کربلا والی سڑک پر جاری کرتے تھے۔ موچیون کی مسجد کا پختہ حلقہ بھی انھین کی مذہبی خدمت اور خوش اعتقادی کی قابل تعریف یادگار رہے۔

ان کے باپ دادے پُر قصاب تھے لیکن انھون نے ذاتی طور پر پڑھ لکھ کر اپنا آبائی پیشہ ترک کر دیا اور اپنی فطری ذہانت اور علمیت کی بنا پر ڈاکٹری کا معزز عہدہ حاصل کیا جو زندگی بھر برقرار رہا۔

یہ پہلے لکھنؤ مین تعینات تھے۔ بعد کو فیض آباد تبدیل ہو گئے تھے۔ ردناہی کے مقام پر گھوڑے سے گر کر ۱۹۰ء مین فوت ہوئے۔ تخمیناً ساٹھ ستر سال کی عمر پائی۔ نہایت خلیق الملنسار منکسر المزاج تھے، ڈاکٹری کا غرور ذرا بھی نہ تھا لوگون سے بہت اچھی طرح ملتے تھے۔ اپنی غریبی، اپنی اگلی حیثیت کو بھولے نہ تھے۔ اولاد مین مصاحب، امجد، بابو، واجد چار لڑکے اور دو لڑکیاں۔ یہ چارون لڑکے آوارہ مزاج تھے، جو باپ کے مرنے کے دس بارہ برس بعد آبائی مکان وغیرہ

۵ نقشہ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ مرتبہ پنڈت گردھر لال (بجولی، الہ آباد) سے ثابت ہوتا ہے کہ ضلع بستی مین ردولی کے نام سے ایک دوسرا مشہور مقام بھی ہے۔ یہ نقشہ مدرسہ جیول (بارہ بنکی) مین موجود ہے ۱۲۔

فروخت کر کے کلکتہ چلدئے - خدابخش کی قبر محلہ لب سڑک موچیوں کی مسجد سے متصل شمال رویہ موجود -

حاجی ڈاکٹر محمد سلیم صاحب

فرزند اصغر مولوی عبدالرحیم صاحب مرحوم، فن ڈاکٹری سے اچھی طرح واقف، حب الوطنی مین قابل ذکر، ولادت غالباً ۱۸۹۸ء، وفات ۱۸- اگست ۱۹۳۳ء-

فارسی کی تعلیم مکان پر پائی - ہردوئی، لکھنؤ، گورکھپور، فیض آباد اور سیتاپور کے ہائی اسکول مین انگریزی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا پھر آگرہ میڈیکل اسکول مین داخل ہوکر ڈاکٹری کا علم حاصل کیا - اضلاع علی گڈھ و بریلی وغیرہ مین سرکاری خدمات نیک نامی سے انجام دیئے - جنگ کے زمانے مین فوج کے ساتھ مختلف مقامات پر کام کیا - دو برس سے اپنے وطن دریاباد مین تعینات تھے - ایک سو ساٹھ روپیہ ماہوار تنخواہ تھی - خدا نے دست شفا عطا فرمایا تھا - مریض جلد صحت یاب ہوجاتے تھے - مریضون کا علاج بہت توجہ سے کرتے تھے - کچھ عرصے سے ان کی صحت خراب رہا کرتی تھی مگر اپنے فرائض میں اس قدر منہمک رہا کرتے تھے کہ علاج کی جانب مطلق خیال نہ ہوا شروع جون ۳۳ء سے تپ کا لزوم ہوگیا - آخر جون مین علاج کی غرض سے لکھنؤ تشریف لیگئے، وہان اطبّا اور ڈاکٹرون نے سل اور دق تجویز کیا - پیشتر حکیم عبدالحمید صاحب اور حکیم عبدالمجید صاحب (جھوائی ٹولہ) کا علاج رہا، بعد مین ڈاکٹر حفیظ اللہ اور ڈاکٹر ہگو کی جانب رجوع کیا گیا - مگر افسوس ہے کہ کوئی دنیاوی تدبیر و ترکیب بارآور نہ ہوئی - عین شباب مین ڈاکٹر صاحب نے بمقام گولہ گنج لاولد وفات پائی اور محلہ رکاب گنج، باغ ملّا انوار مین سپرد خاک کئے گئے -

مرحوم نہایت نیک، ظریف الطبع، خوش اخلاق، خندان پیشانی، ہردل عزیز، غیر متعصب، جامہ زیب، مُروّت دار، خوبصورت، خوش پوشاک اور مذہب کے معتقد تھے ۱۹۱۲ء میں حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا تھا -

ڈاکٹر صاحب اُلوالعزم بھی تھے جس وقت ان کے چچازاد بھائی مولوی عبدالمجید صاحب ڈپٹی کلکٹر پختہ کوٹھی بنوانے پر آمادہ ہوئے تو، انھون نے بھی اُس کی تیاری مین کثیر رقم خرچ کی تھی اور اس طرح وہ ایک شاندار عمارت بہت جلد تعمیر ہوگئی - سگریٹ کے بہت بڑے شوقین تھے - دس بارہ بکس روزانہ پیڈرو سگریٹ کے پی ڈالتے تھے - بعض بزرگون کا بیان ہے کہ اس شوق نے بھی ڈاکٹر صاحب کی صحت پر خراب اثر ڈالا تھا - (مخدوم زادگان) -

چھٹی فصل وکیلون کے بیان مین

مولوی مظفر کریم صاحب

شیخ، حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کے فرزند سوم، از اولاد حضرت مخدوم آبکش دریابادی، باندہ کے وکیلون مین نامی گرامی وکیل، ذی استعداد، فن پتنگ بازی مین ماہر علی اِشاق - کھینچ کر پتنگ خوب لڑاتے تھے - پندرہ بیس برس کے

سن تک انھین پتنگ کا شوق رہا۔ یہ شوق لکھنؤ مین پیدا ہوا تھا اور وہین پر ختم ہوگیا۔
شیخ صاحب لکھنؤ مین کیننگ کالج اور بیرونی طور پر عربی و فارسی علوم سے فیضیاب ہوکر بنارس کی کلکٹری مین نقل نویس ہوئے اور اسی سلسلہ مین قانونی قابلیت بہم پہونچا کر وکالت کے امتحان مین کامیاب ہونے کے بعد انھون نے باندہ مین وکالت شروع کی اور تھوڑے ہی دنون مین اپنی فطری دانائی کے زور سے شہرتِ عوام کی سند حاصل کرلی یہ اگرچہ اردو دان وکیل تھے۔ مگر آمدنی چار سو روپیہ ماہوار سے کم نہ تھی۔ وکالت مین انھون نے دولت کثیر پیدا کی۔ خاص باندہ مین ایک بہت بڑا پختہ مکان محلہ ... مین حاصل کیا اور ایک موضع خرید کیا۔ لیکن کچھ دنون کے بعد موضع ۱۹۲۰ء مین ۱۹ ہزار روپیے کو فروخت کر ڈالا۔
مولوی صاحب ذی علم اور نامی وکیل ہونے کے علاوہ بزلہ سنج، خوش اخلاق اور فیاض بھی تھے۔ باندہ سے محتاجون کو اکثر دس بارہ مرزائیان اور احباب کے لیئے تحفۂ چالیس بچاس گز انگوا کپڑا (تحفۂ باندہ) جب تک یان تیار ہوتا رہا، ہر سال دریاباد بھیجتے رہے۔ اِن کے وطنی احباب کا حلقہ کچھ کم وسیع نہ تھا۔ لالہ پرمیشر دیال صاحب، لالہ دیبی دین صاحب، لالہ شنکر لال صاحب کمال، منشی منڈی لال صاحب ہیڈ ماسٹر، منشی ماتا پرشاد صاحب وکیل، لالہ بدری پرشاد صاحب (راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے پوتے) وغیرہ خاص دوستون مین تھے۔ عرصہ تیس برس سے بسلسلۂ وکالت باندہ مین سکونت پذیر تھے، مگر وطن سے قطع تعلق نہین ہوا۔ دو منزلہ پختہ مکان، آبائی زمینداری بدستور تاحال قایم و موجود ہے جس پر اِن کے بیٹے قابض۔ جولائی ۱۹۲۰ء مین انھون نے انتقال فرمایا۔ ۷۰ سال کی عمر نصیب ہوئی۔ اولاد مین تفضل کریم انٹرنس پاس، سب جج باندہ مین الحمد، چالیس روپیہ مشاہرہ؛ تجمل کریم بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی۔ باندہ مین وکالت پر مائل۔ (مخدوم زادگان)

منشی ماتا پرشاد صاحب

شری واستو یہ دوسرے کائستھ، چھتری ورن، منشی منڈی لال صاحب کے اکلوتے بیٹے، مشہور وکیل، فارسی و انگریزی مین صاحبِ لیاقت۔ ولادت جون ۱۸۵۰ء، وفات ۲۹۔ جون ۱۹۱۱ء۔
ان کے بزرگ دیورلئے اور اُدے راج سانڈی کے چودھری اور قصبۂ صدرپور محلّہ کھروال کے خوشباش تھے، جن کی نسل مین فتح چند صاحب نواب نجف خان بہادر صوبہ دار الہ آباد (بہ عہدِ نواب آصف الدولہ بہادر) کی سرکار مین دیوان پیشکار تھے اور دیبی داس صاحب بسوان و باڑی کی ٹھیکداری پر ممتاز تھے، جنھون نے ملازمت کے سلسلے مین اپنا آبائی وطن ترک کرکے بسوان باڑی کی سکونت اختیار کرلی تھی۔ دیبی داس صاحب کی اولاد مین لالہ ہمت بہادر کی شادی محرانِ دریاباد کے خاندان مین لالہ بیچے لال صاحب کی بیٹی کے ساتھ ہوئی۔ بیچے لال صاحب کی وفات پر لالہ ہمت بہادر صاحب کے لڑکے لالہ رادھے کرشن صاحب نانہالی جائیداد (زمینداری موضع سرولی و مکان وغیرہ)۔ کے مالک ہوکر دریاباد مین سکونت پذیر ہوئے، جو منشی ماتا پرشاد کے دادا، اور منشی منڈی لال صاحب کے والد تھے۔

تھے۔ (از پشت نامہ بسنت رائے بزرگوار منشی ہنڈی لال صاحب مرحوم۔ یہ پشت نامہ بابو کالکا پرشاد صاحب عرف دُلارے کے پاس موجود)۔

مولوی بشارت علی صاحب قدیم (دریابادی) سے فارسی کی تعلیم پائی فیض آباد ہائی اسکول مین انٹرنس پاس کیا، اور ایف۔ اے تک قابلیت پیدا کی۔ ۲۵ برس کی عمر مین ملازمت کر کے فیض آباد اکبرپور وغیرہ اسکولون مین (مشاہرہ پچاس روپیہ) تعلیم دیتے رہے۔ اسی سلسلہ مین ذاتی محنت و مشقت سے سند وکالت بھی حاصل کر لی۔ سہلے ہی ملازمت سے استعفا دیکر تحصیل سنہی گھاٹ کی منصفی مین وکالت شروع کر دی تھی [illegible]ء مین منصفی سنہی گھاٹ بارہ بنکی منتقل ہوئی تو پیشۂ وکالت کو خیرباد کہہ کر خانہ نشینی اختیار کر لی بارہ بنکی جانا اور وہان قیام کرنا انھین پسند نہ آیا۔

منشی صاحب قانون مین لکھنؤ کے نامی گرامی وکیل منشی کالی پرشاد صاحب مرحوم کُل ہند کاسکر (بانی کائستھ پاٹھ شالہ الٰہ آباد) کے شاگرد تھے۔ وکالت مین اچھی خاصی قابلیت رکھتے تھے منصفی سنہی گھاٹ کے وکیلون مین ان کا مد مقابل کوئی نہ تھا۔ یہ کم سخن تھے، لمبے چوڑے بیان کو ایک دو جملون مین حاکم کو سمجھا دیتے تھے۔ تقریر کے علاوہ تحریر مین بھی اختصار پسند تھے۔ دغا، مکر، وغیرہ بُری عادتون سے قدرتی طور پر متنفر تھے۔ مؤکل کو بہت خوش رکھتے تھے اور بجائے لوٹنے کی فکر کے کم خرچ مین اُس کے تمام معاملات طے کرا دینے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی وجوہات تھے جو ان کی شہرت ہو گئی تھی اور لوگ انھین کو حتی المقدور اپنا وکیل بناتے تھے۔

یہ مذہب کے پکے پابند تھے، دونون وقت پوجا پاٹ کرتے تھے۔ ایک پنڈت ہمیشہ ان کے پاس نوکر رہا، جسکے ذریعہ سے روزمرہ مذہبی فرائض انجام پاتے تھے۔ قومی کامون مین بھی انھین دلچسپی تھی۔ پہلے پہل ۱۸۸۵ء مین جب دریاباد مین رائے مہا دیو بلی صاحب نے "کائستھ سبھا" قایم کی تھی اور اُس کے متعلق زبردست جلسہ منعقد ہوا تھا، تو اُس وقت انھون نے نہ صرف شریک جلسہ ہو کر اپنی پرزور اور مؤثر تقریرون سے حاضرین کو خوش کر دیا تھا، بلکہ "سبھا" کے کامیاب بنانے مین بحیثیت سکریٹری کے عملی حصہ بھی لیا تھا۔

ان مین تعصب نام کو نہ تھا، ہندو مسلمان سب کو یکسان مانتے تھے۔ اپنے مذہب کے دلی خیرخواہ تھے، لیکن، دوسرے مذاہب کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ہر کس و ناکس سے اچھی طرح پیش آتے تھے، ادنیٰ آدمی کو بھی ذلیل نہین سمجھتے تھے انکسار بہت تھا۔ اپنے ہم وطنون کا یہان تک ادب کرتے تھے کہ بستی کے اندر تا زیست کبھی کسی سواری پر سوار نہین ہوئے منصفی سنہی گھاٹ کی آمد و رفت مین ہمیشہ اپنے مکان سے کودی کے کنوئین تک برابر پیدل آیا جایا کئے۔ ان کے خاص دوستون مین لالہ پریشر دیال صاحب، لالہ شنکر لال صاحب کمال، مولوی مظفر کریم صاحب وکیل مشہور تھے۔

کُتب بینی کا بھی ان کو شوق تھا۔ مگر، زیادہ تر مذہبی کتابین پسند تھین۔ تلسی کرت رامائین، منو اسمرتی، اور جاگیہ ولک اسمرتی کے اُردو ترجمے مرغوب الطبع تھے۔

بزرگون کے بقائے نام کا بھی انھین بڑا خیال تھا۔ چنانچہ انھون نے قدیم مکان کو از سر نو درست کرا کر ایک پختہ

خوبصورت مکان کی شکل مین منتقل کرکے آبا و اجداد کا نام زندہ کردیا جس سے ان کی کسی قدر اُولوالعزمی بھی پائی جاتی ہے تخمیناً ۶۰ سال کی عمر مین اِن کا انتقال ہوا۔ گندم رنگ، متوسط قد، دوہرہ بدن، موٹے تازے، ہاتھ پاؤن سڈول، عمدہ مونچھین، نفیس خشخشی داڑھی، سر پر چھوٹے چھوٹے سیاہ بال، بابری حجامت، آبائی وضع۔ انگرکھا یا پُرانے چال کی اچکن (ایجاد نصیر الدین حیدر بادشاہ) کُرتا، بڑے پائینچے والا پائیجامہ، گول ٹوپی یا صافہ، دیسی سیاہ بوٹ (مکسوٹ دار) عدالت مین حاضری کے وقت یا تقریبون مین اور گھر پر روزمرّہ مین سکھ کی دھوتی، دو پلڑی ٹوپی، کُرتا پہنتے تھے۔ اکثر قیمتی پوشاک بھی موسم کے لحاظ سے استعمال کرتے تھے۔ اولاد نرینہ کوئی نہیں، صرف ایک لڑکی بیوہ اب تک زندہ۔

افسوس ہے کہ مرحوم نے وکالت کے ذریعہ جو کثیر دولت پیدا کی تھی وہ، نیز آبائی جائیداد (حصۂ زمینداری، زیورات قیمتی کپڑے وغیرہ) دو ثلث کے قریب ایک ناگفتہ بہ طریقہ سے تلف ہو کر غیرون کے قبضہ میں آگئی، باقی کی نسبت مقدمہ بازی کی کوششین ہو رہی ہین، جو منشی صاحب کی ناعاقبت اندیشی کا ایک شرمناک واقعہ ہے۔ اگر اپنی زندگی مین کل جائیداد کا ایک ثلث باضابطہ تحریر کے ذریعہ تحقیقین (بیٹی اور چچازاد بھائی) کو تقسیم کرکے مابقی ⅔ حصہ بخر قوم منشی کالی پرشاد صاحب مرحوم (کُل بھاسکر) کی طرح کسی مفید اور نیک کام کے لئے وقف کر جاتے تو آج یہ ماتم کن اور ناخوشگوار نتیجہ کیون ظہور پذیر ہوتا۔ خاندان مین ان کے چچا کے لڑکے کُنج بہاری لال، کالکا پرشاد عُرف دلارے، ہیتیں پرشاد بقید حیات۔ (محلہ محرّران)۔

ساتوین فصل سادھوؤن اور فقیرون کے بیان مین

حضرتِ مخدوم آبکش دریابادی

عارفِ کامل ولیٔ مشہور، اصل نام شیخ محمد عُرف مخدوم آبکش، قاضی قدوۃ الدین صاحب عُرف قاضی قدوہ۔ (جو کہ سلاطینِ روم کی نسل سے تھے) کی اولاد مین تھے۔ آپ کے بارہ مین آپ کے خاندانی اصحاب بیان فرماتے ہین حضرت قاضی عبدالکریم سرسنڈوی کے، جو ایک بڑے باخدا درویش اور حضرت محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ دہلوی کے خلیفہ تھے، آپ نواسے تھے۔ پہلے اپنے نانا سے تعلیم باطنی پائی، پھر اُن کے حکم سے جونپور مین حضرت شیخ ابوالفتح رحمتہ اللہ علیہ کے جو نظامیہ چشتیہ سلسلہ کے نامی بزرگ تھے، مُرید ہوئے اور اُن سے خلافت حاصل کی۔ اُس کے بعد مُرشد کے حکم سے قصبۂ محمود آباد مین جو دریاباد سے آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، قیام فرمایا۔ اُس زمانہ مین دریا خان، جو شاہانِ شرقی جونپور کی جانب سے اِس علاقہ کے حاکم تھے، وہ عقیدتمندانہ آپ کی خدمت مین حاضر ہوئے اور بڑے اصرار کے ساتھ آپ کو دریاباد لائے۔ دریاباد اُس وقت ویرانہ[۱] تھا۔ آپ نے یہان تشریف لاکر آبادی کی بنیاد ڈالی، اور اُس کا نام دریا خان کے نام پر دریاباد رکھا۔ یہ واقعہ ۸۴۲ھ کا ہے۔ آپ کی وفات ۸۵۸ھ مین ہوئی، "آفتاب گشت" سے سالِ وفات

[۱] راقم کو اِس رائے سے اتفاق نہین۔ ملاحظہ ہو باب اول، ذکر دریاباد ۱۲

نکلتا ہے۔ آپ کے کشف و کرامات کے صدہا واقعات زبان زد عوام ہیں، جن سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ بہت بڑے عارفِ کامل و صوفیٔ باصفا تھے۔ آپ کے سلسلے میں پشتہا پشت تک مشائخ و علما پیدا ہوتے رہے، جن کے فیض کا سلسلہ نہ صرف نواح دریاباد، بلکہ سارے ہندوستان میں جاری رہا۔ نامور سلاطین دہلی مثلاً شہنشاہ اکبر، شہنشاہِ جہانگیر، شاہجہان، شہنشاہ اورنگ زیب کے درباروں سے آپ کی اولاد کے نام جاگیروں اور معافیوں کے پروانے جاری ہوتے رہے۔ ان میں سے بعض فرامین، جن پر شاہی مہریں لگی ہوئی ہیں، محمد حفیظ الدین صاحب دریابادی اسٹیشن ماسٹر کے پاس، جو آپ ہی کی اولاد میں سے ہیں، اب تک محفوظ ہیں۔ فرامین کی تفصیل حسب ذیل ہے —

(۱) فرمان جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی بنام فضیلت مآب تقویٰ شعار تورع دثار فلاح آثار شیخ عبدالرحیم و شیخ عبدالباقی معہٗ فرزندان، موازی دو صد بیگھہ زمین، پرگنہ دریاباد، صفر ۹۸۴ھ (۲) فرمان مظفر الدین محمد سلیم عرف جہانگیر شاہ، بنام تقویٰ شعار صلاح آثار شیخ جہان و شیخ محمد و شیخ ناصر وغیرہ، بہ گز آلہی، سنہ ۱۰۱۱ھ (۳) فرمان جہانگیر شاہ، آراضی معافی پرگنہ دریاباد، بنام شیخ عبداللہ، سنہ ۱۰۲۵ھ (۴) اللہ اکبر، مہر شاہی، فرمان ابوالمظفر نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی۔ درین وقت فرمان عالی شان سعادت نشان شرف اصدار یافت کہ موازی پنجاہ بیگہ زمین افتادہ لایق زراعت خارج جمع بگز آلہی از پرگنہ دریاباد من عمال سرکار اودھ از ابتدائے خریف لوی ئیل برائی خرچ خادمان خانقاہ مشیخت مآب شیخ جہان حسینی گوشہ نشین بموجب ضمن مقرر و مفوض باشد کہ حاصلات آن را فصل بہ فصل و سال بسال در وجہ معیشت خود خرچ و صرف نمودہ بدعاگوئی دوام دولت ابد قرین اشتغال می نمودہ باشد می آید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال در استمرار و استقرار این حکم اقدس اعلیٰ کوشیدہ آراضی مذکورہ را پیمودہ و چک بستہ بہ تصرف مشارالیہ بازگذاشتہ اصلاً تغیر و تبدیل بدان راہ ندہند و بہ علت بالوجہات و اخراجات مثل شلغہ پیکش و جریبانہ و ضابطانہ و مہرانہ و محصلانہ و داروغگانہ و بیگار و شکار و دہ نیمی و مقدمی و صد دوئی قانونگوئی و ضبط ہر سالہ بعد از تشخیص چک و تکرار زراعت و کل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحمت نرسانند درین باب ہر سالہ فرمان و پروانچہ مجدد نہ طلبند و اگر در محلہ دیگر زمین داشتہ باشد آن را اعتبار نکنند از فرمودہ در نگذرند در عہدہ شناسند تحریراً فی تاریخ پنج تیر ماہ الٰہی سنہ ۱۱ (۵) فرمان ابوالمظفر نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی، معافی ۱۵ بیگھہ پرگنہ دریاباد، بنام بی بی نورجہان وغیرہ، سنہ ۱۰۲۵ھ (۶) فرمان شاہجہان بادشاہ، معافی سو بیگھہ، پرگنہ دریاباد، بنام شیخ عبداللہ معہٗ فرزندان سنہ ۱۰۳۹ھ (۷) فرمان شاہجہان بادشاہ، معافی ماصہ، پرگنہ انہونہ بنام شیخ قطب عالم و ورثہ شیخ منصور وغیرہ، سنہ ۱۰۴۶ھ (۸) فرمان عالمگیر بادشاہ، معافی بنام ظہرہ وغیرہ، پرگنہ سبیحہ، سنہ ۱۰۷۶ھ (۹) فرمان اورنگ زیب شاہ، معافی سو بیگھہ بنام فاطمہ بانو، پرگنہ دریاباد سنہ ۱۰۷۱ھ" فرمان نمبر ۴ بہ طور یادگار پورا نقل کر دیا گیا ہے —

تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے خاندانی بزرگوں کے قبضہ میں علاوہ مندرجۂ بالا ایک ہزار اٹھاون بیگھہ پختہ

آراضی کے چک چار مئو، چکوکات کھیوراج پور وغیرہ، چک ڈلہدئے پور، دو موضعے ضلع بہرائچ مین، سرائے سنگی، شیخ پور، جتھا، نصف خطیب پور عرف کھتری پور، پورۂ شاہ خوبان عرف کھوباکاپوروا وغیرہ مواضعات بھی تھے، جو ذریعۂ بیع و معافی حاصل ہوئے تھے - اِن مین سے اکثر مواضعات آپ کی نسل والون کے پاس ابتک موجود ہین -

واجب العرض شیخ پور سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جنگل کٹوا کر یہ موضع آباد کیا تھا اور چونکہ آپ شیخ تھے اس مناسبت سے موضع کا نام شیخ پور مشہور ہوا جو بعد کو شیخواپور ہو گیا - یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دریا خان صاحب عامل نے چند مواضعات بھی معافی کے طریق پر آپ کی نذر کئے تھے -

حضرت مخدوم صاحب کا خاص مجاہدہ یہ تھا کہ کنوئین سے پانی بھر بھر کر لوگون کو پلاتے اور نمازیون کو وضو کراتے تھے - اِس خدمت کی بنا پر اُن کا لقب "حضرت مخدوم آبکش" پڑ گیا تھا - آپ کا تذکرہ مشائخ کی متعدد کتابون مین موجود ہے مثلاً کتاب مرآۃ الاسرار (فارسی) کتاب خزینۃ الاصفیاء (فارسی) کتاب تذکرۂ اولیائے ہند (اُردو) کتاب حدیقۃ الارض (فارسی) کتاب حکایات احمدی (فارسی) کتاب شیخ نامہ (فارسی) وغیرہ - آپ کے خاندان کی تین باتین خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہین - (۱) خاندان مین کبھی مقدمہ بازی نہین ہوئی (۲) علم کا ہمیشہ چرچا رہا اور ہے (۳) خاندان کے اکثر اصحاب وقتاً فوقتاً معزز عہدون پر مامور ہوتے رہے اور اب بھی ہین -

آپ کے تین صاحبزادے، دو صغر سنی مین فوت ہو گئے، تیسرے صاحبزادے شیخ عبدالحمید قتال کی اولاد مین شاہ عبدالرسول، شیخ جہان چشتی، شاہ حاجی مصطفےٰ، شاہ ابوالمظفر، شاہ خوبان رحمۃ اللہ علیہم مشاہیر فقراء مین سے ہوئے ہیں، جن کی نسل اِس وقت تک قائم و موجود -

آپ کی یادگار مین پختہ مسجد ابتک موجود ہے، جو مولوی رشاد نیساری کے مکان سے متصل پچھم طرف محلّہ مہران مین واقع ہے - اِس مسجد کی مرمت وقتاً فوقتاً آپ کے خاندان والے کراتے رہتے ہین - آپ کے نام سے محلّہ بھی مشہور ہے -

آپ کا مزار مبارک ڈپٹی حاجی مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم کے مکان سے متصل موجود ہے - ہر جمعرات کو قوالی ہوتی ہے - دو برس سے آپ کا عرس (۱۲ ذی الحجہ) کو بڑی دھوم دھام سے ہونے لگا ہے - دو روز تک قرآن خوانی اور قوالی کی محفلیں گرم رہتی ہین - نامی نامی قوال اپنا کمال فن دکھاتے ہین - سنہ ۱۹۲۲ء کے عرس مین باہر سے متعدد نامور مشاہیر اصحاب نے شرکت فرمائی تھی - مثلاً حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی، حضرت شاہ ممتاز احمد صاحب سجادہ نشین بانسہ شریف، سید سلیمان صاحب ندوی ایڈیٹر رسالہ معارف (اعظم گڈھ) مولانا مسعود علی صاحب ندوی، مولانا ظفر الملک صاحب ایڈیٹر الناظر (لکھنؤ) پروفیسر عبدالباری صاحب ندوی، مولانا صبغۃ اللہ صاحب فرنگی محلی (لکھنؤ) ایڈیٹر صحیفہ

۵۰ و ۵۱ و ۵۲ ملاحظہ ہو حدیقۃ الارض اور بیعنامہ نوشتہ مسماۃ زیبا ست پرباندی صبیبہ محمد جمیل ولد شیخ نظام الدین ابن شیخ محمد رفیع دریابادی جو کہ میاں رشید کے پاس موجود ۱۲ ۵۳ کرم کریم عرف حمیدا میان اور مولانا نور کریم صاحب کے بیان مین پروانے ملاحظہ ہون

۵۴ ایک مرتبہ اتفاقیہ ایک مقدمہ عدالت میں دائر ہو گیا تھا - لیکن صرف پہلی ہی پیشی مین بیان کے بعد فریقین باہم رضامند ہو گئے اور مقدمہ پنچون کے ذریعہ سے فیصل ہو گیا ۱۲ -

اخبار ہمدرد (لکھنؤ) وغیرہ۔ عرس کے حالات بڑی تعریف وتوصیف کے ساتھ اخبار ہمدرد (لکھنؤ) اور رسالہ دین و دنیا (دہلی) میں شایع ہوئے۔ یہ عرس قدیم ہے جدید نہیں۔

شاہ عبدالرسول صاحب

اصل نام ابوالفتح، عرف عبدالرسول، شیخ عبدالحمید صاحب قتال کے بڑے بیٹے، صدرویش کامل اور صاحب معرفت۔ اکبر شاہ کے ایک فرمان میں لکھا ہے کہ "چون موازی دوصد بیگہ زمین از پرگنہ دریاباد سرکار اودھ بموجب فرمان عالی شان کہ بتاریخ شہر صفر ۹۸۷ھ ہجری باسم قاضی عبدالفتاح بطریق مجمل بمہر اشرف اورنگ رسیدہ در وجہ مدد معاش فضیلت مآب تقوی شعار تورع دثار فلاح آثار شیخ عبدالرسول و شیخ عبدالباقی معہ فرزندان و شیخ ہمین مقرر بودہ"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب اب سے ۳۵۵ برس قبل پیدا ہو چکے تھے اور اکبر شاہ کے زمانے میں ان کے کمالات عام طور پر ظاہر ہو گئے تھے جس کی بنا پر "فضیلت مآب تقوی شعار تورع دثار فلاح آثار" ایسے الفاظ ان کی شان میں شاہی حکم سے استعمال کئے گئے تھے، ساتھ ہی اس کے دو سو بیگھہ آراضی ذریعہ فرمان دربار دہلی سے انھیں عطا ہوئی تھی۔ شیخ عبدالباقی صاحب ان کے حقیقی بھائی تھے۔

شاہ صاحب کے دو بیٹے تھے۔ شیخ جہان چشتی اور شاہ قطب عالم۔ شاہ صاحب کا پختہ مزار محلہ مخدوم زادگان میں موجود ہے۔ ہر سال عرس ہوتا ہے، جس کے بانی چھیدا میاں تھے۔ آج کل عرس کے مہتمم میاں عبدالرشید صاحب ہیں جنھوں نے مزار کی قدیم خام چار دیواری کو پختہ بنوا دیا ہے۔ (مخدوم زادگان)

حاجی محمد مصطفےٰ شاہ صاحب

شاہ ابوالخیر صاحب کے اکلوتے بیٹے، شاہ عبدالرسول صاحب کے حقیقی بھتیجے، بہت بڑے زاہد و مرتاض، مشہور آفاق ولی اللہ، کعبہ شریف کی زیارت سے مشرف اندوز۔

بیان کیا جاتا ہے کہ دو چلہ گاہ پختہ الماس گنج کی سرا کے باہر (ایک گوشہ جنوب و مغرب، دوسرا اس کے پورب طرف کچھ فاصلہ پر واقع ہے) جو اب تک موجود ہیں، وہ انھیں کے ہیں، جن میں بیٹھ کر حاجی صاحب دو دو مہینے تک چلہ کشی کرتے تھے۔ حاجی صاحب کے بارہ میں صاحب رسالہ حدیقۃ الارض ارشاد فرماتے ہیں:-

"حاجی محمد مصطفےٰ را باوصف منصب باطنی منصب ظاہری ہم بسیار بود توگری انجا سید چند حویلی محلسرا بعضے را نام شیش محل و بعضے رنگ محل و چند باغات مثل اللہ باڑی و محمد باڑی وغیرہ و تالاب رعایائی کثیر بود و حکم بادشاہ بود ہر کجا کہ آنجناب خواہند زمین بگیرند ملک الیشان است الحال بعضے ازان زمین بہ تصرف زبردستان بہ فریب و غضب درآمدہ است چنانچہ عرصہ سہ سال بشود کہ در اولاد دختری الیشان از فتح علی نام چند خانہ رعایا لالہ سوبرج بلی قانونگو گرفتہ چنانچہ

لے ان بزرگوں کی نسل میں سات پشتوں کے بعد اب کوئی خاص اولاد باقی نہیں ہے۔

آن پانزدہ بیگہ زمین دادہ بعد دو سال آن زمین از قبضۂ شان برآوردہ گرفت ہمچنان تمام زمین و تالاب و باغات ہا را مفسدان بہ غضب بہ عمل خود ہا در آوردند۔"

ایک کرم خوردہ قلمی نسخہ جناب مولوی عبدالماجد صاحب ناظر بی۔ اے کے کتب خانہ سے دستیاب ہوا ہے، جس میں نہ کتاب کا نام لکھا ہے نہ مولف کی سکونت درج ہے۔ صرف مولف نے اپنا نام رفیع الدین محمد ابن علاء الملک بالچی تحریر فرمایا ہے۔ لیکن، کتاب کے تیسرے صفحہ میں "ذکر حضرت حاجی شیخ مصطفےٰ دریابادی نوشتہ میشود" کی عبارت اس امر کا یقین دلاتی ہے کہ کتاب مذکور میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اُس کا تعلق خاص حاجی صاحب ہی سے ہے۔ علاوہ اس کے کتاب کی بعض نظموں سے بھی، جن میں "شیخ دریاباد" نظم کیا گیا ہے، اس کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ یہ کتاب ۳۰ اوراق کی ناتمام ہے اور درمیان کے جابجا سے ۴۴ اوراق غائب ہیں، جو ہندسوں سے ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے حاجی صاحب کے تمام و کمال حالات زندگانی نہیں معلوم ہو سکتے تاہم اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ۔۔

حاجی صاحب ایک زبردست پاکیزہ صوفی، صاحب زہد و تقویٰ، غیر معمولی مشائخ میں تھے، جو اپنے وقت کے بے مثل کامل اور ہر دل عزیز بزرگ ہونے کے علاوہ بہترین عالم و فاضل اور اعلیٰ فقہ دان، ساتھ ہی اس کے نہایت خوش طبع، شگفتہ خاطر اور قناعت پسند بھی تھے۔ ہر دم بشاش، رنج و ملال سے آزاد، ہمتی کے ساتھ ہوا و ہوس سے متنفر، ہر حال میں صابر و شاکر رہتے تھے۔ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ دہلی کے زمانے میں بقید حیات "شیخ الاسلام" کے خطاب سے مشہور ۹۷۶ھ میں حج سے مستفیض ہوئے تھے، اور اس سلسلے میں مالوہ، گجرات، احمد آباد، چیتور، کابل، خراسان، عراق، ماوراء النہر، روم وغیرہ بھی تشریف لیگئے تھے۔ انہوں نے مکہ معظمہ کے دوران سفر میں یددلکہ (احمد آباد کے آگے) سے ایک نفیس باغ کے کل میوے، جو نہایت لطیف و شیریں تھے، خرید کر کے غریبوں کو تقسیم کرنے کے بعد دریاباد، رُدولی، ستر کھ، لکھنؤ وغیرہ بھی بطور تحفہ روانہ کیئے تھے۔ دریاباد کے نواح میں میووں کے باغات تیار کرکے ہر کس و ناکس کے لئے وقف کر دیئے تھے، ہر شخص بلاقید مذہب ان باغوں سے حسب خواہش میوے حاصل کر سکتا تھا کسی کو ممانعت نہ تھی۔ نواب وزیر خان بہادر حاکم چیتور، قاضی طوائیس حاکم گجرات کے علاوہ کابل و خراسان، عراق و ماوراء النہر وغیرہ کے بزرگ بھی ان کے معتقد ہو گئے تھے ریاضت کے وقت نان خشک کھاتے، مٹی کے پیالے میں پانی پیتے تھے۔ حج کے قبل شاہ صاحب کے والد کا انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کی والدہ زندہ تھیں جنھیں یہ بے انتہا چاہتے اور اُنکے دلی فرمانبردار تھے۔ حج سے واپسی کے وقت گجرات میں یہ ایسا بیمار ہو گئے تھے کہ نزع کی نوبت پہونچ گئی تھی، مگر جلد صحت یاب ہو گئے تھے۔ ان کی تین شادیاں ہوئی تھیں۔ پہلی بی بی کی وفات پر دوسری شادی کرمان (واقع فارس) کے بادشاہ شاہ شجاع کی دختر کے ساتھ ہوئی، جو باوجود شہرۂ آفاق حسین ہونے کے فطری طور پر تقویٰ شعار و نہایت عقیلہ صابرہ اور شاکرہ بھی تھی۔ تیسرا نکاح مولانا قاسم کاہی کی بیٹی کیساتھ ہوا۔ شیخ شریف اور شیخ اسماعیل دو بیٹے تھے۔"

ھ مولانا قاسم کاہی۔ اوستاد رفیع الدین محمد صاحب مولف سوانح عمری حاجی صاحب موصوف۔ دربار دہلی میں کسی معزز عہدہ پر ممتاز تھے۔ جس وقت خان زمان بہادر خان (حاکمان جونپور) باغی ہو گئے تو، اُن کی سرکوبی کو مولانا موصوف وہاں روانہ کیے گئے۔ دہلی سے دریاباد ہو کر انھیں حاجی صاحب کے کشف و کمالات نے اپنا معتقد کر لیا اور اس طرح طرفین میں باہمی رشتۂ قرابت پیدا ہو گئی ۱۲ ماخوذ از ملفوظات حاجی مصطفےٰ۔

مذکورۂ بالا تحریر و اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حاجی صاحب ایک عجیب و غریب صفت کے قابلِ تعظیم بزرگ فیاض
اولو العزم رئیس، اچھے دنیادار، بظاہر عرب کے مشہور عالم ولی شاہ عبد اللہ احرار کی طرح شان و شوکت کے فریفتہ، بباطن
خدا اور رسول کے سچے شیدائی، سخت ریاضت کے پابند، جمیع علوم سے بہرہ ور اور صفاتِ حمیدہ سے موصوف ہونے کے
ساتھ ہی اعلیٰ سیاح و بے مثل جفاکش بھی تھے۔ دریاباد سے دہلی اور ہندوستان سے باہر دور دراز ملکوں تک اِن کی کاملیت
کا ڈنکا بج گیا تھا اور جہان پناہ (شہنشاہ اکبر) بھی اِن کے معتقد ہو گئے تھے۔ شیش محل و رنگ محل کی تعمیر، اللہ باڑی و
محمد باڑی وغیرہ میووں کے باغات کا تیار ہو کر خلق اللہ کے لئے وقف ہو جانا، تالابوں کا کھدنا، کثیر رعایا کا آباد ہونا،
توکل بخدا رہ کر ہر وقت طبیعت کو شاد رکھنا، اس زمانے میں سیر و سیاحت کی غرض سے کابل وغیرہ کی طرف جانا اور
مذہبی فرائض ادا کرنے کے لئے اپنے ملک سے باہر عربستان کی دشوار گذار منزلیں بخوشی طے کرنا، جبکہ دس بیس کوس کا
سفر بھی مصیبت سے خالی نہ تھا، عبادتِ الٰہی کے ساتھ ساتھ انتظام خانہ داری میں مشغول رہنا، کابل و خراسان وغیرہ
کے باشندوں کا معتقد ہونا، بادشاہ ہند کا حکم دینا کہ "جہاں مرضی ہو، زمین حاصل کیجئے، سب جناب ہی کی ملکیت ہے وغیرہ
وغیرہ" یہ سب اسی امر کی صاف دلیلیں ہیں کہ حاجی صاحب ایک عجیب و غریب صفت کے بزرگ تھے۔

شیش محل، رنگ محل، اللہ باڑی، محمد باڑی کے دلکش ناموں سے شانِ امارت اور خدا و رسول کی محبت کے علاوہ
شاہ صاحب کی عالی دماغی و ذہانت اور جدت طرازی و اختراع پردازی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ مذکورۂ بالا نام اس وقت کے
ہیں جبکہ خاص ہمارے صوبہ اودھ میں (بارہ اضلاع) اِن سے کسی کے بھی کان آشنا نہ تھے۔ فیض آباد میں گلاب باڑی
اور لکھنؤ میں "شیش محل" کا وجود پونے دو سو برس سے زائد نہیں ثابت ہوتا۔ کیونکہ گلاب باڑی نواب شجاع الدولہ
بہادر کی یادگار رہے جن کے آغازِ حکومت کا زمانہ تاریخ کے مطابق سنہ ۱۱۶۷ھ ہے اور شیش محل کی تعمیر نواب آصف الدولہ
بہادر کی شاہانہ اولو العزمیوں کا نتیجہ ہے، جو سنہ ۱۱۸۸ھ میں تخت نشین ہوئے تھے۔ لیکن، دریاباد میں یہ نام اب سے
تین سو برس یعنی سنہ ۱۰۰۰ھ کے قبل موجود تھے، جن میں سے آخر الذکر دو نام خاص حاجی صاحب کی ایجاد ہیں، جن
کی اختراع پردازی کا سہرا انھیں کے سر بندھتا ہے۔ باقی اول الذکر دو ناموں میں شیش محل نام کی عمارت قلعۂ آگرہ
میں بھی اکبر شاہ کے حکم سے تیار ہوئی تھی، جبکہ حاجی صاحب موجود تھے، اس لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نام کا موجد کون
ہے؟ اور رنگ محل نامی عمارت اب سے بارہ صدی قبل تعمیر ہوئی تھی، جو قنوج کے قلعہ میں اس وقت تک موجود رہے۔
اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حاجی صاحب نے سنہ ۱۰۷۹ھ میں حج کا سفر کیا تھا۔ اگر سفر کے وقت اِن کی عمر ۲۲ برس
فرض کر لی جائے تو، حاجی محمد مصطفیٰ شاہ صاحب کی پیدائش کا زمانہ ۱۰۷۹ - ۲۲ = ۱۰۵۷ھ ثابت ہوتا ہے جسے آج تک چار سو
برس ہوئے۔ اولاد میں شیخ شریف، شیخ اسماعیل، شیخ فقیر اللہ۔ ایک رہن نامہ میں لکھا ہے "منکہ خدادی زوجہ
رجب علی ولد بابو اللہ عرف میاں فتح علی نواسہ فقیر اللہ فرزندانِ حاجی مصطفیٰ مرحوم ساکن قصبہ دریاباد ایم" - اور
بیعنامہ نوشتہ رعایت اللہ و بیعنامہ نوشتہ مراد علی میں گواہوں کے ذیل میں فتح علی نواسہ شاہ فقیر اللہ مرقوم ہے
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فقیر اللہ حاجی صاحب کے لڑکوں میں سے تھے اور فتح علی انھیں کے نواسے تھے، حاجی

صاحب کے کوئی بیٹی نہ تھی جیسا کہ عام لوگوں کا خیال ہے لیکن تعجب ہے کہ انھین فتح علی نے ایک ہبہ نامہ مین اپنے کو حاجی صاحب کا نواسہ قرار دیا ہے اور حدیقۃ الارض سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے۔ یہ دونون دستاویزین میان عبدالرشید کے پاس موجود۔

ان کا پختہ مزار انھین کی مسجد[1] سے متصل محلہ مخدوم راوگان کے مغربی سرے پر ایک پختہ بے چھت کی شکستہ کوٹھری مین واقع ہے۔ مریدون مین مشہور فرید شیخ احمد بن حضرت مخدوم محمد آبکش مولف شیخ نامہ[2]۔ افسوس ہے کہ اب سے ایک صدی قبل حاجی صاحب کی بقیہ یادگارین (باغات و تالاب) جو دستبرد زمانہ سے بچ گئین تھین، وہ مفسدون کے ظلم بدعت سے تباہ و برباد ہو کر بے نام و نشاں ہو گئین۔ (مخدوم راوگان)

میر ننھا شاہ صاحب

عرف میران ننھا، سنی المذہب، سید، مشہور و معروف عابد، صاحب کرامات۔ ان کے نام سے ایک کچا تالاب اب تک مشہور ہے، جسے "میران ننھا" کہتے ہین۔ یہ تالاب آبادی کے باہر تھوڑی دور پر اُتر طرف گلیٹ نگروانی سڑک کے قریب ہی واقع ہے، جسکے کنارے دکھن طرف ننھا شاہ کا پختہ مزار ہے۔ لوگون کا بیان ہے کہ قبر کے چارون طرف پختہ دیوار کی تعمیر تھی، جسکی نسبت ننھا شاہ نے مرتے وقت فرمایا تھا کہ "جو شخص چہار دیواری کی ایک اینٹ بھی اپنے کام مین لائے گا وہ تباہ و برباد ہو جائے گا"۔ چنانچہ ایک صاحب نے چہار دیواری کی اینٹین کھدوا کر اپنے مکان مین لگوائین اور وہ تباہ و برباد ہو گئے، نہ اُن کے کوئی اولاد ہوئی نہ وہ مکان رہ گیا۔ شاہ صاحب کا زمانہ حیات اب سے تین سو برس پیشتر دریافت ہوا ہے۔

حضرت شیخ سلاح

اصل نام نہین معلوم عرف شیخ سلاح، بعض شیخ سلا بھی کہتے ہین، مشاہیر مین سے ایک خدا پرست بزرگ تھے۔ "شیخ سلاح" کے نام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ اسلحہ ساز تھے۔ شاہ صاحب کا زمانہ حیات اب سے تخمیناً ڈھائی سو برس قبل بیان کیا جاتا ہے۔ ان کی پختہ قبر ایک خام چہار دیواری کے اندر پختہ سڑک اور تلک رام کلوار کے مکان سے متصل دکھن طرف مغلن ٹولہ مین واقع ہے۔ دو برس سے عبداللہ بن قصاب کے زیر اہتمام چندہ کے ذریعہ سے عرس بھی ہونے لگا ہے۔

شیخ جہان چشتی گوشہ نشین

شاہ عبدالرسول صاحب کے بڑے بیٹے، مشہور درویش، صاحب کشف و کمالات۔ جہانگیر شاہ کے ایک

---

[1] اس عالی شان مسجد مین غسل خانہ، مسافر خانہ کے علاوہ پختہ حوض اور پختہ کنوان بھی تھا موجودہ نشان سے پایا جاتا ہے کہ مسجد کی بنیاد ۱۰۵۳ھ-۱۱۴۳ھ مین رکھی گئی تھی آج کل اس کی زمین پر ایک دوسری شکستہ مسجد تعمیر ہوئی جو انجمن اخوان الصفا کی طرف سے بنوائی گئی تھی ۱۳۲۵ھ

[2] کتاب مین حاجی مصطفیٰ شاہ صاحب کے حالات زندگی لکھے گئے تھے اور مسند یادگار قلعہ، ارکان سرکار وغیرہ کا حال بھی درج کیا گیا تھا لیکن اب یہ کتاب نایاب ہے

فرمان میں "پنجاہ بیگہ آراضی واقع پرگنہ دریاباد برائے خرچ خادمان خانقاہ مشیخت مآب شیخ جہان چشتی گوشہ نشین" دوسرے فرمان میں، تقویٰ شعار صلاح آثار شیخ جہان" تحریر ہے جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ حضرت شیخ جہان کو دربار دہلی سے مشیخت مآب اور تقویٰ شعار صلاح آثار" کا خطاب حاصل تھا اور جہانگیر شاہ نے خانقاہ کے خادموں کی گذر اوقات کے لئے پچاس بیگھ آراضی بطور معافی عطا فرمائی تھی۔ دیگر شاہی فرمانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چھیاسٹھ بیگھ پختہ آراضی دربار اکبری سے ۹۸۷ھ میں خاص طور پر انھیں ایام طفولیت میں عنایت ہوئی تھی اور دو سو تراسی بیگھ پختہ آراضی جہانگیر شاہ و شاہجہان بادشاہان دہلی نے ۱۰۱۱ھ و ۱۰۴۲ھ کے درمیان ان کو اور ان کے بیٹے اور بھائی نیز چچازاد بھائیوں کو مرحمت فرمائی تھی۔ انھیں فرمانوں سے شاہ صاحب کا ۹۸۰ھ کے قبل پیدا ہونا اور ۱۰۴۲ھ میں بقید حیات رہنا بھی ثابت ہوتا ہے۔ اولاد میں محمد دائم عرف محمد میاں۔ ان کا مزار پختہ ان کے والد کے مزار سے قریب ہی واقع ہے۔ (مخدوم زادگان)

شاہ ابو المظفر صاحب

مخدوم شیخ زاہد صاحب عرف عبد الباقی کی دوسری پشت میں شیخ صدر الدین صاحب کے بیٹے، قابل تعظیم بزرگ ان کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ "یہ بغداد شریف سے حضرت شیخ عبد القادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا جبہ مبارک بہ طور تبرک لائے تھے، جو اب تک میاں رشید صاحب کے پاس موجود ہے اور عقیدتمند لوگ اس کی زیارت سے مستفیض ہوتے ہیں" شاہ صاحب کا اپنے وطن سے باہر صدہا کوس کی منزلیں طے کرکے غیر ملک کو اس وقت تشریف لیجانا، جبکہ راستے نہایت مخدوش اور سفر کے آسان ذرائع مفقود تھے، کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس سے ان کی عقیدتمندانہ علو ہمتی اور جفاکشی اچھی طرح ثابت ہوتی ہے۔ ان کا زمانۂ حیات اورنگ زیب کا عہد حکومت پایا جاتا ہے۔ مزار پختہ مخدوم زادگان میں چھیدا میاں کی مسجد سے متصل واقع ہے۔ مزار کی خام دیواری کو میاں عبد الرشید صاحب نے پختہ تعمیر کرادیا ہے اور ساتھ ہی اس کے گلاب، بیلا، چمیلی، ہار سنگار وغیرہ پھولوں کے درخت بھی نصب کرادئے ہیں۔ شاہ صاحب کا عرس ہر سال ۱۱۔ ذی الحجہ کو میاں صاحب موصوف کے زیر اہتمام ہوتا ہے۔ اولاد میں شاہ محمد رفیع۔ (مخدوم زادگان)۔

شاہ ابو الخیر صاحب

عرف شاہ سدھاری و شاہ خوبان، شیخ ابو الفتح عرف شاہ عبد الرسول صاحب کی نسل میں شیخ مبارک محی الدین صاحب کے بیٹے، اولیائے کرام میں سے ایک بزرگ شخص تھے، جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ حضرت قطب الاقطاب سید شاہ عبد الرزاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانسوی کے چوتھے خلیفہ تھے۔ زمانۂ حیات اب سے دو سو برس قبل۔

مناقب رزاقیہ سہ ملفوظ رزاقی (مولفہ نواب محمد خان صاحب شاہجہان پوری، مطبوعہ مجتبائی لکھنؤ، ۱۳۰۲ھ صفحہ ۱۴) حضرت شاہ عبد الرزاق صاحب کے تذکرے میں ذیل کی عبارت مرقوم ہے:-

---

ف انھوں نے ۱۰۱۱ھ میں سرائے سنگی تعمیر کیا تھا۔ ان کی بی بی مساۃ زہرہ کو ماہ بیگہ اور پوتی فاطمہ بانو کو ایک سو بیگھ آراضی اورنگ زیب بادشاہ کے دربار سے بذریعہ فرامین ۱۰۸۰ھ و ۱۰۸۸ھ مرحمت ہوئی تھی۔ ان کی نسل اب تک قایم ہے ۱۲

"ذکر حضرت شاہ ابوالخیر عرف شاہ سدھاری قدس اللہ سرہٗ ساکن قصبہ دریاباد قوم قدوائی از فرزندان مخدوم قاضی عبدالکریم کرکی از اولیائی اللہ بود و در موضع کرسنڈا مدفون است چون بحضور حضرت قطب الاقطاب قدس سرہٗ حاضر شد و بشرف بیعت مشرف کردید و بتعلیم و تلقین او کار و اشغال سرفرازی یافت و در اکتساب اشغال جد و جہد نمود بس برانگ توجہ پیرو مرشد برحق کامیاب مطالب شد و بدرجہ اعلیٰ و مراتب ولی رسید و صاحب کشف و کرامات و خوارق عادات شد و در قصبہ مذکور مدفون گردید قدس اللہ سرہ العزیز و سال و تاریخ وفات معلوم نگشتہ کہ بقلم آوردہ میشد۔"

اس سے پایا جاتا ہے کہ شاہ حوبان صاحب حضرت شاہ عبدالرزاق صاحبؒ بانسوی کے مرید تھے (تاریخ وفات شاہ عبدالرزاق صاحب شوال ۱۱۳۶ھ) اور اپنے مرشد کی تعلیم و تلقین کے بموجب ریاضت میں مشغول ہو کر مراتب علی حاصل کر کے صاحب کشف و کرامات ہو گئے تھے۔

شاہ صاحب عارف کامل اور صاحب اہل و عیال ہونے کے ساتھ ساتھ پورہ شاہ خوبان وجھٹا و مواضعات کے زمیندار بھی تھے۔ اول الذکر موضع خود انھیں کا آباد کردہ ہے جو ان کے نام سے موسوم ہو کر "پورہ شاہ خوبان" مشہور ہوا اصل نام اس کا محمد پور تھا۔ حدیقۃ الارض میں تحریر ہے "کہ جھٹا معافی و زمینداری شاہ ابوالخیر بود"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کو موضع جھٹا دربار شاہی سے بطور معافی عطا ہوا تھا جو ان کے صاحب کمال ہونے کی اعلیٰ دلیل ہے۔ پورہ شاہ خوبان عرصہ سے ریاست ٹہرا میں شامل اور رکھوبا کا پروا" کے نام سے مشہور رہی۔ موضع جھٹا کو شاہ صاحب کی نسل میں بی بی بیاری نے ذریعہ دستاویز ہبہ نامہ مرقومہ ۱۲ جون ۱۸۹۹ء شیخ کرم کریم عرف چھیدا میاں کے حوالہ کر دیا تھا، جو اُن کے خاندان میں اب تک موجود ہے۔

شاہ سدھاری صاحب کا مزار پختہ حلقہ کے اندر مخدوم زادگان میں مولوی مظفر کریم صاحب کے مکان کی پشت پر واقع ہے۔ اولاد میں غلام ذکریا اور غلام پیر بخش۔ (مخدوم زادگان)۔

قاضی دانا شاہ صاحبؒ

شیخ انصاری، از نسل قاضیان دریاباد، صاحب تقویٰ، مشہور و معروف ولی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ دانا شاہ اور مشتاق شاہ (رنپارا متصل بلکھرہ) ملامت شاہ (بدوسرائے) باباجگ جیون داس میں باہم اتحاد قلبی قائم تھا۔ ڈسٹرکٹ گزٹ بارہ بنکی سے پایا جاتا ہے کہ مہاتما جگ جیون داس ۱۷۶۱ء ۱۸۱۶ء بکری میں بقید حیات تھے، اس سے دانا شاہ کا زمانۂ حیات اب سے دو سو برس قبل ثابت ہوتا ہے۔

ان کا مزار ایک بلند اور مخروطی چبوترے پر بستی کے باہر بجانب گوشۂ شمال و شرق ایک تالاب میں واقع ہے، جو انھیں کے نام سے مشہور ہے۔ اس تالاب میں ہر سال قصبہ کے تعزیئے دفن کئے جاتے ہیں اور محرم کی دسویں تاریخ کو یعنی عشرہ کے دن یہاں ایک میلہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سالانہ عرس بھی ہوتا ہے۔ افضل التواریخ (مولفہ منشی رام سہائے صاحب تمنا لکھنوی) میں اس مزار کا ذکر ہے۔ مزار اور چبوترہ دونوں خام یعنی کچے بیان کی

کر دانا شاہ کا یہ مزار اصلی نہین ہے، نقلی ہے، کیونکہ وہ کسی دوسرے مقام پر فوت ہوئے تھے (قصبا جلال محدوم رادگان)

شیخ افضل شاہ صاحب

نامی فقیر، پر مجرد تھے۔ پورب پھاٹک کے باہر تھوڑے فاصلہ پر ان کا تکیہ اِن کے نام سے مشہور رہی، جس مین اِن کی پختہ قبر اور ایک پختہ چھوٹا سا کنواں اب تک موجود ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "اِس تکیہ مین ایک مسجد بھی تھی"، جس کا اب کوئی نشان بھی نہین ہے۔ لیکن، جا بجا پڑی ہوئی اینٹین ضرور اِس بات کا پتہ دیتی ہین کہ کسی وقت یہان کوئی پختہ عمارت تھی۔ تکیہ کے پاس ایک چھوٹا سا کچا تالاب ہے، جسے "افضل شاہ کی گڑھئی" کہتے ہین۔ زمانہ حیات اب سے تخمیناً دو سو برس قبل۔

فخرِ وطن قاسم شاہ صاحب

اصل نام محمد قاسم، اعلیٰ صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ بھاشا زبان کے روشن خیال و معنی آفرین شاعر اور شاعری و فقیری دونوں مین مشہور و معروف "ہنس جواہر" کے مصنف۔

ہنس جواہر سے پتا چلتا ہے کہ قاسم شاہ کے باپ کا نام "امان اللہ" تھا، سُنی المذہب، شاہ محمد اشرف صاحب (ساکن سلون، ضلع رائے بریلی) کے مُرید اور محمد شاہ اول [۱۷۱۹ء] سُلطانِ دہلی کے زمانے مین بہ قید حیات تھے۔

بعضون کا بیان ہے کہ "قاسم شاہ بازدارون کے محلّے مین رہتے تھے اور خود شاہی بازدار تھے۔ انھون نے اپنا آبائی پیشہ ترک کر کے خدا پرستی کا اعلیٰ شیوہ اختیار کیا، جسکی وجہ سے یہ کامل ہوگئے"۔ بعض انھیں مسلمانون کے ادنیٰ طبقہ مین شمار کرتے اور دلیل مین ہنس جواہر کے یہ مصرعے پیش کرتے ہین ۔ "قاسم ناؤ جات کا ہینا" + "تہون یہ بدھ کین کمینا"۔ بعض خوش عقیدہ حضرات "جات کا ہینا" اور "کمینہ" سے عاجزی و انکسار مراد لیتے ہین اور عقل سلیم اِسے تسلیم کرتی ہے۔ لیکن یہ نہین کہا جا سکتا کہ شاہ صاحب کا اِسلام کے کس فرقہ سے تعلق تھا، شیخ سید تھے یا مغل، پٹھان؟

ہنس جواہر کا ایک قدیم مطبوعہ نسخہ فرنگی محل کے کتب خانہ سے دستیاب ہوا ہے، جس کے ٹائیٹل پیج پر یہ عبارت درج ہے: "کلام بلاغت نظام مقبول انام مطبوع صاحبان ہنر اعنی **رموز الفقرا** معروف بہ ہنس جواہر تصنیف شریف درویش حق آگاہ سرمایہ نیک نہادی حضرت قاسم شاہ دریا آبادی مطبع ثمر ہند لکھنؤ مین چھپا"۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہنس جواہر کا اصلی نام "رموز الفقرا" تھا، جو اِس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ شاہ صاحب فارسی و عربی دان بھی تھے۔ لیکن بھاشا زبان کی تصنیف کا نام فارسی یا عربی زبان مین ہونا بالکل بے جوڑ اور نامناسب، بلکہ غیر فصیح معلوم ہوتا ہے۔ غالباً یہ جدّت اُن کے بعد کسی خوش عقیدہ حضرت کی ہے۔

شاہ صاحب خدا پرستی اور سخن پرستی کے سلسلے مین اعلیٰ وطن پرست بھی ثابت ہوتے ہین۔ ہنس جواہر مین دریا باد کے متعلق جو غیر مبالغہ آمیز دلکش اشعار نظم کیے گئے ہین وہ اِس بات کی بخوبی شہادت دیتے ہین۔ اِن اشعار کا ترجمہ باب اول میں درج ہو چکا ہے، اِس لیے اِس مقام پر اُن کے اظہار کی ضرورت نہین۔

اِن کا نام فقیرانہ اور شاعرانہ دونون حیثیتون سے علیحدہ علیحدہ کتابون مین دیکھا گیا ہے۔ لیکن، کسی کتاب

کرداناشاہ کا یہ مزار اصلی نہین ہے، نقلی ہے، کیونکہ وہ کسی دوسرے مقام پر فوت ہوئے تھے (قصبا حال محدوم رادگان)

شیخ افضل شاہ صاحب

نامی فقیر، یہ مجرّد تھے۔ پورب پھاٹک کے باہر تھوڑے فاصلہ پر ان کا تکیہ ان کے نام سے مشہور ہے، جس مین اِن کی پختہ قبر اور ایک پختہ چھوٹا سا کنوان اب تک موجود ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "اس تکیہ مین ایک مسجد بھی تھی"، جس کا اب کوئی نشان بھی نہین۔ لیکن، جابجا پڑی ہوئی اینٹین ضرور اس بات کا پتہ دیتی ہین کہ کسی وقت یہان کوئی پختہ عمارت تھی۔ تکیہ کے پاس ایک چھوٹا سا کچا تالاب ہے، جسے "افضل شاہ کی گڈھئی" کہتے ہین۔ زمانہ حیات اب سے تخمیناً دوسو برس قبل۔

فخرِوطن قاسم شاہ صاحب

اصل نام محمد قاسم، اعلیٰ صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ بھاشا زبان کے روشن خیال و معنی آفرین شاعر اور شاعری و فقیری دونون مین مشہور و معروف، ہنس جواہر کے مصنف۔

ہنس جواہر سے پتا چلتا ہے کہ قاسم شاہ کے باپ کا نام "امان اللہ" تھا، سُنی المذہب، شاہ محمد اشرف صاحب (ساکن سلون، ضلع رائے بریلی) کے مرید اور محمد شاہ اول سلطانِ دہلی کے زمانے مین بہ قید حیات تھے۔

بعضون کا بیان ہے کہ "قاسم شاہ بازدارون کے محلّے مین رہتے تھے اور خود شاہی بازدار تھے۔ انھون نے اپنا آبائی پیشہ ترک کر کے خدا پرستی کا اعلیٰ شیوہ اختیار کیا، جسکی وجہ سے یہ کامل ہوگئے"۔ بعض انھیں مسلمانون کے ادنیٰ طبقہ مین شمار کرتے اور دلیل مین ہنس جواہر کے یہ مصرعے پیش کرتے ہین "قاسم نانوکن جات کا ہینا" + "تہون بیچ بدھ کین کمینا"۔ بعض، خوش عقیدہ حضرات "جات کا ہینا" اور "کمینہ" سے عاجزی و انکسار مراد لیتے ہین اور عقل سلیم اسے تسلیم کرتی ہے۔ لیکن یہ نہین کہا جاسکتا کہ شاہ صاحب کا اسلام کے کس فرقہ سے تعلق تھا، شیخ، سید تھے یا مغل، پٹھان۔

ہنس جواہر کا ایک قدیم مطبوعہ نسخہ فرنگی محل کے کتب خانہ سے دستیاب ہوا ہے، جس کے ٹائیٹل پیج پر یہ عبارت درج ہے: "کلام بلاغت نظام مقبول انام مطبوع صاحبان ہنر اعنی **رموز الفقرا** معروف بہ ہنس جواہر تصنیف شریف درویش حق آگاہ سرمایہ نیک نہادی حضرت قاسم شاہ دریا آبادی مطبع ثمر ہند لکھنؤ مین چھپا"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہنس جواہر کا اصلی نام "رموز الفقرا" تھا، جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ شاہ صاحب فارسی و عربی دان بھی تھے۔ لیکن بھاشا زبان کی تصنیف کا نام فارسی یا عربی زبان مین ہونا بالکل بے جوڑ اور نامناسب، بلکہ غیر فصیح معلوم ہوتا ہے۔ غالباً یہ جدّت ان کے بعد کسی خوش عقیدہ حضرت کی ہے۔

شاہ صاحب خدا پرستی اور سخن پرستی کے سلسلے مین اعلیٰ وطن پرست بھی ثابت ہوتے ہین۔ ہنس جواہر مین دریاباد کے متعلق جو غیر مبالغہ آمیز دلکش اشعار نظم کیے گئے ہین وہ اس بات کی بخوبی شہادت دیتے ہین۔ ان اشعار کا ترجمہ باب اول میں درج ہوچکا ہے، اس لئے اس مقام پر ان کے اظہار کی ضرورت نہین۔

ان کا نام فقیرانہ اور شاعرانہ دونون حیثیتون سے علیحدہ علیحدہ کتابون مین دیکھا گیا ہے۔ لیکن، کسی کتاب

میر محمد غوث صاحب

عرف میران غوث، سُنی المذہب، سادات رضویہ مین سے ایک صاحب کمال اور نامی بزرگ تھے۔ دو شاہی فرمانون سے پتا چلتا ہے کہ میران غوث کو ۵ بیگھا اور اِن کے بزرگ سید سلیمان شاہ کو ۳۴ بیگھہ ۴ بسوہ آراضی دریاآباد مین سے عطا ہوئی تھی۔ بعض لوگون کا بیان ہے کہ "میران غوث کے پاس کثیر آراضی تھی جسکی بابت اِن کے یہان شاہی فرامین تھے جو ان کی نسل والون کی غفلت سے تلف ہو گئے۔ علاوہ آراضی کے پچاس ساٹھ مکانون کا سکنہ بھی اِن کے قبضہ مین تھا، جسکی آبادی "میران نگری" کے نام سے مشہور تھی۔ ان مکانون مین کئی ایک مکان پختہ دو منزلے سہ منزلے تھے۔ ذاتی مکان میران غوث کا سہ منزلہ تھا، مکان کا پھاٹک اُتر جانب تھا۔ یہ مکان راجہ صاحب ہڑاہا کے ہاتھ بیچا گیا تھا۔ آج کل اِس برباد شدہ سکنہ کے متعلق مین پچیس مکانون مین سے صرف گیارہ مکان اِن کی نسل والون کی ملکیت مین ہین۔ پختہ مکانات منہدم ہو کر فروخت ہو گئے، باقی مکانات پر ذریعۂ بیعنامہ رائے صاحب بہادر قابض ہین۔ میران نگری کا نصف حصہ مردہی محلہ مین اور نصف حبیبی محلہ مین شامل ہو گیا ہے۔" ایک کرایہ نامہ مین لکھا ہے:- منکہ شیخ حیدر سوار رسالہ محمد رضا بیگ رسالدار ایم چون کہ یک منزل حویلی تعمیر کلی مملوکہ میر رجب علی و زین علی رؤسا قصبہ دریاآباد بکرایہ یک آنہ ماہواری برائی اقامت متعلقان خود از ابتدائی شہر محرم ۱۲۴۸ھ ہجری مقرر نمودہ گرفتم ...... بغرہ محرم الحرام ۱۲۴۸ھ ہجری"۔ اِس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ میران غوث کے پاس بہت سی آراضی تھی جسکی بدولت ان کے بعد اِن کے پوتے رجب علی و زین علی دریاباد کے رئیس کہلاتے رہے۔ یہ کرایہ نامہ شاہ صاحب کے خاندان والون کے پاس موجود، جس مین دریاباد کے خاص خاص چودھری و قانونگو رئیسون کی گواہیان تحریر ہین۔

میران غوث کے بیٹے میر علی کی اولاد مین زین علی و رجب علی ۱۲۴۸ھ مین موجود تھے۔ اس سے شاہ صاحب کا زمانۂ حیات اب سے تخمیناً ڈیڑھ سو برس قبل پایا جاتا ہے۔ نسل مین میر شمشیر علی بقید حیات۔

پیرا شاہ صاحب

اصل نام پیر بخش، عرف پیرا شاہ، سنی المذہب، روشنضمیر اور مجذوب درویش بہت بڑے نامی گرامی فیاض باکمالون مین سے تھے۔ روایت ہے کہ نواب آصف الدولہ بہادر اِن کے بڑے معتقد تھے۔ چنانچہ جب نواب صاحب اپنی والدہ بہو بیگم صاحبہ کی خدمت مین قدمبوسی کے لئے لکھنؤ سے فیض آباد جاتے تھے[۵] تو اثنا راہ مین دریاباد کے مقام پر ہاتھی سے اُتر کر پیرا شاہ کی خدمت مین حاضر ہو کے ایک ہزار روپیہ نذر کرتے تھے۔ اور اسی طرح فیض آباد سے واپسی کے وقت۔ پیرا شاہ اِس رُپئے کو بازار مین لٹا دیتے تھے۔ علاوہ اِس کے یہ بھی مشہور ہے کہ "دیوان روشن لال صاحب کی ترقی پیرا شاہ کی دعا کی برکت سے ہوئی تھی" اِنکا مزار پختہ بڑھی بازار مین ہے اور ہر سال عرس ہوتا ہے۔

---

[۵] یہ سفر مہینے مین چار مرتبہ ہوتا تھا ۱۲۔

پیراشاہ کا زمانۂ حیات اب سے سوا سو برس قبل ثابت ہونے کی بنا پر ان کے پورے حالات نہ معلوم ہونا ایک افسوس ناک کمی ہے۔

بابا سدیو داس جی

نامور سادھو، بڑے ذی علم اور یوگ کے ذریعہ صاحب کرامات۔ بابا بیر جی کے مندر میں جسے اب پورنداس کی تکیہ کہتے ہیں، رہتے تھے۔ سابقین کی نسل میں لچھمن داس کے بیٹے بھگوانداس اور پوتے پورنداس تھے۔ باباجی کا زمانۂ حیات اب سے تخمیناً ڈھائی تین سو برس قبل دریافت ہوا ہے۔

بابا جے رام داس جی

اپنے وقت کے مشہور مہاتما، علم یوگ کے زبردست ماہر، دو ڈھائی سو برس کا زمانہ ہوا کہ بہ قید حیات تھے۔ افسوس ہے کہ باوجود کوشش ان کے حالات کچھ بھی نہ معلوم ہوئے۔

تیسرا باب

روسا و شرفا اور معززین کا بیان

پہلی فصل رئیسوں کے بیان میں

راجہ دینا ناتھ صاحب

اصلی نام دینا سنگھ عرف دینا ناتھ، گوڑ کائستھ، راجہ پربھو دیال صاحب کے فرزند چہارم، اقبال مند، خوش نصیب صاحب جاہ و حشمت، بہت بڑے شجاع، اولو العزم، عالی ہمت، فیاض، نامی گرامی رئیسوں میں تھے۔

سمبت ۱۹۰۱ بکرمی مطابق ۱۸۴۴ء کی ایک یادداشت میں (جو اجین کے ایک گوڑ صاحب کے یہاں بہی میں لکھی ہوئی اب تک موجود ہے) تحریر ہے: "راجہ پربھو دیال سنگھ بیچ جناب بادشاہ عالم پناہ تیمور شاہ بادشاہ غازی کی کچہری میں پایہ منشی گری کا پایا۔ تب سب پلوار (خاندان) قدیم اپنے اپنے گانوں قدیم میں بسے۔ بعد تھوڑے روز کے گوڑ کل راج راجہ پربھو دیال اور راجہ دینا ناتھ دریابادی اور راجہ مہابل رائے نظام آبادی اور راجہ مدن سنگھ بڑھریا اور راجہ ہیرالال بھدوہیئے ساتھ تیاری لشکر کے کاسن دیس مون (میں) گئے اور اجیار سنگھ بعد تیاری لشکر اپنے سے میدان مون (میں) پہنچ آئے اور بارہ روز جنگ سرگرم رہا۔ راجہ پربھو دیال سنگھ فتح پایا۔ کل حال گوڑون کا گوڑ بنش کی پوتھی سے صاف ظاہر ہے۔" اس یادداشت کی نقل تذکرۂ سوجار و منشی کے صفحہ ۹ لغایت ۱۸۱ کے درمیان سر ضمیمہ (ج) تحریرات اجین کے ذیل میں درج ہے۔

"سنتشے موچن" (راجہ دنیا ناتھ دریابادی کی خاندانی تاریخ) کا مصنف ہندی مین رقم طراز ہے۔ "پربھو دیال کے پانچ کمار، پانچو پانچ دیس سردارا :: کھیو سر جیٹھ بید پرنگرا :: تاس تنے بربیل اجگرا :: گے اچین اُدو سے گون آگرا برہل ما دھوآئے ساگو دریاباد دنیا سنگھ سگئے :: ہر من رتن کے سنگ بھئے (ذکر شادی و جنگ کاسن) دریاباد گیو اک سوا دباقی دیو دنیا بلوار :: چلیو تنبو ادر قنات :: ساج دنیا چلے برات :: پربھو تا دیا ہے اپار :: قلم کاغذ جات ہار :: (مصرعہ تین سہسر گج ادنٹ رتن پالکی سات سے (اشعار) پانچ سہس سنگ پیدل رہیو :: اپر دہت سون پوچھت بھیو :: دل دنیا کے رن مین آیو :: گوڑ راج لکھا آتِ سُکھ پایو (دریاباد مین جنگ) بلونتا تب اچرج کینا :: دریا پر پڑ ڈنکا دینا :: پانچ سمرتا سو کیو دنیا :: ریٹ کہہ جیت بھرحش لینا (جنگ بلونڈا) دریا پر بہو بچے کل راجا :: ہر کھونت بھئے دریا راجا :: پید ھ بھات سے بھئی پہنائی :: رچیو سن سون برن سجائی (مصرعہ بروزن آلھا) دریاپر کی فوج چلی ہے راجا گوڑ بھوآر (اشعار) چلی فوج سون برن سجائی :: بلونڈا پر کین چڑھائی :: آئے ساج بلونت میدانا :: ہوت جہار رن نہیں جات بکھاتا :: تھانا تھو بلونڈ یر جہین :: دیا دُہائی پھر گئی تہہین :: بیس دیوس تنہ رہیو سماجا :: پن دا بھئے سکل مہراجا"

تذکرہ شوچار دنستی (مطبوعہ "گوڑ کائستھون کی تاریخ" مصنفہ پروفیسر راماداس صاحب گوڑ ایم۔ اے، بنارسی، صفحہ ۱۵-۱۶) مین لکھا ہے :- "انگ دیش گوڑ دیش کا ایک صوبہ تھا، وہان سے وبا پھیلنے کے باعث لوگ ہر چہار طرف بھاگے اور دُور دُور جا کر آباد ہو گئے۔ چنانچہ چودہ گھر گوڑون کے دکھن مین اُس مقام پر جا کر آباد ہوئے جو اب اورنگ آباد کے نام سے مشہور ہے۔ بارہ گھر بہ سرپرستی موہن لال کاشن مین جا کر آباد ہوئے یہ زمانہ غلام بادشاہان کے زوال اور خلجی کے عروج کا تھا جسے تیرھوین صدی کا اخیر اور چودھوین کا شروع سمجھنا چاہیئے۔ موہن لال کی پانچوین پشت مین پربھو دیال اور سُجان سنگھ ہوئے جو، کاسن مین مقیم تھے۔ کاسن کے فرمانروا کے دو دیوان منشی رنجیت سنگھ اور منشی اجیار سنگھ بھٹنا گر کائستھ تھے۔ انھین کی اعانت اور رسوخ سے وہان کے فرمانروا نے دونون گوڑ بھائیون کو ملازمت اور جاگیر دی تھی۔ اُجیار سنگھ نے اپنے لڑکے کی شادی پربھو دیال کی لڑکی سے کرنا چاہی۔ چونکہ پربھو دیال کو معلوم ہو چکا تھا کہ اجیار سنگھ کی اولاد سور یہ زادہ ہے، اِس لیئے پربھو دیال نے انکار کیا ایسے انکار سے اُجیار سنگھ وغیرہ ناراض ہو گئے اور گوڑ اسحاب وہان سے بھاگ نکلے اور دھرم پنڈت بدایونی کے یہان جو دہلی مین مقیم تھے، پناہ لی۔ اُس وقت انقلاب زمانہ سے خاندان لودی برباد ہوا اور بابر تخت نشین ہوا۔ پربھو دیال تیموری دربار مین مصاحبت سے فیضیاب ہو کر راجہ کے خطاب سے سرفراز ہوئے، اور رفتہ رفتہ دیگر صاحبان گوڑ بھی دربار شاہی

لہ اس مین راجہ دنیا ناتھ صاحب دریابادی کے خاندانی و واقعاتی حالات نظم کئے گئے ہین جنھین راجہ صاحب ممدوح کے حقیقی بھائی کھیو سرداس یادداشت کے طور پر لکھ کے فوت ہو گئے تھے، اُن کے بعد اُن کے پوتے سوامی داس نے اب سے دو سو برس قبل اِس یادداشت کو بھاشا نظم کا لباس پہنا کر اپنے بزرگون کی قابل قدر یادگار قائم کر دی۔ لیکن افسوس ہے کہ اِس وقت تک یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے جس کی ایک نقل بخط فارسی پروفیسر راماداس صاحب گوڑ ایم۔ اے۔ بنارسی کے کتب خانہ مین موجود ۱۲ ٢ہ ١٢ ٣ہ ١٢ ۴ہ "دریاپر" مراد دریاباد سے اور "دربار راجا" سے مراد راجہ دنیا ناتھ دریابادی سے ۱۲ ۶ہ بلونڈ یر مراد بلونڈا سے جو در اصل بلونت پور تھا ١٢ ٧ہ دہلی سے پچھم طرف ١٢ ٨ہ دہلی سے متصل پورب طرف ١٢۔

مین عہدۂ جلیلہ پر فائیز ہوئے۔ یہ واقعہ ۱۵۱۶ء اور ۱۵۲۳ء کا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد پربھودیال، راجہ دنیا ناتھ گوڑ دریاآبادی، راجہ مہابل رائے نظام آبادی، راجہ بدل سنگھ ٹڑہریا، راجہ ہیرالال بُندھوہے، فوج کشی کرکے کسی تقریب سے کاسن گئے اور وہان اجیار سنگھ سے سخت خونریز جنگ ہوئی۔ گوڑ کائستھون کو فتح اور اُجیار سنگھ کو شکست ملی، اور وہ قید ہوا۔"

مختصر تاریخ اقوام الکائستھ حصہ اول صفحہ ۹۱ و ۹۲ (مولفۂ بابو گوپی ناتھ سنگھ صاحب بی۔ اے وردابریلوی)۔ مین رقم ہے کہ۔ "راجہ دنیا ناتھ گوڑ دریاآبادی و راجہ مہابل رائے نظام آبادی وغیرہ مشہور رؤسائے ہند تھے۔"

اقتباسات مذکورۂ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ راجہ دنیا ناتھ صاحب کے بزرگ موہن لال صاحب نے چودھوین صدی عیسوی کے آغاز مین وبا پھیلنے کے باعث اپنے وطن گوڑ دیش سے بھاگ کر کاسن مین سکونت اختیار کرلی تھی اُن کی اولاد مین راجہ پربھودیال صاحب بہ عہدِ بابر بادشاہ دہلی سلطانی مصاحب تھے اور راجگی کا خطاب مرحمت ہوا تھا۔ راجہ صاحب کے پانچ بیٹے کھیوسر (کھیوسرداس) اُدسے (اُدے سنگھ)، بربل مادھو، دنیا سنگھ، ہرمن (ہرمن سنگھ)۔ کھیوسرداس کاسن سے سیدپور (بنارس) آکر آباد ہوئے، اُدے سنگھ اُجین مین اور بربل مادھوساگر (ملک متوسط) مین بسے۔ دنیا سنگھ صاحب نے مع اپنے بھائی ہرمن سنگھ کے دریاآباد مین رہنا پسند فرمایا۔ یہ بڑے معزز اور اقبالمند تھے، سربرآوردہ رئیسون مین شمار تھا۔ اِن کی بہادری اور شان و شوکت کی دُور دُور تک شہرت تھی۔ راجہ کہلاتے تھے۔ لیکن محض نام ہی کے راجہ نہ تھے، بلکہ راجون کی حیثیت رکھتے تھے۔ زبردست ریاست بھی تھی خزانہ بھی تھا، فوج بھی تھی۔ اِن سے اچھے اچھے بہادر راجون سے دوستانہ تعلقات قائم تھے جو بدل و جان وقت پر اِنکی مدد کرتے تھے۔

"یہ بھا دنیا ہے آپار۔ کلم، کاگج، جات بار "تین سہسر گج، اونٹ، رتن پالکی سات سے" پانچ سہس سنگ پیدل رہو"، مین اگرچہ شاعرانہ مبالغہ اور تصنع بہت ہے، تاہم اِن الفاظ سے راجہ صاحب کے اعزاز و مرتبہ، اُلوالعزمی، اور امیرانہ شان و شوکت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ برات مین تین ہزار ہاتھی، اونٹ، گھوڑے، سات سو پالکیان اور پانچ ہزار پیدل آدمیون کا شریک ہونا، بہت بڑی اہمیت ظاہر کرتا ہے۔ راجہ دنیا ناتھ کی تعریف لکھتے وقت قلم کا مجبور ہوجانا، کاغذ نہ میسر آنا، پالکیون کا مرصع بیان کرنا، شاعرانہ تصنع سے خالی نہین۔

راجہ صاحب اپنی زندگی مین تین لڑائیان لڑے، اور تینون مرتبہ دشمنون سے سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ لیکن کبھی شکست نہین کھائی، ہر مرتبہ فتحیابی حاصل کی۔ پہلی مرتبہ جنگِ کاسن مین اپنے والد کی طرف سے شریک ہوئے تھے۔ دوسری لڑائی خاص دریاباد کے مقام پر ہوئی تھی، جس مین اِن پر دشمنون نے پانچ حملے کئے تھے۔ تیسرا معرکہ "بلونڈا" سے تعلق رکھتا ہے۔ اِس مرتبہ راجہ صاحب نے خود بہت بڑی جرار فوج ہمراہ لیکر چڑھائی کی تھی۔ یہ مہم عظیم الشان مہم تھی۔ بیس دن تک برابر میدانِ کارزار مین قتل و خونریزی کا بازار گرم رہا اور کئی ایک راجے شریکِ جنگ تھے۔ اِس سے راجہ صاحب کی بے مثل دلیری و شجاعت اور جوانمردی و علوہمتی اور دولتمندی ہی نہین ظاہر ہوتی، بلکہ یہ امر بھی صاف

نمایان ہوجاتا ہے کہ دنیا ناتھ صاحب بڑے اقبال والے بھی تھے جسکی وجہ سے مونڈا کی لڑائی میں فتحیابی کے بعد ایک بہت بڑی ریاست ہاتھ آگئی تھی۔

تذکرۂ سوجا ردستی، اور سنیشے موجن، وغیرہ سے یہ معما کسی طرح حل نہیں ہوتا کہ راجہ دنیا ناتھ صاحب کیونکر دریاباد آئے، کیون یہان سکونت پذیر ہوئے؟ اور کس طرح ترقی کرکے اتنا بڑا نام پیدا کیا کہ قومی مورخون نے اپنی اپنی تاریخون مین ان کا ذکر خیر درج کرنے کی تکلیف گوارا فرمائی؟ لیکن واقعات کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت دریاباد میں گوڑ کائستھ آباد تھے، جن کا زمانہ بہت موافق تھا، اچھی خاصی زمینداری کی ملکیت بھی حاصل تھی اور قانونگوئی کی عزت بھی ؏ دنیا ناتھ صاحب کی اِن گوڑون کے یہاں شادی ہوئی ہوگی اور اس طرح سلسلۂ رشتہ داری وطن کو خیرباد کہکر یہین رہنا مناسب سمجھا ہوگا۔ کچھ دنون کے بعد ہاتھ پاؤن نکالے ہونگے۔ بخت رسا اور خداداد شجاعت کی بدولت دربار شاہی مین پہنچ کر اعزازی خلعت سے سرفراز ہوکے قابل رشک حیثیت پیدا کی ہوگی، پھر بزور شمشیر بلونڈا کے حکمران ہوکر راجون مین داخل ہوگئے ہونگے، اور دنیا سنگھ کے بجائے راجہ دنیا ناتھ نام مشہور ہوگیا ہوگا۔

اکثر بزرگون کی زبانی راجہ ٹِھی، راجہ ٹولا، راجہ منڈی، راجہ بھون، راجہ مندر، راجہ تالاب، راجہ پھلواری وغیرہ کا ذکر سُننے مین آیا ہے، اور راجہ ٹِھی اس وقت تک موجود اور مشہور ہے چونکہ آج تک دریاباد مین بجز بھوانی پرشاد صاحب کے اور کسی دوسرے بزرگ کو راجہ کا لقب نہین حاصل ہوا، لیکن راجہ بھوانی پرشاد صاحب نواب سعادت علی خان بہادر اور غازی الدین حیدر بادشاہ (فرمانروایان لکھنؤ) کے زمانے میں تھے اور راجہ دنیا ناتھ صاحب کا زمانہ حیات شاہان مغلیہ کا ابتدائی دورِ حکومت ثابت ہوتا ہے، اس لئے بلاخوف تردید کہہ سکتے ہین کہ مذکورۂ بالا یادگارین راجہ دنیا ناتھ صاحب کی اُولوالعزمی اور فیاضی کا نتیجہ تھین جو امتداد زمانہ اور جانشینون کی تباہی سے بہت جلد بے نام ونشان ہوگئین۔ راجہ ٹِھی آج کل کھیتون کی صورت مین راجہ صاحب ہڑاہا کے قبضہ مین ہے۔

کتاب "سنیشے موجن" سے ثابت ہوتا ہے کہ راجہ دنیا ناتھ صاحب بہادر اور جری ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے دھرماتما اور سخی و فیاض بھی تھے، دان پُن سے خاص دلچسپی تھی۔

منشی کامتا پرشاد صاحب کھرے مصنف ہندو سوشیالوجی (بنارس) اپنے ایک نوازشنامہ مین بجواب خط راقم الحروف مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۲۶ء تحریر فرماتے ہین: "میرا خیال ہے کہ راجہ دنیا ناتھ صاحب نام کے دو بزرگ گذرے ہین۔ ایک دریابادی (گوڑ) دوسرے فیض آبادی (شری واستویہ) یہ دونون صاحب مختلف وقتون مین ہوئے ہین۔ شری واستویہ صاحب کا زمانہ نوابی دورِ حکومت ہے اور گوڑ صاحب تیموری خاندان کے بادشاہون کے عہد مین تھے" اس سے بھی راجہ دنیا ناتھ صاحب کا دریابادی ہونا اور راجہ کا خطاب پانا اچھی طرح ثابت ہوتا ہے۔

راجہ صاحب کا خاندانی شجرہ اس امر کا پتا دیتا ہے کہ اِن کے بھائیون مین صرف کھیو سرداس کی نسل مختلف

؏ باب اول مین گوڑ کائستھون کا ذکر ملاحظہ ہو ۱۲۔

مقامات پراب تک موجود ہے، دیگر بھائی لاولد فوت ہو گئے تھے - اِن کے چچا زاد بھتیجے راجہ جہبل رائے صاحب نظام آبادی (اعظم گڈھ) کی بھی نسل منقطع ہو گئی - اسی طرح راجہ صاحب کے بھی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، صرف ایک بیٹی تھی جسکی وجہ سے ان کے رحلت فرماتے ہی بہت جلد اِن کا نام و نشان دریابادسے ہمیشہ کے لئے مٹ گیا - غالباً اکبر ہی کے زمانے مین انکا انتقال ہو گیا ہو گا -

لالہ بھگوان پرشاد صاحب چکلہ دار

عُرف بھگوانداس اچھتری درن، کھرے کائستھ بڑے خوش نصیب اور ذی حوصلہ رئیس و تعلقدار، شاہی زمانے مین چکلہ داری کے معزز عہدہ پر ممتاز تھے - انھون نے اپنے نام سے ایک موضع بھگوان پور آباد کیا تھا - اِن کے دو لڑکے مرار سنگھ و ہیرالال تھے جو چودھرائی کے لقب اور قانونگوئی کے عہدہ پر مامور تھے -

بیان کیا جاتا ہے کہ اِن کے مورث اعلیٰ چندو لبنداس جن کی قدیم زمینداری دریاباد کے گرد و نواح میں تھی، دریاخان صاحب عامل کے ہمراہ محمود آباد سے آئے اور جنگل کٹوا کر دریاباد مین آباد ہوئے - مزروعہ آراضی کا نام پٹی لبنداس پور اور آباد شدہ رقبہ کا نام محلہ کھرے کائستھان یا کھرن ٹولہ مشہور ہوا جو اب تک شہرت کے ساتھ بدستور قائم ہے - واجب العرض دریاباد سے بھی اُن کی قدامت اور زمینداری وغیرہ بخوبی ثابت ہوتی ہے - لیکن جنگل کٹوا کر آباد ہونا بالکل خلافِ واقعہ ہے (ملاحظہ ہو باب، ذکر دریاباد) - لالہ لبنداس صاحب نے دریاباد مین آباد ہو کر محلہ قائم کیا ہو گا اور آراضی مول لیکر لبنداس پور کی بنیاد ڈالی ہو گی -

کھرے کائستھ معمولی رئیس نہ تھے، بلکہ معزز تعلقدارون مین شمار کئے جاتے تھے - اُنھوں نے اپنی فطری قابلیت کے زور سے دربار شاہی مین رسوخ پیدا کر کے قانونگوئی کا عہدہ حاصل کیا، جو نسلاً بعد نسلاً آخر زمانہ نوابی تک بحال رہا، ساتھ ہی اس کے قدیم زمینداری کو اتنی وسعت دی کہ دلوہ، حسین پور، جمرطوا، چارمئو، اسینا، ننگانوان، کاشی پور، امراپور، لبنداس پور وغیرہ مواضعات کا ایک اچھا تعلقہ لبنداس پور کے نام سے قائم ہو گیا - تخمیناً تین سو برس تک اِس خاندان والون نے اپنی خوش انتظامی سے دریاباد میں اپنی ناموری کا ڈنکا بجایا - بعد ازان غفلت و اوباشی کا دخل ہوا، آمدنی سے اخراجات بڑھ گئے، زیر باری کی نوبت آئی - بھگوانداس صاحب کی وفات کے بعد اِن کے بیٹے اور پوتے مُرار سنگھ اور رمنی داس چودھری و قانونگو نے پہلے حصہ لبنداس پور مع حویلی دبٹی دریاباد ۱۱۳۵ھ مین رہن کیا - پھر کل موضع لبنداس پور ۱۱۴۲ھ مین مکفول ہوا اکیس ۲۱ برس کے بعد بدھی لال صاحب قانونگو کی بدولت سارا تعلقہ لبنداس پور ۱۱۹۰ فصلی (۱۱۶۶ھ) مین ذریعہ بیعنامہ مرزا بختاور اللہ بیگ صاحب ناظم (ساکن دریاباد) کے قبضہ مین آگیا جو واجب العرض لبنداس پور سے ثابت ہوتا ہے لیکن حال کی تحقیقات اس امر کا پتہ دیتی ہے کہ بھگوان پور نامے موضع اب بھی کھرے کائستھون کی ملکیت مین ہے جس پر لالہ

---

۵ شری دیوی کے معتقد شری واستو یہ کائستھوں میں سے جو پرگنہ کھر (واقع کشمیر) مین آباد ہوئے اُن کی اولاد "کھرے" کہلائی اور جنھوں نے پرگنہ دیوسر (کشمیر) میں سکونت اختیار کی وہ پہلے دیوسرے، بعد کو دوسرے مشہور ہوئے - اِن مین سے جن کی نسل اُناؤ (اودھ) مین قائم ہوئی وہ "اُناؤ" یا "دُنیائے" کہے گئے ۱۲ -

ست بخش کی بیوہ عورت قابض ہے ۔ تعلقہ کے بعض مواضعات دیگر لوگون کے ہاتھ فروخت کیے گئے تھے ۔ کھرے کائیتھون کے یہان کی بھی شادی مشہور ہے ۔ دیوان رتن لال صاحب کے بعد یہ دوسری شادی تھی، جو بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی ۔ برات سندیلہ سے آئی تھی، بڑے بڑے شاہی معززین ناظم و چکلہ دار وغیرہ برات مین شریک تھے ۔ منشی ہنگلی پرشاد صاحب کی پھوپھی کا بیاہ راجہ فتح چند صاحب (تعلقدار سندیلہ) کے ساتھ ہوا تھا ۔ خدا کی قدرت دیکھئے جن بزرگون کی نسبت اب تک یہ بات مشہور ہے کہ "کھرے کائیتھون کا بڑا زمانہ تھا" اُن کے نام کا محلہ بھی جو دریاباد کی واجب العرض مین کھرن ٹولہ کے نام سے درج ہے، باقی نہ رہا ۔ کھرے کائیتھون کی یادگار مین دو پختہ کنوئین (ایک مکان کے پچھم طرف، جسے مہیش پرشاد نے بنوایا، دوسرا دروازہ پر) اور شکستہ دو منزلہ مکان اب تک موجود ہے ۔ اولاد مین برج راج بہادر ایل ایل بی، ایم ایس سی پروفیسر سائنس، جالپا پرشاد ایم ایس سی پروفیسر بیالوجی، رام سرنداس بی اے ایل ایل بی وکیل شیام لال بی اے ایل ایل بی وکیل، گرراج بہادر و برج لال بی اے بقید حیات اور برائے نام یعنی صرف ہوس ٹیکس ادا کرنے کے لیے دریاباد سے تعلق ۔

لالہ اچل سنگھ صاحب

ماتھر کائیتھ چھتری ورن، از خاندان رائےصاحب، خاندانی رئیس و تعلقدار، اپنے بزرگون کی طرح انتظام ریاست مین منہمک، دور اندیش، زمانہ شناس اور تجربہ کار ۔ ان کے والد لالہ ٹکیٹ رائے صاحب چودھری قانونگو بڑے دانشمند اور منتظم تھے، جن کی یادگار مین "ٹکیتی تال" اب تک موجود اور مشہور ہے ۔ ان کے مورث دُرگا داس عرف دُرگے (از نسل نیمار اؤ) رائےصاحب کے یہان سے علٰحدہ ہوکر دریاباد مین انھین کے مکان سے قریب دوسری جگہ سکونت پذیر ہوئے ۔ دُرگا داس کی اولاد مین کشل سنگھ صاحب کی نسل والون نے جب ترقی کی تو کثرتِ اولاد کے باعث بہت سے پختہ مکانات یکجائی مسلسل ایک حلقہ کی صورت مین تیار ہوکر آباد ہوگئے اور اس حلقہ کے متعلق شمال رویہ ایک پختہ پھاٹک بھی تعمیر کیا گیا، جسکی وجہ سے کچھ عرصہ کے بعد یہ لوگ "پھاٹک اندر والے صاحبان ماتھر" یا "صاحبانِ پھاٹک اندر" کے نام سے مشہور ہوگئے اور اس آباد شدہ حلقہ کو محلہ "پھاٹک اندر" کہنے لگے ۔ اِن بزرگوں کی یادگار مین دو شیوالے اور ایک چاہ پختہ مع پوشالہ اس وقت تک موجود ہے ۔ اِن شیوالون مین ایک شیوالہ پھاٹک اندر منشی شمبھو دیال صاحب کی پھلواری مین واقع ہے، جو بہت ہی مختصر ہے، دوسرا شیوالہ مرگھٹا (مرگھٹ) مین آنند تال کے قریب کس مپرسی کی حالت مین ویران ہے، یعنی اس مین مورت نہین ہے ۔ چاہ پختہ مرگھٹا کے قریب، رائےصاحب کی پھلواری سے متصل واقع ہے ۔ اِس مین دو پختہ پوشالے بنے ہوئے تھے، جس کے اب صرف نشانات باقی ہین ۔ یہ لمبا چوڑا اور بلند کنوان بہت ہیبتناک ہے جسے "ہتیاری کنوان" کے نام سے شہرت ہے، جسکی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کنوئین مین بہت سی جانین ضایع ہوچکی ہین اور جس وقت کوئی آدمی یا جانور گرتا ہے تو اس زور سے پانی اُبلتا ہے کہ وہ بجز ڈوب جانے کے کسی طرح جانبر نہین ہو سکتا ۔ اس خاندان مین مہابل سنگھ، گلاب چند، دھونکل سنگھ، ہمت سنگھ،

دیبی سنگھ، شیوبنس رائے، وغیرہ مشہور و معروف بزرگ گزرے ہین، جو سب کے سب چودھرائی کے لقب اور قانونگوئی کے عہدے سے سرفراز تھے۔ اِن مین بعض اصحاب ایسے بھی تھے، جن پر وقتاً فوقتاً خاص طور سے شاہی رعایتین مبذول ہوتی رہین۔ ملاحظہ ہو باب ہٰذا کی فصل ۲ مین لالہ سرجو پرشاد صاحب و منشی دیبی چند صاحب کا بیان۔

ایک شاہی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ لالہ اچل سنگھ صاحب نے نواب ابو المنصور خان بہادر صفدر جنگ کے عہد حکومت مین چودھرائی کا لقب اور قانونگوئی کا عہدہ معہ خلعت حاصل کیا تھا۔ تحریر شاہی کی نقل حسب ذیل ہے۔

نواب ابو المنصور خان بہادر صفدر جنگ ذکریست دربیان آنکہ چون درمیان بن سنگھ و اچل سنگھ ولد تلکیت رائے چودھری و قانونگو پرگنہ دریاباد در باب دستخط چودھرای و قانونگوئی خرخشہ و مناقشہ بود رفعت و امانت پناہ شیخ محمد روشن امین فوجدار پرگنہ مذکور فریقین راگفت کہ شما ان برای چہ درمیان خود ہا قضیہ و فساد میکنند من شما ہر دو کس را پیش مہاراجہ صاحب کہ ناظم صوبہ است استادہ خواہم کرد ہر کرا صاحب صوبہ از روی احقاق حق امر خواہد کرد ہمونکس خدمت چودھرای و قانونگوی بسر خواہد نمود چون بتاریخ پانزدہم شہر ربیع الاول سنہ ۲۹ جلوس والا بن سنگھ و اچل سنگھ مذکورین را پیش مہاراجہ صاحب در قلعہ فیض آباد اودھ رجوع نمودہ ملازمت کنانید چنانچہ مہاراجہ صاحب راجہ نولرای نائب نواب مستطاب معلی القاب۔ ناظم صوبہ اودھ آوردہ بعد از اسماع تقاریر و جواب سوال فریقین از روی عدالت العالیہ الفضال فرمود کہ دستخط چودہرای و قانونگوئی حق بجانب اچل سنگھ است بہ بن سنگھ مذکور نمیرسد دعوی بن سنگھ مسطور دروغی و کذب بوقوع آمدہ در باب اعراضی شد و اچل سنگھ بعطای خلعت سرفراز گردیدہ و حکم صادر شد کہ دستخط چودہرای و قانونگوئی بدستور سابق ارث پدری از اچل سنگھ کنانید و بن سنگھ کہ از راہ خلافہمای بعد واقعہ تکیت رای چودھری و قانونگو بسبب خوردسالی اچل سنگھ کاروبار چودہرای و قانونگوئی میکرد آن را بیدخل ساختہ حالا از بن سنگھ مذکور ہیچ واسطہ و علاقہ دستخط چودہرای و قانونگوئی نیست و نماندہ بارا کر بتقدیر نامبردہ از اچل سنگھ مذکور بہ نہجی دعوی و خرخشہ نماند باطل و نامسموع کردہ داشت صورتحال و بس مہر محمد روشن انصاری۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب اچل سنگھ صاحب کے بعد ریاست کے متعلق باہمی بٹوارہ ہوا تھا تو، اُس وقت چھوٹے بڑے معہ حصص کے ۴۱ اکتالیس مواضعات کی ایک فہرست تیار کی گئی تھی، جو خاندان والون مین تقسیم ہوگئے تھے۔ لالہ انوکھے لال صاحب کے یہان (جو اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہین) جو کاغذات دیکھے گئے ہین وہ بھی اِس بات کو ظاہر کرتے ہین کہ اچل سنگھ صاحب کے پاس بہت سے مواضعات کا ایک اچھا تعلقہ تھا، جس مین کھرگ پور، ہوسلے پور گوجرپور، بٹی، چکیسان پور، لکھی پور، کانٹی، روح اللہ نگر، سکری، جیول، بھگوتی پور عرف کیونلا پور، گوبند پور، کھان پور، ٹیلا راگھو پور، شیام نگر، حصص موضع کسفر، حصص موضع تیلما وغیرہ دیہات شامل تھے۔ اِس سے ان کی اچھی خاصی تعلقدارانہ حیثیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ کاغذات مذکور حسب ذیل ہین۔

(۱) مہر حسام الحق ولد نور الحق قاضی الصاری، مطابق باصلہ حضور پرنور دام اقبالہ نیقہ خاص کرامت اختصاص

بمہر مُرشد زادہ آفاق بہادر دام اقبالہ۔ باقر علی تحصیلدار دریاآباد وغیرہ بداند دیبی سنگھ قانونگوی دریاآباد استغاثہ نمود کہ موضع سرای خواجکی محلہ پرگنہ دریاآباد از آباو اجداد زمینداری متثبت است واز چند سال متعلقہ "علاقہ سکری وغیرہ" بقبولیت سوبنس رای برادر زادہ اش ماندہ در ۱۲۲۶ فصلی مسمی اکبر کہ بوجہ من الوجوہ از موضع مذکور سلاقہ ہذا را بہ اظہار خلاف و باطل موضع مذکور بہ قبضہ خود در آوردہ چنانچہ مستغیث مذکور برای تصدیق دعوی خود نقل بیعنامہ و رہنامہ بنظر انور گذرانید لہذا حسب الحکم نگارش میرود کہ درصورت موجب بیعنامہ و رہنامہ موضع مذکور از قبضہ غاصب بر آوردہ بدستور در قبولیت سوبنس رای مذکور دارد کہ حق تلفی احدے منظور خاطر مبارک بندگان نیست مرقوم سیزدہم شہر ذی قعدہ ۱۲۳۲ ہجری (۳) واجب العرض خان پور عرف کھان پور آباد کردہ بن سنگھ رائے ولد کشل سنگھ برادر حقیقی ٹکیت رائے موصوف (۳) واجب العرض ردح اﷲ نگر کانتی (۴) واجب العرض موضع ٹیٹما (۵) واجب العرض موضع راکھوپور سندر داس ولد درگا داس مورث اچل سنگھ صاحب سے راگھوجی (شری رام چندرجی کے ناموں مین سے ایک نام) کے نام پر از روئے عقیدت آباد کیا (۶) واجب العرض گوندپور (۷) مسکہ بدن سنگھ ولد ابدھوت رای بن سنتوکھ رای چودھری و قانونگوی پرگنہ دریاباد آم۔ چون موضع ٹیری و مرادپور وغیرہ منجملہ التعلقہ دیہات زمینداری خود کہ از حضور معاف کنانیدہ بیناںچہ اچل سنگھ فریق ثانی بحضور نواب صاحب قبلہ بحی نور بیگ خان حیوانش نمودہ کہ در وجہ معافی نصف حق بمن میرسد چرا کہ آباو اجداد بندہ دیہات موضع سکری و کنوٹے و کوسہ پور کہ بذاتی پیدا کردہ . چہاردہم ربیع الثانی ۱۱۸۰ ہجری
(۸) بیعنامہ نوشتہ بھاگونت و کشن داس وغیرہ ساکنان کسفر مرقومہ ۲۲ - رجب ۱۱۹۵ ہجری بنام درگا داس موصوف۔
(۹) بیعنامہ نوشتہ پرتھی بن لکھمی سین وغیرہ بنام ٹکیت رائے موصوف بابت دو حصہ در دو بست موضع تلیا مرقومہ ۱۱ جمادی الاول ۱۲۳۶ ہجری (۱۰) بیعنامہ نوشتہ بھاگونت وغیرہ بنام درگاداس موصوف تعدادی دو سو بیگھہ پختہ مرقوم ۲۵ - ربیع الاول ۱۱۸۲ھ
(۱۱) منکہ سرچول ولد رجن سنگھ دو بدی لعل چودھری و قانونگو پرگنہ دریاآباد چون مبلغ چہل و یک روپیہ سکہ رائج الوقت بابتہ گرونامہ موضع سیام نگر از دست دیبی سنگھ ولد جیت رائی بن ٹکیت رائے چودھری و قانونگو پرگنہ دریاآباد تمام و کمال وصول یافتم دامی درمی باقی نماندہ بنابران این چند کلمہ بطریق قبض الوصول و رسید از تمسک گرونامہ نوشتہ دادیم کہ ثانی الحال سند شد تحریر فی التاریخ سیوم شہر ذی حجہ ۱۱۹۳ ہجری مطابق ۱۱۸۶ فصلی گواہ شد بہولاناتھ قانونگو العبد دمہر چول گواہ شد سردار سنگھ گواہ شد گنگا پرشاد دوبے گواہ شد بینی سنگھ قانونگو (۱۲) رہن نامہ نوشتہ شنکر دیال بابت کھرگ پور ہونسے پور گوجر پور، پٹی چکنیان پور لکھی پور، بنام رائے سورج بلی صاحب مرقومہ ۱۹ - صفر ۱۲۴۵ ہجری"۔ کاغذ نمبر اول مین "علاقہ سکری وغیرہ" ایک زبردست، وسیع اور معنی خیز جملہ ہے۔ مذکورہ بالا کُل کاغذاتہ ہرکرشن بلی صاحب کے پاس موجود۔

رہن نامہ نوشتۂ بینی داس ولد مرار سنگھ چودھری و قانونگو (کھرے کایستھ) بنام سنتوکھ رائے (از خاندان رئیس) سے ثابت ہوتا ہے کہ اچل سنگھ صاحب دریاباد مین بھی ایک پٹی کے مشترکہ مالک تھے جس کا نصف حصہ ان کے قبضہ مین تھا اور نصف ابدھوت رائے کی ملکیت مین۔

سلہ ہرکرشن بلی صاحب کے پاس موجود ۱۲۔

بیعنامہ نوشتہ مسماۃ ستو برنا زوجہ گنگا پرشاد بجہت اسمی پنڈت رام سنہر مرقومہ ۲۲ - ربیع الاول سنہ ۱۱۵۳ھ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اچل سنگھ صاحب رطب سے دستخط اور معمولی کتابت مین بھی عاری تھے - دیگر تحریرون سے یہ چودھری بشارت علی صاحب ابد صورت رائے صاحب، بدھی لال صاحب، ہیرالال صاحب وغیرہ چودھری و قانونگو کے ہم عصر و ہم رتبہ معلوم ہوتے ہین جواب سے سوا سو برس قبل بقید حیات تھے - ایک کرم خوردہ اقرارنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اچل سنگھ صاحب سنہ ۱۱۰۰ھ مین زندہ موجود تھے ــ

ان کی وفات کے بعد ان کے پوتے شیونبس رائے کی زندگی تک علاقہ بدستور قائم رہا۔ شیونبس رائے کے مرنے ہی یعنی اب سے ایک صدی قبل باہمی نفاق کا بازار گرم ہو گیا اور سکھ لال صاحب کی ناعاقبت اندیشی سے تعلقہ پانچ سات حصون مین تقسیم ہو کر رفتہ رفتہ معمولی زمینداری کی حیثیت مین باقی رہ گیا جو اس وقت تک قائم ــ

شیونبس رائے کے بیٹے شنکر دیال چودھری و قانونگو نہایت عیش پرست تھے۔ تقسیم ریاست کے بعد جس قدر زمینداری ان کے حصہ مین آئی وہ بیجا مصارف کے باعث بہت جلد زیر بار ہو گئی - ان کے لکھے ہوئے ایک رہن نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مواضعات کھرگ پور، ہونسے پور، گوجھ پور، پٹی چکمینان ویر انکھی پور، رائے صوبہ علی صاحب رئیس دریاباد کے یہان ۱۹ صفر سنہ ۱۲۴۵ھ مطابق سنہ ۱۲۳۷ فصلی کو صرف سولہ سو روپیہ کے عوض رہن ہو گئے تھے -

شنکر دیال صاحب کی اولاد میں بشمبر دیال صاحب بھی ناعاقبت اندیشی میں اپنے والد سے کچھ کم نہ تھے، جن کے مرتے ہی یہ آزادانہ طور پر بے خوف و ہراس نوعمری ہی کھل کھیلے۔ بزم نشاط آراستہ ہو گئی۔ ناچ رنگ، شراب و کباب کا دھوادھند مشغلہ شروع ہو گیا۔ آنکھ بند کر کے دولت خرچ ہونے لگی - انجام کار زیربار ی کی نوبت آئی - کل مواضعات ذریعہ بیعنامہ معمولی رقم کے عوض غیرون کے قبضہ مین آ گئے، دو منزلہ پختہ مکان فروخت ہو کر منہدم ہو گیا۔ سنا جاتا ہے کہ جب سب طرح سب دلخواہ صفائی ہو چکی تو لالہ بشمبر دیال صاحب ناقابل برداشت مصیبتون سے تنگ آ کر نہ معلوم کہان چلے گئے۔ ان کے ایک دستخطی بیعنامہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۲۰ - اگست سنہ ۱۸۷۰ع تک بقید حیات دریاباد مین موجود تھے - ان کے نہ کوئی اولاد نرینہ تھی نہ بھائی بھتیجے تھے، صرف دو لڑکیاں تھین جن مین سے ایک لڑکی کی شادی مین بہت تیز اُلوالعزمی سے کام لیا گیا تھا - شادی کے مصارف کے لئے انھون نے مستلم موضع کیونلا پور بیچ ڈالا تھا - اس لڑکی کا بیاہ دریاباد ہی مین لالہ ٹھاکر پرشاد صاحب ماتھر کے بیٹے اودھ بہاری کے ساتھ ہوا تھا - (بچانک اندر)

دیوان روشن لال صاحب

کائستھ شری واستو بیدو سرے چھتری ورن، لالہ گنیش پرشاد صاحب کے بیٹے، نامی گرامی اُلوالعزم رئیس و تعلقدار

ل یہ موضع لال گنج کے قریب اب تک موجود ہے ۱۲ - ل ان کا دو منزلہ پختہ مکان لالہ گوپال پرشاد صاحب ماتھر اور مادھو جتی کے مکانون کے مابین واقع تھا، جو عرصہ سے بے نام و نشان ہو گیا۔ گو پرشاد کے خاندان مین جب کوئی باقی نہ رہا تو یہ لاچار مکان بیچکر اپنے بھتیجے کے پاس حیدرآباد چلے گئے اور وہین فوت ہوئے ۱۲

رُکن الدولہ میاں الماس علی خان صاحب بہادر کے دیوانِ اوّل ؎ وطن پرست، فیاض، مُخیّر بیکس نواز ہونے کے ساتھ ساتھ شریف پرور اور قوم پرور بھی تھے۔

بعضوں کا بیان ہے کہ دیوان جی صاحب دریاباد کے قدیم باشندوں میں تھے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کے بزرگ کسی وقت میں سیتاپور سے آکر یہاں آباد ہو گئے تھے۔ لیکن "پشت نامہ بسنت رائے" (منشی ماتا پرشاد صاحب وکیل کے بزرگوار) سے پایا جاتا ہے کہ بسنت رائے کے خاندان والے دریابادی محرروں اور راجہ بھوانی پرشاد صاحب و دیوان روشن لال صاحب کے رشتہ دار تھے۔ پُشت نامہ میں راجہ صاحب کے بزرگوں کو "خوشباش دریاباد" لکھا ہے محرروں اور دیوان جی کی نسبت کچھ بھی تحریر نہیں۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ دیوان جی صاحب دریاباد کے قدیم باشندے تھے، اِن کے بزرگ خوشباش نہیں تھے۔ کیونکہ اگر اِن کا اصلی وطن سیتاپور ہوتا تو پُشت نامہ میں لالہ بسنت رائے صاحب حسب دستور قدیم انھیں بھی بے دریغ خوشباش تحریر فرماتے اور اس بارہ میں ذرا بھی رعایت کو دخل نہ دیتے۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ دیوان روشن لال صاحب عالی خاندان تھے اور اِن میں اور راجہ بھوانی پرشاد صاحب مرحوم اور محرروں میں باہمی قرابت داری قائم ہو گئی تھی۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ دیوان جی کی بہن کا بیاہ تنگدستی کی حالت میں ایک بہت بڑے معزز رئیس کے یہاں ہوا تھا اس سے بھی اِن کی عالی نسبی پائی جاتی ہے۔

سنا جاتا ہے کہ دیوان روشن لال صاحب بہت غریب تھے۔ ایک دن اِن کی بی بی نے مصیبت سے تنگ آکر اِن سے کہا کہ "سُنتی ہوں یہاں (یعنی دریاباد میں) بیر شاہ بہت بڑے کامل فقیر رہتے ہیں، تم اُن کے پاس جاؤ اور اپنا حال بیان کرو شاید اُن کی دُعا سے کہیں روٹی کا سہارا ہو جائے"۔ روشن لال صاحب پر درد انگیز کلمے سُن کر اپنی عورت کے کہنے کے مطابق فوراً ننگے سر ننگے پاؤں پیر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب اُس وقت جذبہ کی حالت میں ٹہل ٹہل کر کچھ بڑبڑا رہے تھے، کہ دفعتہً اِن پر نگاہ پڑ گئی۔ ابھی یہ کچھ مُنھ سے بولنے بھی نہ پائے تھے کہ روشن ضمیر بیر شاہ کی زبان سے نکل گیا "جا، اسی وقت لکھنؤ چلا جا، تو خدا کے حکم سے بڑا بھاری امیر ہو جائے گا"۔ روشن لال نے دست بستہ عرض کیا کہ "پیر و مُرشد! میرے بدن پر لتّا تاگا تک نہیں، کیوں کر لکھنؤ جاؤں! حکم ہوا، "کچھ پروا نہیں، یوں ہی اللہ مہربانی کرے گا"۔ یہ پھر گڑگڑا کر کچھ کہنا چاہتے تھے کہ شاہ صاحب نے غصہ سے فرمایا۔ "ابے! جاتا نہیں ہے، وہاں ماہی مراتب تیار ہے"۔ یہ آخری کلمے سُننے کے ساتھ ہی روشن لال اپنے گھر آئے اور اپنی عورت سے شرح کیفیت بیان کی۔ سعادت مند بی بی نے فوراً کہیں سے مانگ جانچ کر زادِ راہ کا انتظام کر کے انھیں پیر کے بھروسے پر رخصت کیا۔ روشن لال بغل میں ایک پُرانا ٹوٹا قلمدان دبائے، ہاتھ میں کھانے کی پوٹلی لئے لکھنؤ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ خدا کی شان! جس وقت یہ لکھنؤ میں گومتی کے پُل پر پہونچے، اُس وقت میاں الماس علی خان کی

؎ دوسرے دیوان لالہ ریوتی رام صاحب تھے بریلی کے تھے جن کی یادگار میں پختہ تالاب، پھلواری، گنج، چاہ پختہ اب تک موجود اور دور دور تک مشہور و معروف ۱۲۔

سواری اُدھر سے آرہی تھی، جسے دیکھ کر انھین گمان ہوا کہ شاید بادشاہ سلامت کی سواری آتی ہے، باین خیال یہ جلد اُس پار پہونچکر راستہ سے الگ ایک جگہ چُپ چاپ مُؤدّب کھڑے ہوگئے، اتنے مین سواری قریب آگئی اور میان الماس علی خان نے اِن کی طرف دیکھا، یہ جھٹ فراشی سلام کرکے آگے بڑھے اور نذر مین شکستہ قلمدان پیش کردیا، دریائے رحمت جوش مین آیا، حکم ہوا کہ ہاتھی بٹھا دیا جائے۔ ہاتھی کا بیٹھنا تھا کہ الماس علی خان نے خود بڑھ کر اِن کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس زرین ہودج پر بٹھا لیا، اور اُسی وقت فوراً مکان واپس آکر قلمدان معہ خلعت عنایت فرماکے عہدۂ دیوانگی (دیوانی) سے سرفراز فرمایا۔ مصاحبین ورفقا، جو ہمراہ تھے، اس عجیب واقعہ سے مُتحیر ہوکر انگشت بدندان رہ گئے'' اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیوان جی اگرچہ افلاس کے باعث تنگ تھے، لیکن، دل ودماغ قابو مین رکھتے تھے، جس سے بجائے گھبرانے کے وہ اُس کی دفعیہ کے لئے حسب التحریک کوشش پر آمادہ ہوگئے تھے، ساتھ ہی اس کے بڑے عقلمند، ذہین، ذی علم اور اُس وقت کے آدابِ معاشرت اور شاہی تہذیب سے بھی اچھی طرح آگاہ ہونے کے علاوہ دلیر بھی تھے، اپنے سے بڑے آدمی کی شان وشوکت دیکھ کر مرعوب نہین ہوتے تھے۔

روشن لال صاحب کا طالع خفتہ بیدار ہوتے ہی دریاباد کے نصیب کا ستارہ بھی آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔ انھون نے اپنے فرائض منصبی انجام دینے کے ساتھ ساتھ اپنے وطن کی قابل قدر خدمت کرنے مین بھی نہایت فیّاضی سے کام لیا۔ عالی شان پھاٹک، مکان، کنوئین، شیوآلے، ٹھاکردوارہ، تالاب، دھرم شالے، گئو شالہ حمام، سراؤن، کوٹھیون وغیرہ کی تعمیر وسیع پیمانہ پر شروع کردی۔ گنج وبازار قائم کئے گئے، باغون اور پھلواریون کی بُنیاد ڈالی گئی، حکیم، طبیب، مولوی، مُدرسد، کاریگر، پیشہ ور لوگون کو جو اپنے علم وفن مین اُستاد تھے، لکھنؤ سے اپنے ہمراہ لاکر دریاباد مین آباد کیا، جن کے رہنے کے لئے ذاتی صرفہ سے مکان بنوانے کے علاوہ دیگر ضروری رعایتون کا بھی حسب مناسب لحاظ کیا گیا۔ اِس طرح دیوان جی نے لاکھون روپیہ خرچ کرکے دنیا کے سامنے اپنی عالی ہمتی مذہبی عقیدتمندی، بے تعصبی، عام فیاضی کا عملی ثبوت پیش کردیا۔ روشن لال صاحب کی دیکھا دیکھی اِن کے بیٹے دربا ری لال، مہی لال، سیوک رام بھی، جو نظامت اور چکلہ داری کے عہدہ پر مامور تھے، رفاہ عام پر آمادہ ہوگئے، اور انھون نے بھی گنج اور بازار بنوانے کے علاوہ عالی شان پھاٹک اور سرائین بھی تعمیر کرائین، جن سے نہ صرف دریاباد کی آبادی ورونق مین دوچند اضافہ ہوا، بلکہ ہزارہا غریب غربا بھی نہال ہوگئے۔

ہری شادا وستھی کہتے تھے کہ، ہمارے چچا اکثر بیان کیا کرتے تھے کہ، ہمارے ان داتا (ولی نعمت) روشن لال بڑے دھرماتما تھے۔ ایک مرتبہ قحط سالی کے زمانے مین جبکہ لوگ دین سے بے دین ہونے لگے تھے، بیشمار روپیہ خرچ کرکے ہزارون غریبون اور سفید پوشون کی جان بچائی تھی۔ یہ تالاب، شیوالے، گنج، سرا، مسجد وغیرہ کی بنیاد اُسی وقت ڈالی گئی تھی، جس مین سیکڑون مزدور روزآنہ کام کرتے تھے اور بیسیون بھلے مانس دیکھ بھال کے لئے نوکر تھے۔ جو لوگ دن مین محنت مزدوری کرنے سے مجبور اور خیرات لینا شان کے خلاف سمجھتے تھے، اُنکی گذر اوقات کے لئے رات کو کام جاری رہتا تھا اور برائے نام محنت لیجاتی تھی، مگر اُجرت معقول اور حیثیت

دیجاتی تھی - اِن سفید پوشون مین پردہ دار عورتین بھی شامل تھین، جو مردون سے علیحدہ کام کرتین اور عورتون کے ذریعہ سے اُجرت پاتی تھین - علاوہ اِس کے ایک بہت بڑا خیرات خانہ بھی قایم کیا گیا تھا، جس کے ذریعہ سے پردہ نشین غریب بیواؤن اور لاوارث مستورات کی بلا قید مذہب خفیہ طور پر پرورش کیجاتی تھی، اور اُن محتاجون کو دونون وقت کھانا کھلایا جاتا تھا، جو کام کرنے کے قابل نہین تھے"۔ اِس سے روشن لال صاحب کی روشن خیالی، دریا دلی، بیکس نوازی اور دانشمندانہ شرفا پروری پر زبردست روشنی پڑتی ہے -

لالہ سرجو پرشاد صاحب ایک مرتبہ بسبیل تذکرہ بیان فرماتے تھے کہ "ہمنے اپنے والد سے اکثر سُنا ہے کہ دریاباد مین دیوان روشن لال بڑے فیاض اور قوم پرور گذرے ہین - اُن کی بدولت بہت سے کائیتھ اور برہمن آرام کی زندگی بسر کرتے تھے، سیکڑون غریب ہندو و مُسلمان لکھنؤ اور دریاباد مین اُنھین صبح و شام دعائین دیتے تھے اِنھون نے لکھنؤ کے اطراف مین اکثر سڑکون پر دورویہ آمون کے سایہ دار درخت لگوائے اور جابجا پختہ کنوئین اور دھرم شالے تعمیر کرائے تھے - دریاباد کے باہر لکھنؤ والی سڑک پر دودھ دہی کی چوکی والا پختہ کنوان اُنھین کا بنوایا ہے دریاباد مین اُس وقت خیرات کے متعلق اِن کا نام خاص طور پر مشہور تھا، جو سادھو یا فقیر باہر سے آتا تھا، لوگ اُسے اُنھین کی ڈیوڑھی کا پتہ بتادیتے تھے - یہ بہت بڑے مسافر نواز بھی تھے - اپنے آباد کردہ گنج کی سراؤن مین خود جانچ پرتال کیا کرتے تھے کہ مسافرون کو کسی قسم کی تکلیف تو نہین ہوتی ہے - اگر کسی قسم کی شکایت سن پاتے تو، فوراً اُس کا تدارک کرتے تھے - بھٹیارون کو خاص حکم تھا کہ غریب مسافرون سے کرایہ ہرگز نہ لینا اور جس مسافر کے پاس کھانے کو نہ ہو، اُس کی فوراً اطلاع کرکے ہمارے بھنڈارخانہ (توتات) سے جنس دلوادینا، فاقہ نہ ہونے پائے - میان الماس علی خان اِن پر بہت مہربان تھے - ایک دفعہ جس وقت دریاباد مین گنج، تالاب، مسجد، سراؤن، شیوالون وغیرہ کے متعلق تعمیر کا کام شروع ہوا تھا، کسی نے اُن سے چغلی کھائی تھی کہ "روشن لال جناب کی ساری دولت اپنے ذاتی عیش و آرام مین صرف کررہے ہین، اور آپ کو اِس کی خبر نہین ہے - الماس علی خان نے جب اس بات کی تحقیقات کی تو اُنھین بجائے عیش پرستی کے رفاہ عام کے کامون مین مشغول پایا - چونکہ وہ خود بھی فیاض اور مُخیّر تھے، اِس لئے روشن لال کی یہ جبلی فیاضیان دیکھکر نہ صرف خاموش ہوگئے، بلکہ بہت خوش ہُوئے "۔

بعض بزرگون کی زبانی سُنا گیا ہے کہ میان الماس علی خان کو دریاباد بہت پسند تھا، اس وجہ سے اُن کی آمدورفت یہان زیادہ رہتی تھی اور جم غفیر لشکر ہمراہ ہونے کے سبب وہ دریاباد کے باہر پچھم طرف باغون مین ٹھہرتے تھے، جس سے اکثر برسات کے موسم مین اُنھین سخت تکلیف ہوتی تھی - اِس تکلیف کے دور کرنے کے لئے اُنھون نے ایک عالی شان بارہ دری[1] تیار کرائی اور ساتھ ہی اِس کے ایک گنج بھی آباد کیا، بعد ازان ہمراہیون اور گھوڑے ہاتھیون وغیرہ کے رہنے کے لئے مکانات بنوانے کا ارادہ کرکے بدین خیال کہ اِن مکانات کے متعلق ضروری اخراجات مثل مرمت و تنخواہ ملازمین وغیرہ کا معقول بندوبست ہونا چاہئے، نعمت پور، بھلونہ، لال پور، اندرپور وغیرہ کئی

[1] اس بارہ دری و گنج کا مفصل ذکر باب ہشتم کی دوسری فصل مین درج کیا گیا ہے ۱۲-

ایک مواضعات، جو دریاباد کے قریب ہی واقع تھے، نواب آصف الدولہ بہادر سے حاصل کر لئے جنھیں آخر مین گنج سمیت روشن لال کو اُن کی دیانت داری اور اطاعت پر خوش ہو کر بخشدئے تھے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوان جی اپنے ولی نعمت کے دلی بہی خواہ اور ایماندار تھے، جسکی وجہ سے الماس علی خان ان پر اتنا مہربان ہُوئے کہ ایک دم پانچ سات گاؤن بخشدئے۔ واہ ری نیک نیتی! اور واہ ری قدردانی!!

کہا جاتا ہے کہ جب روز دیوان جی صاحب لکھنؤ سے دریاباد آتے تھے، اُس شب کو بستی بھر کے کائستھون کی دعوت ہوتی تھی، اور جتنے دن قیام رہتا تھا، روزآنہ رات کو محلہ کے اہل برادری اُن کے ساتھ کھانے مین شریک ہوتے تھے۔ دعوت کی طرح یہ کھانا بھی پُرلطف اور پختہ ہوتا تھا۔ تازندگی اِس معمول مین کسی قسم کا تغیر وتبدل نہین ہوا۔ روشن لال صاحب کا یہ معمول قومی خدمت یا قوم پرستی کا پورا پتا دیتا ہے۔

روایت ہے کہ اُنھون نے اپنے بیٹے کی شادی مین نہایت اُلوالعزمی اور جدّت سے کام لیا تھا۔ ایک مہینے تک بلا ناغہ ہر روز دریاباد بھر کے غریبون اور محتاجون کو جنس بست اور سراؤن کے مسافرون کو بلاقیمت ہر قسم کی اشیاء ضروری عام طور پر حسب دلخواہ برابر تقسیم ہوا کین۔ برات دیرہ مگل پور (ضلع کانپور) گئی تھی جس مین میان الماس علی خان بہ نفس نفیس شریک ہُوئے تھے۔ سو ضرب توپ، ایک لاکھ فوج اُن کے ہمراہ تھی۔ برات دن بھر آرام کرنے کے بعد رات کے وقت ایک حیرت انگیز اہتمام سے دُو رویہ آتشبازی کی روشنی مین شاہانہ جلوس کے ہمراہ غیر معمولی تزک واحتشام کے ساتھ ساتھ مسّرت خیز صدائین بلند کرتی ہوئی روزآنہ نصف منزل طے کر کے ایک ہفتہ مین مقام مقصود پر پہونچی تھی، اور اِسی شان سے دریاباد واپس آئی تھی۔ لڑکی والے نے برات کے لئے ایسا معقول انتظام کیا تھا کہ کسی قسم کی شکایت نہین ہوئی۔ جنواس کے وسیع میدان مین ضرورت کی ہر شے ڈھیر لگوادی گئی تھی، اور گلاب، کیوڑہ، عطر، خوشبودار تیل سے پختہ حوض بھروادئے گئے تھے۔ نقد اور دیگر قیمتی سامان کے علاوہ بہت بڑے دو گاؤن بھی جہیز مین روشن لال کو ملے تھے۔ الماس علی خان نے دروازے کے چار مین اشرفیان لٹائی تھین، اِس شادی مین کئی لاکھ روپیہ صرف ہُوا تھا۔ اُس وقت اودھ مین صرف ڈھائی شادیان بہت مشہور تھین، دو لکھنؤ کے شاہی خاندان سے متعلق تھین اور آدھی یہ دریاباد مین ہوئی تھی۔

اسی سلسلہ مین یہ بھی مشہور ہے کہ ایام تقریب مین ایک کائستھ صاحب سرا مین آکے مُقیم ہُوے اور بازار مین جنس مول لینے گئے۔ بنیئے نے جنس دیکر قیمت لینے سے انکار کیا۔ سبب دریافت کرنے پر بنیئے نے کہا کہ "آج کل شادی کے دنون مین ہم لوگون کو مسافرون سے قیمت لینے کا حکم نہین ہے، سرکار سے (یعنی روشن لال سے) حساب کا روپیہ بعد فراغت شادی مل جائے گا۔" لالہ صاحب نے یہ سُنتے ہی جنس واپس کردی اور کہا کہ ہم رشتہ دار کا احسان لینا پسند نہین کرتے۔ روشن لال کو اِس واقعہ کی اطلاع دی گئی جب لالہ صاحب سامنے بُلائے گئے تو حال دریافت کرنے پر اُنھون نے کہا کہ آپ ہمین بھُول گئے! سمپت اور بپت دو بہنین، سمپت (عیش) آپ کے ساتھ منسوب ہوئی اور بپت (مصیبت) ہمارے حصّہ مین آئی، اِس لئے ہم اور آپ قریبی رشتہ دار یعنی ہم زلف ہُوئے۔ یہ سُنتے ہی روشن لال اُٹھ کر لالہ صاحب سے

بغلگیر ہوئے اور حکم دیا کہ آپ کو ہمیشہ کے لئے رہائش کا مکان دیا جائے اور کل مصارف آپ کے میرے حساب میں لکھے جائیں۔ لالہ صاحب جب تک زندہ رہے عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے رہے[۵]

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک سرائے کے مسافر نے کہا کہ ہم جنس مفت نہ لیں گے، کیونکہ ہمارا نیوتہ نہیں ہے۔ روشن لال کو اس امر کی اطلاع ہونے پر تشویش ہوئی اور خود جاکر پانچ اشرفیاں نذر دیکے اُنھوں نے اُس مسافر کو دعوت میں شریک کیا اور تا اختتام شادی مہمان نوازی کی۔

روایات مذکورہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوان جی کے حال پر میاں الماس علی خان صاحب کی خاص طور پر نظر عنایت تھی اور وہ اِن کو نوکر نہیں، بلکہ اپنا خاص عزیز سمجھتے تھے یا دوستِ قلبی، جن کی خوشی اور عزت افزائی کے لئے وہ خود شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ برات میں شریک ہوئے تھے۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ برادر پرور ہونے کے علاوہ مسافر نواز بھی تھے اور ایسے مسافر نواز کہ موقع و محل پر اُس کو اپنے رشتہ دار سے کم نہیں سمجھتے تھے۔

مولوی حافظ مشرف کریم صاحب گرداور قانونگو (سنپشنر) بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے سُنا ہے کہ جب روشن لال کٹرہ بنوا رہے تھے اور اُس میں دو کاہیں، سرائیں تیار ہو رہی تھیں اور پھاٹک تعمیر ہو چکے تھے، اُسی وقت اُنھوں نے اپنے عظیم الشان مکان کی بھی تعمیر شروع کر دی تھی۔ لوگوں نے میاں الماس علی خان کو اس امر کی اطلاع دی کہ "روشن لال اپنا مکان بہت بھاری بنوا رہے ہیں"۔ الماس علی خان نے حکم دیا کہ "میں خود دریا باد چل کر دیکھونگا"۔ قبل آمد میاں الماس علی خان روشن لال کو اِس واقعہ کی اطلاع ہو گئی، اُنھوں نے رات بھر میں کٹرہ کے اندر مسجد تیار کرا دی اور اپنے مکان کا صرف ایک کمرہ رہنے دیا، باقی کل عمارت مسمار کرا کر بے نام و نشان کرا دیا۔ دوسرے دن صبح کو الماس علی خان لکھنؤ سے میاں گنج اپنے آباد کردہ گاؤں کے قریب آکر مقیم ہوئے اور روشن لال کو بلوا کر دریافت کیا کہ "تم کیا بنوا رہے ہو؟" جواب میں انھوں نے عرض کیا کہ "میں جناب کے نام سے کٹرہ اور سرا بنوا رہا ہوں"۔ جب الماس علی خان نے آکر خود ملاحظہ فرمایا تو، سرائیں مسجد بھی تیار پائی، جسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُنھوں نے روشن لال سے دریافت کیا کہ "تم نے اپنے رہنے کے لئے بھی کوئی مکان بنوایا ہے؟" انھوں نے عرض کیا کہ "جی ہاں! اپنے بیٹھنے کے لئے ایک کمرہ بنوایا ہے"۔ الماس علی خان نے اُسے دیکھ کر فرمایا کہ "یہ کمرہ تمھارے لئے موزوں نہیں ہے، بڑا مکان بنواؤ، اور خود مکان کا نقشہ تجویز کر دیا کہ اتنے رقبہ میں تمھارا مکان ہونا چاہیئے، ساتھ ہی اِس کے میاں گنج میں بارہ دری کی تعمیر کے لئے بھی انھیں حکم دیا اور کل مصارفِ تعمیرات اپنے ذمہ لئے"۔

پنڈت نیتا نند مہاراجہ ٹکیت رائے کے گرو (مرشد) نے ایک طولانی چھٹی بھاشا زبان میں بھوانی شنکر دیکھت کو لکھی تھی (یہ بھی پنڈت جی کے مرید تھے) جو مہابیر دیکھت کے یہاں کاغذات دیکھنے کے وقت دستیاب ہوئی ہے۔ یہ چھٹی اِس قدر بوسیدہ اور کرم خوردہ ہے اور اِس میں سنسکرت کے ایسے سخت الفاظ ہیں کہ جلد مطلب ذہن نشین ہونا ایک مشکل امر ہے لیکن بخیریت یہ ہے کہ نہایت خوشخط اور صاف لکھی ہوئی ہے جس سے لغت کے ذریعہ مفہوم بآسانی سمجھ میں آجاتا

[۵] یہی روایت مہاراجہ ٹکیت رائے کے نام سے بھی منسوب ہے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں طرف اسی قسم کے واقعات ظاہر ہوئے ہوں ۱۲

چونکہ یہ چِٹھی روشن لال صاحب کے بارہ مین لکھی گئی ہی، لہذا اُس کا ترجمہ ذیل مین درج کیا جاتا ہے:۔

پیارے بھائی شکرا ہزارون آشیرباد۔ جب سے تم بیمار ہوکر لکھنؤ سے گئے ہو کچھ حال نہ معلوم ہوا، تردد ہی بہت جلد اپنی خیریت سے اطلاع دو کہ اطمینان ہو۔ مہاراجہ صاحب تمکو ست باد کہتے ہین۔

ہمکو معلوم ہوا ہے کہ دیوان روشن لال جی نے تم سے بالمیکی رامائن پڑھنے کے لئے مانگی تھی، اُن کی رامائن مہاراجہ صاحب کے پاس تھی جو کسی دوست نے گا ٹھ لی، تمنے دینے مین عذر و حیلہ کیا، دیوان جی کو اس بات کا بڑا ملال ہوا اور اُنھون نے ہمسے اور مہاراجہ صاحب سے اس امر کی شکایت کی۔ مہاراجہ صاحب کو یہ سُن کر بڑا رنج ہوا اور ہمکو بھی افسوس ہوا۔ ہمارے خیال مین تمھارا یہ فعل اخلاق و مروت کے بالکل خلاف ہوا، جو مفت مین باہمی رنجش کا باعث ٹھہرا۔ اگر وہ اُن کے پاس مہینے دو مہینے رہتی تو تمھارا کیا نقصان ہوتا؟ دیوان جی روز مرّہ رامائن کا پاٹ (مطالعہ) کرتے ہین، اُنھین بغیر اُس کے چین نہین، اس لئے تمسے مانگی تھی، تمنے نہین دی۔ ہمسے یہ بھی سنا ہی کہ وہ ڈیڑھ سو روپیہ قیمت بھی دیتے تھے کہ اگر مستعار نہ دو تو یہ قیمت حاضر ہی، تمنے کوئی بات نہ مانی۔ اب اس مین تمھارا ہی قصور ہے، اُنکا کچھ بھی نہین۔ وہ اس وقت میان الماس علی خان بہادر کے منظور نظر ہین، جو چاہین کرین، ایک رامائن کیا، ہزار رامائن مول لے سکتے ہین چنانچہ بنارس سے پانچ سو روپیہ خرچ کرکے ایک بہت عمدہ رامائن، جو بانسی کا غذ پر خوشخط لکھی ہوئی، خوبصورت رنگین تصویرون سے مزین ہونے کے علاوہ بہت پُرانی بھی ہی، بڑی کوشش سے منگوائی ہے اور اب وہ روزانہ اُس کا پاٹ کرکے خوش ہوتے ہین۔ آج کل تو علی العموم سوائے فارسی، عربی کے سنسکرت کا نام بھی نہین لیتے۔ شکر کا مقام ہے کہ مہاراجہ صاحب اور دیوان جی کو اس دریا سے بڑی محبت ہے، یہ تو دونون صاحبون کو خاص کرکے سنسکرت پڑھائی ہی اور اب بھی ناز نہین۔ اگلے زمانے کے برہمن کا یستھون کو دھرم شاستر پڑھاکر اُن کو ہندو دھرم سے آگاہ کرتے تھے جسکی وجہ سے وہ اُن کی عزت و تعظیم کرتے تھے اور تم ایسے برہمن ہوکر پوتھی بھی مانگے نہین دیتے۔ خیر جو کچھ ہونا ہو ہوا، اب بہتر یہ ہے کہ تم دیوان جی سے معافی مانگو اور ہم سفارش کر دین، ورنہ دیوان جی کا ملال اچھا نہین، حالانکہ وہ بڑے دھرماتما بزرگ ہین، کسی کے ساتھ بدی نہین کرتے۔ لوگون نے میان الماس علی خان سے اِن کی نسبت بہت سی چغلیان کھائین، تحقیقات ہونے پر سب کی قلعی کھل گئی، سب مورد عتاب ہوئے۔ لیکن، دیوان جی نے سفارش کرکے پھر سب کو اپنی اپنی جگہ بحال کرا دیا۔ ایسے نیک اور بھلے مانس آدمی کہین پیدا ہوتے ہین؟ اچھے کے دوست سب ہوتے ہین، بُرون کا کوئی نہین ہوتا، مگر، دیوان جی صاحب برون کے بھی دوست ہین۔ اُن کا قول ہی کہ "نیکی نیک راہ، بدی بد راہ"۔ علاوہ اس کے تم جس کا نمک کھاتے ہو اور جسکی بدولت ہزار روپیہ سال نواب صاحب آصف الدولہ بہادر کے یہاں سے پیدا کرتے ہو، اُس کے بھی تو وہ بھی خواہ ہین۔ کیا تمکو یاد نہین ہی؟ کہ جب مہاراجہ صاحب پر اُن کے ایک عزیز کی نالائقی سے عتاب شاہی نازل ہوا تھا تو، دیوان جی نے الماس علی خان سے کہہ سُن کر تقصیر معاف کرائی تھی۔ اور یہ بھی تو مشہور ہی کہ جب نواب صاحب نے دیوان جی کی ایمانداری اور علمی و انتظامی قابلیت کی تعریف سُنی تو، الماس علی خان سے کہا کہ "دیوان جی کو ہمین دیدو، ہمکو ایک اور دیوان کی ضرورت ہے"۔ الماس علی خان نے کہا کہ "غلام اور دیوان جی دونون نمکخوار سلطنت ہین، کسی کو تعمیل ارشاد مین عذر نہین"۔ جب روشن لال صاحب طلب ہوئے تو، شاہی حکم سے مطلع ہوتے ہی انھون نے دست بستہ عرض کیا کہ "جہان پناہ! ارشاد والا بسر و چشم منظور، مگر، خادم کے ماتھے پر یہ کلنگ کا ٹیکہ قیامت تک رہے گا کہ روشن بڑا طامع اور غیر شریف النسل تھا، جس نے پیادے سے فیل نشین کیا، اُس سے بلا وجہ خود کنارہ کش ہوکر بادشاہ کا دیوان بن بیٹھا، قدیم حق نمک اور مہربانیون کا ذرا بھی خیال

گیا کہ نواب صاحب انصاف پسند تھے، معقول جواب سن کر نہایت خوش ہوئے اور دیوان جی کو خلعت وانعام مرحمت ہوا بھلا ایسے بزرگ سے رنجش پیدا کرنا کہاں تک درست ہے؟ ہم تم اور دیوان جی سب ایک ہی بستی (یعنی دریاباد) کے رہنے والے ہیں اس لئے باہمی میل جول چاہئے نہ کہ نفاق۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ تم اس طول طویل تحریر کو بغور پڑھ کر اس پر عمل کر کے ہمیں خوش کرو گے۔ باقی خیریت۔ فقط۔ تمہارا خیر اندیش بیتا سنہ از لکھنو ساون سدی دوج سمت ۱۸۴۳ بکرمی۔

مذکورۂ بالا تحریر کے الفاظ اس امر پر روشنی ڈالتے ہیں کہ روشن لال صاحب فارسی کے علاوہ اپنی قومی زبان سنسکرت سے بھی خوب واقف تھے اور اس علم کی تکمیل میں پنڈت نتیانند کے شاگرد تھے، بالمیکی رامائن کے عاشق زار تھے، بڑے اقبالمند، نیک چلن اور نیک طینت تھے، دوست دشمن سب کے یکساں خیر خواہ تھے، مہاراجہ ٹکیت رائے کے ہم جلیس تھے، حق نمک کا خیال رکھتے تھے، احسان فراموش نہ تھے، طمع سے متنفر، قناعت میں ممتاز تھے، اپنے مالک کو بادشاہ سے بھی زیادہ سمجھتے تھے، فطری دانائی، خوش تقریری، حاضر جوابی میں لاجواب تھے، ایمانداری، سیاست دانی، علمی استعداد میں دربار سلطانی تک مشہور تھے، بدین وجہ نہ صرف الماس علی خان بیحد ان پر مہربان تھے؛ بلکہ نواب آصف الدولہ بہادر بھی ان کے دلی قدرداں تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ روشن لال صاحب محض دیوان ہی نہ تھے، بلکہ ایک زبردست امیر کبیر بھی تھے اور راجوں کی سی شان وشوکت رکھتے تھے۔ ان کا مکان نہایت نفیس اور عالی شان بنا ہوا تھا۔ ان کے یہاں مصاحب، دیوان، متصدی، وکیل، منشی، معلم، حکیم، وید، پنڈت، گویتی، پوجاری، شاعر، چوبدار، سپاہی، سوار، خدمت گار وغیرہ ہر قسم کے لوگ بکثرت ملازم تھے۔ پھاٹک پر نقارہ بجتا تھا، زنانی ڈیوڑھی پر روزمرہ نوبت بجتی تھی۔ ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، وغیرہ جانور پلے ہوئے تھے۔ میانہ، فینس، پالکی، نالکی، ہوادار، بوچا، رتھ، بہل وغیرہ سواریاں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ مشہور ہے کہ شاہی زمانے میں بجز بادشاہ کے دوسرے کے یہاں نوبت بجنے کا حکم نہیں تھا، جب روشن لال صاحب کا زمانہ موافق ہوا تو ان کے یہاں نوبت بجنے لگی، شاہی دربار میں اس امر کی اطلاع کی گئی، لیکن، الماس علی خان کی مہربانی سے کچھ باز پرس نہ ہوئی، بلکہ خاص طور پر اجازت ہو گئی۔

دیوان جی صاحب دولتمند امیر ہونے کے علاوہ شان تعلقداری بھی رکھتے تھے۔ چند دیہات ذاتی، دو زبردست گاؤں جہیروا اور اندرپور، نعمت پور، بھلونہ، لال پور، میاں گنج وغیرہ عطا کردۂ الماس علی خان جملہ پندرہ سولہ مواضعات کے مالک تھے؛ تعلقہ لال پور کے نام سے مشہور تھا۔ دستاویز نوشتہ کہی لال صاحب (جس کا ذکر آگے آئے گا) سے پتہ چلتا ہے کہ صرف پرگنہ دریاباد کے متعلق مواضعات یعنی تعلقہ لال پور کی خاص رعایتی اور برائے نام مالگذاری (اس لئے کہ دیوان روشن لال صاحب میاں الماس علی خان کے منظور نظر تھے اور ان کے بیٹے چکلہ دار وناظم تھے) ۱۲۱۵ھ یعنی اب سے ۸۸ برس قبل ایک ہزار روپیہ سے کچھ زائد تھی؛ جس کے بموجب اُس وقت ان مواضعات کی نکاسی خام دس بارہ ہزار سے کم نہ رہی ہو گی، جسے آج کل چالیس پچاس ہزار روپیہ کی آمدنی والا ایک اچھا تعلقہ کہہ سکتے ہیں۔

لالہ دیبی دین صاحب فرماتے ہین کہ دیوان جی نے اپنے یہان ہر قسم کے ظروف مسی و برنجی وغیرہ خرید کرکے جمع کر رکھے تھے جو شادی بیاہ یا دیگر تقریبون کے موقعون پر ضرورت کے وقت امیر غریب سب کو دیے جاتے تھے برتن گم ہو جانے پر نہ قیمت لی جاتی تھی نہ عیوض لیا جاتا تھا اور نہ اُس پر زیادہ زور دیا جاتا تھا اس مفید اور معقول انتظام سے ہندو مسلمان دونون قومین یکسان مستفیض ہوتی تھین - اِس سے دیوان جی کی شانِ امارت کی پُرمائیگی اور مروّت سبھی کچھ ظاہر ہوتی ہے -

دیوان جی صاحب کا زمانہ قابلِ رشک زمانہ تھا - اِن کے اقبال اور شان و شوکت کی دُور دُور تک چار ون طرف دھوم تھی - خود میان الماس علی خان صاحب کے دیوان اور رئیسانہ حیثیت رکھتے تھے، بڑے بیٹے چکلہ دار تھے، چھوٹے دو بیٹے سلطنت اودھ مین ناظم تھے - طرفین کے مہاراجہ ٹکیت رائے اور مہاراجہ جھاؤ لال ایسے معززین شاہی سے خاص مراسم تھے، بدین وجوہات انھین سب طرح کی حکومت حاصل تھی - قرب و جوار کے رئیس، زمیندار، ممبردار، مہاجن وغیرہ سب اِن کی خوشامد کیا کرتے تھے - الغرض دیوان جی اُن خوش قسمت بزرگون مین سے تھے جنھین پرمیشر کے فضل سے ہر طرح کا سامانِ عیش و آرام میسر ہونے کے ساتھ ساتھ تین لائق فائق بیٹوں[1] کا دیدار بھی نصیب تھا -

روشن لال صاحب کی یادگار مین سرائے نام پختہ مکان، دو پختہ کنوئیں (مکان کے متّصل) شکستہ تالاب، دو شیو آلے، باولی کنوان، ویران گنج، شکستہ سرا و مسجد، پورہ روشن لال - ان کی قبر پختہ تالاب کے اُتر جانب کچھ فاصلہ پر شیو آلہ سے متصل ایک پختہ حلقہ مین واقع - (محرران)

لالہ درباری لال صاحب چکلہ دار

دیوان روشن لال صاحب کے فرزندِ اوّل، فیاض اور منتظم رئیس و تعلقدار، بہ عہدِ نواب آصف الدولہ بہادر باڑی و بسوان کے چکلہ دار تھے - دل مین حب الوطنی کا جوش تھا، طبیعت رفاہِ عام پر مائل تھی، اِس لیے اِنھون نے اپنی کل کمائی ایک عالی شان کٹڑے کی تیاری مین صرف کر ڈالی اور بالکل سادی اور معمولی حیثیت سے زندگی بسر کی کٹڑہ کا نام اپنے ولی نعمت کے آبائی لقب پر نواب گنج رکھا تھا جس مین ایک شاندار سرا بھی تھی اور قابل دید بازار بھی قائم تھا - والد کی وفات کے چند روز بعد انتقال کیا - اولاد مین صرف ایک لڑکی -

لالہ مہی لال صاحب ناظم

دیوان روشن لال صاحب کے فرزند دوم، رئیس و تعلقدار، دورِ آصفی مین نظامت کے اعلیٰ عہدہ سے

[1] بعض لوگون کا بیان ہے کہ دیوان روشن لال کے کوئی اولاد نہ تھی، اُنھون نے اپنے بھانجوں درباری لال، مہی لال، سیوک رام کو متبنیٰ کیا تھا لیکن "بیست نامہ بسنت رائے" کے صفحہ ۱۲۲ مین یہ عبارت تحریر ہے: "لالہ مہی لال درباری لال خلف دیوان روشن لال دریا آبادی" - اس سے بیان مذکور خلافِ واقعہ اور غلط معلوم ہوتا ہے - اگر درباری لال وغیرہ اولاد غیر ہوتے تو قدیم اصول کے مطابق بجائے "خلف" کے متبنیٰ کا لفظ لکھا جاتا - اگلے زمانے کے لوگ اِس قسم کی باتوں کو ظاہر کر دیتے تھے ۱۲ -

سرفراز، وطن پرست ہونے کے علاوہ بڑے فیاض اور معتبر بھی تھے۔ انھوں نے ایک کٹرہ آباد کرکے اُس مین عمدہ بازار بھی قایم کیا تھا، اور پختہ سرا بھی سوائی تھی۔ تا زندگی غریبون اور محتاجون کی امداد کرتے رہے۔

اِن کی لکھی ہوئی ایک دستاویز مین یہ عبارت رقم ہے :۔ "آنکہ مبلغ دوصد و پنجاہ و سہ روپیہ سکہ چلن کہ نصف آن یک صد و بست و شش روپیہ ہشت آنہ میشود از بیتیں پانڈے تیبو رام دکاشی ناتھ مہاجن ساکن دریاآباد بہ رضامندی لالہ مہری لال قرض گرفتہ بابت قسط چہارم آنی تعلقہ لال پور وغیرہ داخل سرکار نمودہ شد اقرار آنکہ مبلغ مرقوم معہ سود بحساب سوا سیر دو روپیہ ماہانہ بمیعاد پا سردہ روز بلا عذر ادا کردہ خواہد شد ہیچ عذر و حیلہ نخواہد آمد بنا بر آن چند کلمہ بطریق تمسک نوشتہ دادہ شد کہ تا فی الحال سند باشد۔ فقط (مہر مہی لال) تحریر فی التاریخ چہار دہم شہر رجب المرجب مطابق اگہن بدی یکم روز جمعہ ۱۲۵۱ سنہ ہجری مطابق ۱۲۴۳ سنہ فصلی"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ناظم صاحب اب سے ۸۸ برس قبل موجود تھے اور وہ باوجود تعلقہ لال پور کے مالک ہونے کے اپنی بدانتظامی و فضول خرچی کے باعث اِس قدر تہیدست رہتے تھے کہ جب ایک دفعہ دو سو ترپن روپیہ دستاویز لکھ کر مہاجن کے یہان سے قرض لیا گیا تب سرکاری مالگذاری ادا ہوئی۔

تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ لالہ درباری لال صاحب کے مرتے ہی ناظم صاحب کی غفلت و ناعاقبت اندیشی سے قریب قریب کل علاقہ انھین کی زندگی مین زیر بار ہوکر غیرون کے قبضہ مین آچکا تھا۔ جنھین ولسلے دو گانون فروخت ہونے کے بعد پرگنہ دریاباد کے متعلق لال پور، کعلوتہ، اندر پور، نعمت پور، راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے یہان رہن کئے گئے تھے جو واپس نہین ہوسکے اور میان گنج رائے صاحب کے یہان بیچ ڈالا گیا تھا، باقی مواضعات پر دیگر اشخاص ذریعۂ بیعنامہ قابض ہوگئے تھے۔ مہی لال صاحب کے مرنے پر اِن کے بیٹے بھیا ہرپرشاد نے جو کچھ حیثیت باقی رہ گئی تھی (یعنی کٹرہ مہی لال و درباری لال و بازار سیوک رام کے متعلق پھاٹک، پختہ دوکانون، سراؤن کی اینٹین اور کڑیان، قیمتی پارچے، شال دوشالے دریان، قالین طلائی زیورات، ظروف نقرہ و مسی، ہاتھی، گھوڑے وغیرہ) اُس پر ہاتھ صاف کرکے کٹرہ روشن لال کی دوکانون کے کرایہ پر گذر اوقات کی ٹھہرائی۔ ہرپرشاد کے لڑکے لالتا پرشاد و شنکر لال کے وقت مین کٹرہ کی نصف شہر پناہ معہ سرا تلک رام کلوار نے ذریعۂ نیلام کھدوا کے اپنا قرضہ وصول کیا، نصف کٹرہ یون تباہ و برباد ہوا، اور نصف کٹرہ بیع و قرض کے ذریعہ سے راجہ صاحب ہڑاہا کے قبضہ مین آگیا۔ موجودہ مکان جو برائے نام باقی رہ گیا ہے، اُس کا کچھ حصّہ ذریعۂ رہن راجہ صاحب ہڑاہا کے قبضہ مین ہے اور کچھ حصّہ محفوظ، جس پر شنکر لال کی اولاد مین بشمبھر دیال اور اُن کے رشتہ دار لالہ رامدت تاحال قابض، مگر بیع کی فکر مین مستغرق۔ بشمبھر دیال آر ایم ایس مین سارھے ساٹھ روپیہ مشاہرہ، بنارس سکونت۔ لالہ رامدت، پنشن یافتہ، بہرایچ سکونت۔ (محرران)

شیخ فضل علی صاحب چکلہ دار

از خاندانِ شایق دریابادی، بڑے خوش نصیب، شجاع، اُلوالعزم رئیس ہونے کے علاوہ شاہی الطاف سے سرفراز، چکلہ داری کے عہدہ پر فائز۔ اچھی خاصی زمینداری تھی، کئی ایک مواضعات قبضہ مین تھے، سربرآوردہ

رئیسوں میں شمار تھا۔ شیخ مدت علی صاحب کے نامی بیٹے تھے۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے سے غازی الدین حیدر بادشاہِ اودھ کے عہدِ حکومت تک چکلہ داری پر ممتاز رہے۔ غالباً اب سے پون صدی قبل بہ قیدِ حیات تھے۔ ان کا مکان اُس مقام پر تھا، جسے آج کل رام کا چبوترہ کہتے ہیں۔ یہ مکان ایک عالی شان عمارت تھی جس میں دیوانخانہ، بارہ دری وغیرہ ناموں کی کئی ایک عمدہ عمارتیں شامل تھیں۔ اس مکان کے بیرونی حصّہ کا شکستہ پھاٹک راقم الحروف نے خود دیکھا ہے، جو اب سے ۳۰ برس قبل موجود تھا۔ جگاتی املی کے پاس ہی، جہاں آج کل بھوُرجی کا مکان ہے۔ شیخ صاحب کی ایک نفیس مسجد تعمیر تھی، اور پختہ امام باڑہ بھی بنا ہوا تھا۔

چکلہ دار صاحب کی وفات کے بعد اگلی حیثیت ایک افسانہ ہوگئی۔ ان کے بیٹے شیخ نعیم اللہ نے کل موضعات بیچڈالے، مکان کس مپرسی کی حالت میں منہدم ہوکر بے نام ونشان ہوگیا۔ نعیم اللہ نے لاولد وفات پائی۔ (ٹھیکانی ٹولہ)

راجہ بھوانی پرشاد صاحب

شری واستو یہ دوسرے کائیتھ چھتری ورن، معروف بہ پانڈیہ الموڑھا، ال پردھان لوکھنڈی، از نسل مہاراجہ لوکھنڈ سریر آرائے سلطنتِ دہلی، لالہ ہرا سنگھ صاحب کے بڑے بیٹے، نامی گرامی رئیس، سلطنتِ اودھ کے دیرینہ مال، راجگی کے خطاب سے سرفراز۔

راجہ صاحب کے بزرگ الموڑھا کے رہنے والے راج کمایون کے وزیر تھے۔ جس وقت وہاں کے راجہ سکھونت (مہاراجہ بکرم کے کئی صدی قبل) راجہ جے پال کے وقت میں دہلی پر حملہ آور ہوئے تو وہ بھی اُن کے ہمراہ دادِ شجاعت میں مصروف تھے۔ جنگ میں راجہ جے پال عرف راج پال کو شکست ہوئی اور راجہ صاحب ممدوح سلطنت دہلی کے مالک ہوگئے۔ اس خوشی میں بصلۂ خیرخواہی راجہ سکھونت کے دربار سے اُنھیں بہرائچ کی راج جاگیر میں عطا ہوئی اور اس سلسلہ میں اُنھوں نے الموڑھا قدیم وطن ترک کرکے بہرائچ میں رہنا اختیار کیا۔ چونکہ یہ بزرگ شراب دگوشت سے قطعی محترز تھے اس لئے پانڈیہ الموڑھا کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس خاندان میں کئی پشتوں کے بعد راجہ لوک چند بہت بڑے نامی گرامی اور اقبالمند راجہ ہوئے جنھوں نے ۳۳۳ بکرمی مطابق ۲۸۶ء میں راجہ بکرم پال والئ دہلی کو شکست دیکر ہندوستان کی حکمرانی حاصل کی جس نے تمام قلمرو میں ایک مدت تک فتح وظفر کا ڈنکا بجانے کے بعد بہت بڑی خونریز فوج لیکر بہرائچ پر چڑھائی کی تھی۔ مہاراجہ بہادر نے آخر زمانہ میں مذہب بودھ قبول کرلیا تھا۔ دو برس سلطنت کرکے ۹۸ سال کی عمر میں عالم جاودانی کی راہ لی۔ اُن کے بعد بکرم چند، کرم چند، کان چند، رام چند، ادھر چند، کلیان چند، بھیم چند، گوبند چند آٹھ راجے یکے بعد دیگرے دہلی کے تخت پر بیٹھے۔ آخری راجہ گوبند چند کی وفات پر چونکہ اُن کے بیٹے کنور بھان چند صرف چند مہینے کے تھے، اس لئے اُن کی زوجہ محترمہ مہارانی پیم دیوی مسند نشین ہوئیں۔ لیکن، وزیروں کی

۵ جس کا سببوں نے مذہب بودھ اختیار کرلیا تھا وہ شراب وگوشت سے پرہیز کرنے کے باعث پانڈیہ پردھان، الموڑھا لکھی کے لقب سے مشہور ہوگئے تھے جس کا سلسلہ اس وقت تک قائم ہے ۱۲۔

نمک حراموں سے تنگ آکر ایک ہی سال کے بعد ۱۰۳۲ء میں دہلی کا تخت چھوڑ دیا اور قدیم و موروثی راج بہرائچ میں قیام فرمایا۔ اس طرح قریباً ڈیڑھ سو برس کے بعد مہاراجہ تلوک چند کا خاندان تختِ دہلی سے محروم ہوگیا۔ کنور بھان چند کی آٹھویں پشت میں راجہ بھگونت سین بڑے بہادر راجہ ہوئے۔ اُن کے وقت میں سید سالار مسعود غازی نے بہرائچ پر حملہ کیا لیکن مسلمانوں کو شکست اور راجہ صاحب کو فتح نصیب ہوئی اور سید سالار مارے گئے۔ راجہ بھگونت سین بھی اس جنگ میں کام آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمان لوگ ہندوستان پر حملہ آور ہو رہے تھے اور ہندوؤں کو جبراً مسلمان کر ڈالتے تھے۔ اس خوف سے اُن کے بیٹے رائے بھوپ سین صاحب بہرائچ کا راج پاٹ چھوڑ کر اجودھیا میں سکونت پذیر ہوگئے اُن کی اولاد میں رائے کھڑگ سین سمبت ۱۶ بکرمی مطابق ۱۰۲۱ء میں ریاست تلوئی (ضلع رائے بریلی) کے نائب ہوئے۔ اُن کے پوتے راجہ رام بہنداس، نسی دھر، ہردے رام۔ اول الذکر دونوں صاحب ۱۱۷۶ء کے بعد قصبہ انھونہ (رائے بریلی) میں آباد ہوگئے، نسی دھر لاولد فوت ہوئے، ہردے رام کے بیٹے چھترپتی نے لکھنؤ چھوڑ کر دریاباد میں سکونت اختیار کی جو مرار سنگھ صاحب کے دادا اور راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے پردادا تھے۔ اس سے صرف یہی نہیں ثابت ہوتا ہے کہ راجہ صاحب بہت بڑے معزز خاندان میں سے تھے اور اِن کے بزرگ بے مثل شجاع اور سلطنتِ دہلی کے فرمانروا تھے، بلکہ اس امر پر بھی گہری روشنی پڑتی ہے کہ کائستھوں کے اقبال کا آفتاب بھی کسی وقت نصف النہار پر تھا، جبکہ اِن میں اصلی شان موجود تھی، یعنی کائستھ لوگ چھتری ورن ہونے کی وجہ سے اب سے ہزار دو سو برس قبل راجپوتی آن بان، راجپوتی جوش، راجپوتی دلیری و شجاعت کے ساتھ ساتھ شاہانہ جاہ و جلال رکھتے ہوئے کشورکشائی و ملکی فرمانروائی میں باعدل و انصاف مصروف ہوکر چار دانگِ عالم میں مشہور تھے۔

پشت نامہ خاندان بسنت رائے (منشی ماتا پرشاد صاحب مرحوم وکیل کے بزرگوار) کی یہ عبارت "تفصیل نبس سماندہان کہ مشارالیہ در قصبہ دریاآباد بخانہ لالہ ہلاس رائے تربیت رائے خوشیاش ال پردہان تلوکچندی منسوب شدند" ظاہر کرتی ہے کہ راجہ صاحب کے خاندان سے منشی ماتا پرشاد صاحب مرحوم کے بزرگوں سے رشتہ داری قائم تھی لیکن "تاریخ پانڈیہ الموڑھا" میں راجہ صاحب کے خاندانی سلسلہ کی فہرست اِن ناموں سے خالی نظر آتی ہے تاریخی شجرہ میں ہردے رام کے بیٹے کا نام چھترپتی اور پوتے کا نام بھاگ مل درج ہے۔ بھاگ مل کے مرار سنگھ اور ایک بیٹی اور مرار سنگھ کے چار بیٹے، ایک بیٹی تھی۔ اِن لڑکیوں کی شادیاں دوسری جگہوں میں ہوئی تھیں۔ چونکہ یہ بزرگ تلوک چندی کائستھ اور دریاباد کے نئے باشندے (خوشباش) تھے، جہاں آج تک کوئی دوسرا پانڈیہ یا پردھان تلوکچندی کائستھ نہیں سُنا گیا، اس لئے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ہلاس رائے و تربیت رائے انھیں بزرگوں کے مشہور نام ہونگے، جن کی تشریح شجرہ میں سہواً نہیں درج ہوسکی اور اسی طرح دیگر لڑکیوں کے نام بھی لکھنے سے رہ گئے پشت نامہ مذکور بابو کالکا پرشاد صاحب شرف دُلارے کے پاس موجود ہے۔

راجہ بھوانی پرشاد صاحب پہلے شاہی متصدیوں میں ملازم ہوئے چند روز کے بعد بخشی گری پر مامور ہوکر

۵ ماخوذ از ناصح چھتری کا بیورہ، سیر المتاخرین، اودھ کا بیان، خلاصہ تواریخ، تاریخ پانڈیہ الموڑھا ۱۲

ایسے فرائض منصبی نہایت ایمانداری و دیانت داری کے ساتھ انجام دینے لگے۔ ایک ہی سال کے اندر نواب سعادت (۱۲۱۲ھ-۱۲۲۹ھ) علی خان بہادر نے ان کی علمی قابلیت، فطری دانائی اور حسنِ کارگذاری پر خوش ہو کر انھیں دیوانگری کے معزز عہدہ پر سرفراز فرما کے خلعت فاخرہ سے ممتاز فرمایا اور ساتھ ہی اس کے خطاب راجگی بھی مرحمت ہوا۔ بعدِ وفاتِ نواب صاحب بہادر ممدوح غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے عہدِ حکومت میں بھی یہ اسی عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے "خلاصۂ تواریخ پانڈے المورخہ" (مولفہ منشی سنگت پرشاد صاحب طالع لکھنوی مطبوعہ مطبع مظہر العجائب لکھنؤ ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۳۲ تا ۱۳۳ کیفیت) سے ثابت ہوتا ہے کہ راجہ صاحب کو راجگی کا خطاب معہ عہدۂ دیوانی غازی الدین حیدر شاہِ اودھ (۱۲۲۹-۱۲۴۳ھ) نے عطا فرمایا تھا۔ لیکن "بوستانِ اودھ" (مولفہ راجہ درگا پرشاد صاحب مہر تعلقدار سندیلہ صفحہ ۹۴) میں لکھا ہے کہ "نواب سعادت علی خان بہادر نے ان کی دیانت داری پر خوب اعتماد کر کے انھیں عہدۂ نظامت سے سرفراز فرمایا تھا۔ بعض بزرگوں کی زبانی یہ بھی سنا گیا ہے کہ راجہ بھوانی پرشاد صاحب دورِ آصفی میں بخشی، نواب سعادت علی خان بہادر کے زمانے میں ناظم اور غازی الدین حیدر بادشاہ کے وقت میں دیوان عام رہے۔ راجگی کا خطاب بھی اسی عہد میں عنایت ہوا تھا دربار میں ان کا نام نکٹے راجہ کے لقب سے مشہور ہے جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے کسی دشمن نے ان پر حملہ کیا تھا، مگر یہ صاف بچ گئے، صرف ناک ذرا سی زخمی ہو گئی تھی جس کا نشان زندگی بھر قائم رہا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ انھیں "نکٹے راجہ" کہتے تھے۔ بعض بزرگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تک یہ بخشی رہے، تب تک نکٹا بخشی اور راجگی کا لقب حاصل ہونے پر نکٹے راجہ مشہور ہوئے۔ لکھنؤ میں اس وقت یہ الفاظ زبان زدِ عوام تھے "نکٹا بخشی، سڑی نواب" یعنی نکٹا بخشی بھوانی پرشاد اور سڑی نواب، سعادت علی خان بہادر تھے۔ لیکن اس افواہ کی کچھ اصلیت نہیں پائی جاتی جو بالکل خلافِ واقعہ ہے۔ کیونکہ تاریخوں میں نواب سعادت علی خان بہادر کو بہت منتظم اور نہایت عقلمند لکھا ہے اور راجہ بھوانی پرشاد کا دربارِ شاہی میں باریاب ہو کر ارکینِ سلطنت میں شامل ہونا اس بات کی کافی دلیل ہے کہ یہ نکٹے نہ تھے۔ ظاہرا یہ کارروائی ان بدمعاشوں، خود غرضوں اور حرام خواروں کی معلوم ہوتی ہے جو راجہ ٹکیت رائے اور نواب آصف الدولہ بہادر کی فیاضی اور سیر چشمی سے مالامال ہو کر ہر شب شبِ برات اور ہر دن عید کا لطف اٹھاتے تھے۔ مگر نواب سعادت علی خان بہادر اور راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے وقت میں دودھ کی مکھی کی طرح دربار سے نکال دئے گئے تھے۔ راجہ صاحب زبردست اہل و عیال والے تھے، راجہ ٹکیت رائے صاحب کی طرح جن کے آگے پیچھے کوئی نہ تھا، کیونکر زر بخشی پر آمادہ ہوتے؟ اور نواب صاحب بہادر کو اس بات کا قلق تھا کہ ہائے آدھا ملک نگل گیا! وہ دن رات اس فکر میں مستغرق رہتے تھے کہ کسی طرح روپیہ جمع کر کے ملک سرکار انگریزی سے واپس لیجئے۔ چنانچہ بہت جلد ۲ کرور روپیہ انھوں نے جمع کر لیا تھا۔ ایسی حالت میں نواب صاحب ممدوح نواب آصف الدولہ بہادر کے مانند گہر پاشی اور زر پاشی میں کس طرح مشغول ہوتے؟ جن کی ہمت عالی اسی مشغلہ کو نظام سلطنت کا ایک جزوِ اعظم اور زندگی کا خاص مقصد قرار دے چکی تھی۔ اگر راجہ صاحب نکٹے اور نواب صاحب سڑی ہوتے تو راجہ درگا پرشاد صاحب مہر اپنی تاریخ "بوستانِ اودھ" میں ضرور تحریر فرماتے جنھوں نے نواب آصف الدولہ بہو بیگم الماس علیخان

ٹکیت رائے وغیرہ متعدد رفیاصون کی بابت ایک ہجوآمیز قطعہ لکھنے سے دریغ نہ فرمایا، جو اُس وقت لکھنؤ مین بہت مشہور اور زبان زدِ عوام تھا اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بہی خواہان سلطنت اِن بزرگون کی عیاشی سے خوش نہ تھے۔ فہر سے صاحب نے راجہ بھوانی پرشاد صاحب کو شدید کارندہ تحریر فرمایا ہے برخلاف اِس کے راجہ ٹکیت رائے کے بین کی خوب قلعی کھولی ہے۔ الغرض راجہ صاحب نکٹے سے تھے۔ ناک پر تلوار یا چاقو کے زخم کا نشان پڑ جانے کے باعث دریاباد کے مسخرون اور بیہودہ لوگون نے فضول انھین نکٹے راجہ کہہ کر بدنام کر دیا تھا۔

راجہ صاحب آغازِ جوانی مین بیجا عیش و عشرت پر مائل ہو گئے تھے۔ مگر چند ہی روز کے بعد طبیعت راہِ راست پر آکر سنبھل گئی تھی۔ خلیق، ملنسار، دلیر، خوش رو، بامروت، ذی علم، باوضع بزرگ تھے۔

اِن کی دو شادیان ہوئی تھین۔ تین بیٹے تھے۔ کنور اجودھیا پرشاد، مصری لال، ہمت بہادر، جن کی اولادین فیض آباد، رائے بریلی، کانپور، بلرام پور مین تاحال موجود۔

بیان کیا جاتا ہے کہ راجہ صاحب شاہی دیوان ہونے کے ساتھ ساتھ اچھی خاصی رئیسانہ حیثیت بھی رکھتے تھے۔ نعمت پور، بھلونہ، لال پور، میر نگر وغیرہ سات آٹھ مواضعات کے مالک تھے۔ اِن کے یہان دولت کثیر تھی۔ ایکے مرنے کے بعد اِن کے بیٹون نے اشرفیان ترازو مین تول تول کر باہم تقسیم کی تھین علاوہ نقد روپیہ کے مرصع زیورات قیمتی شال دوشالے بھی بہت تھے۔ لیکھراج کے لڑکے بینی پرشاد نے ایک طلائی مرصع کنگن ایک مہاجن کے پاس گیارہ سو روپیہ پر رہن کیا تھا۔ رانی صاحبہ (راجہ صاحب کی بی بی) نے ایک تیسرِ دہان کپڑے کی جوڑی راجہ صاحب ہر ٹرا کے ہاتھ ایک ہزار روپیہ کو فروخت کی تھی۔ راجہ صاحب کے بیٹے خوش پوشاک ہونے اور قیمتی کپڑے پہننے مین دُور دُور تک مشہور تھے۔ روزمرہ پانچ روپیہ قیمت کا کامدار جوتا پہنتے تھے، مگر تقریبون یا دیگر موقعون پر سیکڑہ روپیہ قیمت والا زرین پاپوش استعمال کرتے تھے۔ ہمت بہادر نے ایک شادی کی تقریب مین خدمت گارون تک شال دوشالے تقسیم کیے تھے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ صاحب نے لاکھون روپیہ پیدا کیا تھا۔ مگر افسوس کہ اُنھون نے کوئی ایسی یادگار نہ قائم کی کہ آج اِن کا نام بھی دیوان روشن لال صاحب کی طرح فخر کے ساتھ لیا جاتا اور وطن والے اِن کے مشکور ہوتے۔

جب تک راجہ صاحب زندہ رہے، امیرانہ شان و شوکت بدستور قائم رہی۔ اِن کی وفات کے بعد اِن کی جائیداد باہمی نفاق کی وجہ سے اِن کے لڑکون مین غارت ہو ہو کر تقسیم ہوئی۔ زمین نا پی گئی، شال دوشالے مساوی حصہ کی غرض سے پھاڑے گئے، دریان قالین شطرنجیان وغیرہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹی گئین، زیورات توڑ توڑ کر ایک دوسرے کے حصے مین آئے، الغرض اسی طرح ترکہ کی ہر چیز ستیاناس کی گئی۔ اس حماقت آمیز باہمی تقسیم کے بعد اشرفیان خفیہ طور پر رہن ہونے لگین۔ ایک اشرفی دو تین روپیہ کے عوض رہن ہوئی، وہ مہاجن ہی کے پاس رہی، کہ دوسری اشرفی رہن کی گئی۔ اس طرح چند روز مین بلا حساب کتاب کل زر نقد مہاجنون

؎ اِن کے لڑکے مہراج بہادر کی شادی لکھنؤ کے مشہور رئیس و شاعر منشی جگناتھ پرشاد خوشتر کے یہان ہوئی تھی ۱۲۔

کے قبضہ مین آگیا اور اکثر معمولی آدمی دولت مند ہو گئے۔ جب خزانہ خالی ہو چکا تو، زمینداری کی نوبت آئی اور تھوڑے ہی دنون مین ذریعۂ بیع تصرف مین آگئی۔ اب رہی جائیداد غیر منقولہ (عالی شان حویلی، باغات) اُسے راجہ صاحب کے پوتون نے تلف کر ڈالی۔ مکان کی ہر چیز (مثلاً اینٹین اور کڑیان وغیرہ) مٹی کے مول فروخت کی گئی اور باغات ذریعۂ بیعنامہ دوسرے کے قبضہ مین آ گئے۔ خلاصہ یہ کہ بہت جلد کثیر دولت (یعنی نقد، خاص اشرفیان) و زیورات اور تمام جائیداد فروخت و تباہ ہو گئی اور اس طرح راجہ صاحب اور اِن کے بزرگون کا نام و نشان دریاباد سے ہمیشہ کے لئے مٹا دیا گیا۔

مرحوم بہت بڑے خوش نصیب تھے۔ ہر طرح اِن کا زمانہ موافق تھا کسی بات کی کمی نہ تھی۔ دھن، دولت، شان و شوکت، اعزاز و مرتبہ، اولاد وغیرہ سبھی کچھ میسر تھا۔ یہ چار بھائی تھے اور چارون صاحب اولاد و متفق الرائے۔ تین بھائی الطافِ شاہانہ سے سرفراز، ایک بھائی گھر کے کاروبار مین مصروف۔ تاریخ پانڈے الموڑھا (راجہ صاحب کی خاندانی تاریخ) مین جو شجرہ چھپا ہے، اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ صاحب اور اِن کے تین بھائیون کی اولاد مین چودہ بیٹے، سترہ پوتے چار بیٹیان، چھ پوتیان تھین جن کی مجموعی تعداد ۴۱ ہوتی ہے۔ اِس سے پایا جاتا ہے کہ راجہ صاحب کے وقت مین اِن کا خاندان بہت عروج پر تھا اور اِن کے گھر مین غیر معمولی رونق رہا کرتی تھی۔ (محرران)

مرزا بُلاق بیگ صاحب

مرزا چغتائی، اصل نام حسن علی بیگ، سردار مرزا بخش اللہ بیگ صاحب ناظم کے بیٹے، رعب دار، خوبصورت بڑے کلّے ٹھلّے کے اور نوک پلک والے رئیس تھے۔

حالاتِ خاندانی مرزا محمد یوسف بیگ (مطبوعہ اخبار دبدبۂ سکندری پریس، ریاست رامپور ۱۹۰۸ء) مین لکھا ہے کہ "سردار مرزا بخش اللہ بیگ بہ عملداری نواب آصف الدولہ بہادر ملک قندھار سے آئے تھے اور بہ عہدہ نظامت ممتاز ہوئے۔ چونکہ علاقۂ نظامت قریب قصبۂ دریاباد تھا لہذا معہ اپنے قبائل کے دریاباد مین قیام کیا اور علاقۂ بشنداس پور وغیرہ معہ دریاباد[۱] خرید کیا۔" واجب العرض بشنداس پور سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا بخش اللہ بیگ صاحب نے ۱۱۷۱ فصلی مین بشنداس پور معہ دیگر دیہات کے ٹکرے کائستھون سے خرید کیا تھا۔ یہ زمانہ نواب شجاع الدولہ بہادر کے عہد حکومت کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اِس سے قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ سردار صاحب نواب ابو المنصور خان صفدر جنگ کے زمانے مین آئے ہونگے اور اُنھین کی بعید مہربانیون سے نظامت کے اعلیٰ عہدہ پر ممتاز ہو کر شجاع الدولہ بہادر کے شروعِ زمانہ مین علاقہ حاصل کیا ہوگا۔ سنا جاتا ہے کہ سردار صاحب نے ایک بہت بڑا موضع جو نظامتِ بہرائچ کی تعیناتی کے وقت قبضہ مین تھا، اور جس مین کئی ایک دیہات شامل تھے، سید سالار مسعود غازی کی درگاہ مین وقف کر دیا تھا۔ اِسکی تصدیق درگاہِ شریف کے اندرونی دروازہ کے ایک کتبہ[۲] سے ہو سکتی ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ سردار صاحب

[۱] صرف ٹکرے کائستھوں کے مقبوضہ سکنے ۲۔ مولف [۲] کتبہ میں فارسی کا یہ قطعہ کندہ ہے۔ **قطعہ** باعتقاد و بیادت بنام بخش اللہ ٭ گزشت از سر تو بیر موضع درگاہ بود مدد جناب سعید پاک شہید ٭ ہمہ وجوہ ردیہا شدآن معافی جاہ ٭ اگر کسے متعرض شود ازان دیہات ٭ علیہ بقیامت مدار لعن اللہ ۲

اُس مکان مین رہتے تھے جو آج کل مرزا محمد یوسف بیگ صاحب کے قبضہ مین ہے۔ اِس مکان کا مشرقی حصہ (زنانخانہ) لالہ نندھی لال صاحب کھرے کایستھ کا ذاتی مکان تھا جسے سردار صاحب نے اُس سے خرید کر کے ضروری ترمیم کے بعد بارہ دری وغیرہ بنوا کر اُسے ایک وسیع اور شاندار امیرانہ عمارت کی صورت مین تبدیل کر دیا تھا۔ نواب آصف الدولہ بہادر نے ایک مرتبہ اِس بارہ دری مین دعوت کھائی تھی، جو مرزا بخش اللہ بیگ صاحب کی اِستدعا پر قبول کی گئی تھی۔ نواب صاحب ممدوح مرزا صاحب پر خاص مہربان تھے۔ اُس وقت کے چند برتن مرزا صاحب کے خاندان مین مرزا ابّن صاحب کے پاس اب تک موجود ہین۔ یہ ظروف چینی کے ہین، جو نہایت نفیس اور خوبصورت پھولدار دیکھنے کے قابل ہین۔ سردار صاحب کے بعد اُن کے بیٹے مرزا اُبلاق بیگ صاحب نے اپنے داماد مرزا نیاز بیگ صاحب کو یہ مکان بخش دیا تھا۔

ایک دستاویز سے پتا چلتا ہے کہ مرزا اُبلاق بیگ صاحب ۱۲۱۷ھ کے قبل تعلقہ کے مالک ہو چکے تھے اور ۱۲۱۷ھ سے علاقہ زیر بار ہونے لگا تھا۔ واجب العرض بندوبست اول سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے ۱۲۴۹ فصلی مین اپنا کُل تعلقہ رائے سورج بلی صاحب تعلقدار رامپور کے پاس صرف گیارہ ہزار پچاس روپیہ کے عوض رہن کر دیا تھا۔ اِس سے اِن کی فضولخرچی اور ناعاقبت اندیشی ثابت ہوتی ہے۔

ان کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، مگر، لڑکیان چار تھین۔ ایک مرزا نیاز بیگ صاحب کو، دوسری مرزا تقی بیگ صاحب کو، جو سردار مرزا بخش اللہ بیگ صاحب کے چچازاد پوتے تھے، تیسری اور چوتھی خواجہ مرزا کو بیاہی تھین۔ انھون نے اپنی کل جائداد معہ مکفول شدہ زمینداری کے اِنھین لڑکیون مین بحصّہ مساوی تقسیم کر دی تھی۔

افسوس ہے کہ مرزا صاحب کے حالات اِس سے زیادہ باوجود کوشش کچھ بھی نہ معلوم ہوئے۔ ناچار مندرجہ بالا چند سطرون پر قناعت کی گئی۔ آج کل اِن کے خاندان مین مرزا غفّار بیگ صاحب عرف ببّن بقید حیات (مغلپورہ) ہین۔

رائے ابھرام بلی صاحب

ماتھر کایستھ، چھتری ورن، دریاباد کے مشہور و معروف خاندان کے اعلیٰ رُکن، بڑے زمانہ شناس، اقبال مند، خوش نصیب، دانشمند، اور اُولوالعزم رئیس و تعلقدار تھے، جنھون نے اپنے قابلِ تعریف طرزِ عمل سے نہ صرف اپنے باپ دادے کا نام روشن کیا، بلکہ خاندان کی شہرت مین بھی چار چاند لگا دیے۔ ولادت تخمیناً ۱۲۰۶ فصلی مطابق ۱۷۹۹ء، وفات جیٹھ سدی پورنماشی ۱۲۸۶ فصلی مطابق جون ۱۸۷۹ء۔

اِن کے والد رائے سورج بلی صاحب بڑے عقلمند تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "وہ ایسے ہوشمند اور زیرک تھے کہ اُس وقت اُن کے برابر کوئی نہ تھا۔ دریاباد میں آدھی عقل اُن کے پاس تھی اور آدھی عقل مین تمام دریاباد کے باشندے شریک تھے۔" لیکن، منشی رام اوتار لال صاحب[۵] کے بیان سے، جسے اُنھون نے اپنے دادا کی زبانی سُنا تھا، ظاہر ہوتا ہے کہ سورج بلی صاحب صرف دریاباد ہی مین عقلمند نہین مشہور تھے، بلکہ دریاباد، رُدولی، سورجپور

[۵] ساکن بھلسر، سابق ہیڈ ماسٹر مدرسہ حیول، حال دیوان ٹھاکر رام پال سنگھ صاحب رئیس سکرورہ ۱۲۔

تین پرگنون کے وسیع رقبہ مین بجز دو آدمیون کے تیسرا کوئی شخص اُن کا مدِّ مقابل نہ تھا۔ اِن دو آدمیون مین سے ایک صاحب رُدولی کے تھے، دوسرے صاحب سورجپور کے۔ مذکورہ پرگنون کے متعلق ہر اہم معاملہ کا فیصلہ انھین تینون بزرگون کی باہمی صلاح و مشورہ پر منحصر تھا۔ یہ جو رائے تجویز کر دیتے تھے وہ نہایت معقول اور قابلِ عمل ہوتی تھی۔ سورج بلی صاحب نے اپنی فطرتی دانائی سے قدیم تعلقہ کو خوب وسعت دی۔ وہ دوراندیش بھی تھے۔ اُن کے وقت مین ریاست کمیار، رانی مئو، سکرورھا، نیورا، بردلی، شاہ پور، دھنانوان، آٹا، پرسیورہ وغیرہ کے بہادر سردارون سے از سرِ نو دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے، جو شاہی زمانے مین وقتاً فوقتاً اُن کی مدد کے لیئے تیار رہتے تھے۔ عمالِ شاہی بھی اُن کی اطاعت سے اُن کا دم بھرتے تھے۔ چیت سدی تیرس ۱۲۵۹ فصلی کو وفات پائی۔ یادگار مین گوپال مندر اور پھلواری و الاٹھاکردوارہ (متصل ٹکیتی تال) جسے اب رائے راجیشر بلی صاحب نے سر سے نوار رہے ہین۔

واجب العرض تعلقہ رامپور و تاریخ تعلقداران اودھ سے پایا جاتا ہے کہ رائے صاحب کے مورثِ اعلیٰ رائے برتھی راؤ بعہدِ محمد جلال الدین فیروز شاہ بادشاہ دہلی ۶۸۶ھ مین صوبہ دار اودھ کے ہمراہ محمود آباد آکر، جو اُس وقت حکامِ شاہی کا صدر مقام تھا، سکونت پذیر ہوئے اور ساتھ ہی اِس کے صیغہ داری و قانونگوئی سے بھی سرفراز ہوئے۔ چونکہ اُس زمانے مین بھر قوم کا اِس طرف بڑا دور و شور تھا، اِس لئے صوبہ دار صاحب نے رائے برتھی راؤ کی مدد سے اِس قوم کا خاتمہ کر کے امن و امان کی بنیاد قائم کی۔ اِس خیر خواہی کے صلہ مین صوبہ دار ممدوح کی سفارش سے ۳۶ مواضعات برتھی راؤ کو دربارِ دہلی سے عطا ہوئے۔ لیکن چند روز کے بعد بدنظمی سلطنت کے باعث بھر قوم نے پھر سر اُٹھایا، جس نے برتھی راؤ کے کل خاندان کو تہ تیغ کر کے تمام مواضعات پر قبضہ کر لیا۔ اُس خاندان سے صرف ایک حاملہ عورت بچ گئی تھی، جو رفقاء قدیم کی حمایت سے دہلی اپنے ماں باپ کے گھر پہونچی اور وہان نیما راؤ[1] پیدا ہوئے۔ بالغ ہونے پر اُنھون نے اپنی دانائی و حسنِ قابلیت سے دربارِ شاہی مین حاضر ہو کر اپنا آبائی منصب حاصل کر کے بعہدِ سلطان محمد مرزا بادشاہ ۸۰۵ھ مین دریا خان صاحب صوبہ دار کے ہمراہ آکر اپنے قدیم وطن محمود آباد کی سکونت اختیار کی۔ صوبہ دار موصوف نے بھر قوم کو خارج کر کے پھر نئے سر سے جملہ دیہات پر نیما راؤ کا قبضہ کرا دیا۔ اُس وقت دریاباد ایک جنگل تھا[2]۔ نیما راؤ کے مشورہ سے صوبہ دار صاحب نے جنگل کٹوا کے اپنے نام سے "دریاباد" آباد کیا اور بجائے محمود آباد کے اسے حکامِ شاہی کا صدر مقام قرار دیا۔ جنگل مذکور کا ایک بہت بڑا ٹکڑا نیما راؤ کو عنایت ہوا، جسے اُنھون نے آباد کر کے اپنی سکونت اختیار کی اور آباد شدہ حصہ "پٹی دریاباد" کے نام سے موسوم ہو کر تعلقہ کا ایک جزو تسلیم کیا گیا۔ بعد اُس کے نیما راؤ کی نسل والون نے رہن و بیع کے ذریعہ سے ۳۰ مواضعے اور پٹیات حاصل کر کے ۵۷ مواضعات کا تعلقہ قائم کر دیا، جو اِس وقت تک برقرار و بحال ہے۔ ایک شاہی فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ نیما راؤ کی اولاد مین روپ چند و سندر داس کو چار سو بیگھہ پختہ آراضی بطور نانکار

[1] اِن کی ماں نے نیم کے ایک درخت کے جوف مین پناہ لی تھی اِس وجہ سے نیما راؤ نام رکھا گیا۔ سنا جاتا ہے کہ یہ درخت کیونلا پور مین تھا۔ اب تک
کے خاندان والے اب تک اُس مقام کو بہت متبرک خیال کرتے ہیں ۱۲ [2] راقم کو اس رائے سے اتفاق نہیں۔ ملاحظہ ہو باب اول، ذکر دریاباد ۱۲۔

۱۰۲۵ھ مین شہنشاہِ جہانگیر کے دربار سے مرحمت ہوئی تھی نقل فرمان حسب ذیل ہے:—
فرمان عالی شان چون بموجب اسناد حکام موازی چہار صد بیگہ زمین مزروع از پرگنہ دریاباد سرکار اودھ در وجہ انکار روپیہ چید قانونگوئی پرگنہ مذکور مقرر بود در سولاسند رداس ولد مشارالیہ بدرگاہ خلائق پناہ حاضر آمدہ منظر اشرف اقدس گذشتہ حکم جہاں مطاع آفتاب شعاع صادر شد کہ آراضی مذکورہ را بمواضع مقدمی او بشرط قبض و تصرف وجہ انکار مفوض و مقرر باشد کہ حاصلات آنرا فصل بفصل و سال بسال در وجہ معیشت خود خرچ و تصرف نمودہ دعای دوام دولت بندگان حضرت استقلال میمودہ باشد می باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کرہ یان حال و استقبال و استمرار و استقرار این حکم اقدس اعلی کوشیدہ آراضی مذکورہ را مقرر داشتہ اصلا تغیر و تبدیل بدان راہ ندہند و ہر سالہ فرمان و پروانہ مجدد طلب ندارند تحریر فی التاریخ فروردی الہی ۱۱سنہ
یہ فرمان لالہ اودھے لال صاحب کے یہان موجود، الٰہی سنہ شہنشاہ اکبر کی یادگار ہے۔
گزٹیر بارہ بنکی (۱۹۰۴ء) مین لکھا ہے۔ ریاست رامپور کے تعلقدارون کا خاندان وہ خاندان ہے جس نے گورنمنٹ اودھ کی کئی پشتون سے وفادارانہ خدمتین کی ہین۔ وہ اس بات کا اظہار کرتے ہین کہ رائے پرتھی راؤ ۷۰۸ھ مین جبکہ جلال الدین فیروزشاہ کے زمانہ سلطنت مین قانونگو مقرر کیے گئے تھے (لیکن تاریخی لحاظ سے یہ بات غیر ممکن ہے کیونکہ علاء الدین اُس زمانے مین بہت دنون تخت پر رہا) اودھ کے صوبہ دار کو اپنے ساتھ محمودآباد لیگئے، اور وہان اُنھون نے بھارون کو شکست دینے مین بہت بڑی مدد دی، جس کے صلے مین اُن کو بطور انعام کے جاگیر ملی جسے اُن کے بعد کے لوگون نے مختلف طریقہ سے بڑھایا۔ آٹھ یا نو پشت کے بعد رائے سوبھا رائے ہوئے، جو کہ رام نگر کے چکلہ دار تھے اور جن کو ریکوارون سے لڑنا پڑا جنھون نے ادائیگی لگان سے انکار کیا تھا۔ سوبھا رائے اودھ کی تاریخ مین ایک بہت بڑے مشہور شخص گذرے ہین، نیز اُن کے پوتے سیتل پرشاد ناظم بھی۔ رائے ابدھوت سنگھ پسر سوبھا رائے بھی چکلہ دار تھے اور وہ نوگانون کی لڑائی مین مارے گئے، جس کے صلہ مین اُنکے بعد والے لوگون کو تین مواضعات بطور جاگیر اور ایک شاہی سند ملی۔ رائے سیتل پرشاد ریکوارون کی لڑائی مین سنہی کے قریب زخمی ہوئے تھے، جہان کہ اُنھون نے ریکوارون کو شکست دی تھی اور شاہ پور کا موضع بلا لگان اُنھین ملا تھا۔ اُن کے بعد رائے ابھرام بلی ہوئے اور اُن کے بعد رائے نارائن بلی جنھون نے ۱۹۰۰ء مین رحلت فرمائی۔ رائے کا خطاب ۱۸۷۷ء مین موروثی تسلیم کیا گیا۔"
مختصر تاریخ اقوام الکائستھ دیپرکھو وٹھاکر (مولفہ بابو گوپی ناتھ سنگھ صاحب ورما بی۔ اے بریلوی مطبوعہ اناتھ آلیہ پریس بریلی ۱۹۱۲ء، حصہ دوم، صفحہ ۱۵۲) مین تحریر ہے۔ رائے ابھرام بلی تعلقدار رامپور کے یہان ۱۳ موضع اور ۱۱ پٹی ہین۔ گورنمنٹ سے رائے خطاب موروثی ہے اس خطاب کو شاہ اکبر نے دیا تھا۔ رائے نرائن بلی، رائے سوبھا رائے و رائے سیتل پرشاد اسی دودمان کے رتن تھے اور رائے بہادر چندرشیکھر بلی اور رائے راجیشر بلی او۔ بی۔ ای اسی خاندان کے رتن ہین، ماخوذ از گولڈن بک آف انڈیا صفحہ ۵۷۴"
عرصہ سے یہ خاندان تین شاخون مین منقسم ہو گیا ہے۔ اول شاخ مین رائے صاحب (از نسل سوبھا رام

عرف سوبھا رائے) دوسری مین پھاٹک اندر کے اصحاب (از اولاد درگا داس عرف درگداس) تیسری مین صاحبانِ ٹھٹر انگر (از نسل مراد داس)۔ رائے صاحب کا خاندان اخلاق و تہذیب، خوش انتظامی، دوراندیشی، علمیت، دانشمندی، معاملہ فہمی، حکمتِ عملی، اتفاق باہمی، امیرانہ شان و شوکت، حکام رسی، عالی ہمتی وغیرہ صفات مین دور دور تک مشہور ہے۔ رائے صاحب کے یہان کی دھوم دھامی محفلیں اور پُر تکلف دعوتین شرادھ اور مکتب کی تقریبین بھی ایک خاص خصوصیت رکھتی ہین۔ اس قسم کی دعوتین صرف تعلقدار صاحب کی ولادت اور رسم قشقہ یعنی ٹیکے کے موقع پر یا تعلقدار صاحب کی بڑی بیٹی کی شادی کے وقت غیر معمولی اہتمام اور نہایت وسیع پیمانے پر کی جاتی ہین۔ اسی طرح رسم مکتب اور شرادھ کو بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اُن کا تعلق بھی تعلقداری سے ہوتا ہے۔

رائے ابھرام بلی صاحب شاہی زمانے سے شروع انگریزی عملداری تک قانونگوئی کے عہدہ پر مامور رہے۔ انتظام جدید کے وقت، جبکہ بہ صلۂ خیر خواہی رائے کا لقب موروثی قرار پایا، خلعت ؎ عطا ہوئی، سندِ تعلقداری ملی، آنریری اسسٹنٹ کمشنری کے اعلی عہدہ سے سرفراز ہوئے۔ اُس زمانے میں یہ عہدہ ہندوستانیوں کے حق میں ہفت اقلیم کی سلطنت سے کم نہ تھا اور غالبًا اُس وقت تک ضلع مین کوئی بھی اس عہدہ سے فیضیاب نہ ہوا ہوگا۔ انھون نے بھی اپنی دانشمندانہ حکمت سے علاقہ مین بہت کچھ اضافہ کیا۔ بندوبست کے زمانے مین ابھرام بلی صاحب کے نام تعلقہ کا اندراج ہوا اور یہ ایکٹ (۱) کے اعلی تعلقدارون مین نامزد کیے گئے۔ اُس وقت سے آج تک اِن کے خاندان والے رائے کے لقب و رمانپتا تعلقدار کے نام سے مشہور و معروف ہین، جو بلحاظ اپنی غیر معمولی امیرانہ شان و شوکت کے ضلع بارہ بنکی کے علاوہ دیگر اضلاع کے نامی گرامی تعلقدارون سے کسی طرح کم نہین، جن کی قابل رشک ترقی، خاندان پروری، اور حیرت انگیز انتظامی قابلیت ایک خاص شہرت رکھتی ہے۔

انھین اپنے مذہب سے گہری عقیدت تھی، روزمرہ پوجا پاٹ کرتے تھے۔ آبائی وضع کے پابند، نہایت نیک، بڑے متحمل مزاج، رعایا پرور، خوش اخلاق اور ملنسار تھے۔ دوست و احباب، عزیز و اقارب سے دلی محبت رکھتے اور عالمون، پنڈتون کی اچھی طرح تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ دل مین تعصب کو دخل نہ تھا، ہندو مسلمان سب سے یکسان ملتے تھے اور دونون قومون کے لوگ ملازم تھے۔ ہندوون کی طرح مسلمان بھی معزز عہدون پر مامور تھے۔ جو عزت لالہ گومتی سنگھ صاحب دیوان ریاست کی تھی وہی اعزاز شیخ وارث علی صاحب (ساکن امیٹھی ضلع لکھنؤ) مختار عام کا تھا۔ یہ دونون کارندے بھی ریاست کے اعلی خیر خواہ اور اپنے مالک کے دل سے فرمان بردار تھے۔

اپنے والد کی طرح یہ بھی حکام رس تھے۔ شاہی زمانے مین چکلہ دار اور ناظم کو ضرورت کے وقت پورے طور پر مدد دیتے رہے۔ برٹش حکومت مین حکام انگریز کو اپنی خیر خواہانہ خدمتون سے ہمیشہ خوش رکھا۔

اپنے فرائض منصبی کا بھی انھین بہت خیال تھا۔ پہلے قانون گوئی کا کام کرتے تھے۔ بعد اُس کے انگریزی عملداری مین

؎ اِس خلعت مین ولایتی تلوار (کامدار میان، میناکاری قبضہ ساختہ ولایت) قیمتی دوشالہ، کھلی کا بکس (اکثر امراض کے دور کرنے کا آلہ) موجود تھی، یہ چار چیزیں شامل تھیں۔ کھلی کا بکس اور حوض مین اُس وقت ایک عجیب و غریب چیز تھی۔ دوشالہ اور تلوار اس وقت تک موجود ہے ۱۲۔

آنریری اسسٹنٹ کمشنری" کا اہم کام سپرد ہوا جسے انھوں نے تا زندگی نہایت مستعدی اور ہوشیاری کے ساتھ انجام دیا۔ ریاست کا انتظام ان کے بیچا رائے پرتاب بلی صاحب کرتے تھے۔

انھوں نے اپنے والد کے قائم کئے ہوئے دوستانہ تعلقات کو جو ریاست کیارو رانی، اور پورا وغیرہ سے وابستہ تھے اپنی دانشمندی و خلوص سے ایسا مستحکم کر دیا کہ ٹھاکر اوتار سنگھ و شیر بہادر سنگھ وغیرہ ان کا دم بھرنے لگے۔ چنانچہ جب رائیصاحب اور سورجپور کے تعلقدار سے موضع دلونا کی بابت باہمی جنگ ہوئی تو ریاست کیارو کے مشہور اور بہادر تعلقدار شیر بہادر سنگھ اور ٹھاکر اوتار سنگھ (تعلقدار رانی مئو) و ٹھاکر پرتاب سنگھ رئیس سکرورھا نے معہ اپنے دوست و احباب ٹھاکر مہیش بخش سنگھ تعلقدار شاہ پور، ٹھاکر گمبھیر سنگھ تعلقدار دھنا نوان اور سرداران آٹا ڈیرسپور وغیرہ کے امداد پر آمادہ ہو کر وہ داد شجاعت دی کہ سورج پور والوں کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس لڑائی کے متعلق یہ بات بہت مشہور ہے کہ جنگ میں جس وقت بندوقوں کی گولیاں ختم ہو گئیں اور سیسہ نہ میسر آیا تو رائیصاحب نے کشادہ پیشانی فوراً چھوٹی گولی کے روپئے، جو اس وقت رائج تھے، خزانہ سے منگوا کر حکم دیا کہ انھیں گولیوں کے عوض استعمال کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک یہ روایت ضرب المثل ہے کہ "رائیصاحب نے دلونا کی لڑائی میں سیسہ کی گولیوں کے بجائے چاندی کی گولیاں چلائیں" بھیا شیو رتن سنگھ صاحب اس امر کی تصدیق کرتے ہوئے بیان کرتے تھے کہ اس واقعہ کے بعد ہمارے اطراف میں دُور دُور تک شہرت ہو گئی کہ "رائیصاحب کے یہاں دولت کی انتہا نہیں ہے، انھوں نے گولیوں کے بدلے چاندی کا مینھ برسا دیا۔" پانچ چھ ہزار آدمیوں سے زائد شریکِ جنگ تھا، اور آٹھ دس روز تک سخت معرکہ رہا، ہزارہا روپیہ صرف ہوا۔ اس سے لال انعام بلی صاحب کی اُولوالعزمی اور دلیرانہ آن بان کے ساتھ ساتھ ان کی دولت مندی پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ "رائے انعام بلی صاحب کے زمانے میں دو ہزار آدمیوں کے لیے غلہ، ایندھن، مٹی کے برتن، پتّل، دونے، وغیرہ ضروری سامان ہر وقت جمع رہتا تھا کہ ضرورت پر وقت نہ ہو۔ اہلِ برادری کے ساتھ ان کا برتاؤ نہایت اعلیٰ تھا، انکسار سے پیش آتے، مصیبت کے وقت خفیہ طور پر کافی امداد دیتے، دعوتوں میں خود ہر ایک بھائی کے سامنے جا جا کر خوشامدانہ لہجے میں فرماتے کہ "بھائی صاحب! یہ چیز نہایت عمدہ ہے، اسے میری خاطر سے نوش فرما کر مجھے شکر گذار بنائیے۔" اسی طرح خاندان والوں پر بھی خاص نظرِ عنایت تھی۔ گھر میں بچے سے لیکر بوڑھے تک کے لئے ہر قسم عیش کا سامان مہیا رہتا تھا، کسی کو کسی بات کی تکلیف نہ تھی، اُن کی پرورش اور اُن کی خوشی سب سے مقدم سمجھتے تھے۔" اس سے ان کی خاندان پروری، قومی ہمدردی، قومی محبت صاف طور سے آشکارا ہوتی ہے۔

رائیصاحب گورنمنٹ برطانیہ کے بھی خواہوں میں تھے۔ زمانہ غدر میں انھوں نے بہت سے انگریزوں کو اپنے مکان میں خفیہ طور پر پناہ دیکر ان کی جان بچائی، غدر کے بعد ضلع کی کچہری اور پولیس وغیرہ کے لئے مکان سکونتہ کا ایک حصّہ دیدیا یہ کارروائی صرف چند روزہ تھی، دوامی نہیں۔

---

۵ اگر رائے صاحب دب جاتے تو لڑائی نہ ہوتی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ ان کے یہاں بھی اچھے اچھے باٹھک وغیرہ نامی سپاہی نوکر تھے جو بذات خاص بیس بیس آدمیوں پر غالب آسکتے تھے ۱۲۔

رائے صاحب کے کتب خانہ میں نظم و نثر کے متعلق اُردو بھاشا زبان کی چند قلمی کتابیں دیکھنے میں آئی ہیں جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ رائے اجرام بلی صاحب نے کوشش سے حاصل کی تھیں۔ ان میں بعض کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خاص اُنھیں کے لئے لکھی گئی تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رائے صاحب کو فارسی کے زمانۂ عروج میں بھی اُردو و بھاشا ادب سے خاص دلچسپی تھی جس کے قبل رائے صاحب کے خاندان میں کوئی بھی اُردو سے آشنا نہ تھا۔

بعض بزرگوں کی زبانی سنا گیا ہے کہ ان کو عیش پرستی کا بھی شوق تھا۔ تخمیناً ۸۰ سال کی عمر پائی۔ اولاد میں چھ بیٹے، مہراج بلی، بھگونت بلی، شنکر بلی، مہادیو بلی، سینا تھ بلی، کدار بلی، سب لائق اور صاحب اولاد جن میں مہراج بلی کے بیٹے نارائن بلی انھیں کے سامنے پیدا ہو کر دس برس کے ہو چکے تھے۔ اس سے مرحوم کی قابلِ رشک خوش نصیبی ظاہر ہوتی ہے۔

رائے پرتاب بلی صاحب

رائے سیتل پرشاد صاحب تعلقدار کے فرزند سوم (بڑے بھائی سودھلی صاحب تھے منجھلے آسنند بلی صاحب)، رائے اجرام بلی صاحب کے حقیقی چچا، اپنے خاندان کے سربرآوردہ ذی اختیار رکن، سیاہ و سپید کے مالک، بڑے بیدار مغز عالی حوصلہ منتظم۔ ولادت تخمیناً سنہ ۱۲۰۰ فصلی مطابق سنہ ۱۷۹۳ء، وفات ساون سدی دوج سنہ ۱۲۷۰ فصلی مطابق آخر جولائی سنہ ۱۸۶۲ء۔

یہ تعمیرات کے بڑے شوقین، امیرانہ شان و شوکت کے دلدادہ اور فیاض بھی تھے۔ انھوں نے بارہ دری، گڑھی، عالی شان صدر دروازہ، دیوانخانہ، فیلخانہ، اصطبل، جنوبی و شمالی پھاٹک وغیرہ عمارتیں تعمیر کرا کے قدیم مکان کو ایک عظیم الشان رئیسانہ عمارت کی صورت میں منتقل کر دیا۔ اودھیا جی میں عین سرجو کے کنارے دو منزلے دو پختہ مکان اور پختہ گھاٹ برج سمیت تعمیر کرائے، جن میں ایک ؎ ہربھی جی کو سنکلپ کر دیا تھا۔ یہ دونوں مکان مع گھاٹ اب تک موجود ہیں۔ لیکن، افسوس! کہ ریاست دالامکان ایک خاص؎ وجہ سے شکستہ اور ناگفتہ بہ حالت میں ہے۔ علاوہ اس کے ڈلمئو (ضلع رائے بریلی) میں گنگا کے گھاٹ کے متعلق چند سیڑھیوں کی پختہ تعمیر جو آج کل شکستہ اور کس مپرسی کی وجہ سے بہت کچھ مخدوش ہو گئی ہے، اور پرتاب گنج، پائیں باغ اور اسکی بارہ دری بھی انھیں کی یادگار ہے۔

پرتاب بلی صاحب مخیر بھی تھے۔ انھوں نے غربا کی پرورش کے لئے خیرات کا ایک خاص صیغہ قائم کیا تھا جس کا معمول یہ تھا کہ روزانہ صبح سے شام تک جس قدر پردیسی سادھو ڈیوڑھی پر آتے تھے اُن کو فی کس آدھ سیر پختہ آٹا، دال، مع پیسہ بھر گھی، لکڑی، ظروفِ گلی کے دیا جاتا تھا۔ اگر کوئی سادھو کمبل یا رضائی وغیرہ یا تیرتھ جاترا کی غرض سے کچھ نقدی

۱؎ بعضوں کا بیان ہے کہ بیہی جی والا مکان مع پختہ گھاٹ کے پرتاب بلی صاحب کے بڑے بھائی آنند بلی صاحب نے تو اکر بید بیہی جی کو سنکلپ کر دیا تھا۔ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنند بلی صاحب ان تعمیرات کی بنیاد ڈلوا کے تھوڑے ہی دن بعد قضا کر گئے تھے جنھیں پرتاب بلی صاحب نے تیار کرا کے سنکلپ کر دیا تھا۔ ۲؎ اس مکان میں عرصہ سے ایک پیپل کا درخت اُگ آیا ہے جس سے مکان بہت مخدوش ہو گیا ہے اور پیپل کے درخت کو بعض ہندو متبرک سمجھ کر کٹواتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ علاوہ اس کے چند ہندو پختہ قبریں بھی ہیں جو قبل تعمیر مکان یہاں موجود تھیں لیکن اسوقت کچھ خیال نہیں کیا گیا۔ اب طرح طرح کے شکوک پیدا ہو رہے ہیں۔

کا سوال کرتا تھا تو، وہ بھی پورا کیا جاتا تھا۔ قصبہ کے ہندو مسلمان محتاجوں کو ہر روز شام کے وقت ایک من یعنی چوبیس سیر پختہ جنس (چنے، جوار) تقسیم کی جاتی تھی۔

انھیں فنس کی سواری بہت پسند تھی۔ گندم رنگ، متوسط قد، دُبلے پتلے، آبائی وضع کے پابند تھے۔ روز مرّہ دھوتی، انگرکھا، نیچے شلوکہ، چوگوشیہ ٹوپی، نری کا جوتا، خاص موقعوں پر انگرکھے کے اوپر قیمتی ریشمی چکن، بڑے پائنچے والا مشروع کا پاجامہ، شملہ، زردوزی کفش پہنتے تھے۔ تخمیناً ۷۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ اولاد میں شیوراج بلی، رگھوناتھ بلی۔

رائے شیوراج بلی صاحب

عرف چھوٹے راجہ، رائے پرتاب بلی صاحب کے بڑے بیٹے، مخیر، رعب دار، خوبصورتی میں مشہور، امیر دل، ذی حوصلہ بزرگ تھے۔ برادری سے بہت خلوص سے ملتے، عام طور پر بھی ملنسار اور خلیق تھے۔ ولادت تخمیناً ۱۲۳۵ھ فصلی مطابق ۱۸۲۷ء، وفات اگھن بدی دسمی ۱۲۸۵ھ فصلی مطابق نصف نومبر ۱۸۷۸ء۔

رائے پرتاب بلی صاحب کی وفات پر رائے ابھرام بلی صاحب کے زمانے میں جو ان کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے، ریاست کے کاروبار میں مشغول ہوئے، جسے انھوں نے نہایت جانفشانی اور حسنِ انتظام کے ساتھ تا زندگی انجام دیا۔ اپنے والد کی طرح انھیں بھی ریاست کے متعلق کسی کام کے بارہ میں صلاح و مشورہ کی ضرورت نہ تھی۔

رائے شیوراج بلی صاحب ریاست کے بڑے خیر خواہ تھے، انھیں کی بدولت تعلقہ قائم رہا، ورنہ تقسیم ہو جاتا۔ بزرگ لوگ شیوراج بلی صاحب کی تعریف کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ "جس وقت دریاباد میں پختہ بندوبست کی کارروائی شروع ہوئی تو انھوں نے بیان کر دیا تھا کہ "ہمارے یہاں اولاد اکبر تعلقدار ہوتی ہے لہٰذا تعلقہ کا اندراج ابھرام بلی صاحب کے نام ہو، ہم سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور نہ آئندہ کوئی حق حاصل ہوگا۔" منشی کریم احمد صاحب صدر منصرم (منظور نظر کرنیل تمیر صاحب بہادر مہتمم بندوبست) نے شیوراج بلی صاحب کو بہت کچھ سمجھایا کہ "آپ کیا غضب کرتے ہیں؟ آپ کی اس کارروائی کا اثر تمام خاندان والوں پر خراب پڑیگا، مہربانی کر کے آپ اس بیان سے باز آئیے اور اپنے ساتھ خاندان والوں کو تباہ نہ کیجئے۔" لیکن شیوراج بلی صاحب اپنے بیان پر ثابت قدم رہے۔ انھوں نے کہا کہ "ہمکو کچھ بھی اختیار نہیں، اگر رائے صاحب مکان سے نکال دیں تو ہم سوا اس کے کہ علیحدہ ہو کر بھیک مانگیں اور کوئی چارہ نہیں"۔ حاکم نے مجبور ہو کر ابھرام بلی صاحب کے نام تعلقہ کا اندراج کر دیا۔ یہی وجہ تھی جو رائے ابھرام بلی صاحب ان کا بہت بڑا لحاظ کرتے تھے۔ یہ جو چاہتے کرتے، مگر، وہ کچھ مُخبر نہیں ہوتے تھے۔ پختہ بندوبست ۱۲۷۲ھ فصلی مطابق ۱۸۶۴ء میں شروع ہوا تھا۔"

مولوی ثابت علی صاحب بیان کرتے تھے کہ مولوی ندیم صاحب رائے صاحب کے یہاں معلم گری پر مامور تھے۔ ایک مرتبہ ذرا سی بات پر ناراض ہو کر گھر چلے آئے، ان کے بلانے کے لئے شیوراج بلی صاحب خود مکان پر تشریف لائے اور بہت کچھ معذرت کی، مگر ندیم صاحب (دریابادی) نہیں گئے۔ اس سے شیوراج بلی صاحب کی علمی قدردانی بخوبی ظاہر

ہوتی ہے۔

شیوراج بلی صاحب شانِ امارت کے شیدائی تھے۔ چنانچہ انھوں نے مردانے کمروں اور بارہ دریوں کے لئے قیمتی فرش، شیشہ آلات وغیرہ خرید کئے۔ شاندار جلوسی سامان فراہم کیا۔ قلمی آموں اور میووں[1] کے باغات کی بنیاد ڈالی۔ سیر و تفریح کے لیے عمدہ پھلواری تیار کرائی، جس سے نہ صرف ان کی یادگار قایم ہوئی، بلکہ ریاست کی شان دوبالا ہو گئی۔ شیشہ آلات میں چند بنیادی ہانڈیاں ایسی بھی ہیں، جو خاص جرمن کی ایجاد اور زنجیر والی کھینچ کی ہانڈیاں کہلاتی ہیں۔ اس قسم کی ہانڈیاں اُس زمانے میں ایک عجیب و غریب اور بیش قیمت چیز خیال کی جاتی تھیں اور غالباً ہمارے اطراف میں اُن سے پیشتر ایسی ہانڈیوں کو کسی نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ شیوراج بلی صاحب وہ بزرگ ہیں جنھوں نے اب سے نصف صدی قبل اپنے ہم وطنوں کو جرمنی صنعت کی روشنی سے آگاہ کر دیا تھا۔ اسی طرح پانی نکالنے کی ولایتی مشین بھی انھیں کے دم سے اُس وقت دریاباد میں استعمال کی گئی تھی، جبکہ عام طور پر ہندوستان میں لوگ اس کے نام سے بھی واقف نہ تھے۔ مشین اور اس کے متعلق نل، جرمنی ہانڈیاں رائیصاحب موصوف کلکتہ سے خرید کر لائے تھے۔ غدر کے بعد امن و امان قایم ہونے پر جس وقت کلکتہ میں بہت بڑے اہتمام کے ساتھ شاہی دربار منعقد ہوا تھا تو راجہ امرام بلی صاحب کے ہمراہ یہ بھی شریکِ دربار ہوئے تھے اور اسی سلسلہ میں یہ دلچسپ مغربی اشیاء انھوں نے خرید فرمائی تھیں۔

انھیں زیادہ تر گھوڑے اور بُوچے کی سواری کا شوق تھا، فنس پر بہت کم سوار ہوتے تھے۔ تفریحی مشغلہ کے متعلق پتنگ بازی سے خاص دلچسپی تھی۔ رنگ برنگ کے خوبصورت پتنگ جاڑے کے موسم میں روز سہپہر کے بعد اڑایا کرتے تھے۔ لیکن ان کو صرف پتنگ اُڑانے میں ملکہ تھا، لڑانے میں نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ یہ میاں حاجی عبد اللطیف صاحب سے پتنگ بازی میں کبھی جیت نہیں پاتے تھے، جو پتنگ بازی کے فن سے عدم وقفیت کی دلیل ہے۔

رائیصاحب آموں کے بھی بڑے شوقین تھے۔ لیکن یہ شوق ایک خاص لطف رکھتا تھا۔ برسات کے موسم میں اُمڈی ہوئی گھٹا دیکھ کر اکثر میاں گنج جاتے اور اپنے دوست و احباب کو بھی ہمراہ لیجاتے، دن بھر وہاں قیام رہتا، کھانے کا معقول انتظام ہوتا، انواع و اقسام کے آم باغوں سے منگواتے، دوستوں کو کھلاتے اور خود بھی کھاتے تھے۔ بستی میں شرفا کے گھروں پر عمدہ اور مزیدار آم فصل میں دو ایک مرتبہ بطور تحفہ ضرور بھیجے تھے۔ غریب بھی محروم نہیں رہتے تھے اُنھیں بھی آم تقسیم کئے جاتے تھے۔ اسی طرح فصلی میوے نارنگی، امرود، شریفہ، کیلے وغیرہ بھی اِن کے حکم سے ہر سال برابر تقسیم ہوا کرتے تھے۔ دوستوں کی خاطر داری اور سال میں کئی مرتبہ انھیں پُرتکلف دعوتوں سے خوش کرنا بھی ان کا ایک خاص وصف تھا۔ اس سے شیوراج بلی صاحب کی فیاض طبیعت کا حال اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے۔

دعوتوں میں عین صدر دروازہ پر شیوراج بلی صاحب خود شراب کی بوتل اور پیالہ لیکر کھڑے ہوتے تھے قریب ہی خدمت گار میووں کی کشتی (گزک) لئے حاضر رہتا تھا۔ برادری کے جو صاحب تشریف لاتے، اُنھیں یہ

---

[1] کمہار والی پختہ سڑک سے متصل واقع۔ اس باغ کے قریب ایک عمدہ پھوس کا بنگلہ بھی تھا، جس کی دیواریں پختہ تھیں ۱۲ یہ دو باغ تھے، دونوں میں قلمی آم اور میووں کے بکثرت درخت تھے ایک بلہری میں تھا، دوسرا میاں گنج میں بلہری والا باغ ویران حالت میں موجود، مگر میاں گنج والا عرصہ ہوئے نام و نشان ۱۲

ایک حاجی نہراب ... خدمت کار میوے کی کشتی پیش کرتا، پھر فرماتے "اب محفل میں چل کر بات دیکھیے" جب تک بارہ بجے کھانا اٹھتا، جب محفل میں سب آ لیتے تھے، تبھو راج علی صاحب صدر دروازہ پر کھڑے رہتے تھے، بیٹھتے نہ تھے۔ ایک ایک آدمی کو دیکھتے تھے، ہر وقت دیکھا کرتا تھا کہ "فلاں صاحب آ گئے، فلاں صاحب ابھی نہیں آئے"، کھانا کھانے کے وقت ہر شخص کے سامنے جاتے اور جھک جھک کر نہایت انکسار کے ساتھ بڑی سیر چشمی سے کھانا کھانے کی ترغیب دیتے تھے۔

پچاس برس کے سن میں لاولد وفات پائی ... وضع میں اپنے والد کے خاص مقلد۔ گورا رنگ، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، ہاتھ پاؤں تندرست، گول چہرہ، زبردست نفیس مونچھیں، سپید داڑھی، قد درمیانہ، نفاست پسند، خوش مزاج، جامہ زیب، خوش فہم، خوش چلن۔

راے مہراج علی صاحب

اصل نام مہاراج علی، عرف مہراج علی، راے ابھرام علی صاحب کے فرزند اول، نہایت نیک، صاحب اخلاق، با مروت، کم سخن اور اولوالعزم رئیسوں میں سے تھے۔ ولادت تخمیناً سنہ ۱۸۴۳ء، وفات آخر سنہ ۱۸۹۳ء۔

والد کی وفات پر علاقہ کے مالک ہوئے۔ لیکن، افسوس ہے کہ چار ہی پانچ برس کے بعد زندگانی نے جواب دیدیا، نیز ان ریاست ہاتھ سے نکل گئی۔ ان کا دل موسیقی پر زیادہ مائل تھا، غنا ابراے نام تھی، ہر وقت نغمے میں مخمور رہتے تھے، بوجوہ صحت خراب ہو گئی، قبل از وقت انتقال ہو گیا۔

مرحوم کی طبیعت نہایت صلح پسند واقع ہوئی تھی۔ ہندو مسلمان دونوں کے بہی خواہ تھے۔ ایک مرتبہ جبکہ دسہرہ و محرم کے موقع پر مذہبی جوش کے باعث ہندو مسلمانوں میں باہمی کشیدگی پیدا ہو گئی اور جس سے بلوہ کے آثار نمایاں ہونے لگے، اسے انھوں نے بڑی جانفشانی اور دانائی کے ساتھ بات کی بات میں رفع کرا دیا۔ اگر راے صاحب اس معاملہ میں شرکت نہ کرتے تو شکیت نگر اور دریاباد میں خون کی ندیاں بہ جاتیں۔

ان سے نہ صرف قرب و جوار کے رئیسوں سے دوستانہ مراسم تھے، بلکہ ذاتی طور پر نواب کلب علیخان صاحب بہادر والی رامپور سے بھی اچھے تعلقات قایم ہو گئے تھے، جو ان کی فطری دانائی و زمانہ شناسی کی ایک عمدہ دلیل ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت ان کے حقیقی بھائی بیجناتھ علی صاحب کی شادی رامپور میں ہوئی تھی تو، انھوں نے نواب صاحب سے ملاقات کی تھی۔ ملاقات کا کمرہ نہایت پرتکلف اور آراستہ تھا۔ چاروں طرف طلائی و نقرئی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں جن میں بھلدار مخملی گدے منڈھے تھے۔ راے صاحب کو چاندی کی کرسی پر بیٹھنے کا حکم ہوا تھا۔ انھوں نے ایک سو ایک اشرفیاں، لکھنوی چکن کے ایک سو ایک قیمتی تھان، ایک کٹار، ایک بندوق، یہ کل سامان نذر کے طور پر نواب صاحب کے حضور میں پیش کیا تھا۔ نواب صاحب نے صرف ایک اشرفی اور ایک تھان چکن کا قبول فرما کر باقی چیزیں یہ ارشاد فرما کے واپس کر دی تھیں، کہ "ہمارے شہر کی لڑکی آپ کے بھائی کو منسوب ہوئی ہے، اس لیے ہمیں آپ کی نذر

دینا مناسب نہیں، لیکن اس خیال سے کہ آپ کی دلشکنی ہوگی ایک اشرفی اور ایک تھان لے لیا گیا۔ برات کی رخصتی کے وقت نواب صاحب نے ایک ہاتھی معہ نقرئی ہودج اور ایک عربی گھوڑا زرین سامان سے آراستہ راے صاحب کو مرحمت فرمایا تھا۔ برات سنہری باغ میں ٹھہری تھی۔ برات میں جلوس سرکاری نواب صاحب کے یہاں کا تھا۔ راے صاحب اپنے ہمراہ کسی قسم کا جلوس نہیں لے گئے تھے۔ نواب صاحب نے راے صاحب سے رشتۂ اتحاد قائم کیا تھا۔ جب تک نواب صاحب زندہ رہے، خط و کتابت کے ذریعے تعلقات بدستور قائم رہے تھے۔

راے شنکر بلی صاحب

راے اجودھیا بلی صاحب کے فرزند سوم، اپنے بڑے بھائی راے مہراج بلی صاحب کے زمانے میں ذی اختیار نائب ریاست، عالی ہمت، خوش اخلاق، نفیس و امیر مزاج، منتظم اور عقلمند بزرگ تھے۔ ولادت ۱۲۵۳ فصلی مطابق ۱۸۴۶ء، وفات ۱۲۸۹ فصلی مطابق آغاز ۱۸۸۲ء۔

راے شیوراج بلی صاحب کے انتقال کے بعد راے مہراج بلی صاحب نے انھیں نیابت کے عہدہ پر سرفراز فرمایا۔ انھوں نے اپنے فرائض منصبی نہایت دیانت داری و مستعدی اور ہوشیاری کے ساتھ انجام دیے۔ انتظام ریاست میں کبھی کسی قسم کی بے قاعدگی یا غفلت نہیں ہونے پائی۔ ہمیشہ اپنے حسن کارگزاری اور قابلیت سے سب کو خوش رکھا، جس سے رعایا و ملازم، اعلیٰ و ادنیٰ سبھی حاضر و غائب مداح رہے۔

راے پرتاب بلی صاحب کی طرح تعمیر سے انھیں بھی خاص دلچسپی تھی، چنانچہ ایک عالی شان کوٹھی اسٹیشن دریاباد سے متصل ایک وسیع اور نفیس باغ میں اب تک ان کی یادگار سے موجود ہے، جو ان کے مرنے کے بعد راے جادو بلی صاحب کی کوشش اور انھیں کے خاص اہتمام میں تیار ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اگر شنکر بلی صاحب کچھ دن اور زندہ رہتے تو یہی کوٹھی معہ اپنے باغ کے آج ایک عجیب و غریب چیز نظر آتی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شنکر بلی صاحب ذی علم بھی تھے۔ ان کی فارسی تحریر نہایت دلچسپ و پر مضمون ہوتی تھی۔ اکثر نواب کلب علیخان بہادر (والی رامپور) کے یہاں سے جو خطوط راے مہراج بلی صاحب کے نام آتے تھے، ان کے جوابات یہی لکھتے تھے۔ یہ اپنے وطن اور ملک کے سچے بہی خواہ بھی تھے۔ کوٹھی اور باغ کی بنیاد ڈالنے کے ساتھ ہی راے مہاراج بلی صاحب کے نام سے "مہراج گنج" کا سنگ بنیاد رکھ کر انھوں نے ارادہ کیا تھا کہ اسٹیشن سے دریاباد تک دو رویہ آبادی قائم کر کے پختہ دوکانیں تعمیر کی جائیں، جس کے متعلق دور دور کے مہاجنوں، سوداگروں، کاریگروں اور دیگر پیشہ وروں سے مشورہ لینے پر حسب دلخواہ کامیابی کی امید ظاہر ہو چکی تھی، لیکن افسوس کہ یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ ساتھ ہی اس کے گنج بھی تیار نہ ہو سکا۔ عین جوانی میں قبل از وقت انتقال ہو گیا۔ تخمیناً ۳۰ سال کی عمر پائی۔ گورا رنگ، میانہ قد، دوہرا بدن، خوبصورت، نیک چلن، آبائی وضع، اولاد میں جیندر بلی بر قید حیات صاحب اولاد۔

رائے بہادر رائے نارائن بلی صاحب

رائے مہراج بلی صاحب تعلقدار کے اکلوتے بیٹے، نہایت نیک، زیرک و دانا، معاملہ فہم، غریب پرور، عالی ہمت اور فیاض، منتظم رئیس و تعلقدار، جن کا نام نامی دور دور تک خاص و عام مین یکسان طور پر بڑی عزت اور تعریف کے ساتھ اب تک لیا جاتا ہے۔ ولادت سنہ ۱۸۶۹ء وفات ۱۳۔ اگست سنہ ۱۹ء۔

رائے نارائن بلی صاحب ہر شخص سے بہ خندان پیشانی ملتے اور نرمی سے بات چیت کرتے تھے۔ ذی علم اور ہنرمند کے قدردان تھے۔ بزرگون کے ادب کا بہت بڑا خیال رکھتے تھے۔ نوکرون، چاکرون سے اچھی طرح پیش آتے تھے اگر کسی ملازم سے کچھ قصور ہو جاتا تھا، تو اُسے طرح دیجاتے تھے، نہ غصہ کرتے نہ جرمانہ۔ شریف و رذیل کا فرق سمجھتے تھے۔ خاندان والون سے نہایت عمدہ برتاؤ رکھتے اور اہل برادری پر خاص مہربان رہتے تھے۔ کم سخن اور صاف گو تھے رعایا کی ضرورتون کو کان لگا کے سُنتے اور اُنکی خوشحالی سے خوش ہوتے تھے۔ قومی یا مذہبی تعصب سے بری تھے۔ اپنے دھرم کرم کے سچے پابند، روزمرہ پوجا پاٹ کرتے تھے۔ طبیعت صلح پسند تھی، مزاج نہایت نفیس اور امیرانہ واقع ہوا تھا۔ رشک و حسد بغض و نخوت وغیرہ بُری عادتون سے سخت متنفر تھے۔

سات برس کی عمر سے چودہ سال کے سن تک اپنے مکتب خانہ مین فارسی کی تعلیم پائی۔ بعد اس کے سات سال تک لغت انگریزی علم حاصل کرنے مین صرف کئے (انگریزی تعلیم کے لئے علاوہ خوراک کے تیس روپیہ ماہوار پر ایک لایق ماسٹر نوکر تھا) اور انٹرنس تک قابلیت بہم پہونچائی ۱۲ سال کی عمر مین شادی ہوئی۔ بائیسوین برس سے ریاست کا کاروبار دیکھنا شروع کیا اور صرف نو برس حکومت کر کے ۳۱ سال کی عمر مین دار فانی سے کوچ فرمایا۔

رائے صاحب تعلقدار ہونے کے ساتھ ساتھ آنریری مجسٹریٹ بھی تھے اور انجمن ہند (تعلقداران اودھ کی مجلس شوریٰ، واقع قیصرباغ، لکھنؤ) کے ایک معزز رکن بھی، جس کے فرائض انجام دینے مین کسی قسم کی پہلو تہی نہین کرتے تھے۔ بقول اودھ پنچ مرحوم "تاڑی مجسٹریٹ" اور بقول حضرت اکبر الہ آبادی "بھولے بھالے" ممبر نہ تھے، بلکہ ایک قانون دان، ہوشیار اور قابل و منصف مجسٹریٹ اور ذی عقل و صاحب علم جفاکش اور کام کرنے والے ممبر تھے۔ ان کی کرسی ڈھائی تین سو تعلقدارون کے درمیان گورنمنٹی دربار مین ۱۱۸ نمبر پر تھی۔

رائے صاحب کے زمانہ مین چند کارہائے نمایان ایسے بھی انجام دئے گئے ہین، جو بلحاظ اپنی اہمیت کے بہت کچھ لایق تعریف اور قابل قدر ہین جن سے ان کی اولوالعزمی، عام فیاضی، غربا پروری، قومی خدمت، مذہبی عقیدتمندی اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے۔ کارہائے نمایان حسب ذیل ہین۔

(۱) مجسٹریٹی کچہری کے متعلق پائین باغ مین ایک عمدہ ہوادار کمرہ تیار کیا گیا (۲) بنارس والا معمولی حام مکان، جو بالکل گر گیا تھا، از سر نو پختہ دو منزلی سنگی عمارت بنوا کر بنارس مین دریاباد کا نام روشن کیا گیا (۳) سنہ ۱۸۹۵ء میں سوشل رفارم کے متعلق ایک بہت بڑا دھوم دھامی جلسہ منعقد ہوا، جو اپنی نوعیت اور بعض خصوصیات کے لحاظ سے

غالبًا اودھ مین "پہلی کانفرنس" تھی جس مین تمام ضلع بارہ بنکی کے کائستھ نیز دُور دُور کے مشہور اصحاب قوم (اسپیکر اور لیکچرار وغیرہ) شریک ہوئے تھے، جن کے آرام و آسایش کے لیے معقول انتظام کیا گیا تھا۔ پنڈال بہت کشادہ خوشنما، اور سجاوٹ مین شانِ امارت کا عمدہ نمونہ تھا۔ نشست کرسیون پر تھی۔ صدر نشین رائے مہادیو بلی صاحب (رائے صاحب کے حقیقی چچا اور نائب ریاست) سکرٹیری منشی ماتا پرشاد صاحب مرحوم وکیل، اسسٹنٹ سکرٹری لالہ اُلفت رائے صاحب (از نسل محرران) تھے۔ بعدِ اختتام جلسہ رات کو نہایت وسیع پیمانے پر پُرتکلف اور نفیس دعوت دی گئی۔ جلسہ مین جو تجاویز منظور ہوئین، اُنھین عملی صورت مین لانے کی کوشش کی گئی۔ اکثر مقامات پہ سبھائین قایم ہوئین (۴) نواب گنج بارہ بنکی مین کلب گھر، زنانہ اسپتال، اور اُس کے متعلق مس کے رہنے کی کوٹھی یہ تینون عمارتین تعمیر ہو کر گورنمنٹ کے حوالہ کر دی گئین۔ آخر الذکر دو عمارتون کی زمین خود رائے صاحب سے خریدی گئی تھی۔ ہسپتال کا سنگِ بنیاد لاٹ صاحب نے رکھا تھا، جسکے متعلق ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا تھا۔ چاندی کی کَنی بسولی اور آفتابہ، سلفچی، یہ کُل سامان لکھنؤ مین تیار کرا کے منگوایا گیا تھا، جسے بعدِ استعمال گورنمنٹ کی نذر کر دیا گیا تھا (۵) سنہ ۱۸۹۵ و ۹۶ء کے قحط مین غربا کی پرورش کے لئے دریاباد کے چند گڑھے جو برسات کے موسم مین سخت تکلیف کا باعث ہو جاتے تھے، پٹوا دئے گئے اور لال پور والی خام سڑک، جو بالکل زمین دوز اور نہایت تنگ تھی، از سر نو درست کرائی گئی جس سے وہ وسیع اور کشادہ و بلند ہو کر ایک عمدہ اور آرام دہ سڑک بن گئی۔ اس کی تعمیر مین نہایت دور اندیشی سے کام لیا گیا تھا۔ دن کے علاوہ رات کو بھی مشعلون کی روشنی میں مد جاری رہتی تھی، تاکہ سفید پوش غریب بھی بلا احسان روزی سے محروم نہ رہین (۶) سعد اللہ پور (دریاباد سے چار کوس کے فاصلہ پر بہ قبضۂ رائے صاحب) میں ایک پختہ شیوالہ کی تعمیر ہوئی۔ استھانیا کے موقع پر ایک زبردست جشن منایا گیا، جس مین بارہ بنکی کے مشہور اور نیک دل ڈپٹی کمشنر مسٹر "ہوپ" صاحب بہادر بھی شریک ہوئے تھے۔ برہمن بھوجن کے بعد عام برادری کی بھی دعوت کی گئی تھی۔ انتظام معقول اور کھانا پُرتکلف اور مزیدار تھا۔ پبلک کامون کے صلہ مین گورنمنٹ نے خوش ہو کر از راہِ قدردانی نارائن بلی صاحب کو "رائی بہادری" کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔

حال کے ایک مطبوعہ ایڈریس مین، جو رائے صاحب کے بڑے صاحبزادہ آنریبل رائے راجیشور بلی صاحب منسٹر کی خدمت مین "ممبران کائستھ صدر سبھا جونپور" نے ۲۴۔ اپریل سنہ ۱۹۳۴ء کو پیش کیا تھا، لکھا ہے کہ: "جب سے کائستھ کانفرنس کی بنیاد قایم ہوئی ہے (سنہ ۱۸۸۶ء مین کائستھ کانفرنس کا سنگ بنیاد رکھا گیا) آپ کے خاندان کے بزرگون (رائے نارائین بلی صاحب و مہادیو بلی صاحب۔ مولف) کی جانب سے کائستھ سبھا دریاباد، کائستھ پراونشل سبھا اودھ لکھنؤ، کائستھ صدر سبھا ہند، اور جلسہ ہائے کائستھ کانفرنس لکھنؤ و فیض آباد وغیرہ کی جو بیش بہا قومی امداد و اعانت ہوئی ہے، وہ قومی تاریخ مین آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے"۔ اِس سے معلوم کر سکتے ہیں کہ رائے صاحب قومی خدمت کے سلسلے میں مالی امداد دینے کے وقت کس شاندار فیاضی سے کام لیتے تھے!

اِن کو مُراسمِ تعلقات کے قایم رکھنے کا بھی بہت بڑا خیال رہتا تھا۔ چنانچہ سُننے مین آیا ہے کہ جب سکر درخا

کے مشہور سردار ٹھاکر مہاسیر بخش سنگھ صاحب مہادیو بلی صاحب کے پاس اِس غرض سے تشریف لائے کہ راجہ صاحب ہرٹاہا اور ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر (بارہ بنکی) کے درمیان جو رنجش ہو گئی ہے، آپ مہربانی کر کے اُسے رفع کرا دیں، تو، مہادیو بلی صاحب نے ایسا دلشکن اور یاس انگیز جواب دیا کہ ٹھاکر صاحب جھلّا اُٹھے۔ لیکن، رائے صاحب کو اِس بات کی خبر ہوتے ہی اُنھوں نے فوراً اُس سے معافی مانگی اور بارہ بنکی جا کر راجہ صاحب اور صاحب بہادر میں باہمی صفائی کرا دی۔ اِس سے یہ بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ رائے صاحب کیسے حکام رس تھے اور حکام کے دل میں اِن کا کتنا وقار رہتا!

رپورٹ کارروائی انجمن ہند (مطبوعہ اودھ پریس یحییٰ گنج لکھنؤ ۱۸۹۳ء) میں اِن کی ایک اسپیچ شایع ہوئی ہے، جسکے دیکھنے سے اِس بات کا یقین ہوتا ہے، کہ رائے صاحب اُردو میں اچھی تقریر کرنے کی قابلیت رکھتے تھے، ساتھ ہی اِس کے اِن کی بیدار مغزی، بے خوف صاف گوئی، اور اپنے گروہ کے ساتھ سچی ہمدردی بھی آشکارا ہوتی ہے۔

تعلیمی معاملات میں بھی یہ حصّہ لیتے تھے۔ جب کبھی اپنے علاقہ کا دورہ کرتے تو، جہاں جہاں سرکاری اسکول ہوتے تھے، وہاں وہاں ضرور جاتے، اور طلبا کا امتحان لیکر حوصلہ افزائی کی غرض سے اُنھیں شیرینی تقسیم کرتے تھے، جن کی تصدیق کیلئے مدرسہ جیجول وغیرہ کے "رجسٹر معائنۂ اصحاب دیگر" کافی ہیں۔

رائے بہادر صاحب کے زمانے کی پُرتکلف اور دھوم دھامی دعوتیں بھی بیان کے قابل ہیں، جو غیر معمولی اہتمام کے ساتھ اکثر تقریبوں کے موقعے پر ہوئی تھیں۔ ناظرین کی دلچسپی کے لئے صرف ایک دعوت کا ذکر ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ یہ دعوت غالباً رائے صاحب کی بہن کی شادی میں ہوئی تھی، جس میں راقم الحروف بھی شریک تھا۔

اِس موقع پر بارہ دری دُلھن کی طرح سجی گئی تھی۔ بارہ دری میں، دری کے فرش پر سفید چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ سفید چھت گیری لگی ہوئی چھت میں سفید و رنگین بھاری بھاری بیش قیمت جھاڑ، کمرخی ہانڈیاں جھلملے آویزاں تھے، جن کی آہنی سلاخیں سُرخ ستالات سے منڈھی تھیں۔ چھت کے سفید تمغئے رودستی کے عکس سے آسمان کے جگمگاتے تارے معلوم ہوتے تھے۔ اکثر بڑے بڑے بھلا سفید جھاوؤں میں چھوٹی چھوٹی رنگین اور خوشنما مچھلیاں بند پانی کے اندر تیرتی تھیں، جن کا مصنوعی باسہ گھڑی گھڑی ڈوبنا، اُبھرنا، تیرنا ایک ایسا عجیب و غریب نظارہ تھا جو قدرت کی حیرت انگیز نیرنگیوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پیش کر کے دلوں میں ایک روحانی کیفیت پیدا کرتا تھا۔ اِن جھاوؤں کے پیندے سوراخ دار نہ تھے، اِس لیئے اِن کے زیرین حصّے بآسانی پانی سے لبریز کر کے بالائی حصّوں میں ایک خاص ترکیب سے گلاس روشن کیئے گئے تھے۔ دیواروں پر انواع و اقسام کے کنول روشن تھے۔ محرابیں سفید قمقموں اور رنگین ہانڈیوں سے مزیّن تھیں۔ دروں میں زرد حاشیہ والے سُرخ بانات کے پردے پڑے ہوئے تھے، جن کا نصف سے زاید حصّہ ڈوریوں کے ذریعہ لپٹا ہوا خوبصورتی کے ساتھ لٹک رہا تھا۔ بارہ دری کے اندرونی کمروں میں بالائی کمرے شیشہ آلات سے آراستہ اور روشن تھے، اکثر لوگ دروازوں کے قریب بیٹھے ہوئے محفل کا رنگ اور ناچ دیکھ رہے تھے۔ اِن دروں کی رنگین چقیں اور پردے بالکل اُوپر کو لپٹے ہوئے تھے، صرف تھوڑا سا حصّہ خوبصورتی کے لیے لٹکتا تھا۔ زیرین کمرے بالکل تبدیل تھے اور ہر ایک دروازہ چق اور پردے سے سجا ہوا تھا۔ بارہ دری کے بیرونی حصّے میں دیوار پر اِدھر اُدھر بائیں دہنے سنہرے چوکھٹے والے قدِ آدم دو آئینے لگے تھے، جن کے زیرین حصّے دو طرے طاقوں پر قائم تھے، اِن کی کانسوں پر رنگین پھولوں کے گلدستے عجب بہار دکھاتے تھے۔ بارہ دری کے آگے تخمیناً ڈیڑھ فٹ بلند چبوترے پر

شامیانہ موسوم بہ چھپّر (جو خاص اسی بارہ دری کی زینت کے لیئے تیار ہوا تھا، جس کا شمالی حصّہ چوبوں پر قایم تھا اور جنوبی حصّہ بارہ دری کی دیوار پر آہنی کڑوں کے ذریعہ رُکا ہوا تھا) اِستادہ تھا، جس میں گیندے کے سُرخ و زرد پھولوں کی خوبصورت جھالرین لٹکتی تھیں۔ اس کی چھت مین حرمس کی بنی ہوئی بیضاوی زنجیر والی کھینچ کی رنگین ہانڈیاں اور مچھلی والے سفید حبابے اور لمپ روشن تھے۔ اِن کی سلاخین بھی سُرخ شالبافی سے منڈھی ہوئی تھین۔ یہ لیمپ رائے نارائن بلی صاحب خود لکھنؤ سے خرید کرلائے تھے جنھیں ہم ہندوستانی اپنی زبان مین چھت کالمپ کہتے ہین۔ شامیانہ کی چوبون پر بھی کنول روشن تھے۔ شامیانہ کے تلے سفید فرش پر دکھن، اُتر طرف بڑے بڑے سیاہ بیل بوٹون والے سفید قالین بچھے ہوئے تھے۔ مغرب طرف ایک چھوٹے سے رنگدار (کارچوبی) سبز مخملی شامیانہ کے تلے جسکی چوبون پر چاندی کا منقش خول چڑھا ہوا تھا زرین سبز مخملی مسند تکیہ آراستہ تھا۔ مسند کے آگے تخمیناً ۹ فٹ کی لمبی دو قطار رنگین رنگ رنگ کے فرشی کنول، فرشی جھاڑ، مردنگین، فانوس وغیرہ روشن تھے۔ بیچ مین مسند کے قریب ہی دہنی طرف نقرئی پیچوان نوشاہ کے سامنے لگا تھا، بائیں جانب کشتی میں پاندان، عطردان وغیرہ قرینے سے رکھے تھے۔ چبوترہ کے دو طرف شمال و مشرق روشنی کی چوبی ٹٹیان روشن تھین، جن کے سفید گلاس اِس وجہ سے زیادہ بھلے معلوم ہوتے تھے کہ اُن مین پانی کی جگہ سُرخ رنگ گھول کر بھرا گیا تھا۔ ان ٹٹیون کے درمیان پورب طرف محفل کی آمد و رفت کے لیئے ایک محراب دار منقش چوبی پھاٹک کھڑا کیا گیا تھا جسکی سورونیت اور دلکشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اِس کے محراب مین ایک چھوٹا سا چار بتی کا خوشنما جھاڑ روشن تھا۔ کارچوبی شامیانہ کے قریب ہی مغرب طرف بھی سنہرے چوکھٹے والے قدِ آدم دو آئینے اِدھر اُدھر لگے ہوئے تھے اور دیوار پر باسلیقہ کنولون کی زیبائش تھی۔ علاوہ اس کے جس حصّہ مکان مین یہ بارہ دری واقع ہے اُس کے تمام در و دیوار طرح طرح کے رنگین و سفید کنولون کی روشنی سے منور تھے اور اس طرح سارا مکان روشنی کی جگمگاہٹ سے بُقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ اسی سلسلہ مین یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تمام جھاڑون اور کنولون وغیرہ مین مومی بتیون کے بجائے سفید گلاس روشن کیئے گئے تھے جن مین پانی کی جگہ سُرخ رنگ بھرنے کی وجہ سے کنولون، حبابون، اور سادی ہانڈیون کی زینت دوبالا ہو گئی تھی۔ محفل کا انتظام بھی نہایت معقول تھا۔ چوبی پھاٹک پر دہنے بائین دو سپاہی عمدہ وردی پہنے ہوئے کاندھے پر بندوق دھرے کھڑے تھے، جو عوام کو محفل مین آنے سے روک دیتے تھے۔ اُتر طرف بھی کئی ایک سپاہی تعینات تھے جن کے خوف سے تماشائی شور و غل مچانے اور دنگا فساد کرنے سے مجبور تھے۔ بارہ دری کے اندر غیر برادری کے لوگ سفید پوش، ایز برہمن وغیرہ بیٹھے تھے۔ شامیانہ کے تلے صاحبان برادری اور قصبہ کے معززین کی نشست تھی۔ کارچوبی شامیانہ کے نیچے نوشاہ سلامت جلوہ فرما تھے۔ دہنے بائین پہلو مین ریاست بنور کے تعلقدار محمد حسین صاحب اور اعلیٰ ہندوستانی حکام رونق افروز تھے۔ پشت پر ادھر اُدھر آٹھ سپاہی سُرخ بانات کا کوٹ، خاکی زین کا پائجامہ، سیاہ بوٹ، بنارسی صافہ ڈانٹے ہوئے، کاندھے پر بندوق دھرے اور بیچ مین خدمتگار قیمتی پوشاک پہنے مؤدب کھڑے تھے۔ پھاٹک کے قریب شمال رویہ سادے فرش پر رائے صاحب خود اور چند خاندانی اصحاب۔ رائے صاحب کے اس جگہ بیٹھنے کا مطلب یہ تھا کہ ہم حاضرینِ محفل کے خاکِ پا ہین، اس لیئے ہمارا سب کے برابر دوزانو بیٹھنا تہذیب کے خلاف ہے۔ رائے صاحب کے یہاں یہ قدیم سے دستور ہے کہ ریاست کا مالک محفل کے اندر نہ صدر مین کسی جا بیٹھتا ہے نہ برادری کے درمیاں، بلکہ آمد و رفت کے راستہ کے قریب علیحدہ ایک گوشہ مین۔ رائے صاحب کی یہ آبائی تقلید اخلاقی نقطۂ خیال سے ایک نہایت ممتاز اور قابلِ قدر تصور کیجا سکتی ہے۔
۹ بجے رات کو پان، الائچی، عطر وغیرہ تقسیم ہونے کے بعد ارباب نشاط کی طلبی ہوئی۔ پہلے کانپور کی مشہور اور حسین طوائف الٰہی جان زرق

برق پوشاک پہنے ہوئے دلکش ناز و ادا کے ساتھ مجرے کے لئے کھڑی ہوئیں، جو مشہورِ آفاق استاد نبداد ین (لکھنوی) کی اعلیٰ شاگرد تھیں۔ ایک گھنٹے میں الہی جان نے اپنے کمال سے تمام مجمع کے لوگوں کو مست کر دیا۔ دس بجتے ہی فضل حسین کشمیری (لکھنؤ کے مشہور و معروف بھانڈ) بلائے گئے، اُن کے آتے ہی ساری محفل یا تو چُپ چاپ سکوت کے عالم میں تھی یا یک بیک آن واحد میں قہقہہ دیوار بن گئی، ہنستے ہنستے ہر شخص کا پیٹ پھول گیا۔ بارہ بجتے ہی ناچ گانا موقوف ہوا، اور بعض آتشبازی چھٹنے لگی، آدھ گھنٹے میں یہ دلچسپ تماشا بھی ختم ہو گیا۔ اب کھانے کا وقت آیا۔ غیر برادری والے حضرات اور تماشائی اپنے اپنے گھر روانہ ہو گئے، صرف محفل میں برادری کے اصحاب باقی رہ گئے، جن کی نشست سادہ دری سے تا میانہ تک کئی صفوں میں تقسیم ہوئی تھی۔ پہلے آفتابہ و سلفچی آیا، ہاتھ منھ دھلائے گئے۔ اُس کے بعد گزک کی تھالیں آئیں، اور مٹی کے چھوٹے چھوٹے سالے ولایتی شراب سے بھرے گئے۔ دورِ مستی کا آغاز ہوا، بوتلیں خالی ہونے لگیں، جام پر جام چلنے لگے۔ شراب کے ساتھ گزک کی چاٹ عجیب لطف پیدا کرتی تھی۔ گزک میں چنے اور مونگ کی دال موٹ، موٹے مہین مینی سیو، تکوے (مینی سبوسے) گلگلا، کباب، اچار، چٹنی، نمکین میوے پستہ، بادام وغیرہ شامل تھے۔ ابھی آدھ گھنٹہ بھی نہ گذرا تھا کہ گرما گرم کھانا آنے لگا۔ ہر شخص کے سامنے پتّل میں پوریاں، کچوریاں (سادی و خستہ ہر دو قسم کی) اور اُس کے گرد پانی پینے کے لئے صراحی و گلاس، گوشت اور ترکاری کے پیالے، خشک ترکاریوں کے چھوٹے چھوٹے دونے، ہر دو قسم یعنی سادی و رنگین مٹھائی اور میووں (انگور، سیب وغیرہ) کی تشتریاں، اچار، چٹنی، مُربّہ کی چھوٹی چھوٹی رکابیاں قرینے سے چُنی ہوئی تھیں، جن سے تخمیناً چار مربع فٹ کا ایک حلقہ پیدا ہو گیا تھا۔ یہ کُل ظروف مٹی کے تھے۔ کھانا نہایت لذیذ اور پُر تکلف تھا۔ پستہ کی برفیاں، بالائی کے لڈو، بھنے ہوئے کھوئے کے پیڑے، نورتن چٹنی، نورتن اچار۔ خاص طور پر قابلِ ذکر۔ قریبِ صبح کھانے پینے سے فراغت ہوئی اور پان، الائچی لیکر سب لوگ ہنسی خوشی جھومتے جھامتے اپنے اپنے گھر گئے اور محفل برخاست ہو گئی۔

نہایت افسوس ہے کہ شباب کا زمانہ شروع ہوتے ہی رائے نارائن بلی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ گورا رنگ، میانہ قد، خنداں رو، خنداں پیشانی، دُہرا بدن، خوبصورت گول چہرہ، خوش پوشاک، آبائی وضع۔ اولاد میں راجیشر بلی و بتیشر بلی بقیدِ حیات۔

رائے بہادر رائے مہادیو بلی صاحب

رائے ابھرام بلی صاحب کے فرزند چہارم، نائب ریاست، ذی حوصلہ، حکّام رس، ذہین، منتظم اور فیاض، اپنے خاندان میں اول شاعر، فارسی کے ادیب، صاحبِ تصنیف۔ ولادت ۱۹ دسمبر سنہ ۱۸۵۶ء، وفات ۱۲ جنوری سنہ ۱۹۰۹ء

اپنے مکتب خانہ میں فارسی کی تعلیم پائی۔ تسکر بلی صاحب کے مرنے کے بعد رائے مہراج بلی صاحب نے انھیں ریاست کا نائب قرار دیا۔ اُن کے بعد رائے نارائن بلی صاحب اور رائے راجیشر بلی صاحب کے زمانے میں بھی تا زندگی اِسی عہدہ پر مامور رہے جسے انھوں نے نہایت قابلیت اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔

یہ اپنے دھرم کرم کے پکے پابند تھے۔ روزمرّہ پوجا پاٹ کرتے، شیوجی کے خاص طور پر معتقد تھے۔ ہر روز شام کو درشن کی غرض سے اسیئے شیوالہ تک پیدل جاتے تھے۔ تا زندگی یہ وظیفہ بدستور جاری رہا۔

سر مہاراجہ پرتاب نارائن سنگھ بہادر کے. سی. ایس. آئی. اودھ رئیس، والی اجودھیا (پریسیڈنٹ انجمن ہند لکھنؤ) خاص طور سے اِن پر مہربان تھے۔ یہ اکثر اُنکی خدمت مین حاضر ہوا کرتے تھے۔ وہ بھی دو ایک مرتبہ (بہ سلسلۂ آمد و رفت لکھنؤ) ان کی خاطر سے ان کے مہمان ہوکر اسٹیشن دریاباد والی کوٹھی مین قیام پذیر ہوئے تھے۔

ہواخوری کا خاص شوق تھا۔ بلاناغہ ہر روز (شیوجی کے درشن کے قبل یا بعد حسب موقع) شام کے وقت مکان سے بستی کے باہر ڈیڑھ میل پیدل چل کر فوراً پر واپس آتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مرتے دم تک انھین معدہ کے متعلق کوئی شکایت نہین ہوئی اور صحت تازندگی اچھی رہی۔ پتنگ کے بھی شوقین تھے لیکن یہ شوق اِن کا رائے مہاراج بلی صاحب کے زمانہ تک محدود رہا، اُن کے بعد ریاست کے انتظام مین منہمک ہوجانے کے باعث عدیم الفرصتی نے مجبور کردیا تھا۔

تعلیمی معاملات سے بھی اُنھیں دلچسپی تھی۔ اسکول دریاباد کے علاوہ اکثر اپنے علاقہ کا دورہ کرتے ہوئے سرکاری مدرسون کا معائینہ کرکے طلبا کا امتحان لیتے اور اُنھین شیرینی تقسیم کرتے تھے۔

تسکر بلی صاحب اور رائے نارائن بلی صاحب کی طرح مہادیو بلی صاحب بھی بڑے خوش وضع اور خوش پوشاک تھے لباس قیمتی اور نفیس استعمال کرتے تھے۔ روزمرّہ گرمیون میں دردامن گوٹ والا مہین تنزیب کا انگرکھا، نیچے چکن کا شلوکہ، ترچھی کی چوگوشیہ ٹوپی، ینس سُکھ کی اک لنگی دھوتی، دیسی بکسوے دار سیاہ بوٹ؛ تقریبون مین اکثر اصلی جامدانی کا انگرکھا، مشروع کا یا ریشمی چوڑیدار پائجامہ، سفید یا ریشمی شلوکہ، کامدار چوگوشیہ ٹوپی، سلمہ ستارے کے کام کا سبز مخملی بوٹ؛ جاڑون مین اکثر اُتو کی ہوئی نیلی گرنٹ کی گوٹ والا جامے دار کا انگرکھا، جس مین بنارسی بیل ٹکی ہوئی، نیچے فلالین کا شلوکہ، جامے دار کی چوگوشیہ ٹوپی؛ حُکام سے ملنے کے وقت دیگر قسم کے کپڑے اور تعلقداری (کارچوبی) ٹوپی استعمال کرتے تھے۔ مکان پر زیادہ سردی کے وقت صبح و شام سپید انگرکھے پر قیمتی چھینٹ کی رُوئی دار مرزائی پہن لیتے تھے اور چھ انگل کی چوڑی نیلی گرنٹ کی گوٹ والی بادامی رنگ مین رنگی ہوئی تنزیب کی دُولائی، جس مین تین چھٹانک یا پاؤ بھر بچتہ سے زیادہ رُوئی نہین پڑتی تھی، اوڑھتے تھے۔

انھون نے اپنی حیات مین خاص اپنے رہنے کے لئے بالاخانہ اور کمیاروالی سڑک پر ایک پختہ پُل[۵] بنوایا۔ رام لیلا کے میدان مین پتھر کا شیوالہ معہ ایک چاہ پختہ بنوانے کے ساتھ ہی قدیم باغ کو از سرِ نو درست کراکر کوٹھی نما خوبصورت دومنزلہ پھاٹک بھی تعمیر کرایا جس سے باغ کی زینت مین دوچند اضافہ ہوگیا۔ لیکن، افسوس ہے کہ ممدوح کی قبل از وفات سے شیوالہ اور پھاٹک کے متعلق ضروری تجاویز کا انتظام موقوف ہوجانے کے باعث دونون عمارتیں غیر مکمل رہ گئین اور باغ کی پختہ چہاردیواری بھی نہ تیار ہوسکی۔

پبلک کامون مین بھی مہادیو بلی صاحب بہت مستعد تھے ۱۹۰۶ء کے ہولناک قحط کے موقع پر جس وقت دریاباد مین غربا کی پرورش کے لئے سرکاری محتاج خانہ قایم کیاگیا تو، اِنھون نے اسُ کی نگرانی کا بار بخوشی منظور فرماکر اپنے فرض منصبی کو بحسن وخوبی انجام دیا، جس کے صلے مین گورنمنٹ سے "رائے بہادری" کا خطاب مرحمت ہوا۔

رائے بہادر صاحب نائب ریاست ہونے کے علاوہ فارسی کے اچھے شاعر اور انشا پرداز بھی تھے۔ گرونڈہ کے مشہور حکیم

[۵] یہ لیاچہ دار پُل سنگین شیوالہ کے متصل پورب طرف واقع تھا۔ جدید انتظام کے وقت سڑک پختہ ہونے پر مسمار ہوکر جدید طرز کا نیا پُل تیار کیا گیا جو ابتک موجود ہے۔

جناب میان شید غلام رسول صاحب مرحوم کے یہان جو خطوط ان کے لکھے ہوئے موجود ہین اُن سے اِن کی ادبی قابلیت ظاہر ہوتی ہی۔ جناب میان شید خادم رسول صاحب (حضرت میان شید غلام رسول صاحب کے بیٹے) اِن خطوط کی انشا پردازی کی بہت تعریف کرتے ہین۔ شاعری کے متعلق غالباً اپنے خاندان بھر مین یہ پہلے شاعر تھے، جنھون نے مذاقِ شاعری پیدا کرکے غزل کی زمین مین رامائن تصنیف فرماکر علمی خدمت و شاعرانہ استعداد کا عملی ثبوت پیش کیا۔ یہ مختصر سی مذہبی نظم تعلقدار پریس فیض آباد مین چھپ کر شایع ہوچکی ہی۔ اِن کا تخلص **اقبال** تھا۔ ذوقِ شاعری بہت اعلیٰ، عاشقانہ رنگ سرپاک ہی۔

انھین شاعری و نیابت کے مناصب کے ساتھ ساتھ آنریری مجسٹریٹی و منصفی کا بھی اعزاز حاصل تھا جب تک زندہ رہے، ہر ایک عہدہ کا کام بخوشی خاطر عمدہ طریقہ سے انجام دیتے رہے۔

رائے نارائن بلی صاحب کی وفات کے بعد ریاست کی تمام ذمہ داریون کے علاوہ دیگر ضروری مشاغل مین مصروفیت کی وجہ سے اِن کے عیش و آرام مین خلل آگیا تھا جس کا اثر تندرستی پر ایسا خراب پڑا کہ قبل از وقت ۴۲ سال کی عمر مین دفعتۃً فالج گرنے سے انتقال ہوگیا۔ اولاد مین اُمانا تھ بلی و سومنا تھ بلی بہ قیدِ حیات ہین۔

مرحوم نہایت خوش اخلاق، نیک طینت، امارت پسند، نفیس مزاج، جفاکش، ملنسار، غیر متعصب، آغازِ جوانی مین کسی قدر عیش پرست بھی تھے۔ خوبصورت اور وجیہ جسم، گورا رنگ شگفتہ اور گول چہرہ کشادہ پیشانی، کتری ہوئی عمدہ مونچھین داڑھی ندارد، خمیدہ ابرو، بڑی بڑی سیاہ آنکھین، خمار زلفین، بابری حجامت، سر کے بال گھنے، دراز گردن، چوڑا چکلا سینہ، میانہ قد، ہاتھ پاؤن سڈول۔

چودھری عبّاس علی صاحب

سنی المذہب، چودھری حسین علی صاحب قانونگو کے بڑے بیٹے مشہور و منتظم باوضع رئیس و تعلقدار، چودھرائی کے لقب سے سرفراز، قانونگوئی کے عہدہ پر مامور تھے، جن کی تعریف آج بھی دریاباد کے علاوہ دُور دُور تک عزت کے ساتھ عام طور پر ہورہی ہی۔ چودھری صاحب کے خاندانی حالات جو اُن کے خاندانی رُکن چودھری امتیاز علی صاحب نے عنایت فرمائے ہین، اُن کا خلاصہ شکریہ کے ساتھ حسبِ ذیل ہی:۔

چودھری صاحب کے مورثِ اعلیٰ[1] سمرقند کے رہنے والے حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول کی اولاد مین سے تھے، جو شہاب الدین غوری کے ہمراہ ہندوستان آکر سلطان قطب الدین ایبک کے زمانے سے دہلی مین سکونت پذیر ہونے کے ساتھ ہی معزز عہدہ پر ممتاز ہوئے، جنھین ہمیشہ قرب شاہی حاصل رہا۔ اُن کی نسل مین شیخ محمد سلیمان بحکم بادشاہ دہلی محمود آباد کے افسر مقرر ہوکر وہین آباد ہوگئے اور محمود آباد کے قرب و جوار کا علاقہ بھی اُنھین دربارِ دہلی سے عنایت ہوا (وجہ نہ معلوم ہوئی۔ مولف) اُن کے بعد خاندان والون نے وقتاً فوقتاً وہان کے قدیم زمینداروں سے ذریعۂ بیعنامہ اُن کی آراضی خرید کرکے اپنی آبائی زمینداری کو خوب وسعت دی۔ کئی پشتون کے بعد شیخ سکندر و شیخ عبدالحمید کے زمانے مین جب دریاباد کی آبادی بادشاہِ دہلی کے حکم سے قائم ہوئی تو یہ دونون حقیقی بھائی دریاباد آکر آباد ہوئے اور چودھرائی و قانونگوئی

[1] راقم کو اِس رائے سے اختلاف ہی۔ ملاحظہ ہو باب اول، ذکر دریاباد ۱۲۔

عطا ہونے کے ساتھ ہی بہت سی آراضی دریاباد کی دربار شاہی سے مرحمت ہوئی۔ شیخ عبدالحمید صاحب نے اپنے نام سے حمید نگر آباد کیا۔ شیخ سکندر بڑے رحمدل اور شجاع تھے۔ ایک موقع پر کارِ خیر[1] مین جان دیکر شہید کے لقب سے ملقب ہوئے تھے۔ اُن کے بعد عبدالجلیل صاحب مالک ریاست ہوکر چودھرائی و قانونگوئی پر مامور ہوئے۔ وہ بڑے امیر کبیر اور اچھے منتظم تھے۔ ایک بہت بڑا وسیع جنگل کا ٹکڑا (عطیۂ شاہی) صاف کراکر چھ موضعے آباد کئے جن میں سے ایک موضع کا نام اپنے نام پر "جلیل آباد" رکھا، جو آخر مین کثرتِ استعمال سے جلال آباد مشہور ہوگیا۔ عبدالجلیل صاحب کی اولاد مین چودھری فتح علی صاحب بڑے عیش پرست مگر عالی حوصلہ بزرگ گذرے ہین جنھوں نے ایک بہادر قوم خانزادہ کو دریاباد مین آباد کرکے ایک زبردست محلّہ کی بنیاد[2] قائم کی تھی۔ وہ سلطنت کے خیرخواہ بھی تھے۔ ایک مرتبہ شاہِ دہلی کے حکم سے کسی راجہ کے مقابلے کو بھیجے گئے، وہان فوج کو تنخواہ نہ مل سکی، سپاہیوں نے تقاضا کیا، ناچار اُنھون نے اپنا علاقہ جنگراساون پور رہن کرکے فوج کو تنخواہ تقسیم کردی اور واپسی پر کُل قرض ادا کردیا۔ کچھ دنوں کے بعد قرضہ کا مطالبہ خزانۂ شاہی سے حاصل ہوگیا۔ اُن کے بعد چودھری بشارت علی، پھر چودھری سبحان علی آخر میں چودھری حسین علی[3] صاحب (چودھری عباس علی صاحب کے والد) مالکِ ریاست و صیغہ دار ہوئے، جس کے وقت میں دشمنون کی افترا پردازی سے عتاب شاہی نازل ہوکر علاقہ ضبط ہوگیا اور چودھری صاحب لکھنؤ کے جیل مین قید ہوئے۔ لیکن، فقیر محمد[4] خان صاحب رسالدار کی کوشش سے علاقہ معہ عہدہ پھر واپس مل گیا اور چودھری صاحب رہا کردئے گئے۔" اس سے چودھری صاحب کی عالی نسبی[5]، رئیسانہ حیثیت اور بعض خاندانی بزرگون کے قابلِ تقلید کارنامے ظاہر ہوتے ہین اور ریاست کی بابت تو عام طور پر مشہور ہے کہ چودھری صاحب اور اُن کے بزرگ تعلقدارانہ حیثیت سے بڑے رئیسون مین شمار تھے۔ لیکن، مذکورۂ بالا تحریر سے چودھری صاحب دریاباد کے قدیم باشندے نہین کہے جاسکتے، کیونکہ چودھری عبدالجلیل صاحب شیخ سکندر کے بعد ۱۰۸۲ھ مطابق ۱۶۶۲ء یعنی اورنگ زیب شہنشاہِ دہلی کے زمانے مین قانون گو مقرر ہوئے[5] تھے۔ اس سے شیخ سکندر کا دریاباد میں آباد ہونا شاہجہان بادشاہ کے عہدِ حکومت کے قبل نہین ثابت ہوتا۔ پس مجبوراً ماننا پڑتا ہے کہ چودھری صاحب کے مورث شیخ سکندر اب سے دو ڈھائی سو برس قبل یعنی ۱۶۲۸ء اور ۱۶۵۷ء کے درمیان دریاباد مین آباد ہوئے ہونگے، حالانکہ ذیل کی روائت اور ایک شاہی تحریر سے نہ صرف اس امر کی تردید ہوتی ہے، بلکہ چودھری صاحب کی قدامت پر بھی گہری روشنی پڑتی ہے۔

روایت۔ مشہور ہے کہ "ایک مرتبہ چودھریون کے خاندان مین کسی قانونگو صاحب کی جو اُس وقت مالکِ ریاست اور صیغہ دار تھے، دربارِ دہلی مین طلبی ہوئی۔ اُنھون نے اپنی طرف سے اپنے دیوان لالہ بھکاری لال عُرف بھکھاری داس کو

---

[1] ایک مرتبہ حمید نگر کے قریب سیف پور کے زمیندار معہ اپنے سپاہیوں کے ایک عورت کو جو ڈولی مین تھی، لوٹتے ہوئے نظر آئے، شیخ سکندر برسرِ مقابلہ ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دونون صاحب زخمی ہوکر جان بحق تسلیم ہوئے۔ [2] بعضون کے نزدیک خانزادے دریاباد کے قدیم باشندون مین سے تھے۔ [3] چودھری صاحب اور پیرزادون مین باہمی رشتہ داری قائم ہے اور پیرزادون کا خاندان نامی خاندان ہے، اس سے بھی چودھری صاحب عالی خاندان ثابت ہوتے مین۔ [4] ایک شاہی فرمان محررۂ ۱۰۸۲ھ مین تحریر ہے "خدمت چودھرائی و قانونگوئی نصف پرگنہ دریاباد مضاف صوبہ اودھ بہ عبدالجلیل و مرار سنگھ مطابق تفصیل سطور در ضمن مقرر باشد"۔ اس فرمان کی نقل محررون کے خاندان مین منشی بالا پرشاد صاحب کے پاس موجود

جو محرروں کی نسل سے تھے، بھیجدیا- مگر، ہندو ہونے کی وجہ سے اُن کی وکالت نامسطور رہوئی- ناچار بھکھاری داس نے مذہب اسلام اختیار کرکے اپنا فرض منصبی ادا کیا مسلمان ہونے پر انھیں خطاب خواجگی مرحمت ہوا اور وہ خواجہ بھکھاری کے نام سے مشہور ہوگئے، جن کی یادگار مین ایک خام تالاب ابتک موجود ہے- خواجہ بھکھاری مسلمان ہونے کے بعد اپنے گھر سے علیحدہ ہوگئے تھے اور انھوں نے دوسری جگہ مکان بنواکر ایک مسلم عورت سے نکاح کرلیا تھا جس کی اولاد مین محمود احمد تھے اور پہلی بی بی کی نسل بدستور سابق آبائی جائداد موروثی ملکیت پر قابض ودخیل اور ہندو دھرم کی پابند رہی جو اس وقت تک قائم ہے" خواجہ بھکھاری کا زمانہ حیات اب سے ۲۹۰ برس قبل ثابت ہوا ہے- ملاحظہ ہو باب ۳ فصل ۲، ذکر لالہ شیونارائن صاحب مصر-

نقل تحریر شاہی "سلار بخش برد مہر وکالت مدعا علیہ آمدہ ظاہر کرد کہ بٹی مذکورہ (واقع دریاباد) موروثی ابواسد بودہ است و نام موروثان ابواسد یاد نیست داو اسد را عرصہ یک صد و پنجاہ سال گذشت کہ مرد گذاشت یک پسر مسمی سکندر روا ولاولد مرد گذاشت برادرزادہ خود مسمی فتح علی را ونام پدر فتح علی مرا یاد نیست و فتح علی مرد گذاشت سہ پسر بشارت علی وسعادت علی وسبحان علی اولاً سعادت علی مرد گذاشت یک پسر حسین علی مدعا علیہ پس بشارت علی لاولد مرد بعدہ سبحان علی مرد گذاشت دو پسر امام علی ومحمد علی را دبٹی مذکورہ از عرصہ یا نصد سال محلوک موروثان موکلم است وسلاطین ماضیہ بمو رثان موکلم معاف فرمودند" ماخوذ از سجل شاہی بمقدمہ خیراتی سپر ساز بنام چودھری حسین علیؔ از اجلاس وزارت العالیہ شاہ اودھ بمورخہ ۲۳ ربیع الاول ۱۲۵۴ھ- یہ شاہی تحریر میاں رشید صاحب کے پاس موجود-

عباس علی صاحب اپنے والد کی زندگی ہی مین جبکہ وہ بوجہ ضعیفی کاروبار ریاست اور عہدۂ قانونگوئی سے علیحدہ ہوگئے تھے، کام کاج کرنے لگے تھے- انھوں نے معقول طریقہ سے علاقہ کا انتظام بھی کیا اور اپنے عہدہ کے فرائض منصبی کو بھی نہایت دانشمندی اور جفاکشی سے انجام دیا جسکی وجہ سے رعایا مطیع وفرمان بردار رہی اور حکام ہمیشہ خوش رہے چودھری صاحب بڑے آن بان والے محض ظاہری رئیس نہ تھے، بلکہ دل بھی رئیس رکھتے تھے اور ساتھ ہی اس کے ذی حوصلہ، شریف نواز اور غریب پرور بھی تھے- چنانچہ مشہور ہے کہ ہر روز بلاناغہ ان کے دسترخوان پر دونوں وقت پچیس تیس آدمی غیر خاندان والے شریف اور غریب بلاتکلف کھانا کھایا کرتے تھے- تازندگی یہ چشمۂ فیض برابر جاری رہا-

کہاجاتا ہے کہ "ان کے والد چودھری حسین علیؔ صاحب کل پرگنہ دریاباد کے قانونگو نہ تھے، بلکہ ایک جزو کے قانونگو تھے اور نصف سے زائد علاقہ اُن کے قبل فروخت ہوچکا تھا، صرف حمید نگر، اصالت نگر، مشکی پور، دناپور، بگھورا، جلال آباد، بٹی محمود آباد، حصہ مشک آباد، بٹی دریاباد یعنی چھ موضعے اور تین بٹیاں باقی رہ گئیں تھیں- لیکن چودھری عباس علی صاحب نصف پرگنہ کے قانونگو ہوگئے تھے، ساتھ ہی اس کے انتظامی قابلیت کے زور سے جگر ابسا دن پور کا علاقہ خرید کرکے پھر دوبارہ تعلقدارانہ حیثیت بھی پیدا کرلی تھی تعلقہ حمید نگر کے نام سے مشہور تھا"

ان کو عیش پرستی کا بھی شوق تھا، مگر نہ تباہ ہوئے نہ مقروض- آبائی ریاست اور جدید زمینداری سب بدستور ان کے قبضہ مین رہی- اس سے چودھری صاحب کی بیدار مغزی اور دانشمندانہ دور اندیشی بخوبی ظاہر ہوتی ہے-

چودھری صاحب نے آخر عمر مین نہایت دور اندیشی سے کام لیا تھا۔ اپنے بھائیون اور مستحقین کو عدالتی ریر ماری سے اور مصارفات اور باہمی نفاق میں آئے دن کی مصیبتون سے بچانے کے لئے بندوبست پختہ (سنہ ۱۸۶۲ء لغایتہ سنہ ۱۸۶۹ء) مین اپنی ریاست ذریعہ تقسیم حسب مناسب باقاعدہ علیحدہ علیحدہ ہر ایک کے نام کھیوٹ مین اندراج کرادی تھی۔ لیکن بعضون کا بیان ہے کہ "چودھری صاحب کے بھائیون نے خود عدالت میں دعویٰ دائر کرکے اور روئے ڈگری اپنے اپنے حصّہ کا داخل خارج کرالیا تھا۔"

چودھری صاحب کے خاندان والون کا بیان ہے کہ "چودھری عباس علی صاحب کے پاس چند پروانے اور چٹھیان اس قسم کی تھین، جو انھین انگریزون کی طرف سے عنایت ہوئی تھین" نہایت تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ ایسے ضروری اور کارآمد کاغذات ابھی حال ہی مین چودھری ساجد علی صاحب (چودھری عباس علی صاحب کے خاندانی رُکن) کے یہان نذرِ غفلت ہوکر ضائع ہوگئے، صرف ایک پروانہ چودھری صاحب موصوف کے پاس اس وقت تک موجود۔ اِس پروانہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ چودھری عباس علی صاحب کے حُسنِ خدمات سے یورپین حکام ان پر بہت مہربان رہتے تھے۔ پروانہ مذکور کی نقل حسبِ ذیل ہے:۔

"بحکم صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع دریاآباد ۔ نمبر ۲۹ ۔ مہر انگریزی ۔ چودھری عباس علی بعافیت باشد۔ تمکو ۲۵ ہتھیار ہر وقت اپنے ہمراہ رکھنے کی اجازت دیجاتی ہے کسی سے اڑاہڑ نہیں۔ تاکید مزید جانو۔ المرقوم ۱۸ ستمبر ۱۸۵۸ء۔ بقلم علی واجد پروانہ نویس دستخط انگریزی صاحب ڈپٹی کمشنر"

عباس علی صاحب کی طبیعت سپاہانہ واقع ہوئی تھی۔ ہندو مسلمان سب کے ہی خواہ، عام طور پر نہایت خلیق اور ملنسار تھے۔ ورزش کا خاص شوق تھا۔ بلاناغہ ہر روز ڈنڑ کرکے مگدر ہلاتے تھے اس مفید مشغلہ سے کبھی غافل نہین ہوئے اِسی وجہ سے اِن کی تندرستی ہمیشہ اچھی رہی۔ انھون نے اپنی زندگی بڑے اطمینان اور بے فکری کے ساتھ بسر کی، باوجود تقسیم علاقہ شان و شوکت اور عیش و آرام مین کسی قسم کا فرق نہین آیا۔ تخمیناً ۸۵ برس کے سن مین اب سے نصف صدی قبل لاولد انتقال ہوا۔ گندم رنگ، لانبا قد، موٹے ناک، کسیلا بدن، طاقتور، لمبے چوڑے بھاری بھاری ڈنڑ چکلا سینہ، سیدھی داڑھی، سر پر گھنے بال، خمیدہ زلفین، کتری ہوئی خفیف موچھیں، رعب دار گول چہرہ، بڑی بڑی آنکھین لمبی گردن، آبائی وضع۔ یادگار مین ایک پھلواری موجود۔

افسوس ہے کہ مرحوم کے بعد اِن کے بھائیون وغیرہ میں باہمی نفاق و مقدمہ بازی شروع ہوجانے سے بہت جلد خاندان پر تباہی آگئی، علاقہ غارت ہوگیا، اب صرف چند دیہات باقی، جن پر قرض کے بار کی کوئی انتہا نہین۔ آج کل چودھری صاحب کے خاندان مین مصطفےٰ علی، افتخار علی نائب ریاست دیلولی، ثواب علی وکیل گوالیار، عاشق علی انسپکٹر فرزند علی تحصیلدار ریاست جہانگیر آباد، ساجد علی انسپکٹر ٹنک بھوپال، وغیرہ بقید حیات۔ (چودھریان)[۵]

[۵] سنا جاتا ہے کہ چودھری عباس علی صاحب کے بعد غلام عباس اُن کی جائیداد زمینداری کے مالک ہوئے تھے اور قانونگوئی کا عہدہ بھی حاصل کیا تھا۔ غلام عباس صاحب بڑے خوش پوشاک، سلیقہ شعار، خوش فہم، خوش اخلاق اور مردم شناس تھے۔ ان میں ایسی نوک

بقیہ بیان کے لئے صفحہ ۱۵۸ ملاحظہ ہو۔

مرزا محمد اصغر بیگ صاحب

عرف اصغر بیگ، مرزا چغتائی، مرزا نیاز بیگ صاحب صوبہ دار کے اکلوتے بیٹے، مشہور و مستطاع و فیاض و مخیر رئیس تھے۔ ولادت ۱۸۴۹ء، وفات ۱۸۸۵ء۔

یہ نہایت خلیق اور ملنسار، دوست و احباب سے بہت اچھی طرح ملتے، عزیز و اقارب پر خاص مہربان تھے۔ ہر شخص کے اعزاز و مرتبہ کا خیال رکھتے، رعایا کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کرتے، اُن کے دکھ، درد کو خوب جی لگا کے سنتے اور حتی المقدور امداد دیتے تھے۔ روزہ و نماز کے سخت پابند، غیر متعصب، ہندو مسلمان سب سے مراسم تھے۔ ناچ گانے سے قطعی احتراز تھا۔ طبیعت ورزش پسند تھی۔ دس بجے دن سے بارہ بجے تک روزانہ ڈنڑ کر کے مگدر ہلاتے تھے۔ دورانِ ورزش میں مگدر ہلاتے ہوئے ایک منزل قرآن شریف ختم کر جاتے تھے۔ سوا ڈیڑھ سو ڈنڑ کا روزانہ معمول تھا۔

مرزا صاحب کے مورث اعلیٰ سردار مرزا اسد اللہ بیگ صاحب سردارانِ ایران کی نسل سے تھے، جو مع اپنے چند اہل خاندان کے شہنشاہ اورنگ زیب کے زمانے میں دہلی آئے اور اپنی سپاہیانہ قابلیت کے باعث نائب وزیر مقرر ہوئے۔ بعد وفات اُن کے لڑکے مرزا ہدایت اللہ بیگ فوج کے سپہ سالار ہو کر جنگ دکن میں کام آئے۔ اس بہی خواہانہ خدمت کے صلے میں شاہِ دہلی نے خاندان کی پرورش کے لیے جاگیر عطا فرمائی۔ اُن کی اولاد میں مرزا قربان بیگ کے بیٹے مرزا شاد بیگ بدنظمی سلطنت کی وجہ سے دہلی چھوڑ کر مع اپنے خاندان کے لکھنؤ آئے، اور دربار اودھ سے گونڈہ و بہرائچ کی نظامت پر ممتاز ہو کر بہرائچ میں سکونت پذیر ہوئے۔ اُن کے بعد اُن کے پوتے مرزا نیاز بیگ صاحب فوج شاہی کے صوبہ دار مقرر ہوئے اور کرنل بارو صاحب بہادر کی ماتحتی میں اپنے فرائض منصبی انجام دیتے ہوئے ضلع گونڈہ میں "روٹ پور" کے نام سے ایک علاقہ حاصل کیا۔ اُن کی شادی مرزا ابلاق بیگ صاحب رئیس دریاباد کی بیٹی کے ساتھ ہوئی۔ اسی سلسلہ میں مرزا نیاز بیگ صاحب نے دریاباد میں سکونت اختیار کی۔ سنا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک مگدر، جسے دو آدمی نہیں اٹھا سکتے، سید سالار مسعود غازی کی درگاہ میں بطور نذر پیش کیا تھا جو آج تک موجود اور وہاں کے دفتر میں درج ہے۔ ماخوذ از حالاتِ خاندانی مرزا محمد یوسف بیگ، مطبوعہ اخبار دبدبۂ سکندری پریس، ریاست رامپور ۱۹۰۷ء۔

مرزا صاحب کی شادی غضنفر الدولہ معزز الملک مستقل جنگ مرزا میندو خان صاحب بہادر کے چھوٹے بیٹے قدرت اللہ بیگ خان ناظم کی دختر مسماۃ رابعہ بیگم کے ساتھ ہوئی تھی۔ میندو خان صاحب کے پردادا سردار عباد اللہ خان بہادر محل سرا پلک تھی کہ کسی رئیس سے دب کر نہیں رہے۔ اکثر معزز اصحاب ان سے خود ملنے آتے تھے۔ چودھری عباس علی صاحب کی طرح یہ بھی عیش پسند تھے، جو ان کے مصاحبوں کی خود غرضی کا ایک خاص باعث تھا لیکن، ان کی خوش انتظامی سے کاروبار زمینداری میں کسی قسم کی بے عنوانی نہیں ہونے پائی۔ خوبصورتی میں یہ آپ ہی اپنی نظیر تھے جس کی شہرت کا فسانہ اس وقت بھی دور دور تک زبان زد عوام ہے۔ عین جوانی میں اس سے ۳۴ برس قبل لاولد وفات پائی۔ یہ کوں تھے اور کیونکر چودھری صاحب کی جائیداد پر قابض ہوئے؟ اس کے اظہار کے لیے حکومت وقت کا قانون مانع ہے ۱۲۔

یگی فرخ سیر بادشاہِ دہلی کے وزیر تھے اور دادا نواب قطب الدین خان بہادر محمد شاہ سلطانِ دہلی کے زمانہ مین فوج کے سپہ سالار تھے۔ مینڈو خان صاحب قبل مین انگریزی فوج کے رسالدار (اٹھارہ سو سوارون کے جرل) بعدہٗ غازی الدین حیدر شاہ اودھ کے عہد مین فوج کے کمانڈرن چیف (سپہ سالار) تھے اور ۷۰ لاکھ روپئے کا علاقہ ان کے زیر نظامت تھا۔ لکھنؤ مین میڈو خان کی سرا مشہور ہے۔ مرزا قدرت اللہ بیگ خان شاہی مین ناظم اور رضی الدولہ فخر الملک سہراب جنگ کے خطاب سے سرفراز ۱۸۵۷ء کے بعد گورمنٹ کی طرف سے تحصیلداری کے عہدہ پر مامور تھے۔

انھیں فضولخرچی سے سخت نفرت تھی، مگر معقول فیاضی سے خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ باغ کے میوے موسم کے لحاظ سے تمام لازمین اور غریب غربا کو ایک مرتبہ اور مکتب خانہ کے لڑکون کو علمی حوصلہ افزائی کی غرض سے چوتھے یا پنجوین دن خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کیا کرتے تھے۔ لاوارث بیوہ عورتون کو بلا قیدِ مذہب خفیہ طور پر حسب حیثیت ماہوار تنخواہ دیتے تھے۔ تاحیات یہ نیک مشغلہ برابر جاری رہا جو قابلِ تقلید دانشمندانہ اصول کے لحاظ سے بہت کچھ تعریف کے لائق ہے۔ مرزا صاحب کی یہ خفیہ فیاضی اُنکے مرنے کے بعد لوگون کو معلوم ہوئی تھی۔

سُنا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ جاڑے کے موسم مین ایک سالم صاحب، جن کے پاس اوڑھنے کو کچھ نہ تھا، شام کے وقت آکر اِن کی مسجد مین چپکے سے پڑ رہے۔ جب مرزا صاحب نماز پڑھنے کے لئے وہان گئے تو دیکھا کہ وہ سردی کے باعث کانپ رہے ہین۔ اِنھیں یہ حال دیکھکر ترس آگیا، فوراً اپنی قیمتی دُلائی اُنھین اوڑھا دی۔ اس سے اِن کی رحمدلی اور شریف پروری بھی ظاہر ہوتی ہے۔

اصغر بیگ صاحب اپنی حیثیت کے موافق علم و ہُنر کے قدر دان بھی تھے۔ مبلغ پانچ روپیہ ماہوار ایک بہت بڑے ذی علم کو ہمیشہ دیتے رہے۔ مکتب خانہ کے نیکدل مُعلّم مولوی رونق علی صاحب کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے، جو عربی و فارسی کے ماہر ہونے کے علاوہ اعلیٰ خوشنویس اور خط نسخ لکھنے مین اوستاد تھے۔ ان کے مکتب خانہ مین عام لڑکون کے پڑھنے کی اجازت تھی، قومی تفریق اور اعلیٰ و ادنیٰ کی قید نہ تھی نشست کا انتظام بھی معقول تھا۔ اِن کے بیٹے اور خاندانی و غیر خاندانی جملہ لڑکے مساوی حیثیت سے تخت پر بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ اِس سے مرزا صاحب کی وسیع النظری و روشن خیالی پائی جاتی ہے۔

اِنھون نے آبائی زمینداری کو بہت کچھ ترقی دی۔ مرزا آغا حسن خاں صاحب سے چند گانوٗ خرید کر کے اپنے علاقہ مین شامل کیے۔ رعایا کی سرسبزی کی غرض سے ڈیہوا مے (دریاباد سے متصل) مقام پر ایک بہت بڑا پختہ کنوان، جس مین چار پُر متواتر چلنے سے بھی پانی کم نہین ہوتا، بنواکر آبپاشی کے ذرائع کو وسیع کر دیا۔ پُرانی پھلواری کی ضروری ترمیم و مرمت کے ساتھ ساتھ ایک پختہ بلند کرسی پر عمدہ مسجد بھی تعمیر کرائی، جو ابتک موجود اور مکان سے ملی ہوئی بجانب گوشہ شمال و مغرب واقع۔

اِن کی وضع سادی، مگر نفاست آمیز تھی۔ گرمیون مین تنزیب کا سے گوٹ انگرکھا، دو پلڑی سفید ٹوپی، نین سکھ کا بڑے پائینچے والا پائیجامہ نری کا جوتا۔ جاڑون مین سرگرنٹ کی گوٹ لگی ہوئی سفید بانات کا انگرکھا، پیچھے اُسی کا شلوکہ

استعمال کرتے تھے۔ جاڑے کے جاڑے (پوس، ماگھ) شروع ہوئے پر صبح و شام نصف حمیلنٹ کی رُوئی دار مرزائی انگرکھے کے اوپر پہن لیتے تھے۔ اور اودی گرنٹ کی چوڑی گوٹ والی بادامی رنگ کی دُلائی، پاؤ بھر پختہ روئی پڑی ہوئی اوڑھتے تھے۔ ۳۸ برس کی عمر میں دفعتہً بعارضۂ ہیضہ انتقال ہوا۔ فربہ اندام، دراز قد، گورا رنگ، خوشرو، رعب دار گول چہرہ، کڑی ہوئی خفیف مونچھیں، شرعی داڑھی، منڈا ہوا سر، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، چوڑا سینہ، کشادہ پیشانی، لمبے چوڑے ڈسٹرے زبردست رانیں۔ اولاد میں محمد یوسف بیگ و محمد یونس بیگ دریاآباد تا قابض علاقہ اور صاحبِ اولاد۔ (مغلان)۔

دوسری فصل شرفائے معززین کے بیان میں

نبھو اوستھی

کانکبج برہمن، اُپ منبج گوتر، دریاباد کے اول اوستھی، عالی نسب، دھرماتما، خوش نصیب، دولت مند، اولوالعزم بزرگ۔ ان کے دادا بھیو پانڈت مشہور اور بہت بڑے اہل اللہ، سیتاپور کے راجہ دھرم پال کے گرو، مرشد تھے، جھجھوٹ پور میں یگیہ کرا کے وہیں آباد ہو گئے تھے اور دیکشت کہلائے تھے۔ بھو پا پنڈت کے بیٹے یعنی نبھو کے باپ جانی بڑے وِدوان، وید کے ماہر، حاناں پور میں بسے اور پاٹھک مشہور ہوئے۔ نبھو نے دریاباد میں سکونت اختیار کی، اور اوستھیہ یگیہ کرنے کے بعد اوستھی کے لقب سے ملقب ہوکر دریابادی اوستھی کہلائے۔

کانکبج ونشاولیون (قوم یا برہمنوں کی تاریخین) سے معلوم ہوتا ہے کہ نبھو مہراج اس سے آٹھ سو برس قبل دریاباد میں آباد ہوئے تھے۔ اسکی تشریح وصاحت کے ساتھ بابِ اوّل میں دریاباد کی قدامت پر بحث کرتے ہوئے کردی گئی ہے۔ ونشاولیون میں اوستھی جی کے تین بیٹے لکھے ہیں۔ کمل، نل، بھٹ۔ کمل یگیہ کرنے کے بعد دسوراک اوستھی، نل تین ویدوں کے ماہر اکڈلا کے ترویدی، بھٹ چندن پور کے باجپئی مشہور ہو گئے تھے، اور دریاباد چھوڑ کر دسورا، اکڈلا چندن پور میں رہنے لگے تھے۔ لیکن، اکثر مقامون پر اس قسم کے اوستھی پائے جاتے ہیں، جو اپنے کو "نبھو دائے دریابادی اوستھی" کہتے ہیں، جسکی تصدیق کانکبج جیتامن سے بھی ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبھو مہراج کے کوئی اور لڑکا بھی تھا جسکی نسل دریاباد میں قایم ہو گئی تھی۔ لیکن اس اولاد نے ذاتی طور پر کچھ اعزاز حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ایک زمانے کے بعد کسی وجہ سے خاندانی لوگ دوسری جگہون میں آباد ہوکر نبھو دائے دریابادی اوستھی کہلانے لگے اور دریاباد میں اُن کا نام لیوا باقی رہا۔ (دیکھبتاہ)

سدھ ناتھ اوستھی

نبھو کی تیسری پُشت میں دھرمائی اوستھی کے بیٹے، عالی نسب، بڑے دھرماتما، فیاض، بلند حوصلہ، دریاباد میں اعلیٰ اور معزز اوستھیون کے بانی، اپنے وقت کے نامی اور قابلِ تعظیم بزرگ تھے۔ ان کا اصلی وطن موراین تھا غالباً رشتہ داری کی وجہ سے دریاباد میں بذاتِ خاص آباد تھے۔

قنوجیا برہمنون کی تاریخون مین اِن کے باپ دادے کی مرجاد (عزت) صرف ۵ بسوہ لکھی ہی اور اِن کے نام کے آگے ۱۰ بسوہ تحریر ہین، ساتھ ہی اِس کے اِنھین "دریابادی اوستھی" بھی لکھا ہے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہی کہ سِدھ ناتھ مہاراج نے دُھوم دھامی یگیہ کر کے اپنے آباواجداد سے دوچند مرتبہ حاصل کیا تھا اور "دریابادی اوستھی" کے لقب سے شہرت پائی تھی۔ اگر یگیہ کا مُقدّس فرض نہ ادا کیا جاتا تو سِدھ ناتھ جی اور اِن کے خاندان والے مورایان کے اوستھی کہلاتے دریابادی اوستھی نہ کہے جاتے اور نہ یہ اعزاز و افتخار نصیب ہوتا، نہ اوستھی جی وَنشاولیون کے صفحون مین جگہ پاتے۔ کیونکہ تاریخ میں اُنھین بزرگون کے حالات لکھے ہین، جن کے کارنامون سے خاندان کو ناموری حاصل ہوئی ہے۔ سِدھ ناتھ کا زمانۂ حیات اب سے ۷۰۰ برس قبل۔

"کانیکبج جنتامن" اور تحقیق سے پایا جاتا ہے کہ اِن کی نسل والے جہان آباد ہین، اب تک سِدھ ناتھی دریابادی اوستھی کے نام سے مشہور رہیں، اور رُتبے مین صرف تیوراسی کے اوستھیون سے کم، دوسرون، جیسے گاؤن مت پور، گورا، سِدھ پور، اِکڈلا کے اوستھیون کے برابر اور باقی جملہ کانیکبج اوستھیون سے بڑھ کر خیال کیے جاتے ہین۔ اُپمنیو گوتر کے علاوہ پندرہ گوترون مین (کاتیاین، بھردواج گوتر مین کوئی اوستھی نہیں ہوا) کسی گوتر کا کوئی اوستھی کبھی اِن کا مقابل نہیں۔

اوستھی جی گیارہ بھائی تھے جن میں سے برہمدت کی اولاد تیوراسی کے اوستھی اور جگدت کی نسل لکھنؤ کے اوستھی مشہور ہوئی، جن کا خاندان بہت بڑا معزز خاندان تسلیم کیا گیا ہی، باقی بھائی دیودت وغیرہ دوسرے مقامون مین آباد ہو گئے تھے۔

بیان کیا جاتا ہی کہ دریاباد کے اوستھیون کا قابل تعریف زمانہ تھا۔ یہ لوگ بڑے دولت مند، دھرم کرم کے پابند، اور سخی تھے۔ اِن کا خاندان بہت بڑا اور مشہور خاندانون مین سے تھا۔"

دریاباد خاص مین گمان اوستھی کے نام سے "یگیہ شالہ" اور بستی کے باہر دُور دُور تک اوستھیون کے نام سے یگیہ اِس وقت بھی مشہور ہی۔ گمان اوستھی کی بابت یہ نہیں کہ سکتے کہ وہ بھنو کی نسل سے تھے یا خاندان سِدھ ناتھ سے۔ یہ یگیہ شالہ ایک مدت تک معمولی پختہ ٹیلے کی صورت مین نمودار رہا، راقم کی دیکھا دیکھی بالکل پست و نابود ہو گیا۔ آج کل اِس مقام پر پنڈت رام ادھین کا خام احاطہ بنا ہوا ہی۔ اوستھیوں کی اولاد مین رام سُکھ اوستھی موجود اور شکستہ مگر پختہ مکان تا حال قائم۔ (دیچھتانہ)

کِندَر اگن ہوتری

بنھو اوستھی کی چوتھی پُشت مین بڑے وِدوان اور وید وِدون کے ماہر دیودت دُوبے کے چھوٹے بیٹے، سِدھ ناتھ اوستھی کے حقیقی بھتیجے، بڑے اقبال مند اور نامی گرامی بزرگون مین سے تھے۔ اصلی وطن مورایان سے آکر دریاباد مین "اگن ہوتر یگیہ" کرنے کے بعد اگن ہوتری کے لقب سے مشہور رہے۔ بعضون کا بیان ہی کہ "دریاباد کے پاٹھکون میں سے کسی نے یگیہ کیا تھا جسکی اولاد اگن ہوتری کہلائی"۔ لیکن کسی ونشاولی (تاریخ) سے اِس بات کی تصدیق نہین ہوتی۔ ونشاولیوں مین "کِندَر دریابادی اگن ہوتری" صاف طور پر لکھا ہی۔ اِن سے پہلے دریاباد مین کوئی اگن ہوتری

برہمن آباد نہ تھا۔ یہ اوّل بزرگ ہیں جو پہلے دُوبے تھے، یگیہ کرنے کے بعد دریا بادی اگن ہوتری کہلائے۔
کانگنج وتستاویوں میں کندرمہراج کا مرتبہ سولہ گوتروں کے اگن ہوتری برہمنوں میں جیون، مت کر، اور ہرشکھ کے علاوہ سب سے افضل نظر آتا ہے، جس کے برابر کانیکبج دیش میں کسی مقام پر آج تک کوئی دوسرا اگن ہوتری برہمن پیدا نہیں ہوا۔ جیون مت کر، ہرشکھ اگن ہوتری صرف کندر کے ہم رتبہ تھے، ان سے بڑھ کر نہیں۔ ریواڑی کے جیون اور بدرکا کے ہرشکھ کندر کے حقیقی بھائی تھے اور اُوگو کے مت کر خاص انھیں کے خاندان والوں میں سے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگن ہوتری جی نے اپنے دھرم کرم، دولت اور اُلوالعزمی کے زور سے دریاباد میں اعلیٰ اعزاز حاصل کر کے بہت بڑا نام پیدا کیا تھا۔ دستاویں میں ان کی مرجادا ابسوہ اور ان کے باپ کی عزت صرف ۵ بسوہ درج ہے۔
چار بھائی تھے۔ جیون ریواڑی میں، مُکھی جونیور میں، ہرشکھ بدرکا میں، بہاری یگاؤں میں رہتے تھے اوّل الذکر تینوں بھائی اگن ہوتری اور آخر الذکر رگ دُوبے کہلاتے تھے۔ اولاد میں بابو رام وغیرہ۔ (ٹھیکائی ٹولہ)

بابو رام اگن ہوتری

کندرمہراج کے بیٹے سخاوت و فیاضی، اُلوالعزمی اور دھارمک کاموں میں اپنے باپ کے مُقلّد اور انھیں اوصاف کے باعث واجب التکریم۔ یگیہ کے ذریعہ ذاتی طور پر اعزاز حاصل کر کے قومی خطاب سے بھی سرفراز ہوئے تھے جسکی تصدیق کے لئے اتنا ہی کہدینا کافی ہے کہ سوجیا برہمنوں کی تاریخ میں یہ سلسلۂ مشاہیران کا بھی کندرمہراج سے علیحدہ ذکر ہے، اور انھیں بھی "دریابادی اگن ہوتری" لکھا ہے، لیکن، عزت میں یہ اپنے باپ سے کسی قدر کم تھے، ان کی مرجاد ۹ بسوہ لکھی ہے اور کندرجی کی ۱۱ بسوہ، جو اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے فیاضی میں کچھ کفایت شعاری کو دخل دیا ہوگا۔
تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ دریاباد میں اگن ہوتریوں کے دو خاندان قایم تھے۔ ایک کندر کے نام سے، دوسرا بابو رام کے نام سے موسوم تھا۔ چنانچہ اضلاعِ بارہ بنکی، لکھنؤ، ہردوئی، بہرائچ، شاہجہان پور، مین پوری، متھرا، آگرہ، اٹاوہ وغیرہ میں جو اگن ہوتری آباد ہیں، اُن میں بعض اپنے کو کندر والے دریابادی اگن ہوتری کہتے ہیں، اور بعض بابو رام والے دریابادی اگن ہوتری کہلاتے ہیں۔
اوستھیوں کی طرح اگن ہوتریوں کے یگیہ کو بھی ابتک شہرت ہے۔ ان کا خاندان بھی بہت بڑا خاندان تھا۔ ان کے دم سے بستی میں بیسیوں پختہ عمارتیں تعمیر ہوگئی تھیں۔ ان کے دھرم کرم اور طرزِ عمل کی جابجا تعریف تھی۔ یہ لوگ جوانمرد اور بہادر بھی تھے۔
دریاباد میں گیا پرشاد، رام بہاری، شمس الدوت اگن ہوتریوں کے نام لیوا بقیدِ حیات اور دو قدیم پختہ مکان موجود۔ یگیہ شالہ کا صرف نشان باقی۔ یگیہ شالے کی زمین پر ایک خام مکان بنا ہے جس میں ستیو پرسن کی ماں رہتی ہیں۔ لیکن، یگیہ شالے کی یادگار میں تھوڑی سی زمین مکان سے علیحدہ چھوڑ دی گئی ہے جس پر اس مقدس عمارت کے جنوبی حصہ کی زمین دوز نیو

ابتک قائم ہے۔ (ٹھکانی ٹولہ)۔

شانت دِچھت

بھنواستھی کی نویں پُشت میں والمیک دِچھت کے بڑے بیٹے بھیرو دتّ تھے جو مسر کے دِچھت کہلائے، بڑے معزز اور قابلِ ذکر بزرگ تھے۔ کھیوراین پیدا ہوئے، دریاباد میں بذاتِ خاص شہرت حاصل کی۔ یہ اپنے باپ سے زیادہ فیاض اور بلند حوصلہ تھے۔ چنانچہ غیر معمولی اہتمام سے یگیہ کرا کر دریابادی دِچھت کہلانے کے ساتھ ساتھ اعزاز و مرتبہ میں بھی اُن سے سبقت لے گئے۔ آبائی عزت ۸ بسوہ تھی، لیکن انھیں اپنی بزرگی میں ۱۰ بسوہ کی عزت عطا ہو گئی تھی۔ یہ اعزاز کل گوتروں (کاتیاین، بھردواج، سانکرت گوتر میں کوئی دِچھت نہیں) کے دِچھتوں میں مثلِ پورا، اُدگو، بیٹر، بوگاؤں، شاہ پور، کیولا وغیرہ کے دِچھتوں کو چھوڑ کر کسی دِچھت کو میسّر نہیں ہوا۔ (ماخوذ از تاریخہائے برہمنانِ قنوج)۔

ان کی نسل والے سدھور، اٹورا، اریامئو، تاراپور (ضلع بارہ بنکی) سکرورا، مجرح پور، بہاڑاپور (ضلع گونڈہ) اُدگو، مراد آباد وغیرہ میں اب تک موجود ہیں، جو دریابادی دِچھت کہلاتے اور اعلیٰ معززین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ دریاباد سے اُتر ۲ میل کے فاصلہ پر اُسترولی کے قریب "پورہ دِچھت" آباد ہے جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ یہ دریابادی دِچھتوں کا آباد کردہ ہے۔ لیکن جو بزرگ یہاں بسے تھے، اُن کی اولاد اب کوئی باقی نہیں۔ یہ پورہ عرصہ سے ریاست رانی مئو میں شامل ہے۔

اگس ہوتریوں اور اوستھیوں کی طرح دریابادی دِچھتوں کے نام سے بھی یگیہ دُور دُور تک مشہور و معروف ہے۔ سُنا جاتا ہے کہ یگیہ بڑی دھوم دھام سے کیا گیا تھا، جس کے متعلق ایک خاص پختہ عمارت یگیہ شالہ کے نام سے تعمیر ہوئی تھی جس میں ایک مندر بھی بنایا گیا تھا۔ اس مقدس رسم کی ادائگی کے لیے ضلع بستی سے ایک بہت بڑے نامی گرامی ویدک پنڈت بلائے گئے تھے۔ یگیہ شالہ کی عمارت دِچھتوں کے قدیم مکان (جس میں مہابیر دِچھت رہتے تھے) سے متصل پچھم طرف واقع تھی۔ مکان کے اُتر طرف مختصر مگر عمدہ پھلواری تھی۔ آج کل ان زمینوں پر کاشتکاری ہوتی ہے۔

مہابیر دِچھت کہتے تھے کہ ہمارے اصل بزرگ، جے کرشن، ہرکرشن، مدھورام، لچھمن جانا پوری موراوان کے پاٹھک کہلاتے تھے، جو دریا خاں کے وقت میں موراواں (ضلع اُناؤ) سے دریاباد آئے اور جنگل کٹوا کر یہاں آباد ہوئے تھے، جن کی نسل والے یگیہ کرنے کے بعد دِچھت مشہور ہوئے۔ لیکن تاریخی نقطۂ خیال سے یہ بیان صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ دراصل دِچھتوں کے مورثِ اعلیٰ شانت مہاراج تھے، جو پہلے کھیورا کے دِچھت کہلاتے اور دریا خاں صاحب سے بہت پیشتر دریاباد کے باشندوں میں شامل ہو گئے تھے (کیونکہ ان کا زمانۂ حیات کا نتیجہ دستاویز سے اب سے ساڑھے پانچ سو برس قبل ثابت ہوتا ہے اور دریا خاں صاحب گزیٹیر بارہ بنکی کے مطابق سنہ ۱۴۲۴ء میں موجود تھے، جسے آج تک صرف ۴۰۹ برس ہوتے ہیں) جب اُنھوں نے یہاں خود بھی یگیہ کیا تو وہ برہمنی اصول کے موافق دریابادی دِچھت مشہور ہونے کے علاوہ اعلیٰ معززین میں بھی شمار ہو گئے۔

سن رسیدہ بزرگوں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ دِچھتوں کے خاندان والوں نے یہاں تک ترقی کی تھی کہ سیکڑوں پختہ مکانات تیار ہو کر آباد ہو گئے تھے اور اس سلسلۂ آبادی کا نام "دِچھتانی ٹولہ" مشہور ہو گیا تھا، جو اس وقت تک قائم۔ دِچھت لوگ اقبالمندی، اولوالعزمی و دولت مندی میں اگن ہوتریوں، اوستھیوں سے کم نہ تھے۔ قرب و جوار میں ان کی دھوم تھی۔ ان دِچھتوں

کی یادگار میں محلہ کے علاوہ مولجید کے نام سے ایک خام تالاب بھی ابتک موجود ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ جب مولجید نے اپنے مکانات بنوائے، تو جس جگہ کی مٹی گارے اور اینٹوں کے کام میں آئی تھی، وہاں ایک لمبا چوڑا گڈھا ہوجانے کے باعث اُسے لوگ مولجید کا تال کہنے لگے جو آخر میں کثرت استعمال سے "ٹھیا تال" مشہور ہوگیا۔ مدت دراز تک ان دیکھتون کا زمانہ موافق رہا۔ بعد اُس کے اس خاندان پر دفعتہً ایسی تباہی آگئی کہ دھن دولت، شان و شوکت سب خاک مین مل گئی لیکن مکان کا قدیم پھاٹک، عالیشان بلند دروازہ اب بھی بگڑی ہوئی صورت میں موجود ہے، جس سے دیکھتون کی اگلی شوکت کا کچھ کچھ پتا چلتا ہے۔ یہ مکان ہُنوا اور رام سوچیت دیکھیت کے قبضہ میں ہے۔ (دیچھیتانی ٹولہ)

جھراج مشر

مصنّو کی سولھویں پُشت میں گوپال دوبے کے بیٹے لیسیا سے دریاباد آئے اور یہاں رہ کر مشر کے لقب سے مشہور ہوگئے تھے۔ اِن کے تین بھائی اور بھی تھے جگو نس اوجی پور میں اور رگھوونس دیہ در بلورامیں آباد تھے اور سب اوستھی کہلاتے تھے مشر جی کے تین بیٹے نامی تھے۔ بڑے لنکا دھن گوردوان کے مشر کہلائے، دیودت اکڈلا کے اگن ہوتری اور الیتری بیٹھاپور کے آبادھیا مشہور ہوئے۔

بعض بزرگ بیان کرتے ہیں کہ "دریاباد میں مشروں کا زمانہ بھی اچھا تھا اور انھون نے بھی یگیہ کرکے نام پیدا کیا تھا۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ جھراج مشر کی اولاد میں سے مذکورہ بالا تین بیٹون کے علاوہ کوئی اور لڑکا بھی تھا، جس کی نسل دریاباد میں قایم ہو کر مشروں کے نام سے مشہور ہوگئی تھی"۔ لیکن مشرون کا خاندان کب قایم ہوا؟ اور کب تک رہا؟ اور اِن کا مکان کس محلہ میں تھا؟ اِس کا کچھ بھی پتا نہیں چلتا۔ اِس سے جھراج مشر کا زمانہ حیات یقیناً اب سے تین چار سو برس قبل معلوم ہوتا ہے۔ اور مشرون کے نام سے جو یگیہ بیان کیا جاتا ہے وہ غلط ہے۔ کیونکہ برہمنی اصول کے موافق یگیہ کرنے یا کرانے سے اوستھی یا باجپئی، اگن ہوتری اور دیکھت کا خطاب دیا جاتا ہے اور کانکبج دتشادلیوں میں جھراج کو مشر کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے، جو اِن کے اوصاف حمیدہ اور دانائی کی صاف دلیل ہے۔ مگر مشرون کے یگیہ کی شہرت اِس بات کا ضرور پتا دیتی ہے کہ انھون نے کوئی زبردست مذہبی جشن منایا ہوگا اور اُس میں دل کھول کر دولت خرچ کی ہوگی، مدت دراز کے بعد لوگون نے اُس جشن کو یگیہ کہنا شروع کردیا ہوگا۔

نوٹ سبھو اوستھی، سِیدناتھ اوستھی، کندرو بابو رام اگن ہوتری، شانت دیکھیت، جھراج مشر کو قنوجیا برہمنون کی تاریخ میں دریابادی لکھا گیا ہے اور انھیں بزرگون کی وجہ سے کانکبج دیش میں دریاباد کی شہرت ہونے کے ساتھ ہی دریاباد کی قدامت بھی ثابت ہوئی ہے، اِس لئے بزرگانِ موصوف کو تاریخ ہذا میں جگہ نہ دینا غیر مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

قاضی محمد نورالحق صاحب

قاضی صبغتہ اللہ صاحب کے بیٹے، رئیس مزاج، نیک، عہدۂ قضا پر ممتاز تھے۔ واجب العرض دریاباد سے معلوم ہوتا ہے

کہ، اِن کے مورث جو محمود آباد کے قدیم معززین مین تھے، دریا خان صاحب کے ہمراہ دریا آباد آکر جنگل کٹوا کے آباد ہوئے تھے۔ لیکن، قاضی حاجی حسن صاحب فرماتے ہین کہ "قاضیون کے مورث اعلیٰ قاضی داؤد جبکہ پرگنہ محمود آباد کے نام سے نامزد تھا، عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ اُن کی اولاد مین حضرت خواجہ عبداللہ انصاری بزمانۂ ہمایون شاہ بادشاہِ دہلی عہدۂ قضا سے سرفراز ہو کر دریاباد مین سکونت پذیر ہوئے تھے، اور چند مواضعات بحلد وئے خدمتِ قضا انھین دربارِ شاہی سے مرحمت ہوئے تھے" قاضیون کے نام سے محلہ اور پورۂ قاضی اب تک مشہور رہے اِس خاندان مین جو اصحاب عہدۂ قضا پر مامور رہے وہ حسبِ ذیل ہیں۔

قاضی صبغۃ اللہ بن قاضی محمد ناصر بن قاضی ضیاء اللہ بن قاضی محمد حاتم عرف حبیب اللہ بن قاضی فیض اللہ ابن قاضی عبدالفتاح ابن قاضی محمد ابن قاضی مُلّا راجہ ابن قاضی نصیر الدین ابن اعزاز الدین ابن قاضی خواجہ اسحاق انصاری فرزند حضرت خواجہ عبداللہ انصاری مورث اعلیٰ قاضیانِ دریاباد۔

واجب العرض کھڑی پور سے ثابت ہوتا ہے کہ قاضی صاحب خطیب بھی تھے اور اِس لقب خاص سے مشہور تھے۔ انھون نے ایک موضع اسی لقب کی رعائیت سے "خطیب پور" نام سے آباد کیا تھا، جسے آج کل "کھڑی پور" کے نام سے شہرت ہے۔

قاضی صاحب سنہ ۱۱۸۲ھ مین ذریعہ فرمان شاہی عہدۂ قضا پر مامور ہوئے اور سنہ ۱۱۹۳ھ تک اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ سنہ ۱۱۹۴ھ مین حسب فرمان بادشاہ دہلی عہدۂ قضا قاضی محمد مشرف صاحب کو مرحمت ہوا اور وہ سنہ ۱۲۰۷ھ تک اسی عہدہ پر مامور رہے۔ سنہ ۱۲۰۸ھ مین پھر قاضی صاحب ذریعۂ فرمانِ شاہی اپنے آبائی عہدہ سے مستفیض ہوگئے اور جب تک زندہ رہے، الطافِ شاہانہ سے سرفراز رہے۔

یہ اچھے زمیندار بھی تھے۔ اِن کے قبضہ مین میر نگر، قاضی پورہ، رحمان پور، خطیب پور، چکمینان پور، مرکا پور وغیرہ کئی مواضعات تھے۔ فرامین شاہی اور رسالہ حدیقۃ الارض سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ "قاضی صاحب کے بزرگ شیخ انصاری تھے۔ لیکن اِنھون نے بذات خود نواب شجاع الدولہ بہادر کے حکم سے یا اعزاز و مرتبہ کے لالچ مین خوشامدانہ طور پر شیعہ مذہب قبول کر لیا تھا، جس سے انھین دلی عقیدت نہ تھی، در اصل باطنی طور پر یہ سُنّی ہی رہے"۔ اِس سے اگرچہ قاضی صاحب کی اخلاقی کمزوری پائی جاتی ہے، تاہم اگر غور و انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو چندان قابل اعتراض نہین۔ کیونکہ اِن کا یہ فعل مجبوری سے تھا جو تقیہ تھا۔ موقع و محل دیکھ کر سبھی ایسا کرتے ہین۔

محمد نور الحق صاحب عاشق رسول بھی تھے اور فدائے حسین بھی چنانچہ میلاد کے ساتھ ساتھ عزاداری بھی کرتے تھے۔ محرم وغیرہ کے مصارف کے لئے تین سو اُنتیس روپیہ سالانہ نقد بطور نانکار دربار اودھ سے مقرر تھا۔ انھون نے اپنی زندگی مین پختہ امام باڑہ بنوانے کے بعد ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی، مسجد کا سنگِ بنیاد سنہ ۱۲۱۱ھ مین رکھا گیا تھا، جو اب تک شکستہ حالت مین قاضیون کے نام سے موجود۔ لیکن امام باڑہ کی بارہ دری کا صرف اگلا حصہ برائے نام باقی رہ گیا ہے۔

جو چند روز کا مہمان ہے - اس امام باڑہ کی تعمیر مکان ہی سے تعلق رکھتی ہے - ناظرین کی آگاہی کے لئے نامکار کی بابت چند فرامین شاہی کا خلاصہ حسب ذیل ہے :-

(۱) پروانہ ہر پرشاد چکلہ دار پرگنہ دریاباد باسم گوبند پرشاد تحصیلدار محال پرگنہ دریاباد مہ سہ صد و نوزدہم روپیہ بابت نیاز امام باڑہ وغیرہ از قدیم باسم قاضی حسام الحق مقرر و معاف لہذا نگارش میرود کہ الحال در ۱۲۳۲ فصلی مبلغ مرقوم بہ مشار الیہ پہنچد کہ مصارف تعزیہ داری جناب سید الشہدا نمودہ مدعای ترقیات حشمت و اجلال بندگان پرداختہ باشند محرم لسہ، عید و بقرعید ما لوسیہ (قیمت دوشالہ سہ، رسوم مالوعہ) (۲) پروانہ مہر راجہ ہر گوپال چکلہ دار پرگنہ دریاباد بنام بیڈت ڈلا رام نائب چکلہ بابت نیاز امام باڑہ وغیرہ ۱۲۴۹ھ، بنام قاضی فدا حسین (۳) پروانہ مہری راجہ رام ادہین ناظم محالات دریاباد وغیرہ بنام رائے سوہن لال بابت نذر امام باڑہ وغیرہ، ۲۵ صفر ۱۲۵۲ھ، باسم قاضی فدا حسین (۴) پروانہ مہری میر خلیل احمد چکلہ دار پرگنہ دریاباد بنام شیخ شرف الدین نائب چکلہ بابت نذر امام باڑہ - ۲ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ، بنام قاضی فدا حسین مذکورہ بالا فرامین شاہی و پروانے قاضی حاجی حسن صاحب کے پاس موجود ہیں -

قاضی صاحب کے بعد ان کے بیٹے قاضی حسام الحق اور پوتے قاضی فدا حسین صاحب آبائی زمینداری پر (بعض اوقات) خدمت قضا سے سرفراز رہے - قاضی فدا حسین صاحب کی وفات پر غدر کے بعد انگریزی انتظام ہونے کی وجہ سے عہدۂ قضا شکست کر دیا گیا اور کل مواضعات جو خدمت قضا کے صلہ میں وقتاً فوقتاً دربار شاہی سے عطا ہوئے تھے ضبط ہو کر کچھ متعلقہ رامپور میں اور کچھ قیام پور میں شامل ہو گئے - ذاتی مواضعات بیع ہو گئے - چونکہ قاضی فدا حسین صاحب کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے اُن کے بعد قاضی حسام الحق صاحب (فدا حسین صاحب کے والد) کے نواسے منشی بہادر حسین صاحب اُن کی جائیداد کے مالک ہوئے، جن کی اولاد میں امجد حسن اور حاجی حسن اس وقت تک بقید حیات - (قضیانہ محلہ، حال مخدوم زادگان)

بھوانی شنکر دیچھت

کانیہ کبج برہمن، اُپ منیو گوتر، از اولاد شانت دیچھت دریابادی، عالی نسب، راجہ ٹکیت رائے کے مشہور خزانچی، صاحب خاص، بڑے خوش نصیب، اُولو العزم، خاندان پرور، فیاض، وطن پرست، اور امیر کبیر بزرگ تھے قبل ان کے دیچھتوں کا خاندان کس مپرسی کی حالت میں گرفتار تھا، اور اس قدر مصیبت نازل تھی کہ مسماۃ شو رنا زوجہ گنگا پرشاد دیچھت نے ۲۰ گز لمبی، پون گز چوڑی، اور پانچ گز اونچی پختہ دیوار صرف چار روپیہ کے عوض بندت رام شنکر مصر کے ہاتھ ذریعۂ بیعنامہ (مرقومہ ۲۴ ربیع الاول ۱۱۷۷ھ) بیچ ڈالی - لیکن، نواب شجاع الدولہ بہادر کے آخری زمانہ حکومت میں پھر دیچھتوں کا زمانہ عروج پر آیا اور بھوانی شنکر پیدا ہوئے، جنھوں نے اپنے بزرگوں کا نام از سرِ نو دوبارہ روشن کیا، اور دیچھتانی ٹولہ کی خراب حالت کو بھی خوب درست کر دیا، یہاں تک کہ چالیس گھر پختہ دیچھتوں کے تیار ہو گئے -

بھوانی شنکر معمولی حیثیت کے آدمی تھے، صغر سنی مین راجہ ٹکیٹ رائے کے یہان پہلے سپاہیون مین نامزد ہوئے بعد اُس کے رفتہ رفتہ اپنی فطری دانائی و حسنِ کارگذاری سے اس درجہ کو پہونچے کہ لاکھون کی دولت پیدا کر کے آسمانِ شہرت پر آفتاب بن کر چمکے۔

سنہ ۱۲۲۲ھ کی ایک رسید نوشتہ محمد یوسف سوداگر ملازم سرکار راجہ ٹکیٹ رائے مین لکھا ہو کہ "معہ ۵ـ۲۰۶۶ سہ بتحویل بھوانی شنکر دیچھت بابت حساب مہاراجہ صاحب وصول یافتم" اِس سے بھوانی شنکر کا راجہ صاحب کے یہان تحویلدار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ اِس کے شیودین، گیادت، اُلّو دیچھت اِن کے بھتیجے بزمرۂ ملازمانِ شاہی معزز عہدون پر مامور تھے۔ شیودین مہتاب باغ کے داروغہ، گیادت کوتوالِ شہر، اُلّو فوج مین کمندار تھے، اور بلدی رام و امرت لال اِن کے حقیقی بھائی مہاجنی کے کاروبار مین مصروف تھے۔ الغرض زمانہ موافق تھا، ہر طرح چاندی تھی سُنا جاتا ہے کہ "راجہ ٹکیٹ رائے اِن کو بہت مانتے تھے۔ چنانچہ اِن کا پختہ مکان، جو دریاباد کی مشہور عمارتون مین شمار ہوتا، اُنھین کے حکم سے تیار ہوا تھا جس کی تعمیر مین بھوانی شنکر کا ایک ڈبل بھی نہین خرچ ہوا تھا"

مہا بیر دیچھت کے یہان جس قدر گرنتھ (سنسکرت کتب) اور کاغذات دیکھنے مین آئے ہین، وہ قریب قریب سب بھوانی شنکر و بلدی رام کے زمانے کے ہین جو اگرچہ تلف شدہ ذخیرہ کا ایک جزو بھی نہین ہین، اور خاندان والون کی غفلت اور بے پروائی سے بوسیدہ ہو کر کوڑے کرکٹ سے بھی بدتر ہو گئے ہین، تاہم اُن سے اتنا پتا ضرور چلتا ہے کہ بھوانی شنکر دولت کثیر کے ساتھ ساتھ امیرانہ شان بھی رکھتے تھے۔ اِن کے یہان دفتر[۱] قایم تھا جس مین ہندی، ناگری اور فارسی خوان کارندے کام کرتے تھے، اِن کارندون مین رام بخش بہت بڑے عقلمند اور ذی اختیار فارسی دان کارندے تھے۔ مہاجنی کا حساب کتاب ہندی مین، زمینداری وغیرہ کا حساب فارسی مین لکھا جاتا تھا۔ دفتر کے علاوہ پنڈت پراگدت (بھوانی شنکر کے بیٹے) کے اہتمام مین کتب خانہ کا محکمہ بھی جاری تھا۔ اس مین کرندہ دیچھت[۲]، اجودھیا پرساد اور پنڈت بختاور[۳] وغیرہ کئی محرر سنسکرت اور ناگری کی کتابین لکھنے کے لیے نوکر تھے۔ منشی و محرر کے علاوہ سپاہی و خدمتگار وغیرہ بھی بہت سے ملازم تھے جنھون نے تنخواہ وصول ہونے پر اپنی رسیدون مین "سرکار دیچھت" اور "سرکار بلدی رام دیچھت" وغیرہ شاندار الفاظ استعمال کئے ہین۔

بھوانی شنکر معمولی امیر نہ تھے، بلکہ زبردست امارت کی شان رکھتے تھے۔ چنانچہ سُنا گیا ہو کہ اِن کے پلنگ کے پائے مونگے کے تھے، اور سیروے، پٹیون پر چاندی کا منقش خول چڑھا ہوا تھا۔ خواب گاہ کی آراستگی دیکھنے کے قابل تھی۔ اِن کے یہان چاندی کے برتن بکثرت تھے۔ سواریون مین رتھ، بہل، فنس، میانے اِن کے ذاتی تھے لیکن گھوڑے، ہاتھی وغیرہ راجہ صاحب کی طرف سے اِن کے یہان بندھے رہتے تھے، جن پر یہ حسب خواہش سوار

[۱] دیچھتون کی حویلی مین دیوانخانہ کے نام سے بھی ایک تعمیر تھی، اس سے بھی دفتر ہونا ثابت ہوتا ہے ۱۲ [۲] معمولی خوشنویس تھے ۱۲

[۳] یہ اچھے خوشنویس ہونے کے علاوہ پنڈت بھی تھے۔ ٹھیکانہ محلہ مین رہتے اور پنڈت سالگ رام کے خاندان سے تھے ۱۲

[۴] معمولی لکھنے والون مین تھے، مگر پنڈت اچھے تھے ۱۲

ہو کر راجہ صاحب کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔

مہاراجہ ٹکیت رائے کے گردنے اِن کے نام ایک چٹھی مین لکھا تھا کہ "ہزارون روپیہ سال نواب صاحب کے یہان سے پیدا کرتے ہو" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دکھیت مہراج کا دربار شاہی سے بھی توسل تھا۔ اس چٹھی کی پوری نقل دیوان روشن لال صاحب کے بیان مین اُوپر درج ہو چکی ہے۔

سنبھل مراد آباد کی چٹھیون سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہان بھوانی شنکر کے رشتہ دار زیادہ تھے، جن مین سے ایک رشتہ دار نے محض اپنی ناموری کے لئے ایک شادی کی تقریب مین انھین بڑی عاجزی کے ساتھ بلایا تھا۔ سُنا جاتا ہے کہ بھوانی شنکر کے زمانے مین لڑکیون کی شادیان قنوج، اوگو، سنبھل، مراد آباد کے نامی اور دولت مند خاندانون مین بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھین، جن مین دیگر قیمتی سامان کے علاوہ چاندی کے برتن آٹھ آٹھ دس دس ہزار روپیہ نقد جہیز اور بجائے بہنگیون کے مٹھائی اور پکوان سے بھرے ہوئے کئی کئی چھکڑے دیئے گئے تھے۔ اِن کے یہان کی "پراکین" اور "پوریان" مشہور تھین، جو شادی بیاہ کے موقعون پر تیار کی جاتی تھین پراکین دو قسم کی ہوتی تھین۔ ایک وہ جو محض رسم[۵] کے طور پر خالص شکر کی سانچہ کے ذریعہ سے ڈھالی جاتی تھین، دوسری میدہ کی خستہ و نہایت لذیذ جس مین میدہ اور کھویا بھرا جاتا تھا۔ شکر والی پراکین انگریزی سیر (؟) سے مطابق بیس بیس سیر کی اور میدہ والی چار پانچ سیر سے کم نہین ہوتی تھین۔ پوریان نہایت صاف، کاغذ کی طرح باریک، دو ہاتھ کے قطر کی تیار ہوتی تھین دریاباد کے برہمنون مین اِس رسم کو اِس فیاضی کے ساتھ کسی نے نہیں ادا کیا۔ رگھناتھ پانڈے کے یہان بھی بہت بھاری پراکین تیار کی جاتی تھین، مگر، وہ چار پانچ سیر سے زیادہ وزنی نہین ہوتی تھین۔ دکھیتون کے یہان کی پراکون کی شہرت سُن کر انھون نے دکھیتون کے یہان سے ایک سانچہ منگوایا تھا، جسے دیکھ کر اُن کے حواس باختہ ہو گئے، حالانکہ وہ خود شکر کے کارخانہ دار تھے بہرحال ہندو کے ردنہ صرف مسلمانون کو اور شادی بیاہ کی تقریبون مین شہر بھر مین عام طور پر کیا ہندو کیا مسلمان، سب کو مذکورہ بالا پوریان اور ایک فٹ قطر والی عمدہ کچوریان معہ دیگر لوازم ضروری ترکاری اور چٹنی وغیرہ کے بافراط تقسیم کی جاتی تھین کہ ایک آدمی کا حصہ پانچ چھ آدمیون کو کافی ہوتا تھا" اس سے دکھیت مہراج کی فیاضی، بے تعصبی اور اُولوالعزمی اچھی طرح ثابت ہوتی ہے۔

ہر پرشاد اوستھی بیان کرتے تھے کہ بھوانی شنکر دان پُن خوب کرتے تھے۔ جب کبھی بنارس اور اجودھیا جی تیرتھ کی غرض سے جاتے تو وہان ہزارون روپیہ خرچ کرکے سادھوؤن اور محتاجون کو نہال کر دیتے تھے۔ اِن کے دروازے پر روزانہ خیرات بھی ہوتی تھی۔ ان مین سب باتین اچھی تھین، لیکن یہ بڑا بھاری عیب تھا کہ غیر خاندان والون کی ترقی اور اُن کی نمود و شہرت دیکھ کر جل جاتے تھے۔ اِن کی ہمیشہ یہی خواہش رہا کرتی تھی کہ دریاباد مین کوئی

[۵] اکثر برہمنون مین یہ رسم ہے کہ حسب حیثیت خالص شکر کی پراکین بھی پکوان مین شامل کر کے جہیزی سامان کے ساتھ نوشہ والے کو دیتے ہین اس سے لڑکی والے کی علو ہمتی اور دولت مندی کا اظہار ہوتا ہے ۱۲۔

ہمارے مقابل شان و شوکت والا نہ ہو، سب ہم سے نیچے ہی رہیں اور ہماری خوشامد کیا کریں۔ اسی بنا پر انھیں روشن لال صاحب سے ہمیشہ دلی بغض رہا اور ہمارے چچا من سُکھ تا زندگی ان سے ناراض رہے۔ کیونکہ دیوان جی کو میاں الماس بہت مانتے تھے، اور من سُکھ دیوان جی کے داروغہ تھے۔ اس سے بھوانی شنکر کی سخاوت ظاہر ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت میں رشک و حسد کا مادّہ بھی تھا۔

بھوانی شنکر کے گرو نے ایک مرتبہ انھیں لکھا تھا کہ :- "جب سے تم بیمار ہو کر لکھنؤ سے گئے، کچھ حال نہ معلوم ہوا۔ مہاراجہ صاحب تمکو بہت یاد کرتے ہیں۔ ہمکو معلوم ہوا ہے کہ دیوان روشن لال جی نے تم سے بالمیکی رامائن پڑھنے کو لئے مانگی تھی، تمنے دینے میں عذر و حیلہ کیا، دیوان جی کو اس بات کا بڑا ملال ہوا، اور ہمکو بھی افسوس ہوا۔ ساون سُدی دوج سمبت ۱۸۴۳ بکرمی"۔ اس چٹھی کا پورا ترجمہ روشن لال صاحب کے بیان میں اوپر درج ہو چکا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سمبت ۱۸۴۳ بکرمی میں سخت بیمار ہو گئے تھے۔ مہاراجہ صاحب ممدوح ان کو بہت چاہتے تھے۔ یہ کسی قدر بد اخلاق اور مغرور بھی تھے۔ بھاشا زبان سے واقف اور بلاوجہ جھوٹ بولنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

بھوانی شنکر کی وفات کے بعد ان کے لڑکے پنڈت پراگدت کاروبار کی دیکھ بھال کرتے رہے اور بلدی رام اپنے بھائی کی جگہ پر راجہ بھوانی دین (جانشین مہاراجہ ٹکیٹ رائے) بہادر کے یہاں ملازم ہوئے۔ ایک رسید میں تحریر ہے: "منگل ٹھاکر پرشاد دیکھت ساکن دریاباد۔ جون در سرکار راجہ بھوانی دین صاحب نوکر قدیم تنخواہ از ابتدائے نوکری معرفت بلدی رام قبھت دام دام وصول یافتہ سمبت ۱۸۹۵ بکرمی"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلدی رام اب سے ۸۰ برس قبل موجود تھے اور راجہ بھوانی دین صاحب کے تحویلدار تھے۔

تخمیناً ۱۰ برس تک کاروبار بدستور قائم رہا۔ بلدی رام و پنڈت پراگدت کے مرتے ہی بنا بنایا کھیل بگڑ گیا یہاں تک کہ سمبت ۱۹۰۹ بکرمی میں سرجو پرشاد، رام ادھین، شری کرشن (مالک جائداد بھوانی شنکر) بلدوا در کنہیا پانڈے کے قرضدار ہو گئے، جو گوپال سیوک دیکھت کی ایک ہندی چٹھی سے ثابت ہوتا ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد مکان کھدنے لگا۔ اینٹیں اور بیش قیمت چوبی چیزیں کوڑیوں کے مول فروخت ہونے لگیں۔ آخرش نوبت باینجا رسید کہ سنہ ۱۸۸۰ء کے قبل قریب قریب کُل مکان ہمیشہ کے لئے بے نام و نشان ہو گیا۔ خاندان والے پریشان ہو کر آوارۂ وطن ہو گئے۔ محلہ کے بہت سے بیشہ ور کوری وغیرہ پورہ خوبان میں آباد ہو گئے۔ افسوس ہے کہ دیکھتوں کے خاندان میں اب صرف رام سُوچیت اور مُنّو دیکھت باقی رہ گئے ہیں جو اپنے قدیم مکان میں تاحال صحیح و سلامت۔ (دیکھتانہ محلہ)۔

قاضی محمد مُشرف صاحب

شاہ عالم بادشاہِ دہلی کے حکم سے ذریعۂ فرمانِ سلطانی سنہ ۱۱۹۰ھ میں منصب قضا پر فائز ہو کر سنہ ۱۲۰۴ھ میں چودہ برس اپنے فرائض منصبی انجام دینے کے بعد علیٰحدہ ہو گئے تھے، جو قاضیوں کے یہاں کاغذات دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے۔ حدیقۃ الارض سے معلوم ہوتا ہے کہ موضع بسرگراں کی معافی میں تھا۔ ان کا مکان محلہ محرران میں بھولا

پرشاد نیپاری کے مکان سے متصل پچھم طرف مسجد کے اُتر جانب واقع تھا۔ یہ مکان قاضی سالار بخش صاحب کے نام سے اب تک مشہور ہے، حالانکہ مکان کا کہین نشان بھی نہین۔ افسوس ہے کہ اِس سے زیادہ اِن کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ (محرران)

سیّد امام علی صاحب خطیب

سنی المذہب، از خاندان میران غوث، محمد علی صاحب کے بیٹے، مشہور خطیب تھے محضرنامہ نوشتہ قاضی محمد نور الحق صاحب اور بیعنامہ نوشتہ رعایت اللہ وغیرہ بنام مولوی مخدوم بخش صاحب سے پتا چلتا ہے کہ سیّد صاحب ۱۱۸۸ھ کے قبل جوان ہو چکے تھے اور ۱۲۱۰ھ مین بہ قید حیات تھے۔ اِن کے دادا شاہ محمد بہت بڑے عالم اور مشہور و معروف مُفتی تھے، جن کا ذکر باب ۲ فصل ۲ مین درج ہو چکا ہے۔ (میران نگری، حال مردہی محلہ)

گیادت دیجھت کوتوال

کانکبج برہمن، از خاندان شانت دیجھت دریابادی، امرت لال کے لڑکے، بھوانی شنکر کے بھتیجے، نوابی مین مشہور کوتوال، شطرنج کے شیدائی اور اعلیٰ ماہر۔

یہ زبردست قدآور جوان اور رعب دار ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت خوبصورت اور بہادر بھی تھے ان کی آواز اِس قدر خوفناک تھی کہ جب یہ زور سے بولتے تھے تو بڑے بڑے سپاہی کانپ اُٹھتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن یہ اپنے بھائی شیودین کے پاس مہتاب باغ مین موجود تھے کہ یکایک بادشاہ کی سواری آگئی اِنھون نے سلام کیا، بادشاہ ان کی صورت دیکھتے ہی ایسا خوش ہوئے کہ اُسی وقت اِنھین شہر کی کوتوالی کا پروانہ عطا ہو گیا۔

کوتوال صاحب بڑے عقلمند تھے، اور اگرچہ فارسی دان نہ تھے، لیکن محض جاہل بھی نہ تھے۔ ہندی بھاشا اچھی طرح لکھ پڑھ سکتے تھے۔ سرکاری کاغذات لکھنے کے لئے ایک مُتصدی اِن کے پاس نوکر تھا جو کُل واردات وغیرہ فارسی مین قلمبند کیا کرتا تھا۔ پندرہ برس کوتوالی پر مامور رہے۔ پانچ برس لکھنؤ مین، پانچ برس گونڈہ مین، پانچ برس دریاباد مین۔ نواب آصف الدولہ بہادر کی وفات پر خود ملازمت سے علیحدہ ہو کر خانہ نشین ہو گئے اور پھر جب تک زندہ رہے، نوکری کے خواستگار نہین ہُوئے۔

خانہ نشینی کی حالت مین گیادت ہر روز صبح اُٹھ کر اشنان کرکے کامل ایک پہر تک پوجا کرتے، بعد اُس کے کھانا کھا کر دن بھر شطرنج کھیلا کرتے تھے۔ اِس فن کو انھون نے لکھنؤ مین کسی مشہور اُستاد سے حاصل کیا تھا۔ لاولد وفات پائی (دیجھیانہ)

لالتا دت تمندار

عرف للّو، گیادت کو قوال کے بھائی، شاہی مین تمندار[۵] تھے۔ مہاراجہ ٹکیت رائے کی مہربانی سے اس عہدہ کا منصب انھین عطا ہوا تھا۔ یہ گھوڑے پر خوب سوار ہوتے تھے اور سواری کے وقت زرین ڈابکر مین لگاتے تھے۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے سے نواب سعادت علی خان کے عہدِ حکومت تک زندہ اور الطافِ شاہانہ سے سرفراز رہے۔ (ذیحیتانہ)

داروغہ شیو دین دچھت

بلدی رام دچھت کے بیٹے، بھوانی شنکر کے حقیقی بھتیجے، نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین مہتاب باغ کے داروغہ تھے، شیش محل کے متعلق بھی کچھ کام سپرد تھا۔ آصفی دورِ حکومت اِن کے حق مین بھی اکسیر سے کم نہ تھا۔ انھون نے اپنے ٹھاکردوارہ کے لئے تین سو پینسٹھ روپیہ سالانہ کا فرمان دربارِ اودھ سے حاصل کیا تھا، جو لطورِ نانکار نوابی زمانہ تک علاقہ ورسے مسیٔ (پرگنہ رُدولی) سے برابر ملتا رہا۔ (دیحیتانہ)۔

لالہ سیوک رام صاحب ناظم

دیوان روشن لال صاحب کے فرزند سوم، فیاضی و سخاوت مین قابلِ تعریف، بہ عہد نواب آصف الدولہ بہادر نظامت کے معزز عہدہ پر ممتاز۔ زمانۂ ملازمت مین جو کچھ پیدا کیا، اُس کا معقول حصہ غریبون اور شریفون کی امداد و پرورش مین صرف کر ڈالا۔ نیک نامی کے ساتھ زندگی بسر کی، ایک بازار و پختہ سرا بنوا کے اپنی وطن پرستی کا ثبوت دیا۔ زندگی بھر اپنے بھائیون کے فرمانبردار رہے۔ نہایت نیک اور سادی وضع کے بزرگ تھے۔ لاولد وفات پائی۔ (مہرران)

امیر خان صاحب کمیدان

پٹھان، بڑے شجاع و دلیر، بہ عہد نواب سعادت علی خان بہادر نامی کمیدان، دریاباد کی فوج مین تعینات تھے۔ پہلے سپاہیون کے جمعدار ہوئے۔ بعد اُسکے رفتہ رفتہ ترقی کرکے کمیدانی کے اعلیٰ عہدہ پر سرفراز ہو کر بڑی عزت و ناموری حاصل کی تھی۔ انھون نے ایک عمدہ امام باڑہ بنوایا تھا۔ یہ عمارت جامع مسجد سے متصل واقع تھی۔ کمیدان صاحب کا مکان پختہ رائے صاحب کے مکان سے متصل پشت پر اُس جگہ تھا، جہان لالہ سواری لال صاحب ماتھر رہتے تھے۔ اب سے تخمیناً انتیس چالیس برس قبل خاندان تباہ ہو کر نیست و نابود ہو گیا۔ (سرائے گی محلہ)

---

۵ ایک فوجی عہدہ کا نام ۱۲

لالہ لیکھراج صاحب

لالہ امراؤ سنگھ صاحب کے فرزند دوم، راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے برادر خورد، کپتان فتح علی خان صاحب کے دیوان تھے۔ لیکن تاریخ پانڈے الودھا، صفحہ ۱۳۵، خانہ کیفیت سے پتہ چلتا ہے کہ "یہ دیوانِ جیب خاص بادشاہ اودھ کے تھے"۔ راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے مرنے کے بعد انھوں نے ذاتی طور پر اپنا مکان مغلانی محلہ میں تعمیر کرایا تھا، جو ابتک "لیکھراج محل" کے نام سے مشہور ہے۔ اِن کی اولاد میں بابورام، دیبی پرشاد عرف بیبی پرشاد، منولال، جنھوں نے اپنے باپ کا مکان آغا حسن خان صاحب رئیس دریاباد کے ہاتھ فروخت کر ڈالا اور اُن سے تعلقدار کمیار نے سنہ ۱۸۹۰ء میں خرید کر کے کھُد وا ڈالا جسکی اینٹین اپنے تالاب وشیوآلہ کی تیاری میں صرف کین۔ ۳۲ برس کا زمانہ ہوا کہ لیکھراج صاحب کا نام ونشان دریاباد سے مٹ گیا۔ اِن کے بیٹوں کی اولاد لکھنؤ وغیرہ میں موجود ہے۔ (مغلان)

لالہ درباری لال صاحب

لالہ امراؤ سنگھ کے فرزندِ سوم، راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے منجھلے بھائی، سلطنت اودھ کے چکلہ دار تھے۔ غازی الدین حیدر بادشاہ کے زمانے میں اِن کا بھی زمانہ خوب موافق تھا۔ ان کے چھ بیٹے اور تین بیٹیاں تھین، جن کی اولاد میں لکھنؤ میں اس وقت تک موجود۔ درباری لال صاحب کے چھوٹے بھائی بیربل صاحب کی اولاد اجودھیا جی میں ہے۔ (محرران)۔

منشی دیپ چند صاحب میر منشی

ماتھر کایستھ، چھتری درن، از نسل دُرگا داس (خاندان رائےصاحب) سردار سنگھ ابن مہا سنگھ صاحب رئیس اور چودھری و قانونگو کے فرزند اول، الطافِ شاہی سے سرفراز، نظامتِ دریاباد کے دفتر میں میر منشی کے عہدہ پر مامور تھے۔ تنخواہ کے علاوہ پانچ سو روپیہ سالانہ نانکار بھی مقرر تھی۔ غالباً نصیر الدین حیدر بادشاہِ اودھ کے زمانے میں بقیدِ حیات تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "اِن کے مکان کی حفاظت کے لیے ایک دستہ سپاہیوں کا شاہی حکم سے دن رات ہمیشہ تعینات رہا کرتا تھا"۔ لاولد وفات پائی۔ (پھاٹک اندر)

منشی شنکر سہائے صاحب

لالہ درباری لال صاحب چکلہ دار کے فرزندِ پنجم، راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے حقیقی بھتیجے، بادشاہِ اودھ کے دیوانِ جیبِ خاص، منشی ہفت قلم۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے وقت میں مراحمِ سلطانی سے سرفراز تھے۔ اولاد میں لالہ کدار ناتھ ہیں۔ (محرران)

---

۱ غازی الدین حیدر بادشاہِ اودھ کے مصاحبِ خاص، اور متدین کارندے، حرم الکشاہی کے داروغہ تھے ۱۲ ۲ ۳ ۴ خاندانی حالات کے لیے باب۲، فصل ۲ میں راجہ بھوانی پرشاد صاحب کا ذکر ملاحظہ ہو ۱۲۔

لالہ گلال چند صاحب قانونگو

سردار سنگھ ابن مہا سنگھ صاحب چودھری و قانونگو کے فرزند دوم، منشی دیپ چند صاحب میر منشی کے برادر خورد، بڑے اُولوالعزم اور امیر دل بزرگ تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ گلال چند صاحب نے اپنی بیٹی کی شادی میں دل کھول کر روپیہ خرچ کیا تھا۔ منشی بہاری لال صاحب جو دفتر سلطانی میں کسی معزز عہدہ پر ممتاز تھے، کے ساتھ لڑکی کا بیاہ ہوا تھا۔ برات لکھنؤ سے آئی تھی۔ لالہ گوربخش سنگھ صاحب تعلقدار رامنگر دھمیڑی، بھیا رام سنگھ صاحب رئیس سیف آباد و نائب ریاست ہرایا کے علاوہ ناظم کندن لال صاحب پاٹھک (سیسینڈی) راجہ بختاور سنگھ صاحب ناظم دریاباد وغیرہ معزز رئیس شاہی کی برات میں شریک تھے۔ دیوان روشن لال صاحب کے بعد دریاباد میں یہ دوسری شادی ہوئی تھی جس کی غیر معمولی شان و شوکت آج تک نہ دیکھی نہ سنی۔

اِن کی لکھی ہوئی دو پوتھیاں منشی گربت رامائن و اسکند پران اور بیعنامہ و تمسک رعایت اللہ وغیرہ بنام مولوی مخدوم بخش صاحب سے پتا چلتا ہے کہ منشی گلال چند صاحب سنہ ۱۲۳۳ھ سے قبل قانونگوئی کے عہدہ پر مامور ہو چکے تھے اور انھوں نے اِن پوتھیوں کو لکھنؤ میں لکھا تھا۔ سنہ ۱۲۴۶ھ میں نوکری سے بیکار رہنے کے بعد سنہ ۱۲۴۸ھ میں پھر دوبارہ انھیں چودھرائی کا لقب اور قانونگوئی کا عہدہ نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے دربار سے عطا ہوا تھا جس کا شکریہ مذہبی اعتقاد سے کیا گیا تھا۔ اِس سے ان کی دینی عقیدتمندی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

یہ قانونگو ہونے کے علاوہ ٹیما، کھان پور، ہنولی تین مواضعات کے زمیندار بھی تھے۔ اِن کی اولاد میں شیو دیال کے بیٹے شمبھو دیال اور اِن کے چھوٹے بھائیوں رام دیال وغیرہ کی نسل میں بانکے بہادر، چھیدی لال وغیرہ بہ قید حیات۔ یادگار میں پختہ دو منزلی حویلی اب تک موجود۔ (پھاٹک اندر، حال ٹھیکا نہ محلہ)

منشی سرجو پرشاد صاحب

ماتھر کائستھ، چھتری ورن، لالہ خوشحال رائے صاحب کے فرزند اکبر، بخشی گری کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے زمانے میں بخشی ہوئے۔ نظامت اور چکلہ کے متعلق دفتروں میں نہایت مستعدی و ہوشیاری سے اپنے فرائض تا زیست انجام دیتے رہے۔ ملازمت کا زمانہ گونڈہ، بہرائچ، سلطان پور، خیر آباد، دریاباد میں گذرا۔ یہ بڑے نصیب ور، ذی حوصلہ، اور دریاباد کے سر برآوردہ معززین میں شمار تھے۔ اِن کے چھوٹے بھائی

٥ یہ نہایت ملنسار، زندہ دل، خوش وضع، خوش مزاج، مہمان نواز بزرگ ہیں۔ عرصہ تک ریاست رائے مئو میں نائب و مختار عام رہے۔ انھیں تعمیر کا بڑا شوق ہے۔ چنانچہ انھوں نے قدیم اور مخدوش بیرونی کمرے کو ایک خوبصورت بارہ دری کی شکل میں منتقل کرنے کے ساتھ ساتھ شکستہ پھاٹک کو بھی از سر نو درست کرا دیا ہے جس سے بزرگوں کی یادگار ایک مدت کے لئے زندہ اور مستحکم ہو گئی۔ یہ ہوس ٹیکس کے ممبر بھی ہیں ۱۲۔

منشی نند کشور صاحب بھی اچھے عہدہ پر تعینات تھے - انھون نے اپنے بزرگون کے بقائے نام ونشان کی غرض سے قدیم اور معمولی مکان کو از سر نو عمدہ اور پختہ تعمیر کرا کر اپنی سعادتمندانہ یادگار قایم کی، جو اس وقت تک استحکام کے ساتھ موجود - اولاد میں گوبند پرشاد صاحب اولاد - خاندانی حالات باب ۲ فصل ۳ منشی مہال رائے صاحب کے بیان مین ملاحظہ ہون (دیکھیتانہ)

شیخ مخدوم بخش صاحب چکلہ دار

منشی نبی بخش صاحب عاصی کے فرزند دوم، منشی خدا بخش صاحب شایق کے برادر کلان، چکلہ داری پر ممتاز - اپنے والد سے فارسی و عربی کی تعلیم پائی تھی، حیدر گڈھ کے چکلہ دار تھے - ان کی شادی شیخ عبد العلی صاحب بن حافظ محمد علی صاحب (از اولاد مخدوم شاہ عبد الحق صاحب قدس سرہ اللہ و عارف کامل قصبہ رُدولی ضلع بارہ بنکی) کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی - روزہ و نماز کے پابند، خلیق، ملنسار، نیک طینت، آبائی وضع کے بزرگ تھے سنہ ۱۲ھ میں وفات پائی - اولاد مین مظہر حسین کی نسل اس وقت تک قائم، مکان محلہ حسینی مین موجود -

پنڈت نارائن دت مشر

از خاندان پنڈت رام پرشاد مشر، شاکدیپی برہمن، مذہبی خدمت مین مشہور و معروف سنسکرت سے حسب ضرورت معمولی طور پر آشنا، اگر بھاشا مین صاحب استعداد مشہور ہیں کہ دریاباد مین پہلے انھیں کے رام لیلا کی شہرت تھی - دُور دُور سے لوگ دیکھنے کے لئے آتے تھے - دسہرہ کے دن میلے مین اس قدر کثرت ہوتی تھی کہ بدن سے بدن چھلتا تھا اور کوڑے پر کوڑے برستے تھے - اس مبارک رسم کے بانی مبانی اس وقت نارائن دت ہی تھے، جن کی بے لوث عقیدتمندانہ کوششون سے قدیم آرین جاہ وجلال، آرین فتح وظفر کا تماشا اور مقدس نظارہ ہر سال ہندوؤن کی آنکھون کو روشن کرتا تھا - لیلا کے متعلق مصارف کا دار و مدار چندہ پر تھا جب تک پنڈت جی زندہ رہے اپنے خاص اہتمام سے غیر معمولی دھوم دھام کے ساتھ دسہرہ کا مسرت انگیز جشن مناتے رہے - ٹھاکر دوارہ نقش تکیہ کے بھی یہی مہتمم تھے -

مشر جی بھاشا کے شاعر بھی تھے - چند کبت ان کی تصنیف سے، جن مین مولوی امیر علی صاحب اور منوہان گڈھی کے واقعہ کا ذکر ہے، سُننے مین آئے ہین، جو دلچسپی سے خالی ہین - ان کبتون سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مشر نارائن دت واجد علی شاہ

ملے عہد نصیر الدین حیدر بادشاہ چکلہ و نظامت کے دفترون مین دیوانگری و پیشکاری اور تحصیلداری کے عہدون پر وقتاً فوقتاً مامور ہو کر گونڈہ بہرائچ، سلطانپور، خیرآباد، دریاباد مین تا زندگی تعینات رہے - نامی پہلوان بھی تھے - لاولد وفات پائی ۱۲ھ ان کے دو بیٹے گوپال پرشاد، سورج بھوشن لال - یہ سلطانپور مین سررشتہ دار تھے، عین جوانی میں لاولد فوت ہوئے - منشی گوپال پرشاد صاحب اس وقت تک بقید حیات اور صاحب اولاد - عرصہ تک ریاست شاہ پور (گونڈہ) مین پرائیویٹ سکریٹری رہے - عمارت کے خاص طور پر شوقین ہیں - آبائی مکان کی ضروری ترمیم و مرمت کے ساتھ ساتھ ایک نئی پختہ خوبصورت بارہ دری بھی تعمیر کرائی ہے جس سے قدیم مکان کی زینت دوبالا ہو گئی ہے - اس بارہ دری کی آراستگی کے لئے فرش اور شیشہ آلات وغیرہ ضروری سامان بھی خرید کیا گیا ہے ۱۲ -

کے زمانے میں بہ قیدِ حیات تھے۔

شاعری کے علاوہ مشر مہراج موسیقی کے نکات بھی خوب سمجھتے تھے۔ چنانچہ سُنا جاتا ہے کہ "ایک مرتبہ رائے ابطرام بلی صاحب کے یہاں ہولی کے موقع پر بھری محفل میں اجودھیا کا مشہور کتھک تیلودین نامی مجرے کے لئے کھڑا ہوا اور اس نے ہولی کا یہ بد (شعر) "اب نا ہیں ڈگر نکرن کی رہی بچھون اُڑ رند یار نگ سے بھری" گایا اور گانے کے ساتھ ہی بھاؤ بتانے کے لیے آگے قدم بڑھایا، مشر جی بھی موجود تھے، فوراً بول اٹھے "کتھک جی! یہ کیا؟ اس بد کو تو اُسی جگہ سمجھانا تھا" چونکہ ان کا یہ اعتراض موقع ومحل کے لحاظ سے بجا نہ تھا، اس لیے تیلودین نے ندامت کے ساتھ اپنی غلطی تسلیم کی اور حاضرین دنگ ہو گئے۔" اولادِ نرینہ کوئی نہ تھی۔ خاندانی حالات کے لئے بابت بھسول، ذکر پنڈت رام پرشاد ملاحظہ ہو۔ (چھیپی ٹولہ)

شیخ محمد حسین صاحب میجر

دریاباد کے قدیم باشندوں میں سے مولوی فرید بخش صاحب تمندار کے بیٹے، بڑے بہادر اور جری، شاہی میں فوج کے میجر تھے۔ شروعِ انگریزی میں بہ قیدِ حیات، تخمیناً ۷۵ برس کا سن۔ ان کے بیٹے مولوی جعفر حسین صاحب کی اولاد میں شیخ مقبول حسین آبائی پختہ مکان پر قابض اور فیض آباد میں اہلمدی پر مامور۔ (قضیاء حال مخدوم زادگاں)

لالہ لچھمن پرشاد صاحب

شری واستو یہ دوسرے کائستھ، از خاندانِ محرران دریابادی، لالہ ہزاری لال صاحب کے بیٹے، اصلی نام لچھمی نرائن عرف لچھمن پرشاد، بڑے امیر دل اور امیرانہ زندگی بسر کرنے میں مشہور، بیگم دریاباد کے دیوان لالہ برج موہن لال صاحب لکھنوی کے پیشکار رہتے تھے۔ ذاتی آمدنی کثیر تھی جس سے ان کے گھر پر امارت کی شان رہتی تھی۔ مکان پختہ اور بہت بڑا وسیع دو منزل کا تھا جس کی مردانہ نشست والی بارہ دری نہایت نفیس بنی ہوئی تھی۔

منشی جی خوش وضع اور خوش پوشاک تھے۔ قیمتی چکن، انگرکھا، شملہ، بڑے پائنچے والا پاجامہ، عمدہ زری کا جوتا کچہری یا تقریب کے موقع پر اور مکان پر روزمرہ دھوتی انگرکھا چوگوشیہ ٹوپی پہنتے تھے۔ آن بان والے بھی تھے۔ شاہی عہد کے بعد عمر بھر کسی دوسرے کی نوکری نہیں کی۔ امارت کی بابت سُنا جاتا ہے کہ "ان کے پاس شال دوشالے نقرئی ظروف وغیرہ قیمتی چیزوں کے علاوہ ایک نیچہ ساٹھ روپے قیمت کا تھا۔" (محرران)

لچھمن پرشاد صاحب شروعِ انگریزی عملداری میں بہ قیدِ حیات تھے۔ ان کے بیٹے منموہن لال آبائی نام ونشان مٹا کے ۱۸۸۰ء میں تارک الوطن ہو گئے۔ سنہ ۱۸۸۰ء کے قریب گجادھر پور (گونڈہ) خرید کیا اور وہیں سکونت اختیار کی ۱۸۹۶ء میں وفات پائی۔ لچھمن پرشاد صاحب کی یادگار میں مکان کے متعلق پختہ کنواں اور ایک باغ اب تک موجود ہے۔

۵ منشی منموہن لال صاحب کے چار بیٹے، بڑے منشی جوالا پرشاد صاحب فوت ہو گئے۔ اولاد میں گنپت لال کا بیٹا بہ عمر ۱۷ سال موجود تیسرے صاحبزادہ منشی چند کا پرشاد صاحب آج کل کلکتہ میں ہیڈ اکاؤنٹنٹ، اکیسو اسّی روپیہ ماہوار مشاہرہ، صاحبِ اولاد ہیں، چوتھے

مرزا آغا حسن خان صاحب چکلہ دار

بڑے خوش نصیب، شجاع، دربارِ شاہی مین باریاب، چکلہ داری کے عہدہ پر ممتاز، دُور دُور تک کے بڑے بڑے آدمی اِن کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔

لالہ دیبی دین صاحب بیان کرتے ہین۔ "مرزا سالار بخش مغل نوابی مین پلٹن کے جمعدار تھے۔ اِن کے لڑکے آغائی صاحب[1]، مرزائی صاحب[2]، آغا حسن خان، آغا حیدر خان۔ سالار بخش کی شادی مرزا امام بخش صاحب (رُدولی) کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی، جو اُس وقت چکلہ داری پر مامور تھے۔ آغائی صاحب وغیرہ چارون بھائیون کی تعلیم و تربیت کا بار مرزا امام بخش صاحب نے اپنے ذمہ لیا اور اُنھیں کی کوشش سے آغائی صاحب سلطان پور کے ناظم آغا حسن خان صاحب دریاباد و رُدولی کے چکلہ دار مقرر ہوئے، مرزائی صاحب اور آغا حیدر صاحب بھی لکھنؤ مین معزز عہدون پر مامور ہو گئے۔ آغائی صاحب نے دریاباد چھوڑ کر لکھنؤ مین سکونت اختیار کی، مگر آغا حسن خان صاحب عرصہ تک دریاباد مین رہے جنھیں ہمنے خود چکلہ داری و بندوبست کے زمانے مین دیکھا ہے۔ بیگم راج والا محل آغا حسن خان صاحب نے انگریزی زمانے میں خرید کیا تھا۔ اُسی مین وہ رہتے تھے، لکھنؤ مین بھی اپنے بھائی کے پاس رہا کرتے تھے۔ مدّت کے بعد یہ مکان خود آغا صاحب کے خاندان والون نے رانی صاحبہ کپیار کے ہاتھ بیچڈالا تھا۔ ناظم صاحب کے ماموں کا مکان رُدولی مین ابتک موجود ہے۔ سُنا ہے کہ نواب علی نقی خان بہادر اِن کے رشتہ دار تھے۔ انھون نے بھی اپنے بھائیون کی

صاحبزادہ بابو ادیا پرشاد صاحب، گی دھر پور سکونت، کاشتکاری ذریعۂ معاش، صاحبِ اولاد۔ دوسرے صاحبزادہ بابو بالا پرشاد صاحب تھے۔ ۱۸۹۱؁ء مین بہ اعانت جناب نواب اکرام اللہ خان صاحب (مخاطب بہ نواب یار جنگ بہادر سکنہ کاکوری) ریاست رامپور مین ملازمت اختیار کی، ۱۹۰۳؁ء مین والیٔ رامپور کی ملازمت ترک کر کے دسمبر ۱۹۰۵؁ء میں ریاست بلرام پور (گونڈہ) مین تحصیلدار مقرر ہوئے۔ ۲۰ اگست ۱۹۱۳؁ء کو انتقال ہو گیا۔ ان کے بیٹے **کنور تشا تھ سہائے** صاحب بی اے، ایل ایل بی وکیل گونڈہ، بڑے خلیق، ملنسار، خاندان پرور۔ ۱۹۰۱؁ء مین رامپور اسٹیٹ ہائی اسکول مین انٹرنس، بعد اُسکے کرسچین کالج (لکھنؤ) مین ایف اے، پھر الہ آباد یونیورسٹی اسکول آف لا میں قانون پاس کر کے ۲۳ مارچ ۱۹۰۹؁ء سے گونڈہ مین وکالت شروع کی جہان آج کل سر برآوردہ وکیلون میں مشہور۔ گونڈہ مین ذاتی پختہ مکان بنوا لیا ہے۔ اِنھیں اپنے قدیم وطن دریاباد سے محبت اور آبائی جائداد و مکان وغیرہ تلف اور برباد ہو جانے کا سخت قلق ہے۔ کنور صاحب کے ایک بیٹی اور ایک بیٹا بقید حیات۔ بیٹی کی شادی گورکھپور کے مشہور وکیل منشی بھیرون پرشاد صاحب زمیندار مواضعات چوبی وغیرہ کے پوتے بابو رادھا کانت در ما متعلم ایل ایل بی کلاس لکھنؤ یونیورسٹی کے ساتھ ہوئی ہے جو گورکھپور مین سکونت پذیر اور آبائی زمینداری پر تا حال قابض۔ لڑکا ابھی کم سن ہے اور گورنمنٹ ہائی اسکول گونڈہ مین زیر تعلیم۔ خاندانی حالات کے لئے تیشور نرائن لال صاحب مسرم کا بیان ملاحظہ ہو جو آگے درج کیا گیا ہے۔

[1] اصل نام آغا علی خاں۔ اِن کا مکان لکھنؤ میں وکٹوریہ اسٹریٹ بر سر راہ سے متصل واقع ہے جو ایک نہایت عالی شان اور وسیع امیرانہ عمارت ہے ۱۲۔ [2] اصل نام محمد مرزا خان ۱۲۔

طرح شاہانہ الطاف سے سرفراز ہوتے ہی مذہب شیعہ قبول کرلیا تھا اور سادات میں داخل ہوگئے تھے۔ مرزا سالار بخش کا قدیم مکان دریاباد میں اُس جگہ تھا، جہاں آج کل مُنشی مُظہر سارنگی نواز کا مکان بنا ہے"۔ قصبہ کے دیگر لوگ بھی اس بیان کی تائید کرتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ سالار بخش کی قبر مخدوم زادوں کے قبرستان میں ابتک موجود ہے"۔

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ مذکورہ بالا مکان ۱۹۰۹ء میں ٹھکرائن رتراج کنور صاحبہ (تعلقدار کیاریگہ دریاباد) نے خرید کیا تھا۔ اس لئے آغا صاحب کا سلسلہ دریاباد سے منقطع ہوئے آج تک صرف ۱۳۰ برس ہوئے۔

سُنا جاتا ہے کہ مرزا ملاق بیگ صاحب کا علاقہ تشنداس پور جو گیارہ ہزار پچاسی روپیہ پر رائے صاحب کے یہاں رہن تھا، اُسے آغا صاحب نے بحیثیت جیکلہ داری فک رہن کرالیا تھا، جسے آخر میں مرزا اصغر بیگ صاحب نے روپیہ دیکر اپنی زمینداری میں شامل کرلیا تھا۔ آغا صاحب اور مرزا صاحب میں رشتہ داری کی وجہ سے بڑا میل ملاپ تھا۔ رائے صاحب اور آغا حسن صاحب سے اس علاقہ کی بابت ایک زبردست جنگ ہوئی تھی، جو "دلونہ کی لڑائی" کے نام سے آج تک مشہور ہے۔ اس لڑائی میں آغا حسن صاحب کے مددگار رسور جیور والے تھے اور رائیصاحب کے حامی کمیار وغیرہ کے سردار۔

فیصلہ رائے گنیشی لال صاحب بہادر سے پایا جاتا ہے کہ "۱۸۶۲ء میں مرزا آغا حسن خان صاحب دریاباد کے ٹھیکیدار تھے اور یہ مقدمہ گوشند پور ہونسے پور بہ مقابلہ دریاباد فریق سوئم تھے قبل مقدمہ ان کا علاقہ رائیصاحب کے یہاں مکفول تھا" لیکن، تحقیقات کہتی ہے کہ مرزا صاحب ذاتی طور پر کچھ بھی ریاست نہیں رکھتے تھے، ان کے پاس مرزا ملاق بیگ صاحب والا تعلقہ تھا، جس کا ذکر اوپر ہو چکا، اور جسے مرزا آغا حسن خان صاحب نے بذات خاص رائیصاحب کے یہاں رہن کیا تھا۔ (مغلان)

لالہ رام سہائے صاحب

شری واستو یہ دوسرے کائیتھ چھتری ورن، لالہ بستی لال صاحب کے بیٹے، زبردست ذی علم منصدی، الطافِ شاہی سے سرفراز، فیاضی میں خاص طور پر مشہور۔

لالہ صاحب کے خاندانی حالات انھیں کی لکھی ہوئی ایک مُصدقہ تحریر (صورت حال) سے جس پر قاضی نعمت حسین صاحب کی مُہر لگی ہوئی ہے، بجنسہ نقل کرکے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

"ضعیف العباد بندہ رام سہائے ولد بستی لال ابن اجودھیا پرشاد ابنا ہی تارا چند ساکن قصبہ دریاباد خاص کہ مسمی کا مراج موروث کلاں من سائل قانونگو پرگنہ خیرآباد سکنہ محلہ ناکھر پور ال ڈینگر بودھیا نجہ کا مراج موصوف برفاقت بزرگان بابو چھتر پال سنگھ تعلقدار بڑاہا تیارہ داشت برین معنی بابو وکور بجا طرداری تمام از موروث کلام مسطور

ـــه نقل مد بکار محکمۂ بندوبست ملک اودھ واقع ۵ اپریل ۱۸۶۲ء، نمبر مقدمہ ۱۵، نمبر موضع ۹۹، دعوی تنازعہ دریاباد مقابلہ گوسند پور دہونسے پور پرگنہ و تحصیل و ضلع دریاباد، راجہ مرادر بہادر سنگھ سام رائے اھرام بلی ۱۲۔

فرمودند کہ متعلقان خود را از خیر آباد آوردہ در علاقہ من مظہر سکونت نمائید چون بموجب فرمودہ بابو صاحب ممدوح دہم تحت مقتضای آب و خور مورثم جمیع متعلقان از وطن مالوفہ خودش طلب داشتہ بدریا باد خاص سر آراضی بخشیدہ بابو صاحب مذکور کہ ہنگام طلب داشتن متعلقان مورثم بجہت بود باش بخشیدہ بودند سکونت پذیر شدند و ہمین نمط از وقت بابو صاحب موصوف تا ذات مسمی کسل سنگہ مورثم ابنای کامراج مورث کلائم الطہ بدستور قدیم بر قرار ماندہ آخرش بعد چندی کسل سنگہ مذکور بعہدہ وکالت بابو اجیت سنگہ وارثان بابو چھتر پال سنگہ مذکور نوکری اختیار کردہ اجیت سنگہ ممدوح نیز تحفظ رفاقت سابقہ و بحسن سازی و کارپردازی حال راضی و شاکر گردیدہ بہ کسل سنگہ مورثم سکنہ و امر جہت تعمیر مکانات و احاطہ و ہم آراضی بنا بر باغات وغیرہ سواری عنایات قدیما واقع پیٹھ دریا آباد عنایت فرمودند چنانچہ کسل سنگہ مذکور و تارا چند پسرش نیز بحسب ارشاد و باعث یافتن آراضی در پیٹھ دریا باد خاص مکانات جہت سکونت خود ہا معہ احاطہ تیار نمودہ و باغات انبہ ہم نشانیدہ و مسمی موہن قوم پاسیان سکنہ حالت پور را بدلجوئی تمام آوردہ ملحق احاطہ عقب حویلی بآراضی یافتہ خودش مکانے برای بود باش پاسیان مذکور تعمیر کراندہ نامبردہ را آباد ساخت و مسمی اجودھیا پرشاد پسر تارا چند نبیرہ کسل سنگہ از ہمو رفاقت آراضی چند بگہ در موضع غازی پور از بابو دلجیت سنگہ برای نشانیدن باغ انبہ یافتہ چنانچہ باغ بر آراضی مذکور بموضع مسطور تا این وقت قایم و بار آور است و تا یوم الہذا بر آراضی بخشیدہ بابو صاحبان مسبوق المدح بلا شرکت و مواخذہ احدی وغیری معہ مکانات و باغات وغیرہ در سواد پیٹھ قصبہ دریا باد و موضع غازی پور وغیرہ بمنزلت من سائل در اقتباض و تصرفات مالکانہ خود دارم عرصہ قریب بست و پنج سال نہ گذشتہ باشد کہ مسمی امرت لال قوم کایستھ مسکونہ موضع دولہدی پور بہ عجز و الحاج و اظہار این معنی کہ از بود باش دیہات بہ تنگ آمدہ ام و باعث ہتک عزت و فرق در ننگ و ناموسم است از بسی لال والدم پسر اجودھیا پرشاد موصوف درخواست سکونت بہ قرب مکان نمود چنانچہ والدم مسمی بسی لال مسطور بر فروتنی و عجز شان مترحم مزاج متوجہ حال شدہ با احاطہ حویلی خود کہ ملحق مکان موہن پاسیان بود و مسماۃ چھپنیا کنیزک از ان خود سکونت میداشت و اینجا مسمی ناتھو پسرش بہ حیات موجود کہ او را پدر ساختہ و درخت جامن کہ در ان احاطہ بود و آن را ترا نشانیدہ بعاریتاً امرت لال مسطور از مکروہات حال خودش خانہ گذاشت و خانہ سکونت او کہ از احداث کردہ مورثانم مرقومہ بالا است و بوجہی من الوجوہ حق ملکیت احدی بدان تعلق نیست و نمی رسد درین ولا از آبادی ویران و افتادہ است پس ہر کہ را بر صحت این حال و صداقت این مقال اطلاع و آگاہی بودہ باشد گواہی خود برین قرطاس ثبت نماید و اگر خود قادر کتابت نباشد تا بدیگری نوشتن اجازت دہد کہ عند اللہ ماخوذ و عند الناس مشکور خواہد بود دوم محرم ۱۲۵۱ھ ہجری ''

لالہ رام سہائے صاحب نے فارسی میں قابلیت پیدا کر کے بہ عہد محمد علی شاہ (۱۲۵۳-۱۲۵۸ھ) دربار شاہی میں ملازمت حاصل کی اور شاہی متصدیوں میں نامزد ہو کر کار متعلقہ بہ ہوشیاری انجام دینے لگے - امجد علی شاہ کے زمانے میں بادشاہی حکم سے بہ عہدۂ خاص تحریری مدبر الدولہ راجہ جوالا پرشاد صاحب بہادر کی ہمراہی میں تعینات ہوئے - سنہ ۱۲۶۲ھ میں ان کے کار متعلقہ میں اضافہ ہوگیا - اب یہ راجہ جوالا پرشاد صاحب کے دفتر کے علاوہ بابو پورن چند صاحب

ملک دستہ شاہی دفتر کے معزز عہدیدار تھے ۱۲ -

کے ہمراہ کام کرتے ہوئے راجہ کندن لال صاحب کی پیشدستی مین بھی کار متعلقہ انجام دینے لگے۔ سنہ ۱۲۶۷ھ مین تصحیح تنخواہ کا کام سپرد ہونے کے ساتھ ساتھ دریاباد رُدولی وغیرہ کی فوج و توپخانہ کے بخشی بھی ہوگئے جس کی تصدیق کے لئے چند شاہی پروانون کی نقلین حسب ذیل ہین۔

(۱) نقل نوشتہ بمہر راجہ مان سنگہ بہادر قائم جنگ مرقوم دوم شہر ربیع الاول سنہ ۱۲۶۶ ہجری بنام مصر ہرگو بند رام تحصیلدار دریاباد مصر صاحب مہربان مصر ہرگوبند رام سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ظاہر او درسال گذشتہ آبکاران دریا آباد بوقوع تکرار از آبکار دوکان معافی بودہ لالہ رام سہای متصدی ہمراہی مدبر الدولہ راجہ جوالا پرشاد بہادر حکمنامہ معلی بمعیت سزاول جاری شدہ بود آبکاران مزبور بازنامہ نوشتہ دادہ بودند فی الحال برخلاف آن مرتکب تکرار و فساد بودہ آبکار متعلقہ معافی لالہ مرقوم را ناحق تنگ و زیر باری نمایند چون لالہ مرقوم توسل از سرکار والا دارند لہذا نگارش میرود کہ بر آبکاران دریا آباد تاکید و تہدید بلیغ نمائند کہ نہار پیرامون فساد نگردند و ناحق باو فساد نسازند درین باب توقف ننماید و در زیادہ کہ درین خصوص نالش درینجا نرسد (۲) نقل پروانہ بمہر راجہ جی لال سنگہ بہادر مرقوم دوم صفر سنہ ۱۲۶۷ ہجری۔ تہور و جلالت دستگاہ دنیا سنگہ منصرم چکلہ دریا آباد محفوظ باشد ظاہر او روشن سنگہ کارندہ راجہ گوربخش سنگہ تعلقدار رامنگر در چک لالہ رام سہای متصدی ملازم سرکار والا ہمراہی مدبر الدولہ راجہ جوالا پرشاد بہادر کہ متعلق تحصیل حضور است دخل و تعرض بیجا می کند لہذا نگارش میرود کہ بہ فور ورود نوشتہ ہذا نامبردہ را از داخلت چک مسطور باز داشتہ دو نفر سپاہی جہت تحصیل از سرکار تعینات کردہ دہند تاکید بلیغ دانستہ (۳) خط مہری راجہ بختاور سنگہ ناظم محالات دریاباد وغیرہ بنام راجہ ہردت سنگہ بہادر۔ برخوردار نورچشم سعادت و اقبال نشان راجہ ہردت سنگہ بہادر زاد عمرہٗ۔ بعد دعوات ترایدعمر و درجات مطالع باد ظاہر او دریافت رسید کہ کاربرداران ہمراہی آن عزیز خلاف عملدرآمد از محصول دوکان آبکاری معافی منشی رام سہای ملازم سرکار معلی التعرض میسازند با وجود معائنہ نوشتہ مہری برخوردار بلند اقبال راجہ مانسنگہ بہادر قائم جنگ کہ سابق مشعر عدم تعرض آن بنام ہرگوبند رام مصر تحصیلدار دریاباد جاری شدہ بود ہیچک بیان نمی آرند لہذا قلمی میرود کہ کاربرداران مذکور را از تعرض و مزاحمت بیجا باز دارند بہر حال ماموران مرجوعہ منشی مسطور ممدو معاون باشند کہ بار دگر شکایت اندرین مقدمہ بسامع اینجانب نرسد تاکید مزید پندارند مرقومہ ۱۱۔ شوال سنہ ۱۲۶۷ ہجری (۴) نقل خط مہری محمد مرزائی برادر کلان آغا علی خان بہادر موسومہ سید حسن خان چکلہ دار دریاباد مورخہ پنجم رمضان سنہ ۱۲۶۷ھ۔ نورچشم راحت جان سید آغا حسن خان زاد اللہ عمرہٗ۔ بعد دعای درازی عمر و دولت واضح باد باظہار لالہ رام سہائے متصدی ملازم سرکار ہمراہی بابو پوربخند صاحب وپیشدست راجہ کندن لال صاحب بہادر معلوم شد کہ آن نورچشم زنانخانہ خوشحال آبکار ساکن پورہ لالہ معزی الیہ واقع پرگنہ دریا آباد را بہ طلب محصول دوکان آبکاری معافی شان مستفید نمودہ اند چون سابق اقرارنامجات و مچلکہ چوٹانی وغیرہ نزد لالہ معزی الیہ موجود بلکہ معائنہ نمودہ شد درین صورت لقول مذکورہ لف ہذا فرستادہ قلمی میرود کہ آن نورچشم درین خصوص کعتہ عرضگویان پذیرا نساختہ اطفال و زنان خوشحال مذکور را رہا سازند و آبکار پرداز ان آبکاری ممانعت نمایند کہ آیندہ بہ کسے نوع عملدرآمد بدستور از دوکان مسطور معترض نشوند زیادہ دعا مرقوم پنجم رمضان سنہ ۱۲۶۷ ہجری۔ مہر محمد مرزائی۔ راقم اثم محمد حسین سلام بعد شوق دعا میرساند درینمقدمہ ہر الخیہ بذل و لطف خواہد شد ہر آئنہ باعث مسرت ماخواہد بود و بس (۵) حکمنامہ باسم رام سہای ولد گوبند پرشاد ومدادی لال چون ایشان را برائے تصحیحہ تقسیم تنخواہ مردم سوار و پیادہ و عملہ توپخانہ تعیناتی ملکی علاقہ دریا آباد و رُدولی وغیرہ ابتدائے سنہ ۱۲۶۸ فصلی

---

۵ شاہی دفتر کے معزز عہدیدار تھے ۱۲۔

مقرر کردہ شد باید کہ ہدایات و امانات تمام کار سرکار و انضباط سررشتہ پرداختہ کاغذات بحسب سررشتہ ارسال کردہ باشد۔ از دقایق خیرخواہی فرو مگذاشتہ باشد و اطلاع ہر امر کماحقہ بذریعہ عرائض نمودہ باشند و تعمیل حکم سرکار را باعث بہبودی خود دانند در نہایت تاکید دانستہ حسب المسطور العمل آرند مرقوم بست و ہشتم ماہ جمادی الاول ۱۲۷۴ھ ہجری"

مذکورۂ بالا تحریر سے منشی صاحب کی بیدار مغزی، نیک نیتی، دانشمندانہ کارگذاری، جفاکشی، قابلیت بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لالہ صاحب کی دربار شاہی میں بڑی قدر و منزلت تھی اور معززین شاہی بھی ان پر خاص مہربان تھے۔ یہ اپنی مطلب براری کے لئے کسی معزز عہدیدار سے التجا نہیں کرتے تھے، بلکہ خاص بادشاہ کے حضور میں عرضداشت لکھ کر پیش کر دیتے تھے۔ چونکہ نیک نیتی کے سبب ان کی درخواست صداقت سے مملو، اصلی واقعات پر مبنی ہوتی تھی، اس لئے فوراً بے تحقیقات ان کے مزاج کے مطابق حکم صادر ہو جاتا تھا۔ چند پروانے اور بھی ملاحظہ ہوں :۔

(۱) لالہ جوتش وقت رائے اخبار نویس ہمراہ عامل دریاباد وغیرہ۔ دریافت شد کہ بعض کسان برجو تحال آبکار ساکن پورۂ لالہ رام سہائے از راہ جلش مدعت میسازند لہذا نگارش میرود کہ الیشان حرگران باشد کہ کسے نوعی جبر بر رعایای پورۂ لالہ مذکور نکند و ہنگام وقوع حسب ضابطہ جرتش نویسند۔ فقط مرقوم بست و سوم جمادی الثانی ۱۲۷۴ھ ہجری بمعرفت لالہ شیو دین وکیل مہر سلطانی (۲) حکمنامہ باسم رام سنگہ حاضر ہمراہ سیتلا بخش۔ بملاحظہ عرضداشت رام سہائے متصدی مشعر نالش عبدالرحمن مستاجر آبکاری و ہیرا و چھوٹائی و بھوانیدین چودھری آبکاران باشندۂ علاقہ دریاباد لوحہ باریناد آنہا از ارتکاب بدعات باوصف تاکید تحصیلدار آنجا حسب صدور حکم قدیم شیم نقلش مرحمت داور ایو میہ ہشت آنہ مامور فرمودیم کہ عبدالرحمن و ہیرا و چھوٹائی و بھوانیدین مدعا علیہم تاکید و سزا دل و تحصیلدار آنجا ابلاغ حکم معلی نماید کہ متعدیان را از بدعت باز داشتہ و رفع نالش سائل از روی واجبی نمود راضی نامہ سائل مع مچلکائی متعدیان ارسال دارد ساز دہم شہر جمادی الاول ۱۲۷۴ھ ہجری مطابق ۴ سنہ جلوس والا۔ مہر سلطانی (۳) حکمنامہ مہری بر جبیں قدر مرزا محمد رمضان علی بہادر بنام بینی مادھو سنگہ تحصیلدار دریاباد وغیرہ۔ بملاحظہ عرضی رام سہائے مشعر نالش مردم وج بوجہ نمودن بدعت بیکار وغیرہ بر رعایا و مسمی خوشحال آبکار پورۂ متعلقہ سائل واقع علاقہ دریاباد و برداشتہ بردن یک چھپر تیار از در وازہ دادخواہ و استغاثہ سہ مردم ہمراہی رام ردپ بوجہ خورانیدن سیر سائل بابت فصل ربیع اسپان و ترکاوان و از ینجہت مستعد بفرار بودن رعایای پورہ مذکور حکم محکم نافذ میگردد کہ متعدیان را از بدعت باز داشتہ امداد و اعانت در امور مرجوعہ واجبی اش نماید تاکید مزید تنا شد مرقوم بست و چہارم شہر جمادی الثانی ۱۲۷۴ھ ہجری (۴) حکمنامہ راجہ بختاور سنگہ چون نامردکان باوصف تحریر مچلکہ تکلما مرخلاف حکم شدند لہذا بسزاولی جرمانہ مناسب معہ مچلکہ آئندہ گرفتہ ارسال دارد و نگارندکان ہردت سنگہ تاکید نمایند کہ خلاف حملدر آمد معترض شدہ باشد ۲۸۔ شوال ۱۲۶۹ھ ہجری"

تحقیقات سے پایا جاتا ہے کہ لالہ رام سہائے صاحب کو واجد علی شاہ کے عہد حکومت میں دربار شاہی سے ۳۷۵ بیگھہ آراضی (واقع موضع محمد پور باہون) اور ایک سو پچاس بیگھہ آراضی (واقع محمد پور قاضی پور) جملہ پانچ سو پچیس ۵۲۵ بیگھہ پختہ آراضی علاقہ دریاباد میں بطور معافی مرحمت ہوئی تھی۔ ذیل کے کاغذات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے

(۱) لالہ صاحب لالہ برجموہن لال پیشکار دریاباد۔ ظاہر اعرضداشت لالہ رام سہائے مدرخواست یافتن یک صد و پنجاہ بیگہ پختہ آراضی سیر لاخراجی واقع محمد پور و قاضی پور علاقہ دریاباد سام راجہ بختاور سنگھ عامل آنجا مزین مستخط شدہ است کارش میرود کہ ایشان از عامل سعی کردہ تعمیل حکم مندرجہ دستخط کنانند تاکید مزید دانستہ حسب المسطور بعمل آئید مرقوم ۲۰ شہر شعبان المعظم ۱۲۶۹ ہجری۔ مہر کچہری دیوانی محروسہ خاقانی خلدہ ملکہٗ (۲) حکمنامہ بنام سید حسن علی خان بہادر عامل دریاباد و رودولی۔ عرضداشت رام سہائے مشعر تحصیل خزانہ عامرہ کردین آراضی چک شامل واقع محمد پور باہون پرگنہ دریاباد داستدعائے عدم تعرض عامل از چک مزبور بعد دریافت از دفتر معلی بنظر انور گذشتہ بتاریخ پنجم ربیع الثانی ۱۲۷۱ھ ہجری برائے دریافت از دفتر دیوانی و عدم تعرض مزین بہ دستخط گردید واز دفتر معلی بودن آراضی چک متعلقہ محمد پور باہون شامل قبولیت رام سہائے در تحصیل خزانہ عامرہ من ابتدائے ۱۲۶۳ فصلی تحقیق رسید لہذا بنام ایشان نفاذ حکم میگردد کہ از آراضی چک مزبور کہ شامل قبولیت سائل در تحصیل خزانہ عامرہ است تعرض مسارمد و ہر قدر آمدنی از ان تحصیل نمودہ باشند بہ سائل مسترد نمایند بر آراضی مزبور دخل سائل بخوبی گردانیدہ دہند درین باب تاکید مزید دانستہ حسب الحکم والاعمل آرند مرقوم بست و ہفتم شہر ربیع الثانی ۱۲۷۱ھ ہجری۔ مہر سلطانی (۳) نقل تجویز وڈگری بحق رام سہائے مدعاعلیہ۔ متدائرہ ۱۷۔ دسمبر ۱۸۶۹ء فیصلہ ۲۹۔ جنوری ۱۸۷۰ء اجلاس منشی محمد احسن صاحب تحصیلدار صدر مسمم رامنگر ضلع بارہ بنکی (۴) فرد مدخلہ رام سہائے بابت آراضی سیر محمد پور باہون، باجلاس سید علی محمد نقوی تحصیلدار پرگنہ دریاآباد، مرقومہ ۷۔ مئی ۱۸۶۹ء، بگواہان حاشیہ حسین علی چودھری قانونگو، ابراہیم بلی چودھری قانونگو، نشتہ یال چودھری قانونگو۔

یہ صاحب ایثار بھی تھے۔ بلا قید مذہب ہرکس وناکس کی حاجت براری کے لئے ہمہ تن مصروف رہتے تھے، اپنے ہم وطنوں کا انھیں بڑا خیال رہتا تھا۔ جو شخص ان کی خدمت مین حاضر ہوتا تھا، اُس کا محروم واپس آنا مشکل تھا، جب تک اُسے اپنی سعی وسفارش سے کامیاب نہ بنا دیتے تھے، تب تک اپنا خاص مہمان سمجھ کر اُس کی ہر قسم کی خاطر مدارات کرنے مین ذرا بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ یہ وصف ان کا لاطمع تھا، یہی وجہ ہے کہ آج تک اِن کی فیاضی کا چرچا دریاباد مین زبان زد خاص وعام ہے۔ یہ دریاباد کے مشہور فیاض شیخ کرم کریم صاحب عرف چھیدا میان کے گہرے دوست تھے۔ تا زندگی تعلقات مین کسی قسم کی کشیدگی نہ آنے پائی۔ وضعداری اسی کا نام ہے، جو آج کل عنقا کا حکم رکھتی ہے۔

تلسی کرت رامائن کا ایک قلمی نسخہ بخط فارسی باتصویر (یہ تصویرین اب سے ایک صدی قبل کی ہندوستانی مصوری کا اعلیٰ نمونہ ہین) اور بہت سے کنڈلی نما طول طویل علمی پرچے (جس مین سنسکرت اشلوک بخط نستعلیق بغدادی دائرہ کے اندر دلکش بیل بوٹون اور نقش ونگار کے ساتھ سنہری اور رنگین روشنائی سے لکھے ہوئے ہین) جو منشی گگن بہاری لال صاحب کے پاس اب تک موجود ہین، اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ منشی رام سہائے صاحب مذہبی کتابون کے شوقین، بھاشا زبان سے مانوس، اور علم وہنر کے قدردان تھے۔

سُنا جاتا ہے کہ لالہ رام سہائے صاحب کے مکان پر حفاظت کی غرض سے آخر زمانہ شاہی تک ایک دستہ سپاہیوں

کا ہمیشہ تعینات رہا۔ "دستہ" اُس زمانے مین بارہ سپاہیون کی جماعت کو کہتے تھے۔ اِن سپاہیون کا قیام لالہ رام سہائے صاحب کے سکنہ کے متعلق کسی مکان مین تھا۔ اِس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ لالہ صاحب موصوف الطاف شاہی سے سرفراز تھے۔

رام سہائے صاحب منتظم بھی تھے اور محبِ وطن بھی۔ انھون نے شاہی عطیہ اُفتادہ آراضی پر (واقع محمد پور باہون) اسامی بسا کر گانون آباد کیا اور پرتی زمین کو قابلِ زراعت بنا دیا جو "چک رام سہائے" کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ علاوہ اس کے ایک "پورہ" بھی اپنے نام سے آباد کیا جس سے دریاباد کی آبادی مین بہت کچھ اضافہ ہوگیا۔ یہ پورہ محلہ محرران سے ملا ہوا ایک چھوٹا سا محلہ تھا۔ "چک رام سہائے"، "پورہ رام سہائے" دونون کا ذکر مندرجہ بالا شاہی تحریرون مین موجود ہے۔ اس پورہ مین لالہ صاحب کی طرف سے ایک شراب کی دوکان بھی تھی، جس کا محصول دربارِ شاہی سے معاف تھا، جو مذکرۂ بالا پروانون سے ثابت ہے۔

ملازمت کے سلسلے مین جب تک یہ لکھنؤ مین رہے غریبون کی حاجت روائی اور قوم پروری مین حسبِ حیثیت مشغول رہے۔ بعد انقلاب سلطنت اپنے وطن آکر خانہ نشین ہوگئے اور پھر تاحیات کسی کی ملازمت نہین کی۔ اِن کے دو پختہ مکان لکھنؤ مین تھے اور دو دریاباد مین۔ ایک موروثی، دوسرا ذاتی۔ غدر کے ایام مین دونون مکان باغیون نے کھود ڈالے تھے۔ موروثی مکان از سرِ نو خام دیوارون سے پھر تیار کرایا گیا، مگر دوسرا بدستور کھنڈر کی صورت مین پڑا رہ گیا، جو چند روز کے بعد زمین دوز ہوکر بے نام و نشان ہوگیا اور جس کی بنیادی اینٹین شیوالے مین صرف کی گئین، جسے لالہ مگن بہاری لال اور لالہ لال بہادر نے باہمی شرکت مین تعمیر کرایا تھا۔

انھون نے اپنی زندگی بڑے اطمینان کے ساتھ بسر کی۔ حوادثاتِ زمانہ نے اِن پر کبھی کسی قسم کا اثر نہیں ڈالا، نہ کسی وقت عتاب شاہی نازل ہوا، نہ کسی بیرونی آفت کا انھین مقابلہ کرنا پڑا۔ محمد علی شاہ کے زمانہ سے واجد علی شاہ کے وقت تک مسلسل الطافِ شاہانہ مین ترقی ہوتی رہی، اراکین سلطنت اور معززین شاہی مہربان اور مخلص بہی خواہ رہے جو مذکورۂ بالا شاہی کاغذات سے ظاہر ہے۔

اِن کی طبیعت قانع ہونے کے ساتھ ساتھ سادگی پسند بھی تھی۔ اسی وجہ سے شاہی ملازمت کے بعد بھی انھین کسی قسم کی تکلیف نہین ہوئی۔ چونکہ گھر مین یہ صرف میان بی بی دو ہی آدمی تھے اور اگرچہ انگریزی انتظام ہوجانے کے باعث حسب منشار قانون جدید ان کی ذاتی شراب کی دوکان شکست ہوجانے پر آمدنی مین کمی ہوگئی تھی، تاہم عطیہ شاہی اور آبائی سیر اِن کی گذر اوقات کے لئے کافی تھی، اِس لئے انھون نے ملازمت کو فضول سمجھ کر کبھی اُس کی خواہش نہین ظاہر کی۔ ان کے پاس جو جائداد اور زمینداری تھی وہ حسب ذیل ہے۔

"چک رام سہائے"، واقع موضع محمد پور باہون، حصّہ موضع محمد پور قاضی پور (پرگنہ دریاباد) پورۂ رام سہائے سکنہ عقب حویلی، بہ سلسلۂ آبادی پورۂ رام سہائے، سیر عطیۂ ریاست ہڑاہا۔ باغات انبہ (دو باغین واقع دریاباد ایک باغ واقع غازی پور) ایک پھلواری۔

خانہ نشینی کی حالت مین بھی یہ ہمت ہار کر بیکار نہین بیٹھے، باوجود پیرانہ سالی اِن کا دل و دماغ بدستور جوان رہا، جس کی وجہ سے یہ قومی و ملکی خدمات مین خاص طور پر حصہ لیتے رہے۔ تعلیمی معاملات سے بھی انھین دلچسپی تھی۔ چنانچہ اِن کے نام کے پرائیویٹ خطوط اور سرکاری پروانے اِس بات کے کافی ثبوت ہین۔ ایک خط مین تحریر ہے:

"لالہ صاحب مشفق و مہربان لالہ رام سہائے صاحب نمبردار چک رام سہائے زاد لطفہ۔ بعد از سلام و شوق ملاقات آنکہ چونکہ بغرض تکمیل دستور العمل سارس نسبت تعین رسم و رواج قرار داد شادی اہل ہنود جو محض بے ترتیبی کے ساتھ باصراف زائد بلالحاظ حیثیت وغیرہ ہوتا ہے، ضرور ہے کہ اس کے واسطے ایک جلسہ کمیٹی منعقد ہو کر بس اور استصواب اصحاب نامی و موقر و معزز دعا ملات ایک بات مستحکم طے ہو کر مراتب عملدرآمد اُس کے صدا مین بھیجے جاوین کہ وہان سے بعد یکجائی حوالات ہر ایک تحصیل کارروائی آئندہ ظہور مین آوے گی۔ نظر بر آن اِس تحصیل مین واسطے کمیٹی امور مذکور الصدر کے ۲۲۔ جولائی ۱۸۷۵ء روز جمعہ قرار دیا گیا ہے۔ پس تکلیف خدمت ہوں کہ آپ براہِ مہربانی تاریخ مذکور قبل از دس بجے دن کو تشریف لاکر شریک جلسہ کمیٹی ہو جئے۔ زیادہ بیار۔ ۱۷ جولائی ۱۸۷۵ء مہر تسکر تحصیل ایٹہ"

ایک اہم معاملہ کی بابت ایٹہ سے دریا باد لالہ صاحب کی طلبی کا خط آنا کچھ کم وقعت انگیز نہین۔ کرنیل تمیر صاحب اپنے ایک مطبوعہ نوازش نامہ مین تحریر فرماتے ہین:۔

مشفق و مہربان لالہ رام سہائے کایتھ سلمہ اللہ۔ چونکہ منشی پیارے لال صاحب تخفیف فضول مصارف و انسداد فتوح شادی و بیاہ مین عرصہ سے کوشش کر رہے ہین اور اِس ضلع مین آئے ہین۔ لہذا بموجب منشاء جناب نواب لفٹنٹ گورنر و چیف کمشنر اودھ اِس ضلع مین ایک کمیٹی بتاریخ ۱۹ جون ۱۸۷۶ء یوم سہ شنبہ وقت ۸ بجے صبح بمقام صدر نواب گنج قرار پائی ہے۔ اُمید ہے کہ آپ ایک دن پیشتر مقام نواب گنج مین آکر شریک ہونگے۔ فقط، جون ۱۸۷۶ء۔ کرنیل تمیر صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ضلع نواب گنج بکی"

خطوط مذکورہ بالا اِس امر کو صاف طور پر ظاہر کرتے ہین کہ جس قبیح رسوم کی انسداد کے لئے آج کل دھوم دھام جلسے منعقد کئے جاتے ہین اور جسے بیسوین صدی کے روشن خیال رفارمرون کی کوشش کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے اُس کی تحریک اب سے نصف صدی قبل بڑے زور و شور کے ساتھ تمام ہندوستان مین شروع ہو چکی تھی، حتیٰ کہ برٹش گورنمنٹ نے بھی ازراہِ ہمدردی اِس معاملہ کے متعلق اپنی آمادگی کا کھُلے الفاظ مین اعلان کر دیا تھا۔ مگر افسوس! کہ نتیجہ کچھ نہ ہوا

مصرعہ "وہی ذلت وہی خواری، جو آگے تھی سو اب بھی ہے"

ایک سمن بنام اشخاص جوری اجلاس جناب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر مجاریہ ۲۴۔ اگست ۱۸۷۹ء میں لکھا ہے:۔

"رام سہائے ولد بستی رام قوم کایتھ ساکن دریاباد بپیشہ زمینداری۔ جو کہ بتاریخ ۲۔ ستمبر ۱۸۷۹ء واسطے تجویز جید مقدمات کے مقرر ہوئی ہے اور تمھارا نام جوری کی فہرست مین داخل ہوا ہے۔ اِس واسطے تمکو حکم دیا جاتا ہے کہ بحضور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر عدالت بمقام صدر کچہری ملدہ بکی بتاریخ مذکورہ ٹھیک وقت گھنٹہ قبل دوپہر کے حاضر آؤ"

کمیٹی اسکول دریاباد منعقدہ ۳۰۔ اگست ۱۸۷۳ء کے ایک جلسہ کی کارروائی کی بابت ایک تحریر ہے:۔ منشی رام سہائے صاحب نمبردار، منشی عبد الجلیل خان صاحب ہیڈ ماسٹر و سکریٹری کمیٹی، مولوی سعد اللہ خان صاحب اسسٹنٹ سکریٹری

آج کی تاریخ جلسۂ کمیٹی منعقد ہوا۔ رائے مہراج بلی صاحب و منشی بنیڈی لال صاحب بر سبب اعتدالی مزاج کے تشریف نہ لا سکے۔ صرف منشی رام سہائے صاحب تشریف فرما ہوئے اور دویم کلاس کے طلبہ کا جغرافیہ اول میں امتحان لیا اور طلباء کی حاضر جوابی سے مسرور ہوئے۔"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ منشی صاحب اسکول کے محض نمائشی ممبر نہ تھے، بلکہ تعلیمی کورس سے اتنے واقف تھے کہ ادنیٰ درجہ سے لیکر اعلیٰ درجہ کے طالب علموں کا امتحان لے سکتے تھے، مگر جغرافیہ سے خاص دلچسپی رکھتے تھے "دویم کلاس" اُس وقت مڈل کلاس (اعلیٰ درجہ) کا ایک جزو خاص تھا۔

ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے غالباً ۱۸۹۰ء کے بعد جب رام سہائے حصہ موضع محمد پور و قاضی پور انھوں نے فروخت کر ڈالا تھا۔ آخری عمر میں بقائے نام کی غرض سے مگن بہاری لال اور گوکل پرشاد کو جو رشتہ کے ناتی ہوتے ہیں، اپنا جانشین قرار دیکر اپنی بقیہ جایداد کا مالک بنا دیا تھا جس پر وہ اس وقت تک بلا شرکت غیرے قابض و دخیل ہیں۔ ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ لانبا قد، موٹے تازے، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، گول چہرہ چوڑا ماتھا، گورا رنگ، ہاتھ پاؤں درست۔

مرحوم نیک، فکر دنیا سے آزاد، صلح پسند، غیر متعصب، آبائی وضع کے پابند تھے۔ دھوتی، انگرکھا بلاگوٹ، چوگوشیہ یا دو پلڑی ٹوپی، نری کا جوتا۔ تقریبوں میں بجائے دھوتی کے بڑے پائینچے کا پائجامہ پہنتے تھے۔ پوس ماگھ کے مہینے میں جب جاڑے کے جاڑے شروع ہوتے تھے، وہ دُلائی جس میں پاؤ بھر سیر سے زیادہ رُوئی نہیں پڑتی تھی، اوڑھتے تھے اور چھینٹ کی روئی دار مرزائی سفید انگرکھے کے اوپر صبح و شام استعمال کرتے تھے۔ یادگار میں ایک پختہ کنواں[1]۔ لالہ رام سہائے صاحب کے بیان میں جن کاغذات کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب منشی مگن بہاری لال صاحب کے پاس موجود۔ (محرران)

لالہ سرجو پرشاد صاحب قانونگو

از نسل درگا داس (خاندان رائے صاحب) لالہ ٹکیت رائے صاحب تعلقدار کی اولاد میں لالہ الفت پرشاد صاحب کے بیٹے، قانونگوئی کے عہدہ پر مامور، فسانۂ عجائب کے عاشق زار، مرزا سرور لکھنوی کے اعلیٰ قدر دانوں میں تھے۔ ولادت ۱۸۳۰ء، وفات ۱۸۹۵ء۔

نقل سرد رضۂ مشیر الدولہ بہادر مہاراجہ بالکرشن (دربار سلطنت اودھ) مُہری قاضی فدا حسین صاحب سے ثابت ہوتا ہے کہ انھیں ۱۲۶۹ ہجری مطابق ۱۸۵۳ء کے قبل قانونگوئی کا عہدہ حاصل ہو چکا تھا نوابی زمانے تک بدستور اسی عہدہ پر تعینات رہے ۱۸۵۵ء کے بعد انقلاب سلطنت کے باعث اپنے آبائی عہدہ سے علیحدہ ہو کر پھر تا زندگی کسی کی ملازمت پسند نہیں کی۔

[1] حال میں بھولا نیشاری نے اس کنوئیں کی جوڑی اور بلند پختہ جگت بنوا کر شاید ابھی تعمیر کرادیا ہے جو بستی کے باہر پچھم طرف لکھنؤ والی سڑک کے متصل واقع ہے۔

قانونگو صاحب کے بزرگوار شاہی زمانے مین عموماً اپنے ہم عصر وطنی رئیسون سے بہ لحاظ اعزاز کسی طرح کم نہ تھے، جو چودھرائی کے لقب سے ملقب اور قانونگوئی کے عہدہ پر مامور ہونے کے علاوہ دیگر الطافِ شاہانہ سے بھی سرفراز تھے۔ ڈیڑھ سو بیگھہ پختہ آراضی بطور معافی اور سو بیگھہ پختہ آراضی نانکار کے طریق پر دربارِ اودھ سے پائے ہُوئے تھے جسکی تصدیق مین ذیل کے پروانے[۱] ملاحظہ ہون۔

(۱) بندگان عالی متعالی نواب برہان الملک ابو المنصور خان صفدر جنگ بحکم انعام ۔ آراضی موازی یک صد و پنجاہ بیگھہ بہ گز الٰہی بموجب پروانہ   باسم ہمت و دہو کل بیرہ ہای ٹکیت رائے قانونگو پرگنہ دریاباد سوبہ اختر نگر اودھ از موضع کہیوراج پور وغیرہ عملہ پرگنہ مذکور مقرر شد در بنولا حکومت االت پیاہ   محمد افضل امین و عدار پرگنہ مذکور فیض اللہ حرب کستان تعین نمود کہ در موضع کہیوراج پور وغیرہ مفصلہ ذیل رقبہ آراضی مذکورہ پیمودہ چک بستہ دہند۔ گواہ شد فتح علی چودھری و قانونگو۔ گواہ شد بختاور سنگھ چودھری و قانونگو۔ تحریر تاریخ ہفتم شہر رجب المرجب ۱۱۶۷ ہجری مقدسہ (۲) متصدیان حال و استقبال پرگنہ دریاآباد سرکار صوبہ اودھ اختر نگر۔ یک صد بیگھہ زمین پختہ مزروع بموجب سند   در وجہ انعام و نانکار ہمت و دہو کل بیرہ ہای ٹکیت رای چودھری و قانونگو پرگنہ مسطورہ موضع سرای خواجگی عملہ پرگنہ مرقوم حسب الضمن مقرر و معاف نمودہ شد باید کہ از آراضی بوجہی معترض و مزاحم نشدہ متصرف موصی الیہ واگذارد ہند کہ حاصلات آراضی صرف معاش خود نمودہ مدعای دولت استقبال   تحریر بست و پنجم جمادی الثانی سنہ ۶ جلوس والا مہر جعفر علی خان۔"

سرجو پرشاد صاحب فارسی مین ذی استعداد اور اردو کے اچھے ماہر تھے۔ فسانۂ عجائب کے علاوہ مرزا سرور کی دیگر تصانیف شگوفۂ محبت، شبستانِ سرور (ترجمہ الف لیلہ) گلزار سرور، سرور سلطانی، انشاء سرور کی بھی تعریف کیا کرتے تھے، جن کو راقم نے خود انھین دیکھنے کے لئے دی تھین۔ ان تصنیفون کے مقابل مین "سروش سخن" "فسانۂ دلپذیر" وغیرہ کتابین، جو فسانۂ عجائب کے جواب مین لکھی گئی تھین، اِن کے نزدیک کوئی چیز نہ تھیں۔ لالہ پرمیشر دیال صاحب بھی فسانۂ عجائب کے دلدادہ تھے۔ چونکہ اُس زمانے مین راقم الحروف کو بھی اس کے پڑھنے کا بیحد شوق تھا، اِس لئے دونون حضرات بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ اپریل ۱۸۹۱ء لغایت مئی ۱۸۹۳ء دو برس بلاناغہ ہر روز فسانۂ عجائب کے پڑھنے کا وظیفہ برابر جاری رہا۔ قریب آٹھ بجے شام سے ۱۱ بجے شب تک، کبھی کبھی ۱۲ بجے کے بعد تک بھی یہ دل خوش کن مشغلہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ گرم رہتا تھا۔ فسانۂ عجائب سُنتے وقت اِن بزرگون پر ایک قسم کی غفلت طاری ہوجاتی تھی کہ اگر کوئی بات چیت کیجاتی تو اِن کو مطلق خبر نہ ہوتی۔ مگر، ہر رنگین فقرون اور جملون کو سُنتے ہی بیساختہ "واہ" کہکر جھُومنے لگتے تھے۔ افسوس اکہ دو برس کے بعد راقم ریاست رانی مئو مین ملازم ہوگیا اور یہ علمی مجلس ہمیشہ کے لئے درہم برہم ہوگئی۔ منشی سرجو پرشاد صاحب کی صحت خراب ہوگئی اور کچھ دنون کے بعد وہ قضا کر گئے۔ اسی طرح لالہ پرمیشر دیال[۵۲] صاحب بھی اِس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔

---

[۱] ان پروانون مین بعض الفاظ صاف پڑھے نہیں گئے، اور بعض کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے ۱۲

[۵۲] اصلی وطن الہ آباد۔ اِن کے والد لالہ رام سہائے صاحب لالہ شیو دیال صاحب رئیس (دریاباد) کے یہان ملازم تھے، اِس سلسلہ

یہ بڑے نیک، سیدھے سادے، شراب اور گوشت کے بیحد شوقین تھے۔ شاہی زمانے کے معلومات میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ لکھنؤ کی زبان، وضع قطع، نفاست اور صناعی کے بہت مدّاح تھے۔ نوابی زمانہ کی حکومت ان کے خیال میں ایک بہترین نعمت سے کم نہ تھی۔

ان کی زمیندارانہ حیثیت بھی کسی قدر اچھی تھی، جو ان کے حقیقی بھائیوں کنھیالال واجودھیا پرشاد اور کئی ایک تفریقداروں میں منقسم ہو کر معمولی طور پر باقی رہ گئی تھی، تاہم گوبند پور، رحمان پور حصص سرائے خواجگی ڈھونسے پور، تاہی تقسیم کے وقت ان کے حصے میں آئے تھے۔ ایک سرکاری کاغذ سے معلوم ہوتا ہے کہ گوبند پور ۱۲۹۶ فصلی تک ان کے قبضہ میں رہا۔ ۱۲۹۶ فصلی میں بوجہ عدم ادائے مالگذاری رائے پرتاب بلی صاحب کے نام نمبر ہو گیا تھا۔ اس سے انکی نامنتظمی ثابت ہوتی ہے۔ ۹۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔ اولاد میں انوکھے لال صاحب اولاد بہ قید حیات، آبائی زمینداری پر قابض، مکان پختہ موجود۔ یادگار میں بیرونی دو پختہ کمرے۔

مرحوم قدیم وضع کے پابند۔ جوڑی گوٹ والا انگرکھا، بیچے شلوکہ، چوگوشیہ ٹوپی، کبھی کبھی دو پلڑی، سفید نین سکھ کی لمبی اک لنگی دھوتی، نری کا جوتا، اکثر بکسوے دار بوٹ، قومی محفلوں میں بڑے پائینچے کا پاجامہ بجائے دھوتی کے پہنتے تھے۔ جاڑوں میں چھینٹ کی روئی دار مرزائی انگرکھے کے اوپر پہن لیتے تھے، اور صبح و شام زیادہ سردی کے وقت گرنٹ کی سبز گوٹ لگی ہوئی لکھنوی فرد کی رضائی میں باڈھ پختہ روئی ڈلوا کر اوڑھتے تھے۔ تقریب کے موقع پر بانات کا انگرکھا، جس میں اودی ہوئی اودی گرنٹ کی گوٹ لگی اور بنارسی بیل ٹکی، شالی چوگوشیہ ٹوپی، شالی رومال، پاجامہ بدستور سفید نین سکھ کا استعمال کرتے تھے۔ جوانی میں خوبصورت تھے، چہرہ ملیح تھا، رنگ کسی قدر سانولا، کشادہ پیشانی، خمیدہ ابرو، نوکدار زبردست عمدہ مونچھیں، لانبا قد، دوہرہ بدن، دراز گردن، ہاتھ پاؤں مضبوط اور سڈول، بڑی بڑی آنکھیں، گھونگھر والے بال، بابری حجامت، رخ پر دہنے طرف مٹر کے برابر گول مسا، مرتے دم تک اعضائے جسم صحیح و سلامت۔ (بھانک اندر)

شیخ کرم کریم صاحب عرف چھیدا میاں

شیخ، از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، مولوی مخدوم بخش صاحب رئیس کے فرزند چہارم، نامی گرامی

میں وہ مع عیال و اطفال دریاباد میں آباد ہو گئے تھے۔ پر مشر دیال صاحب بڑے خلیق، ہر دل عزیز، ملنسار بزرگ تھے۔ ان کے دوستوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ مگر ڈاکٹر لال من، منشی گنگا پرشاد صاحب ہیڈ ماسٹر، ڈاکٹر یار محمد خان صاحب، مولوی مظفر کریم صاحب وکیل، لالہ شنکر لال صاحب کمال، منشی منڈی لال صاحب، لالہ الفت رائے صاحب، رائے مہادیو بلی صاحب، لالہ رام پرشاد صاحب جگد ھریا (عم راقم الحروف) سے خاص مراسم تھے۔ یہ چار بھائی تھے۔ بڑے بھائی شنکر لال صاحب، چھوٹے الیسری پرشاد و رگھو پرشاد صاحب۔ ۱۹۱۸ء میں انتقال ہوا۔ ساٹھ برس کی عمر پائی۔ الیسری پرشاد لاولد فوت ہوئے۔ شنکر لال صاحب کے پوتے چھیدر کا پرشاد بہ قید حیات۔ رگھو پرشاد صاحب عرصہ تک سیتاپور ہائی اسکول میں ماسٹر رہے ہے، آج کل خانہ نشین۔ ۵۰ میں روپیہ ماہوار پنشن، اولاد میں سورج پرشاد ہے۔

فیاض و مخیر، بڑے اُولالعزم اور ذی حوصلہ بزرگ تھے، جنھون نے محض اپنے اوصاف حمیدہ کے باعث وہ عزت و ناموری حاصل کی کہ دریاباد کے علاوہ قرب وجوار مین بھی لوگ ان کے خاندان کو چھید امیان کے نام سے یاد کرتے ہین۔

صوم و صلوٰۃ کے پابند، خدا و رسول کے سچے عقیدتمند تھے۔ خاندانِ بانسہ شریف سے مُریدی کا تعلق تھا ہمیشہ باوضو رہتے تھے، ہندو مسلمانون کے ساتھ یکسان برتاؤ تھا خوشامد سے سخت نفرت تھی مصیبت کے وقت بلاقید مذہب ہر شخص کی امداد کرنا اپنا خاص فرض سمجھتے تھے۔ غریب رشتہ دارون اور رعایا کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ہمیشہ چار بجے صبح اُٹھکر بعد فراغت نماز تمام قصبہ مین گشت کرکے بستی کے حالات معلوم کر لیتے تھے، جس کو جس بات کی شکایت ہوتی تھی، اُسکی دفعیہ کے لئے فوراً آمادہ ہو جاتے تھے۔ قول و فعل کے سچے اور بات کے دھنی تھے جس سے جو کچھ کہتے اُسے ضرور پورا کرتے۔ فیاضی اور سخاوت سے فطری دلچسپی تھی، اور اس بارہ مین دُور دُور تک ان کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔ بڑے سے بڑے ہم عصر رئیسون سے برابر کے دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ مثلاً راجہ چھترپتی سنگھ صاحب ہڑاہا، راجہ مہپال سنگھ صاحب سورجپور، ٹھاکر اوتار سنگھ صاحب تعلقدار رانی مئو، چودھری وزیر علی خان صاحب تعلقدار بردلی، ٹھاکر شیر بہادر سنگھ صاحب تعلقدار کمیار، چودھری مرتضیٰ حسین صاحب تعلقدار سیہچہ، چودھری سرفراز احمد صاحب تعلقدار بھلول، بھیارام سنگھ صاحب تعلقدار سیف پور، شیخ محمد حسین صاحب و شیخ زین العابدین صاحب تعلقدار گدیہ اور چودھری صاحبان رُدولی وغیرہ جو ضرورت کے وقت ساتھ دینے کے لئے بدل و جان تیار رہتے تھے۔ وطنی بزرگون مین لالہ رام سہائے صاحب، لالہ بھوانی دین صاحب، پنڈت رامچرن، لالہ سیتل پرشاد صاحب جگدھریا (راقم الحروف کے جد امجد) سے خاص دوستی تھی۔

حکام رس بھی تھے۔ عمّال شاہی مین خاص طور پر وقار حاصل تھا، عہد انگریزی مین بھی حکام بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ چھید امیان کی ذات سے تعلقدار صاحبان کے بڑے بڑے کام نکلتے رہے، جس کی تصدیق کاغذات ریاست رانی مئو و ہڑاہا و سیف پور وغیرہ سے بخوبی ہو سکتی ہے۔

چھید امیان جوانمرد اور سپاہی بھی تھے۔ عہد شاہی مین اکثر موقعے پیش آئے جس مین فتحمند رہے۔ ان کے ساتھ اچھے اچھے اور جان نثار سپاہی رہتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ چھید امیان لکھنؤ جا رہے تھے، راستہ مین مقام نواب گنج قیام کیا۔ سائیس گھاس لینے گیا۔ فوج کے ایک سپاہی نے زبردستی گھاس چھین لی۔ سائیس نے آکر اطلاع کی۔ ان کے ساتھیون مین بسم اللہ بیگ نامی ایک سپاہی تھے، اُنکو غصہ آگیا اور سائیس کے ہمراہ لشکر گئے اور اُس سپاہی کو مار کر گھاس واپس لے آئے، اس پر فوج مین برہمی پھیل گئی اور لشکر والے ان کے قیام گاہ (سرا) کی طرف دوڑے۔ اس خبر کے سُنتے ہی انھون نے نہایت اطمینان کے ساتھ معہ اپنے ہمراہیون کے مقابلہ کے لئے آگے قدم بڑھایا۔ سرا کے پھاٹک سے متصل شہد کی مکھیون کا ایک بہت بڑا چھتا لگا ہوا تھا، چھید امیان موقع سے کمین گاہ مین بیٹھ گئے، جب فوج قریب آگئی، تو، انھون نے چھتّے پر بندوق فیر کر دی۔ مکھیان فوج شاہی پر حملہ آور ہو گئین

سپاہی بدحواس ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے اور انتقام و بہادری کا جوش آن واحد مین ٹھنڈا ہوگیا۔ اِس واقعہ کے بعد چھیدا میان نے وہان سے لکھنؤ کی طرف کوچ کردیا۔ اِس سے چھیدا میان کی زبردست مستقل مزاجی اور دانشمندی بھی ثابت ہوتی ہے۔

اِن کا دل بہت جری تھا، اسی طرح اِن کی ہمت اور جرأت بھی قابل تعریف تھی۔ اکثر خوفناک اور دشوار گذار مقامون پر گذر ہوا، لیکن کسی قسم کا صدمہ نہین پہونچا، صحیح و سلامت واپس آئے چنانچہ روائت بیان کی جاتی ہے کہ: "ایک مرتبہ یہ قصبۂ جائس سے دریاباد واپس آرہے تھے۔ راستہ مین ایک جگہ لوگون نے منع کیا" اس طرف نہ جائیے، ببیل کے درخت پر ایک خونخوار سانپ رہتا ہے، وہ راہ گیرون پر حملہ کرتا ہے اکثر جانین تلف ہوچکی ہین" چھیدا میان نے کہا کہ "ہم ضرور جائین گے اور اُس موذی کا مقابلہ کرین گے" ایک صاحب اور بھی ہمراہ تھے، یہ طے پایا کہ وہ صاحب آگے چلین اور چھیدا میان پیچھے رہین۔ دونون صاحبون نے اپنی اپنی بندوقین بھر لیں۔ جب ببیل کے قریب پہونچے حسب معمول سانپ نہایت تیزی سے حملہ آور ہوا۔ وہ صاحب خوف کے مارے نہ معلوم کہان فرار ہوگئے۔ اب سانپ نے چھیدا میان کی طرف رُخ کیا۔ اِنھون نے فوراً ایک کپڑا اُسکے سامنے پھینک دیا۔ وہ اُدھر غصہ مین کپڑے سے لپٹ گیا، اِدھر اِن کی بندوق فیر ہوگئی، سانپ جہنم واصل ہوگیا، اور اس طرح پبلک کو بلائے بے درمان سے ہمیشہ کے لئے نجات مِل گئی۔ اس سے بھی اِن کی فطری دانائی کا اظہار ہوتا ہے۔ مصیبت کے وقت یا دہشتناک موقعے پر ہوش و حواس درست رکھتے ہوئے اُس کے دفع کرنے کی کوشش کرنا صرف عقلمندون کا کام ہے۔

شیخ کرم کریم صاحب اگرچہ صرف تین موضعون کے زمیندار تھے۔ مگر آن بان اور اُولوالعزمی و بلند حوصلگی مین اِن کا درجہ قرب و جوار کے کسی رئیس و تعلقدار سے کم نہ تھا۔ چودھری وزیر علی صاحب وغیرہ ایسے رئیس و تعلقدار اکثر دریاباد آتے اور اِن کے مکان پر قیام فرماتے، اور اِن کی خاطر و مدارات اور اِن کی سیر چشمی سے خوش ہوکر غائبانہ اِن کے مداح رہتے تھے۔ اپنی زندگی مین اپنے مشہور بزرگ شاہ عبدالرسول صاحبؒ کے عُرس کی بنیاد ڈالی۔ ایک پختہ مسجد اور پختہ کنوان بنواکر ایک عظیم الشان محفل میلاد منعقد کی۔ قصبہ کے تمام مسلمانون کو پُرتکلف اور بافراط کھانا تقسیم کیا۔ یہ زمانہ قحط و گرانی کا زمانہ تھا۔ اچھے اچھے رئیسون کے چھکّے چھوٹ گئے تھے۔ لیکن چھیدا میان نے اس کا کچھ بھی خیال نہ فرمایا، اور بڑی خوشی و نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اِن نیک کامون کو انجام دیا۔ دریاباد مین آجتک نہ کہین غیر خاندان مین اس غیر معمولی اہتمام سے کھانا تقسیم ہوا نہ کسی دوسری جگہ ایسی محفل دیکھنے یا سننے مین آئی۔ جب تک زندہ رہے، ہر سال بڑی دھوم دھام سے میلاد شریف کرتے رہے۔

شیخ صاحب جہان فیاض و جوانمرد سپاہی اور اُولوالعزم و ذی حوصلہ تھے، وہان خوبصورتی مین بھی قابلِ تعریف تھے۔ دُور دُور تک اِنکی خوبصورتی کا خاص طور پر شہرہ تھا۔ اُس وقت اس صفت مین بھی اِن کا کوئی ہمسر نہ تھا، آپ ہی اپنی نظیر تھے۔

اپنے بزرگ بھائی مولانا حکیم محمد نور کریم صاحب کے دل سے فرمان بردار رہے، اُن کے سامنے بہت

ادب کے ساتھ بات چیت کرتے تھے۔ دیگر بھائیون اور اُن کی اولاد سے بھی ہمیشہ میل جول رکھا۔ اپنے بھائی حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کی وفات کے بعد اُن کے بڑے بیٹے حافظ مصطفےٰ کریم صاحب کا نام کاغذات سرکاری مین درج کرا کے حصہ زمینداری پر قبضہ دلا دیا تاکہ بعد کو کسی قسم کا جھگڑا نہ ہو۔ اسی طرح اپنے منجھلے بھائی مفتی مظہر کریم صاحب کی جائیداد سے بھی کوئی تعرض نہ کیا جسکی بابت دست برداری ہو چکی تھی۔ اس سے ان کی نیک دلی اور انصاف پسندی ظاہر ہوتی ہے۔

حافظ عبدالرشید صاحب کے پاس جو شاہی پروانے موجود ہین اُن کے دیکھنے سے نہ صرف اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ چھید امیان کے بزرگوار الطاف شاہی سے سرفراز تھے، جسکی بنا پر انھین تین سو پچیس[۳] بیگھہ پختہ آراضی (واقع سورجپور) کی ملکیت حاصل تھی، بلکہ یہ بھی آشکارا ہو جاتا ہے کہ ان کی شخصیت کیسی تھی! اور عمال شاہی ان کے ساتھ کس تلطف آمیز برتاؤ سے پیش آتے تھے! چند پروانون کی نقلین حسب ذیل ہین۔

(۱) نقل پروانہ لچھمن پرشاد صاحب چکلہ دار دریاباد بنام شیخ کرم کریم۔ شیخ صاحب مشفق مہربان شیخ کرم کریم سلمہ اللہ تعالیٰ عرضی مرسلہ ایشان موصول مطالعہ دفتر مندرجہ گردید حسب الاستدعا آن مہربان نوشتہ در باب عدم تعرض از آراضی معافی آن صاحب بنام عزیز الحسین ضلعدار لف ہذا میرسد اینک چہ مجال است کہ متعرض شود ہرگز متعرض نخواہد شد خاطر جمع دارد چہ قلمی رود مرقوم بست ہفتم جمادی الاول ۱۲۶۳ ہجری (۲) نقل پروانہ بمہر و دستخطی کردہارا سنگہ صاحب چکلہ دار دریاباد و رودولی وغیرہ بست و پنجم شہر محرم الحرام ۱۲۲۶ ہجری۔ بیرم مورت بہیارام سنگہ تمندار بعافیت باشند ظاہر او صد بیگہ آراضی معافی باسم شیخ چھید امیان پیرزادہ دریاآباد واقع موضع رداہدی پور پرگنہ سورجپور از قدیم مقرر لہذا نگارش میرود کہ در صورت صدق اظہار ش دیافتہ آمدنی محاصل گذشتہ و پیوستہ امسال در ۱۲۵۵ فصلی از معافی مسطورہ متعرض نشوند درین باب تاکید مزید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند (۳) نقل پروانہ بمہر دستخطی کمیدان صاحب مہاراج لچھمن پرشاد صاحب مستقیم چکلہ دار دریاباد رودولی وغیرہ مرقوم بست و ہفتم جمادی الاول ۱۲۶۹ ہجری۔ میر صاحب مہربان عزیز الحسن ضلعدار رودولی بورسلہ سابق ازین بہ ایشان سفارش رفتہ بود کہ ایشان از آراضی دو صد بیگہ معافی اسمی بزرگان شیخ کرم کریم مخدوم زادہ دریاآباد زنہار تعرض نرسانند ظاہر الکان مازور در فصل ربیع آراضی معافی مذکورہ قرق کردہ دروع کردن نمودند و انواع دعت بر اسامیان بردہ تنگ میدارند ظہور ہیچ تعرض بجانش بالیقین رد نمودہ لہذا ازین تاکید مزید قلمی میرود کہ زنہار از آراضی معافی مذکورہ تعرض نرسانند و اصلی تعدی بر اسامیان کو ارا نسازند در صورت ظہور تعمیل خلاف تحریر سراول ماسور خواہد شد ایشان را از اراضی مذکور کہ معافی است چہ سرو کار است نوع تعرض نرسانند و بنظر تحریر باقی باشد اندک نوشتہ بسیار دانستہ حسب المسطور بعمل آرند (۴) حکمنامہ مہری امین الدولہ عمدۃ الملک حسین خان بہادر ذوالفقار جنگ یار وفا دار سپہ سالار فدوی خاص عالی وقار امجد علی شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ بنام افسران فوج ظفر موج علاقہ دریاباد وغیرہ بابت معافی اللہ کرم کریم عرف چھید امیان از علاقہ سورجپور ۲۸ شعبان ۱۲۶۱ ہجری۔ یہ پروانے اصلی پروانون کی باضابطہ نقلین ہین، جو شاہی مین حاصل کی گئین تھین۔

معلوم ہوتا ہے کہ چھید امیان سخن دوست بھی تھے۔ چنانچہ جس وقت ان کی مسجد تیار ہو گئی تو حضرت طالب مرحوم لکھنوی نے قطعہ تاریخ ارشاد فرمایا: ۔ جناب شیخ شبحان کرم تہ دل ۔ مطیع حکم رب العالمین است ۔ کریم اہل کرم آخر بنا مش

دلش آئینۂ مہر یقین است ؛ با فروغ مسجد بہر طاعت ؛ عبادت گاہ جملہ اہل دین است ۔ رقم تاریخ سالش کرد طالب ؛ بنائے کعبۂ ثانی ہمین است ۔ (منقول از کتابِ یادداشت حافظ عبدالرشید صاحب) ۔

۸ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۶ھ مطابق ۳ دسمبر ۱۸۹۸ء یوم چہارشنبہ کو انتقال فرمایا ۔ جناب ضیا نے تاریخ وفات کہی ؛ کرم کریم تو ... دلدادہ ... ؛ ارم میں جب وہ گئے چھوڑ کر کے دنیا، ہائے ! ؛ ضیا نے رو کے کہا اس طرح سے سالِ وفات ؛ کہ ہم سے ... زمانے میں کیا ! ہائے ! (منقول از کتاب یادداشت حافظ عبدالرشید صاحب) ۔

مرحوم خوش مشرب، مردم شناس، زمانہ دیدہ، تجربہ کار، دوراندیش، آبائی وضع کے پابند تھے کسی قدر عیش پسندی کا بھی شوق تھا ۔ مگر تا زندگی خلافِ تہذیب کوئی امر ظہور میں نہیں آیا ۔ اولاد میں عبدالوحید اور ایک لڑکی ۔

لالہ شیونارائن صاحب منصرم

عرف سیتا رام، شہری ... دوسرے کائستھ چھتری ورن، لالہ رام نارائن کے بیٹے، بہت بڑے دیانت دار اور فقیر دوست ہو رہے تھے ۔ نانک شاہی فقیروں کی خدمت کرتے اور اسی کو ذریعۂ نجات اور زندگی کا اعلیٰ مقصد تصور کرتے تھے ۔ ولادت تخمیناً ۱۸۲۵ء، وفات سنہ ۱۹۰۱ء ۔

واجب العرض دریاباد سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بزرگ بھی دیگر محرروں کی طرح دریا خان صاحب کے ہمراہ محمود آباد سے آکر دریاباد میں آباد ہوئے تھے جن کی نسل والے عام طور پر شاہی محرر ہونے کی وجہ سے محرر کے لقب سے نامزد ہو گئے محرروں کے نام سے محلہ اور پٹی اب تک موجود اور مشہور ہے "شجرہ محرران سلطانی قصبہ دریاباد" مطبوعہ (مرتبہ منشی ریمن لال صاحب ساکن حسن گنج لکھنؤ، ۱۵ جون سنہ ۱۹۲۰ء) سے ظاہر ہوتا ہے کہ محرروں کے مورث اعلیٰ بھکاری داس تھے جن کی تیرھویں پشت میں لالہ شیونرائن صاحب منصرم گذرے ہیں چونکہ اکثر تاریخوں سے ایک پشت ۲۰ برس کی ثابت ہوئی ہے اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ بھکاری داس نے اب سے ۲۹۰ برس پہلے دریاباد میں سکونت اختیار کی ہوگی لیکن جو روایت ان کے مسلمان ہونے کی بیان کی جاتی ہے (ملاحظہ ہو بیان چودھری عباس علی صاحب باب ۳، فصل ۱) اس سے پایا جاتا ہے کہ بھکاری داس محرروں کے مورث اعلیٰ نہ تھے بلکہ محرروں کے خاندانی بزرگوں میں سے تھے ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ محرر لوگ چودھری صاحب کے یہاں ہمیشہ ملازمت کرتے رہے شاہی ملازم نہ تھے اور ان کے پاس پانچ چھ گاؤں اور دو ایک پٹیوں کی زمینداری تھی لیکن مگر تحقیقات سے پتا چلتا ہے کہ محرروں نے ذہنی قابلیت اور فطری دانائی سے بہت کچھ نام پیدا کیا تھا ۔ ملاحظہ ہو نامہ مرقومہ ۱۳ جمادی الثانی سنہ ۱۱۱۳ھ متعلقہ کچہری ... صاحب ناظم پرگنہ دریاباد وغیرہ و اقرارنامہ نوشتہ ادری لال مرقومہ ۲۲ صفر سنہ ۱۱۳۲ھ نقل عرضداشت راست کرشنا محرر و زمیندار بھوانی پور محررہ ۲۶ ذی الحجہ سنہ ۱۱۳۴ھ میں دیہات بھوانی پور، بیرولی

وغیرہ، دیہات متعلقہ بھوانی پور سرولی وغیرہ" عبارت تحریر ہے۔ "وغیرہ" اور "متعلقہ" کے لکھے ہوئے الفاظ اس بات کو روشن کرتے ہین کہ محررون کے پاس بہت سے مواضعات تھے اور تعلقہ دارانہ حیثیت رکھتے تھے۔ ایک فیصلہ نامہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تعلقہ کے مواضعات بذریعۂ فرمانِ شاہی سنہ ۱۲۱۶ فصلی تک یعنی اب سے ۱۱۴ برس قبل انھین حاصل ہو چکے تھے۔ نقل عرضداشت نوشتۂ مصری لال سے ظاہر ہوتا ہے کہ محررون کے خاندان مین اجودھیا پرشاد کو تین سو روپیہ سالانہ بطور نانکار دربار شاہی سے ملتا رہا، جو از روئے راضی نامہ نوشتۂ اودری لال وغیرہ سنہ ۱۲۳۴ھ کے قبل مقرر ہو گیا تھا۔ ایک مہری شاہی پروانے مین "لالہ صاحب لال مصری لال جمعخرچ نویس چکلہ سلطان پور"، رقم ہے اسی طرح ایک دوسرے کاغذ مین "گنگا بشن و اودری لال متصدی ناظم باقر علی دریاباد" تحریر ہے۔ اِس سے پایا جاتا ہے کہ اس خاندان کے لوگ محض چودھری صاحب ہی کے محرر نہ تھے، بلکہ شاہی متصدیون مین بھی شامل ہو گئے تھے۔ ایک اور کاغذ سے پتا چلتا ہے کہ اِن لوگون کو سنہ ۱۲۱۶ فصلی تک سند مہری حاصل ہو گئی تھی، جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ چودھری صاحب کے یہان ملازم تھے وہ شاہی محرر تھے، چودھری صاحب کے ذاتی نوکرون مین نہ تھے؛ وہ قانونگوئی کے دفتر مین کام کرتے تھے جو شاہی دفتر تھا۔ مندرجۂ بالا کاغذات، نیز دیگر تحریرون سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب برہان الملک بہادر کے زمانے سے نواب سعادت علی خان بہادر کے عہدِ حکومت تک سو برس محررون کا زمانہ موافق رہا۔ اس قلیل مدت مین انھین سب طرح کا عروج حاصل ہو گیا۔ سنہ ۱۲۳۰ھ سے زوال شروع ہوا۔ اودری لال وغیرہ کی نفاق پسندی و ناعاقبت اندیشی نے ایک آفت برپا کر دی۔ باہمی خانہ جنگیون سے رنجش و تکرار کی نوبت آ گئی، دلون مین رشک و حسد، بغض، غصہ، نخوت وغیرہ کی آگ بھڑکنے لگی، لوگ ایک دوسرے کو خویش و حرم و کمیر کر جلنے لگے، ذرا ذرا سی بات پر طول طویل درخواستین گذرنے لگین اور ساری انشا پردازی اسی مین خرچ ہونے لگی۔ مقدمہ بازی سے دلچسپی پیدا ہو گئی، حکام سے عداوت کی ٹھن گئی، ہر شخص اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے پر مستعد ہو گیا۔ نتیجہ اس طوفان بے تمیزی کا یہ ہوا کہ علاقہ تین تیرہ ہو گیا اور آخر زمانۂ امجد علی شاہ سنہ ۱۲۶۳ھ تک اگلی شان و شوکت سب خاک مین مل گئی۔ اِن حالات کے لکھنے مین جن کاغذات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ منشی بالا پرشاد صاحب جو اسی خاندان سے ہین، کے پاس موجود ہین۔

لالہ شیو نارائن صاحب ضرورت کے موافق معمولی طور پر فارسی پڑھے تھے اور گونڈہ کی عدالت دیوانی مین منصرم تھے۔ کارِ متعلقہ کو نہایت نیک نیتی سے انجام دیتے ہوئے پدری فرض کی ادائگی یعنی اولاد کی تعلیم سے بھی غافل نہ تھے۔ اپنے بیٹے سنت بخش کو بی۔ اے تک انگریزی پڑھوائی، پیرانہ سالی کے زمانے مین پنشن لیکر خانہ نشین ہو گئے تھے۔ نانک شاہ پر بڑا اعتقاد تھا۔ خانہ نشینی کے زمانے مین آبائی مکان کو از سر نو بنوا کر جو عالم ابوالکرسنگت کے نام سے موسوم کرنے کے ساتھ ہی گرنتھ صاحب "(نانک شاہ کی مشہور تصنیف جو وید دان سے ماخوذ ہے) کا استھانا کر کے ایک جھنڈا بھی نانک شاہ کے نام سے کھڑا کیا جب تک زندہ رہے، گرنتھ صاحب کی پوجا کرتے رہے۔ تخمینا

۵ محررون کے بعض خاندانی اصحاب فیض آباد، لکھنؤ، گونڈہ، بارہ بنکی، سیتاپور وغیرہ مین عرصہ سے آباد ہین ۱۲۔

۷۵ سال کی عمر مین انتقال ہوا۔ یادگار مین شکستہ پختہ وخام مکان موجود۔ اولاد مین ست بخش بی۔اے، ایل ایل بی وکیل گونڈہ بقیدحیات اور آبائی زمینداری وغیرہ پر قابض۔ (محررہان)

مولوی عبدالکریم صاحب سب انسپکٹر

ازاولاد حضرت مخدوم آبکش دریابادی، فخر وطن مولانا حکیم محمدؐ نور کریم صاحب کے فرزند اکبر، سب انسپکٹری کے عہدہ پر مامور، فن تپنگ بازی کے بے مثل ماہر، بڑے خوشنویس۔ ولادت سنہ ۱۸۳۳ع وفات ۷۔ اپریل سنہ ۱۹۰۰ع مطابق ۹ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۷ھ۔

لکھنؤ مین معمولی طور پر تعلیم پائی تھی پچیس برس کے سن مین غدر کے بعد ہی تھانہ دار ہوئے اور ایک مدت تک الہ آباد کے ضلع مین تعینات رہ کر وہین سے پنشن لیکے خانہ نشین ہو گئے تھے۔

خوش نویسی مین لکھنؤ کے مشہور استاد فن حافظ سعدالدین صاحب اور مولوی آلہی بخش صاحب کے شاگرد تھے جس طرح تپنگ اڑانے اور لڑانے مین اعلی مشاق تھے، اسی طرح خوش نویسی کے فن مین بھی کامل تھے۔ مشہور ہے کہ یہ تپنگ کے اتنے بڑے شوقین تھے کہ جب تک زندہ رہے، بشرط موقع و محل پتنگ ضرور اڑایا کئے۔ ۶۷ سال کی عمر مین لاولد وفات پائی۔ ان کے مرنے کے بعد ان کی نیک بخت اور سعادتمند بی بی نے قابل تقلید نیک کام یہ کیا کہ خاندانی قبرستان کی پختہ دیوارین انھین کی کمائی کے روپیہ سے بنوا کر ایک عمدہ یادگار قائم کردی، جو نہایت دور اندیشی اور دانشمندی پر مبنی ہے۔ محترم خاتون صاحبہ نے حج کا شرف بھی حاصل کیا تھا اور اپنے ہمراہ دو خدمت کرنے والیون کو بھی حج کرایا تھا۔ (مخدوم زادگان)

خادادؔن ۱۲

حافظ مصطفیٰ کریم صاحب کورٹ انسپکٹر

ازنسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کے بڑے بیٹے، کورٹ انسپکٹری کے عہدہ پر ممتاز، بہت ذہین، عربی و فارسی کے ماہر اور دونون زبانون کے بہترین خوشنویس ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ قرآن اور شطرنج کھیلنے مین بھی اوستاد۔ ولادت ۱۲ رجب سنہ ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۳۔ اکتوبر سنہ ۱۸۳۷ع یوم جمعہ، وفات ۲۔ ربیع الثانی سنہ ۱۳۱۸ھ مطابق ۳۰ جولائی سنہ ۱۹۰۰ع یوم دوشنبہ ۵ بجے صبح۔ یہ سب علوم و فنون لکھنؤ مین حاصل کئے تھے۔ عربی فرنگی محل مین پڑھی تھی، فارسی و خوشنویسی کی تعلیم دیگر مشہور اوستادون سے پائی تھی۔

حافظ جی صاحب خوشنویسی اور شطرنج کے علاوہ صغر سنی مین تپنگ بھی خوب بناتے تھے۔ رنگ برنگ کے خوبصورت تپنگ بنا کر اپنے چچازاد بھائی مولوی عبدالکریم صاحب کو دیا کرتے تھے۔

بیس برس کی عمر مین تحصیل علوم سے فارغ ہو کر پہلے بنارس مین تھانہ دار ہوئے۔ ایک مدت کے بعد الہ آباد تبدیل کئے گئے، پھر کورٹ انسپکٹری کے معزز عہدہ سے سرفراز ہو کے جھانسی آئے اور وہین سے پنشن پاکر خانہ نشین

ہو گئے۔ ۵۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ اولاد میں مسترف کریم صاحب گرداور قانونگو پنشن یافتہ بہ قید حیات۔ ذاتی پختہ مکان موجود۔ (مخدوم زادگان)۔

حاجی عبداللطیف صاحب سب انسپکٹر

فخرِ وطن حکیم مولانا محمد نور کریم صاحب کے فرزند دوم، سب انسپکٹری پر مامور، پتنگ بازی کے فن میں اپنے وقت کے بے مثل اوستاد۔ ولادت ۱۲۵۹ھ مطابق ۱۸۳۹ء، وفات ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء۔

حسب ضرورت فارسی سے آشنا تھے۔ ۱۰ برس کی عمر میں زمانہ غدر کے بعد محکمۂ پولیس کے محکمہ میں سب انسپکٹری کے عہدہ پر مامور ہو کر اضلاع بستی و اعظم گڈھ و بلند شہر، علی گڈھ، گونڈہ وغیرہ میں اپنے فرائض منصبی انجام دیتے ہوئے ایک لخت ۵۴ سال گورنمنٹ کی ملازمت کرنے کے بعد دفعۃً ذراسی بات پر خود علیحدہ ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن یہ کسی ضرورت کی بنا پر تھانہ سے صدر مقام گونڈہ آئے اور کپتان صاحب کے بنگلے پر گئے۔ صاحب نے کسی کام کے لئے ان سے کہا، چونکہ نماز کا وقت قریب تھا، اس لئے انھوں نے عذر کیا کہ "میں نماز پڑھ کے ابھی جاتا ہوں" صاحب بہادر اس پر ناراض ہو کر کہنے لگے کہ "ہر وقت نماز پڑھی جاتی ہے"؟ حاجی صاحب اپنے مذہب کے پکے پابند تھے، صاحب بہادر کا یہ کلمہ سنتے ہی اسی وقت استعفا داخل کر کے اپنے مکان چلے آئے، اور پھر تاعمر کسی کے ملازم نہیں ہوئے۔ آبائی زمینداری پر بقیہ عمر بسر کی۔ اس سے ان کی آن بان بھی ثابت ہوتی ہے۔

فن پتنگ بازی میں لکھنؤ کے مشہور پتنگ باز مولوی عمدو کے شاگرد رشید تھے، اور اس فن میں اس قدر مشق بہم پہونچائی تھی اور وہ کمال حاصل کیا تھا کہ پتنگ کاٹتے تھے۔ رائے شیو راج بلی صاحب اور ان سے بھی خوب خوب لنڈورے کے پیچ لڑتے تھے۔ لیکن، وہ جیتتے نہیں تھے، ہمیشہ ہار جاتے تھے۔ جب ان کے دس پندرہ پیچ متواتر کٹتے تھے، تو، ان کا ایک پتنگ کٹتا تھا۔

یہ خدا و رسول کے سچے عاشق اور باوضع مسلمان تھے۔ دنیاوی تکلفات سے بری، روزہ و نماز کو مقدم سمجھتے تھے۔ دینی فرائض کی ادائیگی میں حد سے زیادہ مستعد تھے۔ چنانچہ دو مرتبہ بیکاری کے زمانے میں حج کر کے مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف اندوز ہوئے تھے۔ ساتھ ہی اس کے نہایت نیک طینت، صاف دل، صلح پسند، دنیاوی جھگڑوں سے علیحدہ، ہندو مسلمان سب کے دوست تھے۔ ہر شخص کی عزت کرتے۔ موقع و محل کے لحاظ سے اپنے سے چھوٹوں کی بات کو بھی مان لیتے تھے، صدہیں کرتے تھے۔ خانگی معاملات کے متعلق عدالت میں دعویٰ دائر کرنا پسند نہیں فرماتے تھے، جو کچھ خاندان والے باہمی طے کر دیتے تھے یا رونا چار اسی پر خاموش ہو جاتے تھے۔

ان کی تندرستی بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ معدہ کے متعلق کبھی کسی قسم کی شکایت نہیں ہوئی۔ ان کا سحری ناشتہ آج کل کے نوجوانوں کے دو دونوں وقت کی غذا کے برابر تھا۔ لیکن، نہایت افسوس ہے کہ پیری کے زمانے میں اپنے ایک ہونہار اور سعادت مند لڑکے (عبدالرقیب، جو تھوڑے ہی دنوں میں اچھے خاصے طبیب ہو جاتے) کے آغازِ شباب

مین انتقال کرجانے سے انھیں صدمۂ عظیم برداشت کرنا پڑا، اور ۸۰ برس کے سن میں وفات پائی۔ اولاد مین میان عبدالکریم بقید حیات، نہایت سعادت مند جنھون نے حال مین ذاتی طور پر ایک عمدہ پختہ مکان بنواکے اپنے بزرگون کا نام روشن کیا ہے جس سے ان کے صاحب کی سب الرعی ثابت ہوتی ہے۔ حاجی صاحب کی یادگار مین بیرونی عالی شان بیٹھک ہے جس مین آج کل حکیم مولوی محمد عبدالحسیب مطب کرتے ہین۔ (مردوم زادگان)

شیخ وارث علی صاحب

عیوض علی صاحب کے بیٹے، ریاست ٹیڑھا مین فوجدار (تھانہ دار) تھے۔ اچھی قدر و منزلت تھی۔ علاوہ معقول تنخواہ کے کثیر اراضی بھی معمولی لگان پر ریاست ہوئے تھے۔ تخمیناً ۵۰ سال کی عمر نصیب ہوئی۔ ۱۹۱۶ء مین فوت ہوئے۔ اولاد مین عبدالمجید بقید حیات اور آراضی مذکور پر بدستور قابض، اور یہی با فراغت اطمینان کے ساتھ ذریعۂ معاش۔ (چودھریان)

مولوی عالم علی صاحب صدر قانونگو

نیشاپوری سید، حکیم مولوی باقر علی صاحب کے فرزند اول (چھوٹے صاحبزادہ مولوی ثابت علی صاحب تھے) صدر قانونگوئی کے عہدہ پر ممتاز اور نیک نیتی و ایمانداری میں خاص طور پر مشہور و معروف۔ ولادت ۱۸۴۲ء، وفات ۲۳ مئی ۱۹۱۸ء مطابق ۱۲ رجب ۱۳۳۶ھ۔

ان کے والد مولوی باقر علی صاحب اچھے طبیب تھے اور دادا سید حسین علی ولد میر کفایت اللہ صاحب بن مولوی غلام یاسین صاحب شاہی مین تحصیلدار تھے۔ باقر علی صاحب نے لکھنؤ مین عربی و فارسی کی تعلیم پائی تھی اور وہین علم طب بھی حاصل کیا تھا۔ ایک مدت تک لکھنؤ مین طبابت کرتے رہے۔ پیری مین اپنے وطن دریاباد آکر راجہ صاحب کے یہان ملازمت کرلی تھی۔ بڑے نیک، روزہ و نماز کے پابند، اسی نصف صدی قبل بقید حیات تھے۔ حکیم باقر علی صاحب کے پردادا مولوی غلام یٰسین صاحب نے معہ عیال و اطفال دیوان روشن لال صاحب کی قدردانی سے اپنا وطن لکھنؤ ترک کرکے دریاباد میں سکونت اختیار کی۔ دیوان جی صاحب نے انھین اپنے مکتب خانہ کا معلم مقرر کیا اور اُن کے رہنے کے لئے دو منزلہ پختہ مکان بنوادیا۔ غلام یٰسین صاحب کی اولاد مین کفایت اللہ صاحب کے بیٹے حسین علی صاحب دریاباد ہی مین پیدا ہوئے تھے۔

عالم علی صاحب نے پہلے (۴ جنوری ۱۸۶۰ء مین) محکمۂ بندوبست مین نوکری کی اور مختلف عہدون کا کام انجام دیتے ہوئے ۱۴ سال کے بعد ۹ جنوری ۱۸۷۹ء کو کلکٹری کے صیغہ مین اہلمد مقرر ہوئے، بعد اس کے صدر قانون گوئی کا عہدہ ملا اور پچاس روپیہ ماہوار تنخواہ ہوگئی۔ ۲۲ سال ملازمت کے بعد یکم اپریل ۱۹۰۱ء سے پنشن ملنے لگی۔ ۴۰ سال گورنمنٹ کی ملازمت کی۔ پنشن پاتے ہی راجہ صاحب محمود آباد نے ان کی دیانت داری کا شہرہ سنکر اپنے یہان بلالیا

اور بڑی عزت کے ساتھ بتیس آکر چالیس روپیہ کے ماہوار مشاہرہ پر ریاست کا محاسب مقرر کر دیا۔ یکم اگست سنہ ۱۹۰۱ء لغایت آخر اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء وہاں ملازم رہے جب بینائی میں فتور آگیا تو اپنی جگہ اپنے بیٹے ناصر علی کو مقرر کرا دیا اور خود خانہ نشین ہو گئے تا زندگی ریاست سے بھی دو سو روپیہ سالانہ پنشن پاتے رہے۔ تخمیناً ۷۵ سال کی عمر میں منگل کے دن علی الصباح بعارضہ بخار و حرارت اپنی جگہ وفات پائی۔ یادگار میں ایک پختہ مکان۔ (محرران)۔

مرحوم نہایت تجربہ کار زمانہ شناس، نیک اور خلیق بزرگ تھے علمی استعداد نہ تھی، صرف ضرورت کے موافق فارسی پڑھے تھے طبیعت میں قناعت زیادہ تھی۔ راست گوئی خاص شیوہ اور فضول باتوں سے سخت احتراز تھا۔ ہندو و مسلمان سب سے یکساں ملتے تھے۔ تکلف سے بری، سادی وضع کے پابند تھے۔ زمانہ ملازمت میں اپنے قابل تعریف طرزِ عمل سے حکام کو ہمیشہ خوش رکھا جو ذیل کے شاندار سارٹیفکٹوں ؎ سے بخوبی واضح ہے۔

(۱) منشی عالم علی صاحب صدر قانونگو کی بابت میں عہدۂ تحصیلداری کے لئے بہت بڑی سفارش کرتا ہوں۔ ان کا چال چلن نہایت عمدہ ہے۔ یہ بہت بڑے قابل اور جفاکش افسر ہیں اور مالی کام میں کافی استعداد رکھتے ہیں مجھ سے کرنل بچر اور مسٹر میکالگ لی صاحبان نے جبکہ وہ سیتاپور میں کمشنر تھے، بہت بڑی تعریف کی ہے۔ یہ دریاباد کے ایک شریف اور سادات خاندان میں سے ہیں۔ ان کے والد لکھنؤ میں ایک حکیم تھے اور دادا خاص تحصیلدار بادشاہ اودھ کے تھے اور لکھنؤ میں ان کا مولوی خطاب تھا۔ دستخط اسمر ڈپٹی کمشنر کھیری ۲۲ دسمبر سنہ ۱۸۹۶ء (۲) منشی عالم علی صاحب ایک لائق شخص ہیں۔ میں نے ان کے واسطے تحصیلداری کے لئے سفارش کی ہے دستخط مرے ڈپٹی کمشنر کھیری (۳) عالم علی صدر قانونگو ہمارے ساتھ دو ہفتہ ضلع میں دورہ پر رہے ہیں۔ مجھے یہ معلوم ہونے سے بہت خوشی ہوئی کہ صرف سرکاری ہی کام میں توجہ نہیں کرتے، بلکہ ان کو ضلع کے زراعتی حالات سے بھی واقفیت کامل ہے اور اس بارہ میں مجھے آج تک ان کا کوئی ہم مقابل نظر نہیں آیا، اس لئے میں اپنے معمول کے خلاف یہ تحریر لکھنے پر مجبور ہوا۔ دستخط جے۔ ڈبلیو۔ ڈی ڈائرکٹر محکمہ زراعت ممالک مغربی و شمالی و اودھ۔ ۲۹ فروری سنہ ۱۸۹۶ء (۴) منشی عالم علی صاحب صدر قانونگوئی میں کافی لیاقت رکھتے ہیں۔ ضلع کے متعلق انکو ہر طرح کی واقفیت حاصل ہے۔ اس وقت تک اپنی ملازمت کے فرائض عمدہ طور سے انجام دئے اور اپنے کو نہایت قابل اعتبار ثابت کیا۔ دستخط جی۔ ڈی۔ ل (سول سروس) ڈپٹی کمشنر کھیری مئی سنہ ۱۹۰۱ء۔

منشی بانکے بہادر صاحب رجسٹرار قانونگو

باتھم کائستھ، از نسل درگاداس بہ سلسلہ خاندان رائے صاحب منشی رام دیال صاحب کے بیٹے، منشی گلال چند صاحب رئیس و چودھری قانونگو کے حقیقی بھتیجے، یہ عہدۂ رجسٹرار قانونگوئی ماہوار سادھوؤں کی خدمت میں قابل تعریف۔ ولادت غالباً سنہ ۱۸۴۲ء، وفات سنہ ۱۹۱۳ء۔ ۲۰ برس کی عمر میں گورنمنٹ کی ملازمت کی۔ عرصہ تک رجسٹرار قانونگو رہے۔ پیری کے زمانے میں پنشن پاکر خانہ نشین ہو گئے۔ ملازمت کا زمانہ نہایت نیک نامی سے گذرا، عقیدے

؎ اصل سارٹیفکٹ انگریزی میں شیخ ناصر علی صاحب کے پاس موجود ہیں۔

کے سچے، اور مضبوط، پوجا پاٹ کے پابند تھے۔ اجودھیا کے مشہور مہاتما بابا رگھناتھ داس سے منتر (بیعت) حاصل کیا تھا۔ سادھوؤں کی خدمت سے فطری دلچسپی تھی، تمام عمر یہی مشغلہ موجب تفریح رہا۔ مخیر بھی تھے، اکثر بیکسوں اور محتاجوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ مزاج میں اولوالعزمی بھی تھی، اپنے چھوٹے لڑکے بابو گرپرشاد کے موڈن کی تقریب میں بڑے اہتمام کے ساتھ اعلیٰ پیمانہ پر ایسی ضیافت کی کہ بہت دنوں تک دریاباد میں شہرت رہی۔

منشی صاحب کے دو بیٹے تھے، دونوں عین جوانی میں داغ مفارقت دیگئے۔ غالباً ۰ سال کی عمر میں بیکنٹھ باش ہوا۔ نیک دل، صاحب اخلاق، جوانی میں خوبصورت، آبائی وضع، یادگار میں ایک پوتا، یادونؐ بہاری نام، آبائی زمینداری پر قابض۔ (بھاٹک اندر)۔

لالہ بھیروں پرشاد صاحب جگدھریا

چھتری ورن، اثری داستو یہ دوسرے کالیستھ، آل نگینہ دھاری معروف بہ "جگدھریا"۔ لالہ سیتل پرشاد صاحب کے فرزند اکبر (چھوٹے بھائی منولالؐ ذماتا پرشاد تھے) راقم الحروف کے والد ماجد، اعلیٰ اسیاق داں، فارسی میں ذی استعداد ولادت غالباً ۱۸۲۲ء، وفات آغاز ۱۸۸۵ء۔

دریاباد کے مشہور و معروف معلم مولوی سالار بخش صاحبؐ فارسی کی تعلیم پائی، اردو سے بھی آشنا تھے، خط بہت پختہ اور صاف تھا۔ پہلے چودھری عباس علی صاحب (رئیس دریاباد) کے یہاں قانونگوئی کے دفتر میں بصیغہ محرری ملازم ہوئے۔ چودھری غلام عباس صاحب کے زمانے تک بڑی قدر و منزلت کے ساتھ اپنے کار متعلقہ پر مامور رہے۔ انکی وفات کے بعد منشی بانکے بہادر صاحب رجسٹرار قانونگو کی ملازمت اختیار کر لی، اور پھر زندگی بھر دوسری جگہ نوکری کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ سنہی گھاٹ میں رہتے تھے، قانونگوئی کا دفتر سپرد تھا، بانکے بہادر صاحب کے ذاتی نوکر تھے، سات روپیہ ماہوار تنخواہ تھی۔

مذہب کے پابند، روزمرہ پوجا پاٹ کرتے تھے۔ نہایت نیک سیدھے سادے، خلیق، ہر دل عزیز اور ملنسار تھے۔ ہندو مسلمان سب سے میل تھا۔ لوگوں سے اچھی طرح ملتے اور ملائمت سے بات چیت کرتے تھے۔ دنیا کے تین پانچ سے بالکل بے خبر تھے، اپنی راہ آتے، اپنی راہ جاتے، طبیعت میں صبر و استقلال تھا، دکھ سکھ ہر حال میں خوش رہتے تھے۔ قرض سے

ؐ منشی مہابیر پرشاد صاحب کے بیٹے، انگریزی میں انٹرنس پاس، اردو شاعری میں مذہبی رنگ سے دلچسپی، سری کرشن جی کے معتقد، نیک چلن، نوجوان، خوبصورت، ذہین، صاحب اولاد، وضع قدیم، سبدیہ ۱۲۔

ؐ پولیس میں ہیڈمحرر تھے۔ اپنی زندگی میں گیا کی جاترا کی، بھاگوت سنی۔ دونوں مرتبہ دھوم دھام سے عام جلسہ کیا۔ برہمن بھوجن کے علاوہ عام برادری کی بھی ضیافت کی۔ دیگر لوگوں کو بھی بافراط کھانا تقسیم کیا۔ قدیم شکستہ مکان کی مرمت کرائی۔ ۴۳ سال کی عمر میں ۱۹۰۸ء میں لاولد فوت ہوئے ۱۲۔

ؐ ۱۸۷۳ء کی مصیبت خیز قحط سالی میں نہ معلوم کہاں چلے گئے، آج تک پتہ نہیں ۱۲۔

سخت نفرت تھی۔ نفاست پسند، امیر مزاج، اور راستگو تھے۔ دل فیاض تھا، اکثر لولے، لنگڑے، اندھے محتاجون کو خفیہ طور پر کچھ دے دیا کرتے تھے۔ شعر و سخن سے دلچسپی تھی، سیکڑون اشعار دیوان حافظ اور شاہنامہ کے یاد تھے حافظہ بہت معقول تھا، کریما، مامقیمان، خالق باری، شروع سے آخر تک حفظ تھی۔ کتابون کے بڑے شوقین تھے بہت سی کتابین نقل کین اور خرید کر ڈالین۔ حاضر جواب اور آن بان والے بھی تھے۔ خوراک ڈیڑھ یا ڈیڑھ چھٹانک سے زیادہ نہ تھی۔ دنیاوی تکلفات اور بیجا شوقون سے قطعی احتراز تھا۔

دو فارسی تحریرون سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد سیتل پرشاد صاحب عہد محمد علی بادشاہ لکھنؤ شاہی وکیل تھے، جبکہ نواب گنج بارہ بنکی مین تعیناتی تھی، ۱۲۵۵ھ کے قبل عہدہ مل چکا تھا۔ نو برس کے بعد ۱۴ ذحجہ ۱۲۶۳ھ کو ریاست پالی مین صلعدار ہو گئے تھے۔ شیخ کرم کریم صاحب عرف چھیدا میان، چودھری عباس علی صاحب، لالہ رام سہائے صاحب، پنڈت رام چرن، سے خاص طور پر دوستانہ مراسم تھے۔ بڑے حلیم، نیک، اور وضعدار۔ تخمیناً ۹۵ سال کی عمر مین اب سے نصف صدی قبل بے قید حیات۔

تحقیقات سے پتا چلتا ہے کہ ان کے بزرگ مضافات کابور سے دریاباد آکر آباد ہوئے تھے جس کی نسل والون نے ایک عظیم الشان یگیہ کر کے "یگیہ دھاری" کا لقب حاصل کیا تھا جس کی وجہ سے اُس کے اعزاز و مرتبہ کی شعاعین زیادہ تیز ہو گئی تھیں، اور دور دور تک تحسین و آفرین کی روشنی پھیلی ہوئی تھی، ہر جگہ اُن کی دولت و امارت کا آوازہ شہرت گونج رہا تھا عرصہ تک یہ خاندان ماموری کے ساتھ قائم رہا مغل بادشاہون کے وقت مین خاندان کے بعض افراد اچھی اچھی جگہون پر مامور رہے۔

چنانچہ شجرۂ خاندان یگیہ دھاری (مرتبۂ بابو اودھ بہادر صاحب وکیل بارہ بنکی) سے پایا جاتا ہے کہ آنت رام صاحب یگیہ دھاری کو شہنشاہ اکبر کے دربار سے الہ آباد کی نظامت عطا ہونے کے ساتھ ساتھ "رائے" کا خطاب بھی مرحمت ہوا تھا۔ غالباً مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہوتے ہی جلد صوبہ خاندان کے اقبال کا سورج بھی ڈوبنے لگا۔ شان و شوکت کی کشتی گرداب فنا مین پھنس کر چکر کھانے لگی۔ ایک طرف رقیبون کے ظلم و ستم کی طوفان خیز موجون کا زور و شور، دوسری طرف باہمی عداوت اور خانہ جنگیون کی جہالت آمیز ہواؤن کے غضبناک جھونکے، اس پر مستزاد بیجا عیش پرستی کی موسلادھار بارش۔ نتیجہ یہ کہ بہت جلد یعنی نوابی دور شروع ہونے تک دھن دولت، اور ریاست وغیرہ پر پانی پھر گیا۔ اگلا عز و وقار، اگلی آبرو، اگلی عظمت برائے نام باقی رہ گئی معاملہ سب بارہ باٹ ہو گیا۔ عزیز و اقارب، دوست و احباب نو دو گیارہ ہو گئے۔ اس طلاطم انگیز آسمانی قہر سے خاندان مین ایک تہلکہ پڑ گیا۔ اکثر بزرگون نے دریاباد چھوڑ کر دوسرے مقامات پر سکونت اختیار کر لی جن کے دل مین حب الوطنی کا کچھ زیادہ جوش تھا وہ یہین رہ گئے، دکھ سکھ سہا کئے، قدم باہر نہین نکالا، ابھی اس بلائے بے درمان سے نجات نہین ملی تھی، اطمینان سے بیٹھنے نہین پائے تھے کہ پھر تازہ مصیبت نازل ہو گئی۔ مخالفین کے دل مین دیرینہ بغض و حسد کا شعلہ بھڑک اُٹھا، فوراً جگہ صورتون کی ضیافت کر کے آفت ڈھا دی۔ اُدھر انھین مئے دو آتشہ پلا کر بے ہوشی کی حالت مین تلوار کے گھاٹ اتارا، اِدھر مکان مین آگ لگوا دی گئی۔ پُرانے کاغذات، شاہی فرامین، کپڑا لتا وغیرہ جو کچھ تھا، جل کر خاک ہو گیا، اور دعوت مین عداوت، خود کردہ را علاجے نیست، ناعاقبت اندیشی کا انجام بُرا، شراب خانہ خراب کی مثل صادق آ گئی۔ لیکن، شکر کا مقام

ہے کہ جگدھریوں کا خاندان نیست و نابود نہیں ہوا۔ ابتک نسل قایم ہے۔ کنور بنتا بھر سہائے صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی وکیل گونڈہ (از خاندان محرران دریابادی) اپنے پرائیویٹ خط[1] (۲۲ اگست ۱۹۱۵ء) مین تحریر فرماتے ہین:۔ مین نے جب اپنی لڑکی کی شادی کی تھی تو اُس سلسلہ مین نسبت نامہ بھی منگوایا تھا، اُس سے معلوم ہوا تھا کہ منشی ہزاری لال (کنور صاحب کے جد امجد) کی شادی بخانہ منشی رام سہائے (راقم الحروف کے جد امجد) بہ لقب "جگدھریا زمیندار قصبہ دریاباد" ہوئی تھی اور لالہ منّو لال صاحب (مولف کے حقیقی چچا) اُس خاندان کے دریاباد مین ہین۔ مین نے اُنکو خط لکھا تھا۔ لیکن، جواب نہ آیا۔" اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ جگدھریوں کی قدیم رئیسانہ حیثیت کا دھندلا سا نشان اب سے سو برس قبل یعنی غازی الدین حیدر بادشاہِ اودھ کے زمانے تک دریاباد مین قایم رہا۔ اِسی خط سے جگدھریون اور محررون کی باہمی قرابت داری بھی ثابت ہوتی ہے۔ شجرۂ خاندان بگیہ دھاری مُرتبہ بابو قسمت رائے صاحب، شجرۂ خاندانی مُرتبہ بابو اودھ بہادر صاحب بگیہ دھاری، شجرۂ خاندانِ رُدولی کے دیکھنے، نیز تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈھائی تین سو برس سے جگدھریا خاندان کی چار شاخین قایم ہو گئی ہین۔ (۱) صاحبان دریاباد خاص، از نسل رائے جگت مَن داس۔ اولاد مین مولف تاریخ ہٰذا بہ قید حیات، لاولد۔ یادگار مین پختہ مکان و چاہ پختہ۔ اِس خاندان کے اکثر لوگ ابراہیم آباد (ضلع بارہ بنکی) بھوری گنج (ضلع گونڈہ) مین ابتک موجود ہین (۲) صاحبانِ رُدولی، از نسل رائے سرمن داس۔ چوتھی پُشت مین تھان سنگھ نے رُدولی سکونت اختیار کی۔ اولاد مین پرتاب ملی وغیرہ، نسلی سلسلہ قایم (۳) صاحبان ٹھرہا، ضلع اُناؤ، از نسل رُدرمن داس۔ اولاد مین بابو قسمت[2] رائے صاحب بی اے، ایل ایل بی، وکیل رائے بریلی، وارد حال شہر مذکور، تیو رام ٹیچر کائستھ پاٹ شالہ الہ آباد، بابو لچھمی نراین صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی وکیل اُناؤ، بختاور سنگھ ہیڈکلرک دفتر انجینری

[1] یہ خط منشی لگن بہاری لال صاحب کے نام ہے اور اُنھیں کے پاس موجود ہے ۱۲

[2] رائے بریلی کے وکلاء مین نہایت معزز و ناموز، ملک و قوم کے سچّے خادم، کانگریس و سوشل رفارم اور تعلیم کے حامی، ضلع مین پولیٹکل بیداری، اور رائے بریلی مین ہندو ہائی اسکول، اور فخر قوم منشی کالی پرشاد صاحب "کُل بھاسکر" کی سالگرہ کے بانی، ناگری پرچارنی سبھا (رائے بریلی، شاخ بنارس) کے پریسیڈنٹ، قابل اسپیکر و لیکچرار، انگریزی زبان کے نہ صرف ماہر، بلکہ لایق ادیب اور اخبار "لیڈر" الہ آباد کے کارسپانڈنٹ، کائستھ پاٹ شالہ الہ آباد کے لائف ٹرسٹی، اپنے قابل قدر کارنامون کی بدولت ممالک متحدہ و اودھ مین آفتاب کی طرح روشن، بظاہر مغربی وضع، بباطن مذہبی مسائل کے نکتون سے بخوبی آگاہ، اپنے دھرم کرم کے پکے پابند اور کٹر ہندو۔ انڈیا وار بُک لاہور ۱۹۱۵ء، صفحہ ۹۷ مین لکھا ہے:۔ بابو قسمت رائے جگدھاری بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل ہائی کورٹ جنوری ۱۸۵۸ء مین الہ آباد مین پیدا ہوئے۔ یہ ایک شریف اور معزز کائستھ خاندان کے ہین جس کا تعلق دریاباد (ضلع بارہ بنکی) کے کایستھون سے ہے۔ اِن کے بزرگ پہلے پہل ٹھرہا (ضلع اُناؤ) گئے، بعد کو فتح پور (شہر)۔ اِن کے آبا و اجداد شاہی اور انگریزی مین اعلیٰ عہدون پر ممتاز رہے۔ مغلون کے زمانے میں ان کے ایک بزرگ کلکٹر (چکلہ دار) ٹھرہا ضلع اُناؤ کے تھے (جہان اُن کا شکستہ محل، اور اُنکی یادگار مین تلوار ٹولا ابتک موجود ہے۔ چونکہ وہ تلوار چلانے مین خاص شہرت رکھتے تھے، اس لئے اُن کے مقام سکونت کا نام تلوار ٹولا مشہور ہو گیا — مولف) اِن کے دادا منشی لچھمن پرشاد جنھون نے انگریزی تعلیم بھی حاصل کی تھی، بہ عہدِ سلطنت انگلیشیہ ایک ممتاز عہدہ پر مامور ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر مین مسٹر ٹکر کے ساتھ قتل کئے گئے۔ (بڑے بہادر اور علم دوست، فارسی و سنسکرت

بریلی، دیبی چرن نائب محافظ دفتر کلکٹری کانپور، رام نرائن رجسٹرار قانونگو تحصیل بھرولی ضلع جھانسی وغیرہ، بہت سے اصحاب الہ آباد، کانپور، لکھنؤ، بارہ بنکی مین آباد ہوگئے ہین۔ (۴) صاحبان فتح پور، از نسل لالہ رام داس۔ منشی سورج بلی صاحب منیجر ریاست ہڑاہا کی اولاد مین بابو اودھ بہادر صاحب بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل بارہ بنکی، وارد حال نواب گنج بارہ بنکی، بہت سے لوگ الہ آباد وغیرہ مین آباد ہین۔

لالہ سرجو پرشاد صاحب مرحوم ایک مرتبہ بر سبیل تذکرہ ارشاد فرماتے تھے کہ "لالہ بھیرون پرشاد صاحب بڑے وضعدار اور لایق منشی تھے۔ ملازمت کے سلسلے مین ہمیشہ اپنے فرض منصبی کو ایمانداری کو نیک نیتی اور صفائی و خوبصورتی کے ساتھ انجام دیتے رہے، کبھی کسی قسم کی شکایت سننے مین نہین آئی۔ چودھری عباس علی صاحب اُن کے بڑے قدردان تھے۔ چودھری صاحب کے یہان اگرچہ بھیرون پرشاد صاحب محرری کا کام کرتے تھے، مگر، دراصل اُنھین ایک مشیر یا مصاحب خاص کی عزت حاصل تھی۔ چودھری صاحب ہر اہم معاملہ کی نسبت اُن سے نج مین رائے لے لیتے تھے۔ چونکہ چودھری صاحب پر اُن کا خاندانی اعزاز، اُن کے بزرگون کا تابناک زمانہ اچھی طرح روشن تھا، اس لیئے جملہ ملازمین سے اُن کی قدر و منزلت زیادہ تھی۔ منشی بانکے بہادر صاحب کی ملازمت مین اکثر حکام نے اُن کے کام سے خوش ہوکر خود خواہش ظاہر کی کہ، اگر آپ کا ارادہ ہو تو ہم صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر سے سفارش کرکے کوئی عمدہ سرکاری جگہ دلوادین، لیکن، بھیرون پرشاد صاحب نے منشی بانکے بہادر صاحب کی ملازمت چھوڑ کر گورنمنٹ کی نوکری نہین کی" اس سے اِن کی قناعت پسندی، ذہانت و عقلمندی اور دماغی قابلیت بھی ظاہر ہوتی ہے —

لالہ گلزاری لال جی صاحب (بڑے لایق و ہوشیار، رائے نارائن بلی صاحب تعلقدار دریاباد کے وقت مین واصلباقی نویس تھے) بیان فرماتے تھے، کہ "منشی بھیرون پرشاد صاحب جگدھر یا کو علم سیاق اور حساب کتاب مین بہت بڑا ملکہ حاصل تھا۔ حساب لکھنے اور میزان دینے مین کبھی غلطی نہین کرتے تھے۔ اُن کے میزان دینے کا طریقہ یہ تھا کہ ہندسون کی آواز منھ سے نہین نکلتی تھی اور بجائے روپیہ آنہ۔ پائی یا بیگھہ۔ بسوہ۔ بسوانسی یا من، سیر، چھٹانک وغیرہ کے متعلق ہر رقم یا

کے عالم اور ہر دلعزیز زبان کے قابل شاعر۔ مولف) بابو صاحب بھی ملک کے بہی خواہوں میں سے ایک شخص ہیں، جو ۱۹۱۱ء سے رائے بریلی پر اپنی جان قربان کررہے ہین۔ یہ ایک نہایت ہوشیار ریفارمر اور بہت بڑے قابل و مستعد آدمی ہین۔ تعلیم و کانگریس سے خاص دلچسپی ہے۔ تین سال تک میونسپل بورڈ میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ کام انجام دیا۔ اور اس وقت کوآپریٹو بنک کے ڈائرکٹر اور ضلع کی کانگریس کمیٹی کے سکریٹری ہین۔ ہندو یونیورسٹی کا چندہ وصول کرنے کے لیئے سکریٹری اور ائس کے متعلق احکامات جاری کرنے کے بانی یہی تھے (رائے بریلی کے ضلع سے ڈیڑھ سال مین سوا لاکھ روپیہ وصول کیا۔ مولف) ہندو اسکول کے بانیون مین سے یہ ایک شخص ہین، اور کائستھ پاٹھ شالہ۔ الہ آباد کے، جس مین انھون نے تعلیم پائی ہے، خاص کارکن۔ انھون نے زمانۂ جنگ میں برٹش گورنمنٹ کی بہت بڑی وفادارانہ خدمت کی، جس کا شکریہ ممالک متحدہ کے لفٹنٹ گورنر نے ادا کیا۔ اپنی پرجوش اور موثر تقریرون سے رنگروٹ بھرتی کرنے اور چندہ کی فراہمی میں بہت بڑی مدد دی اور ضلع کی جنگی لیگ مین چیرمین ہوکر کافی امداد کی، پھر ضلع کی جنگی کمیشن مین نہایت ہمت سے کام کیا۔ بابو صاحب نے اس جنگی تاریخ کی تکمیل مین اعانت فرمانے کا فخر بھی حاصل کیا ہے۔" بابو صاحب بڑے نیک، صاحب اخلاق، با مروت، خوش مزاج، خوش چلن، خوش پوشاک، امیر دل، نفاست پسند، صاحب اولاد اور ایمانداری سے زندگی بسر کرنے مین مشغول۔

ہر جز کی میزان علاحدہ علاحدہ صفحہ وار دینے کے وہ ایک دم سے جزو کل کی میزان ایک ہی وقت میں ختم کر دیتے تھے اور طرّہ یہ کہ غیر مشکوک اور صحیح۔ بات کی بات میں بڑی سی بڑی رقموں کی کئی کئی صفحوں والی میزان دینا، جو غلطی سے بالکل پاک و صاف ہو، اُن کا خاص حصّہ تھا۔ تیزی کے ساتھ ہی قلم اور ہاتھ پر قابو رکھتے ہوئے شکستہ خط میں صحیح و صاف اور خوبصورت حروف لکھنا، کام کے وقت دوسرے کی باتوں پر متوجہ نہ ہونا، نگاہ اور خیال کو قابو میں رکھنا وغیرہ، اُن کے ذاتی جوہر تھے۔ اُن کے لکھے ہوئے کاغذات دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی تھی۔ فارسی و انگریزی اور ہندی ہر قسم کے سیاق سے واقف تھے۔ پٹواریوں کے کاغذات جانچ کرنے میں کافی مہارت تھی۔ جس کاغذ کی جانچ وہ دس منٹ میں کر سکتے تھے، دوسرا اُسے دو گھنٹے میں بھی اچھی طرح نہیں جانچ سکتا۔ اُن کے جانچے اور دیکھے ہوئے کاغذوں میں غلطیاں نکالنا سخت مشکل تھا۔ جتنا کام وہ اکیلے دن بھر میں ختم کر ڈالتے تھے، چار متصدی بھی اُتنا کام نہیں کر سکتے۔ عقلمند بھی ایسے تھے کہ ذرا سے اشارے میں تہ کی بات سمجھ جاتے تھے۔ امانت کے کام سے بھی کچھ کچھ واقفیت تھی۔ نقشوں کا عکس خوب اُتارتے تھے۔ انھیں اوصاف کے باعث تحصیل میں اُن کا شہرہ تھا۔ اکثر قدردان مسلم رئیسوں نے نوکری کے لئے اُن کے پاس پیغام بھیجے، دوستانہ خطوط لکھے، مگر بھیروں پرشاد صاحب نے کبھی منظور نہیں کیا، کیونکہ اُن کے خیال میں چودھری عباس علی صاحب یا منشی بانکے بہادر صاحب کی ملازمت بلاوجہ ترک کر کے دوسری جگہ جانا خلاف وضع تھا۔ یاق کے متعلق منشی بھیروں پرشاد صاحب کے شاگردوں میں پنڈت گیا پرشاد غازی پوری (پرگنہ دریاباد) ایک لایق اور مشہور متصدی اب تک رہ رہے۔

افسوس ہے کہ والد صاحب نے کام کے آگے اپنی زندگی کی کچھ پروا نہ کی، ضرورت سے زیادہ محنت و مشقت کرنے کے باعث آرام میں خلل آگیا، صحت جلد خراب ہو گئی۔ پہلے زکام ہوا، بعد اُس کے اندرونی حرارت رہنے لگی، دوستوں نے علاج کی صلاح دی، مگر کچھ خیال نہیں کیا۔ آخر میں جب چلنے پھرنے سے مجبور ہو گئے تو سنہی گھاٹ سے فنس پر مکان آئے اور ساتویں دن بعارضہ تپ دق ۹ بجے شب انتقال فرمایا۔ ۴۴ سال کی عمر نصیب ہوئی۔ متوسط قد، لاغر اندام، کشادہ پیشانی، گندم رنگ، مگر کسی قدر سانولا پن، خمیدہ ابرو، نوکدار خوبصورت مونچھیں، بابری حجامت، خمدار زلفیں، بڑی آنکھیں، تیز رفتار۔ وضع آبائی اور سادی۔ اولاد میں چار بیٹے جس میں صرف بدنصیب و بدنام کنندۂ خاندان برج[5] بھوکھن لال محبّ مولف تاریخ ہذا بہ قید حیات۔ (دیکھیتا نہ)

---

[5] برج بھوکھن لال، نام محبّ تخلص، اُردو نظم و نثر سے دلچسپی، جناب نظر لکھنوی کی شاگردی کا فخر حاصل۔ ولادت ماگھ بدی ستمی سمبت ۱۹۴۳ بکرمی، روز پنجشنبہ، بارہ بجے شب، مطابق ۰ نومبر ۱۸۸۶ء۔ ۱۹۰۱ء میں دریاباد سے اُردو مڈل کلاس پاس کیا۔ پہلے مدرسہ کی نوکری کی۔ بعد اُس کے ریاست راتی مئو کی ملازمت ہاتھ آئی۔ پھر لکھنؤ میں ملازم ہوا اور ۱۹۲۰ء سے کنارہ کش ہو کر اپنے قدیم مہربان جناب ٹھاکر رام پال سنگھ صاحب رئیس سکر درھا کے یہاں آزادانہ رہنا اختیار کیا جہاں آج کل نہایت اطمینان کے ساتھ زندگی بسر ہو رہی ہے۔ سنہ ۱۹۰۹ء سے شاعری کا شوق ہوا۔ تیرہ برس کے بعد نثر مضامین لکھنے پر بھی طبیعت مائل ہو گئی اور اس وقت تک دونوں مشغلے جاری۔ شاعری کے متعلق مختصر سا دیوان مرتب، رنگ زمانہ نامے کتاب چھپ کر زیر اشاعت۔ نثر میں تاریخ دریاباد پریس میں دینے کے لئے تیار ہوا۔

حافظ محمد جہانگیر صاحب

عرف حافظ جہانگیر، سنی المذہب، شیخ انصاری، شیخ علی بخش صاحب کے بیٹے، نامی گرامی حافظ قرآن، مشہور قاری، شرعی مسائل سے اچھی طرح واقف۔ ولادت ۱۸۴۵ء، وفات ۱۹۳۰ء۔

حافظ جی صاحب کے والد موضع سڈوا (ضلع بارہ بنکی) سے بسلسلۂ قرابت داری دریاباد میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور حافظ جی صاحب یہیں پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے پہلے دریاباد میں مولوی عبد اللہ صاحب سے مذہبی تعلیم کی تکمیل کی۔ اس کے بعد کانپور میں چھبیس برس کی عمر تک عربی و فارسی کی تحصیل میں مشغول رہنے کے بعد ریاست بھونہ (ضلع سلطان پور) میں ملازمت اختیار کی اور راجہ فرزند علی خان صاحب کو تعلیم دینے لگے۔ چودہ برس تک وہاں ملازم رہے بعد ازاں سید محمد محسن صاحب وکیل ہائی کورٹ (الہ آباد) کے ملازم ہوئے اور اُن کے مکان (واقع کالا کوری) پر اُن کی لڑکیوں کو تعلیم دیتے رہے۔ تین برس ملازمت کر کے اپنے وطن دریاباد چلے آئے اور یہاں مرزا اصغر بیگ صاحب کے لڑکوں کو چار برس کے قریب تعلیم دی کر ملازمت سے کنارہ کش ہو گئے، پھر تا حیات کسی کی نوکری نہیں کی۔

یہ اچھے اچھے فقیروں اور عالموں کی صحبت سے فیضیاب ہو کر نہایت قابل ہو گئے تھے۔ قرآن بہت بڑی خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ مذہبی خادم بھی تھے دریاباد کے بہت سے مسلمان اِن کی بدولت حافظ قرآن ہو گئے۔ اِن کا ذہن تیز، حافظہ بہت معقول تھا، دماغ بھی اچھا پایا تھا۔ اکثر موقع و محل پر مذہبی بحث و مباحثہ میں بھی حصہ لیتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "حافظ جی صاحب شباب کے زمانے میں خوبصورت بھی تھے۔ چہرہ نہایت ملیح تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ یہ دریاباد سے بردوان تشریف لے گئے (غالباً یہ سفر کانپور کی واپسی پر کچھ دن کے بعد ہوا تھا) وہاں چند روز قیام کرنے کے بعد ایک جگہ میلاد شریف پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اِن کی خوش الحانی اور خوبصورتی پر وہاں کے صدر اعلیٰ (جج) کی حسین بیٹی، جو اُس محفلِ مقدس میں شریک تھی، اِن پر فریفتہ ہو گئی اور اِن کے ساتھ اُس کا عقد ہو گیا۔ عالی شان مکان رہنے کو ملا۔ صبح و شام ہوا خوری کے لئے فٹن کی سواری عنایت ہوئی۔ سال ڈیڑھ سال عیش و آرام سے امیرانہ شان و شوکت کے ساتھ بسر ہوئے۔ اسی سلسلے میں انھوں نے ڈھاکہ، بمبئی، گجرات وغیرہ کی سیر بھی کر لی۔ چونکہ قبل ازیں نکاح کے پہلی بی بی مکان پر موجود تھی اور یہ بردوان آ کر اپنے گھر سے بالکل غافل ہو گئے تھے۔ اس لئے اِن کے حقیقی بھائی، جنھوں نے تا زندگی شادی نہیں کی، حافظ جی کی تلاش میں بردوان پہونچ کر اُن سے ملے۔ چند روز کے بعد حافظ جی نے ایک ہزار روپیہ اپنے بھائی کو دیکر یہ معذرت کی کہ "آپ چلئے اور دریاباد میں باغ و کوٹھی کی تیاری کے لئے انتظام شروع کر دیجیے کیونکہ یہ نئی منکوحہ عورت صدر اعلیٰ کی بیٹی، عالی شان کوٹھیوں کی رہنے والی ہمارے کچے مکان میں کیسے رہ سکتی ہے؟ میں عنقریب اِس عورت کو رخصت کرا کر دریاباد حاضر ہونگا۔" جس وقت انھوں نے اپنی بی بی سے کہا کہ "اب ہم اپنے وطن دریاباد جائیں گے، کیا تم ہمارے ساتھ چلنے کو تیار ہو سکتی ہو؟" تو اُس نے صاف انکار کر دیا۔ بی بی کی یہ عدول حکمی خلافِ شرع ہونے کی بنا پر حافظ جی نے فوراً اُسے طلاق دیدیا اور دوامی عیش و عشرت پر لات مار کر دریاباد کا راستہ لیا۔ مکان

پر بوجہ بچکر حافظ جی سخت بیمار ہو گئے منھ سے خون گرنے لگا۔ لوگوں کو گمان ہوا کہ یہ دوا ن والی عورت کی طرف سے جادو چلایا گیا ہے۔ لیکن، دعا و تعویذ اور حکیموں کے علاج سے جلد افاقہ ہو گیا۔ اس دلچسپ واقعہ سے مترشح ہوتا ہے کہ حافظ محمد جہانگیر صاحب بڑے آن بان والے اور شرع کے پابند لا طمع بزرگوں میں سے تھے۔ انھیں بات کے آگے دولت وغیرہ کی مطلق پرواہ نہ تھی۔

حافظ جی صاحب روزہ و نماز کے بڑے پابند تھے، مرتے دم تک نماز قضا نہیں ہونے پائی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ بیماری کی حالت میں حافظ جی صاحب نماز کا وقت دریافت کرتے اور برابر نماز پڑھتے رہے، دن میں آٹھ یا نو بجے انتقال ہوا تھا۔ تمیناً ۷۵ برس کی عمر پائی آخری سن میں کچھ لسان عالب اور سماعت و بینائی میں فرق آگیا تھا۔ (مرتبی محلم)

مرحوم خلیق، ملنسار، نیک دل، سیر متعصب، بہت بڑے باوضع بزرگ تھے جس سے جو برتاؤ تھا تاحیات قائم رہا چوگوشیہ ٹوپی، تنزیب کا پردہ دار انگرکھا، نین سکھ کا بڑے پائینچے والا پائجامہ، سرخ نری کا دلّی دال جوتا ہمیشہ پہنا کئے اس وضع میں کبھی فرق نہیں آیا، پوس ماگھ کے جاڑوں میں صرف صبح و شام چھینٹ کا روئی دار نیم آستین والا شلوکہ اور ہلکی سی دولائی بھی استعمال کرتے تھے۔ اولاد میں حافظ محمد سعید بہ قید حیات صاحبِ اولاد۔

مولوی شیخ عبد الوحید صاحب

شیخ کرم کریم عرف چھیدا میاں کے اکلوتے بیٹے، اُلو العزمی اور انسانی ہمدردی میں قابلِ ذکر۔ ولادت غالباً ۱۸۴۹ء وفات ۱۹ ستمبر ۱۹۱۹ء روز چہار شنبہ۔ اوائل عمر میں اجودھیا کورٹ آف وارڈس میں ملازم ہوئے۔ بعد اُس کے خانہ نشین ہو کر آبائی زمینداری پر قناعت اختیار کی۔ روزہ و نماز کے علاوہ درود و وظائف کے بھی پابند تھے۔ دل میں سخاوت و ہمدردی اور جراءت بہت تھی۔ دریاباد اور قرب و جوار کے بہت سے لوگوں کے کام آئے۔ غربا کی مصیبت میں خاص طور سے شرکت فرماتے رہے۔ حتی الامکان سائل ان کے پاس سے محروم نہیں جاتا تھا۔ مقامی حکام سے اچھے تعلقات تھے۔ محفل میلاد و مجلس وغیرہ بڑے حوصلے سے کرتے تھے۔ کئی مرتبہ تقریبات میں قصبہ کے کل مسلمانوں کو کھانا تقسیم کیا جسکی مثال قصبہ میں اس وقت تک نظر نہ آئی۔ غصہ جلد آ جاتا تھا، مگر فوراً ہی زائل بھی ہو جاتا تھا۔ طبیعت میں کدورت نہیں رہتی تھی۔ گھوڑے کے شوقین تھے۔ ایک گھوڑا دروازے پر بندھا رہتا تھا۔ سوار بھی خوب ہوتے تھے، اور اُسکے عیب و ہنر سے بھی واقفیت تھی۔ مزاج میں صفائی زیادہ تھی، مکان ہر وقت صاف ستھرا رہتا تھا۔ حقّے سے خاص رغبت تھی۔ لکھنؤ کا خوشبودار خمیرہ تنباکو پیتے تھے۔ چار پانچ حُقّے روزمرّہ استعمال کئے جاتے تھے۔ ان کا یہ شوق بہت باقاعدہ اور اُمرائے لکھنؤ کی طرح پُر تکلّف تھا۔ وضع آبائی اور سادی تھی۔ طرزِ معاشرت ہمیشہ یکساں رہی، کبھی فرق نہیں آنے پایا۔ بارہ بنکی کے محتاج خانہ کی تیاری میں چندہ سے شرکت کی، جو اُس کے سنگی کتبہ سے ظاہر ہے۔ آخر عمر تک دریاباد ٹوس ٹیکس کے ممبر رہے کارِ منصبی کے انجام دینے میں نیک نیتی اور انصاف کو مدِ نظر رکھا۔

شیخ صاحب ہر دل عزیز، نیک، با مروت، صاحبِ اخلاق اور صلح پسند بھی تھے۔ چنانچہ دریاباد میں جس وقت

(بزمانۂ محرم) مہابیرجی کے جھنڈے کی بابت مسلمان و ہنود باہم رنجش و تکرار پر آمادہ ہوئے (مسلمانون کا قول تھا کہ جھنڈا اُکھاڑ ڈالا جائے تعزیئے اُس کے تلے سے ہوکر نہ نکالے جائین گے۔ ہندو کہتے تھے کہ تعزیئے نکلین یا نہ نکلیں جھنڈا اکھڑ نہیں سکتا) تو انھون نے بے لوث کوششون سے دم بھر مین فریقین کو رضامند کردیا اور ہمیشہ کے لئے یہ بات طے پاگئی کہ قصبہ کے کل تعزیئے "بتے تلے" (رام محلّہ دریاباد) جمع ہوکر گیسٹ نگر والی سڑک سے کربلا مین داخل ہوجایا کرین اور جھنڈے سے کچھ واسطہ نہ رکھا جائے۔ اس فیصلہ سے نہ صرف قدیم ہندو مُسلم اتحاد کی شکستہ چول از سر نو مضبوط اور درُست ہوگئی، بلکہ ہزار دن آدمیون کی جان بچنے کے علاوہ جیل کی مصیبت اور عدالت کی زیر باری سے بھی نجات مل گئی۔ شیخ صاحب کا یہ کارنامہ ایک ایسی اعلیٰ یادگار ہے، جو عقلمند جماعت مین ہمیشہ وقعت کی نظرون سے دیکھی جائیگی۔ اس سے شیخ صاحب کی دانشمندی، سچی وطنی بہی خواہی اور اخلاقی وسعت بھی صاف طور پر نمایان ہوتی ہے۔

شروع شروع مین جبکہ چیچک کے ٹیکہ کا آغاز ہوا، لوگ اسے پیامِ اجل سمجھ کر خوف کھانے لگے۔ میان عبدالوحید صاحب نے دریاباد مین سب سے پہلے اپنے لڑکون کے ٹیکہ لگواکر کام جاری کرادیا۔

ریاست ہڑاہا کے بہت معتمد تھے۔ ہر اہم معاملہ کی بابت مالکِ ریاست ان سے مشورہ کرتے اور امداد چاہتے تھے۔ اپنی آبائی مسجد اور درگاہ وغیرہ کی ہمیشہ خدمت کرتے رہے۔

لیکن، نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شیخ صاحب اپنے والد کی طرح منتظم و دوراندیش اور انجام بین نہ تھے پچھیدا میان کے بعد جس قدر زمینداری ان کے حصہ مین آئی تھی وہ سب زیر بار رہن ہوگئی۔ ۴۷ سال کی عمر مین وفات پائی اولاد مین عبدالرشید، محمد عبدالحسیب، محمد مقیم، محمد مبین۔ (مخدوم زادگان)۔

شیخ شرف الدین صاحب

عُرف گھورئی میان، اخلاقی دلیری و فطری جوانمردی مین قابلِ تعریف، اپنی بساط کے موافق فیاضی مین بھی لائق ذکر، شاہ ابو المظفرؒ صاحب کی نسل مین شیخ لطف علی صاحب کے فرزند اکبر (چھوٹے بیٹے مولوی علیم الدین صاحب تھے) حضرت مخدوم آبکش دریابادی کی اولاد مین تھے۔ ولادت ۱۸۴۲ء، وفات ۱۹۱۶ء۔

شیخ صاحب بڑے زمانہ شناس اور بڑی سمجھ بوجھ کے تجربہ کار بزرگ تھے۔ ہر کام کے آغاز مین انجام سوچ لیتے تھے، موقع و محل دیکھ کر حکمتِ عملی کے ساتھ اپنا مطلب نکال لینے مین کبھی غلطی نہین کرتے تھے۔ عام طور پر نیک چلن، ملنسار، بامروت اور منکسر المزاج تھے۔ دل مین کسی قسم کا تعصب نہین رکھتے تھے۔ ان سے ہر مذہب و ملّت کے آدمیون سے یکسان میل ملاپ تھا۔ غریبون کی حسب حیثیت امداد دینا، ستم رسیدون کی مصیبت مین بے دھڑک بلا واسطہ شریک ہوجانا ان کا خاص فرض تھا۔

گھورئی میان جاہل محض تھے، الف بے سے بھی آشنا نہ تھے۔ لیکن، علمی قدردان تھے، پُرانے کاغذات، پُرانی تحریرین، کتابین بڑی حفاظت سے رکھتے اور انھین جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔ راستہ، گلی مین پڑے ہوئے لکھے

کاغذ دیکھ کر فوراً اُٹھا کے آنکھون سے لگاتے اور چُومتے، پھر گھر لاکر بحفاظت رکھ دیتے تھے۔ اِن کے یہان چند فرامین شاہی جو دیکھنے مین آئے ہین اُن کی نسبت سُنا جاتا ہے کہ "یہ گھُوری میان کی بدولت محفوظ رہے۔ اِن فرمانون کے علاوہ اُن کے پاس بہت سے پُرانے کاغذات بھی تھے جنھین اُن کے مرنے کے بعد بے سمجھے بُوجھے رَدّی سمجھ کر ضایع کر دیا گیا، صرف اِس قدر فرامین جو تھیلے مین علیحدہ رکھنے کے باعث بچ گئے۔" اِن فرامین کی تعداد گیارہ ہے، جو شہنشاہِ اکبر، شہنشاہِ جہانگیر، شاہجہان بادشاہ، شہنشاہ عالمگیر کے زمانے مین اِن کے بزرگون کو دربارِ دہلی سے مرحمت ہوئے تھے۔ اِس سے گھوری میاں کی دانشمندانہ دوراندیشی بھی ثابت ہوتی ہے۔

ایک مُہری پروانہ سے ثابت ہوتا ہے کہ راجہ گُردت سنگھ صاحب تعلقدار سورجپور گھوری میان کے دادا مولوی احمد بخش صاحب کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور اُن کی گذراوقات کے لئے راجہ صاحب نے ساٹھ بیگھہ خام آراضی (۱) معافی کے طور پر عنایت فرمائی تھی۔ پروانہ مذکور حسب ذیل ہے۔

مُہر راجہ گوردت سنگھ تعلقدار سورجپور بہریلاءِ مقصد یابان حال و استقبال موضع دولہدی پور پرگنہ سورجپور بہریلا معلوم نمایند چون موازی آراضی شصت بیگہ زمین خام بنا بر بیار حضرت پیر دستگیر قدس اللہ سرہٗ مدد یافت حال بے معاشی مولوی احمد بخش بلا شرکت غیرے بنام موصی اللہ معاف نمودہ شد لہذا اکارش پیرودکردیدہ و دانستہ آراضی مذکورہ متصرف و متعلق موصی الیہ واگذارند و کاہی از آراضی مذکورہ بعلت خرچ بہنیٹ وغیرہ تکلیفات مزاحم و معترض نشوند درین باب تاکید مزید دانستہ حسب المسطور تعمیل آرند۔ فقط مرقوم اساڑہ بدی دویم ۱۲۱۱ فصلی۔" دستخط ہندی راجہ گوردت سنگھ صاحب۔ یہ پروانہ میان عبدالرشید صاحب کے پاس محفوظ۔

اس پروانہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اب سے ایک صدی قبل ہندو و مسلمانون کے باہمی تعلقات نہایت اچھے تھے، اور ہندو رئیس اسلامی بزرگون کو اُن کے اوصافِ حمیدہ کے باعث عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ لیکن افسوس! آج کل یہ باتین خواب و خیال ہین بجز طرفین کی بدنصیبی کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہین۔

یہ حضرت امام حسینؑ کے دلی معتقد تھے۔ جب تک زندہ رہے ہر سال بڑی دھوم دھام سے تعزیہ داری کرتے رہے۔ اِن کی یادگار مین ایک پختہ مسجد و چاہ پختہ موجود ہے جو حاجی مولوی عبدالقادر صاحب ڈپٹی کلکٹر مرحوم کے مکان سے متصل اُتر طرف واقع ہے۔ مسجد سے خاص مسلمان، کنوئین سے عام لوگ فائدہ اُٹھاتے ہین۔ یہ کنوان مسجد کے پختہ حلقہ سے باہر ہے جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کارروائی محض اِسلئے کی گئی ہے کہ ہندو بھی کنوئین کا پانی استعمال کرنے مین کسی قسم کا پس و پیش نہ کرین۔ تخمیناً ۸۰ سال کی عمر مین لاولد وفات پائی۔ آبائی پختہ مکان و جائیداد پر اِن کے حقیقی بھائی مولوی علیم الدین صاحب کی اولاد مین حفیظ الدین (۲) اسٹیشن ماسٹر، حکیم الدین سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس قابض و دخیل او بزرگون کے نام و نشان استحکام کے ساتھ قائم رکھنے مین منہمک (مخدوم زادگان)

(۱) یہ آراضی حال مین راجہ صاحب سورجپور کے ہاتھ پانچ ہزار روپیہ کو فروخت کردی گئی ۱۲ (۲) افسوس ہے کہ آپ نے باوجود کئی مرتبہ عرض کرنے کے گھوری میان کے حالاتِ زندگانی کچھ بھی عنایت نہ فرمائے ۱۲

مرحوم آبائی وضع کے پابند تھے۔ گرمیوں میں ہمیشہ نین سکھ کا انگرکھا، بڑے پائینچے والا پائیجامہ، تنزیب کی۔ دوپلڑی ٹوپی، نری کا جوتا پہنتے، کاندھے پر سفید رُومال ڈالے رہتے، بانس کا مصبوط اور بھاری سونٹا باندھتے تھے جاڑوں میں انگرکھے کے اوپر روئی دار مرزائی بھی استعمال کرتے تھے۔ لاغر اندام، دراز قد، مخروطی شکل گندم رنگ، چھوٹی سی داڑھی، خفیف کرتی ہوئی مونچھیں، سر پر چھتے ہوئے بال، ہاتھ پاؤں مضبوط۔

حاجی مولوی عبدالقادر صاحب ڈپٹی کلکٹر

دریاباد کے مشہور خاندان مخدوم زادگان کے نہایت مشہور و نامور رکن، مولانا مفتی مظہر کریم صاحب کے فرزند دوم (بڑے بھائی مولوی عبدالرحیم صاحب تھے) اول درجہ کے ڈپٹی کلکٹر، بڑے مخیر، عربی و فارسی اور انگریزی کے ماہر، اُردو کے انشا پرداز اور ایک رسالہ کے مولف، حامی تعلیم، قوم اور مذہب کے دلی بہی خواہ، حضرت مخدوم آبکش دریابادی کی اولاد میں سے تھے۔ ولادت مئی ۱۸۴۲ء مطابق جمادی الثانی ۱۲۶۴ھ، وفات دسمبر ۱۹۱۲ء مطابق ۱۴۔ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ۔

ابتدائی تعلیم و تربیت لکھنؤ میں پائی، علوم عربی و فارسی کی بھی وہیں تکمیل کی منجملہ اور مشہور اساتذوں کے فرنگی محل کے شہرۂ آفاق عالم شمس العلما مولانا محمد نعیم قدس سرہٗ سے بھی فیض تلمذ حاصل کیا۔ مطالعہ کا بیحد شوق تھا ذاتی محنت و کاوش سے انگریزی میں بھی کافی استعداد پیدا کرلی۔ ۱۸۶۰ء میں امتحانِ وکالت بھی پاس کیا، مگر جھوٹ بولنے سے طبعی نفرت تھی، اس لئے وکالت کبھی نہیں کی۔

ابتداً اسکول میں عربی و فارسی پڑھانے کی ملازمت کی۔ اسی سلسلہ میں بعض انگریز حکام کو بھی عربی و فارسی کی تعلیم دی جس کی وجہ سے ایک افسر نے خوش ہوکر انھیں سررشتہ دار عدالت کر دیا۔ فرائض منصبی انتہائی دیانت محنت و سرگرمی سے انجام دینے کے باعث چند روز میں تحصیلدار اور پھر اس کے بعد ہی ڈپٹی کلکٹری کے اعلیٰ عہدہ پر ممتاز ہوگئے۔ یہ عہدہ اُس زمانے میں ہندوستانیوں کے لئے معراج کمال سمجھا جاتا تھا اور دریاباد کا تو کوئی شخص اُس وقت تک اِس منصب پر نہیں پہونچا تھا۔ سرکاری خدمات کا زمانہ بلگرام، سدیلہ، ہردوئی، بارہ بنکی، لکھیم پور، کھیری، گونڈہ، بستی، گورکھپور، فیض آباد، اور سیتاپور میں گذرا۔ غالباً ۱۸۹۸ء میں پانچ سَو کے مشاہرہ ڈپٹی کلکٹری سے سیتاپور میں پنشن لی۔ زمانۂ ملازمت میں دیانت، محنت، خوش اخلاقی، شیریں زبانی انصاف پسندی و حُسنِ سلوک کے باعث حکام و رعایا سب میں ہردلعزیز رہے۔ ڈپٹی کمشنر و کمشنر صاحبان ہمیشہ خاص عنایت کرتے رہے۔ قحط کے کاموں میں خصوصاً بڑی سخت محنت اٹھائی۔ دونوں مرتبہ لفٹنٹ گورنر صاحب کے ہاں سے خوشنودی کے پروانے عطا ہوئے۔ پنشن کے بعد ہی سیتاپور میں درجۂ اول کے آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوگئے اور کئی برس تک یہ کام عام آنریری مجسٹریٹوں کے برخلاف پوری توجہ و دلسوزی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ اسی درمیان میں ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کے مشاہرہ پر سیتاپور میونسپلٹی کے سکریٹری بھی مقرر ہوگئے تھے۔ ۱۹۱۰ء میں چودھری شفیق الزماں صاحب تعلقدار گڑھی بھلولی (بارہ بنکی) نے جو عزیز

بھی ہوتے تھے، بڑے اصرار کے ساتھ اپنے علاقہ کے انتظام کے لئے بلایا۔ مگر یہاں کے واجد علی شاہی معاملات میں ڈپٹی صاحب سے نباہ نہ ہو سکا، وسط ۱۹۱۲ء میں علیحدگی اختیار کر لی اور مع اہل وعیال حج بیت اللہ کے عازم ہو گئے۔ حج سے فراغت حاصل کرتے ہی ۱۲۔نومبر مطابق ۱۱۔ذی الحجہ کو ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور ۲۴۔نومبر مطابق ۱۴۔ذی الحجہ کو عین صبح صادق کے وقت داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ تیمارداروں کا بیان ہے کہ بحالتِ علالت میں۔ اوقات نماز کی بابت برابر دریافت فرماتے رہے اور عین انتقال کے وقت بھی نماز کی نیت باندھ چکے تھے۔ مکہ معظمہ کے مشہور گورستان "جنت المعلیٰ میں" مدفون ہوئے۔ ایسی موت ہر مسلمان کے لئے قابلِ رشک ہے۔

مرحوم ایک خیر مجسم بزرگ تھے۔ آمدنی کا بہت بڑا حصہ مصارف خیر کے لئے وقف رہتا تھا، بہ کثرت اعزہ و اہل وطن کی امداد خفیہ و علانیہ ہر طریقہ سے کرتے تھے۔ خاندان کے کئی لڑکوں کو تعلیم دلائی۔ کئی بیوہ عورتوں کی مستقل کفالت کرتے رہے۔ موسم سرما میں رزائیاں بنوا کر وطن کے ناداروں کو تقسیم کرتے۔ چھٹیوں میں جب کبھی وطن آتے تو قصبہ بھر کے بچوں کے لئے عید ہو جاتی، سب خوش خوش اکٹھے ہوتے اور سب کو بڑی سیرچشمی کے ساتھ شیرینی تقسیم کرتے تھے۔

ڈپٹی صاحب بہت بڑے نیک، اپنے عقائد میں بہت پختہ، روزہ و نماز اور درود و وظائف وغیرہ کے بڑے پابند تھے۔ قرآن کی تلاوت بڑی خوش الحانی سے کرتے تھے۔ تعصب نام کو بھی نہ تھا۔ ہر شخص کے ساتھ، خواہ کسی مذہب و ملت کا ہو خلوص سے ملتے تھے۔ مسلمان فقراء و علماء کے زبردست معتقد ہونے کے ساتھ ہی بعض ہندو سنیاسیوں اور پنڈتوں سے بھی خاص تعلق قلبی رکھتے تھے مثلاً سندیلہ کے بخشادر شاہ یا پنڈت گوری شنکر۔

انھیں عرسوں کی شرکت سے بھی دلچسپی تھی۔ بانسہ شریف کا عرس تو گویا خاص اپنے ہی گھر کا عرس تھا، کیونکہ وہاں کے سجادہ نشین حضرت شاہ غلام جیلانی قدس سرہ ان کے حقیقی بھانجے تھے۔ اسکے علاوہ خیرآباد و کاکوری کے عرسوں میں بھی سالہاسال شرکت فرماتے رہے۔ دریاباد میں جب حضرت مخدوم آبکش کا عرس حاجی محمد یوسف صاحب کے زیر اہتمام زور دھوم دھام سے ہونا شروع ہوا تو ڈپٹی صاحب بھی بڑی خندہ پیشانی سے شریک ہوئے تھے۔ شمس العلماء مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی کے وصال کے بعد اُن کا عرس خود اپنے صرف سے کرنا شروع کیا اور اپنی زندگی بھر کبھی اس معمول میں فرق نہیں آنے دیا۔

سید اکبر حسین صاحب جج متخلص اکبر مرحوم سے دوستانہ تعلقات قائم تھے، طرفین میں قلبی محبت تھی۔ وہ ڈپٹی صاحب کو فیاض دوست کے لقب سے یاد فرماتے اور ہمیشہ حاضر و غائب مداح رہتے تھے۔ مولانا کی نگاہ میں ڈپٹی صاحب محض ایک معزز عہدہ دار ہی نہ تھے، بلکہ قوم کے رہنما اور سچے عابد و زاہد بھی تھے۔

ان کی طبیعت نہایت صلح کل و مرنجان مرنج اور بامروت واقع ہوئی تھی۔ کسی کی دلشکنی گوارا نہ ہوتی تھی۔ ساتھ ہی انکسار بھی بیحد تھا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شخص سے بھی بالکل برابر ہی کے ساتھ ملتے تھے۔ ڈپٹی کلکٹری کے زمانہ میں راستہ چلنے میں اگر کوئی چپراسی مل جاتا تو، اس بے تکلفی سے کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگتے گویا وہ خاص دوست ہے۔

سیتاپور کا "مدرسہ اسلامیہ" و "انجمن اسلامیہ" انھیں کے دم سے زندگی پائی۔ لکھنؤ کی مشہور انجمن ایک زمانہ

اور "اصلاح المسلمین" کو نہ صرف خود مدد دی، بلکہ بعض امرا سے بھی معقول امداد دلائی، جس کا شکریہ ان انجمنوں کی گزشتہ رودادوں میں موجود ہے۔ بڑے صاحبزادہ (مولوی عبد المجید صاحب حال ڈپٹی کلکٹر لکھنؤ) کی شادی کے موقع پر "علی گڈھ کالج" و "ندوۃ العلماء" لکھنؤ کی امداد کی۔ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کا ابتدائی غلغلہ جب سر آغا خاں صاحب کے زیر سرکردگی بلند ہوا تو، ایک ماہ کی پنشن اس کے چندہ میں دیدی۔ راجہ صاحب محمود آباد (راجہ سر محمد علی محمد خان بالقابہ) ہمیشہ ڈپٹی صاحب کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے رہے۔ جب سامنا ہوتا تو "قبلۂ و کعبہ" کہہ کر گفتگو فرماتے اور جب کسی معاملہ میں علما، اہل سنّت سے مدد لینے کی خواہش ہوتی تو آپ ہی کو واسطہ بناتے تھے۔

اخبار بینی و مضمون نگاری کا بھی انھیں شوق تھا۔ متعدد اخبارات منگاتے اور پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے "اودھ اخبار" میں مضامین بکثرت لکھے، کبھی کبھی "ریاض الاخبار" وغیرہ میں بھی لکھا کرتے تھے۔ ایک رسالہ "تالیف قادری" کے نام سے صرف و نحو پہ شایع کیا۔ ایک شہادت نامہ بھی زیر تالیف تھا، مگر، افسوس تکمیل کی نوبت نہیں آئی۔

اپنی زندگی میں دریا باد میں انھوں نے ایک عظیم الشان پختہ مکان بھی تعمیر کرایا تھا۔ انتقال کے بعد ان کے لڑکوں نے ان کی یادگار میں اسی مکان میں ایک کتب خانہ عبد القادر لائبریری (کتب خانہ عبد القادر) کے نام سے قایم کیا تھا۔ لیکن، نہایت افسوس ہے کہ اہل وطن کی بے توجہی سے یہ مفید اور قابل قدر یادگار زیادہ عرصہ تک قایم نہ رہ سکی۔ انتقال پر اودھ اخبار (لکھنؤ) مشرق (گورکھپور)، ایڈوکیٹ (لکھنؤ) و انڈین ڈیلی ٹیلیگراف (لکھنؤ) میں ماتمی مضامین شایع ہوئے اور اردو کے مایۂ ناز شاعر لسان العصر حضرت اکبر مرحوم الہ آبادی نے قطعہ تاریخ ارشاد فرمایا، جو اپنی صداقت بیان و لطافت مادۂ تاریخ کے لحاظ سے بے مثل ہے۔ ملاحظہ ہو:-

شیخ عبد القادرِ عالی صفات ! ۔۔۔ پیشوائے قوم، والا مرتبت

سمجھے تھے دنیائے دوں کو بے ثبات ۔۔۔ آخرت ہی پر نظر رکھتے تھے وہ :

کرتے تھے یادِ خدا دن ہو کہ رات ۔۔۔ جاہ منصب میں وہ گو ممتاز تھے ۔۔

"شغل" ہی میں نکلی تاریخ وفات ۔۔۔ اُن کے "ذکر" و "شغل" کا تھا یہ اثر۔
۱۳۳۱ھ

(از لسان العصر اکبر مرحوم)

سیّد اولاد علی صاحب کمیشن ایجنٹ

سنّی المذہب، از نسل میران عوث، امیر عنایت علی صاحب کے بیٹے، کلکتہ میں مشہور و معروف کمیشن ایجنٹ تھے۔
ولادت تخمیناً ۱۸۵۵ء، وفات ۲۳ - اکتوبر ۱۹۲۱ء۔

کلکتہ کے معزز کلکتہ سیٹھوں میں ان کا شمار تھا۔ چین، جاپان، تبت، ختن، یارقند، یورپ، امریکہ وغیرہ ممالک غیر میں ان کے ذریعہ سے مال (جواہرات خصوصاً، دیگر قیمتی اشیاء عموماً) کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ کمیشن ایجنسی کے سلسلے میں جو خطوط روانہ ہوتے تھے، اُن میں بیشتر لفافوں پر بخط اُردو و انگریزی یہ الفاظ چھپے ہوئے ہوتے تھے "اولاد علی کمیشن ایجنٹ کلکتہ سندریہ پٹی نمبر ۳۰"

میر صاحب جوانی کے زمانہ میں ایک مدنی بزرگ کے ہمراہ لکھنؤ (کسی ضرورت سے جانا ہوا تھا) سے کلکتہ چلے گئے۔ وہاں پہلے کسی تاجر کی ملازمت کی بعد اُس کے جب خرید و فروخت میں ہوشیار اور تجربہ کار ہو گئے تو کمیشن پر کام کرنے لگے۔ ایک مدت کے بعد معمولی حیثیت سے ترقی کر کے لاکھوں کی دولت پیدا کر لی اور کلکتہ کے معززین میں بہت کچھ افتخار بھی حاصل کر لیا۔

یہ مخیّر بھی تھے۔ ہر سال دو سو روپیہ مسلمان غریبوں اور محتاجوں کو تقسیم کیا کرتے تھے۔ اکثر حج کے زمانے میں بعض غریب مسلمانوں کو جہاز کا کرایہ بھی دے دیا کرتے تھے یا خود ٹکٹ خرید کر کے اُن کے حوالہ کر دیتے تھے۔ اپنے بھانجوں کے مصارف کامل بار اپنے ذمہ لئے ہوئے تھے۔

اِن کی چار شادیاں ہوئی تھیں۔ اول دو شادیاں دریاباد میں، جن میں سے پہلی بی بی کے تین بیٹے کچھ دن زندہ رہ کر فوت ہو گئے؛ دوسری شادی مولانا حکیم محمد علی اطہر صاحب کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی جو کلکتہ جا کر ایک مہینے کے بعد بعارضۂ ہیضہ فوت ہو گئی۔ اس کے بعد دو شادیاں کلکتہ میں ہوئیں۔ ایک شادی ملنگ خان کابلی جو گھوڑے اور اونٹوں کے مشہور تاجر تھے، کی بیٹی کے ساتھ ہوئی، دوسرا نکاح واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے بہت بڑے نامی گرامی عزیز دار کی بیٹی کے ساتھ مٹیابرج میں ہوا تھا۔ اِن کلکتہ والی بیبیوں سے جو اولاد ہوئی وہ تا حال موجود۔

اولاد علی صاحب نے کلکتہ میں بہت اطمینان اور نیک نامی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اِن کی حیثیت ایک اچھے خاصے رئیس یا چھوٹے تعلقدار سے کم نہ تھی۔ کمیشن اور کوٹھیوں کے کرایہ کی آمدنی تخمیناً چھ سات سو روپیہ ماہوار اور سات آٹھ ہزار سالانہ تھی۔ اِن کے رہنے کا مکان ایک بہت بڑی عالی شان امیرانہ کوٹھی تھی۔ علاوہ اس کے چند کوٹھیاں اور بھی تھیں، جو کرایہ پر اُٹھی تھیں لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے اپنے وطن دریاباد میں کوئی یادگار نہیں قائم کی، نہ اپنا آبائی مکان دُرست کرایا نہ یہاں کے باشندوں کو کچھ فیض پہنچایا، اگرچہ یہ وقتاً فوقتاً تا زندگی کلکتہ سے دریاباد آتے رہے، تارک الوطن نہیں ہوئے تھے۔ تخمیناً ۷۱ برس کی عمر میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ نقد، چار کوٹھیاں قیمتی ڈھائی لاکھ چھوڑ کر قضا کی۔

مرحوم نیک، خلیق، روزہ و نماز کے پابند تھے چھ سات زبانیں جانتے تھے۔ علمی قابلیت نہ تھی، صرف معمولی طور پر کچھ اُردو سے واقف تھے۔ اولاد میں محمد شفیع و محمد رفیع، کاروبار بدستور قائم، تین کوٹھیاں موجود، سُندری بٹی نمبر والی کوٹھی سڑک میں آکر کھُد گئی، جس کا معاوضہ ۸۰ ہزار کے قریب ملا تھا۔ (تفصیلاتِ حال مخدوم زادگان)

شیو چرن مہراج

معروف بہ جمعدار، کانیہ کبج برہمن، آپ منج گوتر، دریاباد کی اگن ہوتری، تلسی کرت رامائن پڑھنے میں مشہور و معروف تھے۔ اِس بارہ میں دُور دُور تک اِن کا کوئی ہمسر نہ تھا، یہ آپ ہی اپنی نظیر تھے۔ جس وقت رامائن پڑھنے لگتے تھے تو سامعین

۵ فرزند علی و حشمت علی۔ عرصہ ہوا کہ فرزند علی صاحب فوت ہو گئے۔ اب اُن کے لڑکے اور حشمت علی صاحب میر صاحب کے آبائی مکان میں رہتے ہیں، جن کی گذر اوقات کے لئے میر صاحب مرحوم کے بیٹے معقول تنخواہ عنایت فرماتے ہیں ۱۲۔

پر ایک سُرور انگیز کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ رامائن سے انھین قدرتی طور پر خاص دلچسپی تھی۔ اِن کے پڑھنے کا خاص کمال یہ تھا کہ مُنھ سے الفاظ صاف نکلتے تھے، دُھن دلچسپ اور آواز خوش آئند ہوتی، چوپائی، دوہے، چھند وغیرہ بلحاظ وزن مختلف طریقون سے موزونیت کے ساتھ پڑھے جاتے تھے۔ یہی وجوہات ہین کہ اِن کا رامائن پڑھنا عام پسند تھا، پڑھے بے پڑھے سبھی اِن کے مدّاح تھے۔ دسہرہ کے ایام مین رام لیلا کے موقع پر رامائن کا پڑھنا خاص اِن کا فرض تھا، جہان عام طور پر شایقین رامائن سُننے کی غرض سے جمع ہو جاتے تھے۔ یہ نہایت نیک، خوش مزاج، خوش اعتقاد اور بڑے وضعدار تھے۔ رائے صاحب کے یہان ملازمت کر کے پھر تا عمر دوسری جگہ نہین گئے۔ رانی مئو کے مشہور تعلقدار ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب مرحوم نے کئی مرتبہ راقم کی معرفت اِس امر کی کوشش کی کہ شیوچرن مہراج ریاست رانی مئو کی ملازمت اختیار کر لین۔ لیکن جب اِن سے کہا گیا تو، انھون نے صاف کہدیا کہ "بھائی! ہم دوسرے دربار مین نوکری نہ کرین گے اور یون ٹھاکر صاحب کے تابعدار ہین" ٹھاکر صاحب ممدوح جمعدار صاحب کے بڑے قدردان تھے، وہ اکثر بر سبیل تذکرہ فرمایا کرتے تھے کہ "رائے صاحب کے یہان شیوچرن مہراج رامائن بڑی خوش الحانی سے پڑھتے ہین لیکن افسوس ہے کہ وہ ہمارے یہان نوکری کرنا منظور نہین کرتے"۔ سمبت ۱۹۷۷ بکرمی مطابق ۱۹۲۰ء مین اگہن ہوتری جی کا بیکنٹھ باش ہوا، ۶۵ سال کی عمر پائی، اولاد کوئی نہین۔ (اٹھکالی ٹولہ)

حافظ مُجتبیٰ کریم صاحب چیف ریڈر

سنی المذہب، شیخ، حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کے فرزند دوم، از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، سشن جج کے سررشتہ دار، بے مثل حافظ قرآن۔ ولادت تخمیناً ۱۸۶۹ء، وفات ۱۹۲۰ء۔

عربی و فارسی مین معمولی استعداد تھی، پہلے بنارس مین چنگی کے محکمہ مین ملازم ہوئے، بعدازان صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ہردوئی کے سررشتہ دار، پھر سشن ججی مین اسی عہدہ پر مامور ہو کر کچھ دن کے بعد پنشن حاصل کر کے خانہ نشین ہو گئے۔ ۶۰ برس کی عمر پائی۔ اولاد مین تین لڑکے جنھون نے عرصہ بیس سال سے گدھی بھلولی (بارہ بنکی) مین سکونت اختیار کی ہے اور جو مسٹر محمد نسیم (لکھنؤ کے بہت بڑے نامی گرامی وکیل) کے حقیقی بھانجے ہین۔ بڑے بیٹے ارتضیٰ کریم انٹرنس پاس، اسلامیہ اسکول لکھنؤ مین چالیس روپیہ ماہوار پر ملازم، منجھلے بیٹے اعتبیٰ کریم ایف۔ اے تک تعلیم یافتہ، چھوٹے مصطفیٰ کریم بی۔ اے حیدرآباد مین سررشتہ تعلیم کے محکمہ مین ملازم۔

لالہ چھدامی لال صاحب

جین، سراؤگی، فرقہ دگامبری، از خاندان ریوتی رام، لالہ کھمی لال صاحب کے بیٹے، اُولو العزم، اور مذہبی خدمت مین قابل ذکر۔ مشہور ہے کہ "انھون نے بڑی دھوم دھام سے "رتھ جاترا" کا جشن منایا تھا۔ دریاباد مین یہ مُبارک رسم پہلی مرتبہ ادا کی گئی تھی"۔ شاہی کا حال نہین معلوم۔ انگریزی عملداری مین آجتک اِس قسم کا کوئی جلسہ دیکھنے

یا سُننے میں نہیں آیا۔ اسلیئے چھدامی لال کی یہ جدت لائق تعریف ہے۔ سری ٹھاکر جی کا مقدس رتھ متبولی جو ہٹہ سے چھپیدمیان کے مکان کے سامنے سنگیت نگر والی سڑک پر ہوتا ہوا ٹیڑھی بازار ہوکر براہ راست میدان رام لیلا تک گشت کرایا گیا اور وہیں شب بھر قیام رہا۔ مہمانون کے قیام کے لیئے معقول انتظام کیا گیا تھا۔ اس موقع پر نہ صرف قصبہ کے ہندوؤں کے علاوہ زمینداران قیام پور دتار اپور وغیرہ بھی موجود تھے۔ رائیصاحب نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ کانپور، لکھنؤ، بہرائچ، نواب گنج بارہ بنکی، الہ آباد دہلی، فیض آباد وغیرہ دُور دُور تک کے سراؤگ شریک ہوئے تھے۔ کئی ہزار روپیہ صرف ہوا۔ یہ مسرت خیز جلسہ سمبت ۱۹۶۶ بکرمی مین منعقد ہوا تھا۔ چھدامی ساہ بزازی کے علاوہ لین دین بھی کرتے تھے۔ تخمیناً ۴۵ برس کی عمر میں رتھ سبا تراکے بعد وفات پائی۔ اولاد مین منوہر لال، مکان پختہ موجود۔ خاندانی حالات کے لئے باب ۵ فصل ۱، ذکر سیتا رام ساہ ملاحظہ ہو۔ (سراوگی محلہ)۔

حاجی حافظ مرتضیٰ کریم صاحب

شیخ، از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، مولوی مخدوم بخش صاحب رئیس کے فرزند سوم بہت بڑے عالی ہمت اور عالی حوصلہ، مذہبی فرایض کی ادائیگی میں قابل تعریف، اچھے خوشنویس۔ لکھنؤ میں سلطنت اودھ کے اسسٹنٹ رزیڈنٹ کو عربی و فارسی کی تعلیم دیتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ۔۔۔ حج کرنے کی نیت سے بمبئی پہونچے تو وہاں خدمت گار نے روپیہ کے لالچ میں انہیں زہر دیدیا، اور جو کچھ ان کے پاس تھا، لیکر فرار ہوگیا۔ لیکن خدا کے فضل سے حافظ جی کی جان بچ گئی۔ چند روز تک سخت مصیبتوں کا سامنا رہا۔ بڑی مشکل سے لڑکے پڑھانے کی نوکری ہاتھ آئی۔ دو تین برس بمبئی مین معلمی کے ذریعہ سے بسر کرکے۔ بعد اس کے حج بیت اللہ کا شرف حاصل کرکے بخیریت مکان واپس آئے۔ اس سفر مین قلت اسرحج (صرف کرایہ جہاز اور کھانے پینے کا معمولی انتظام کیا تھا) کی وجہ سے بڑی بڑی دقتین پیش آئین، اور زبردست تکلیفوں کا مقابلہ ہوا۔ مگر حاجی صاحب نے سب کچھ خوشی سے برداشت کیا اور اپنے ارادے مین ثابت قدم رہے۔

اس سے حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کی گہری عقیدتمندی اور لایق تعریف مستقل مزاجی کا پتہ چلتا ہے۔ تکلیفین جھیل کر مذہبی فرایض مین مشغول ہونا۔ لکھنؤ یا دریاباد سے کعبۂ شریف تک پیدل سفر کرنا کوئی آسان بات نہین۔ حاجی صاحب کی خوشنویسی کے نمونے ان کے خاندانی کتب خانے مین اب تک موجود ہین۔ تخمیناً ۴۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ غالباً امجد علی شاہ (۱۲۵۸ تا ۱۲۶۳ھ) کے زمانے مین بقید حیات تھے۔ اولاد مین مصطفیٰ کریم، مجتبیٰ کریم، مظفر کریم، محمد کریم۔ (مخدوم زادگان)

بابو راج بہادر صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر

بی اے، ایل ٹی۔ ۔ ۔ محلہ ۔ ۔ ۔ مین بابو سنت بخش صاحب وکیل کے یہان پیدا ہوئے۔ بابو صاحب کے دادا (لالہ رام نرائن صاحب) نے بیٹے کی طرح پالا۔ الدر لالہ سیتارام لال صاحب نے ابتدائی تعلیم دلوائی اور

آپ کے حالات سپرد معمول ہونے کی وجہ سے ۔ ۔ ۔ ترتیب وار ۔ ۔ ۔ ناظرین معاف فرمائین ۱۲۔

اپنا حقیقی بھائی سمجھا جب ذرا ہوش سنبھالا تو ذاتی طور پر محنت و مشقت کر کے پہلے بی اے کی ڈگری، پھر ایل۔ ٹی کی سند حاصل کی تھوڑے دنوں کے بعد محکمۂ سررشتہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر ہوگئے، اور اسی سلسلہ میں ہائی کورٹ کی وکالت کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ لیکن چونکہ دولت جمع کرنے کی فکر میں انھیں اپنی جسمانی صحت کا مطلق خیال نہ تھا، اس لئے خرابی معدہ و ضعفِ دماغ کی شکایت پیدا ہو جانے سے وکالت کے قابل نہ رہے، کار متعلقہ میں بھی خلل آگیا۔ نتیجہ یہ کہ سب ڈپٹی انسپکٹر کر دیے گئے۔ چند سال فیض آباد میں تعینات رہے، ۷۔ اپریل ۱۹۲۳ء کو دفعتہً انتقال ہوگیا۔ اولادِ نرینہ کوئی نہیں۔ بیس پچیس ہزار روپیہ جو بینک میں جمع تھا، داماد کے قبضہ میں آیا۔ مرحوم بڑے خلیق، نیک، جفاکش، ذہین، اور قابل بزرگ تھے۔ (محرران)۔

چوتھا باب

سپاہان و پہلوانان و ماہرین فن کا بیان

پہلی فصل سپاہیوں اور پہلوانوں کے بیان میں

شیخ لطف اللہ صاحب رسالدار

سنی المذہب، شیخ صدیقی، بے مثل پہلوان ہونے کے علاوہ زبردست اور نامی سپاہی بھی تھے عمالِ شاہی کو غنیم کے مقابلہ میں بہت مدد دیتے تھے۔ جو گڈھی کسی طرح فتح نہ ہوتی تھی، شیخ صاحب دم بھر میں اسے فتح کر لیتے تھے۔ چونکہ بجائے تلوار کے ان کو کٹار کا زیادہ شوق تھا، اور جنگ میں فتح کا سہرا انھیں کے سر بندھتا تھا، اس بنا پر ان کا نام "کٹار شاہی" مشہور ہو گیا تھا۔ ان کے بارہ میں ایک محقق رقم طراز ہے:-

"شیخ لطف اللہ کہ رسالدار و سپاہی بے نظیر رستم وقت خود بود حال جو امرد ترس از مرقدش ظاہر کہ نشانِ تمسیر در مرقد او ازیختہ منطبع است" از رسالہ حدیقۃ الارض قلمی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب شاہی فوج کے رسالدار تھے اور اپنی غیر معمولی شجاعت و فطری جوانمردی کے باعث اپنے وقت کے رستم مشہور رہے۔

شیخ صاحب کی نسبت چند روایتیں بہت مشہور ہیں (۱) ایک مرتبہ ایک توپ کی گاڑی درگا ساہی کے مکان کے قریب کسی وجہ سے رک گئی، بیلوں نے ہر چند زور کیا، لیکن گاڑی نے ذرا بھی جنبش نہ کی۔ شیخ صاحب کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو انھوں نے آ کر ایک ایسا ریلا دیا کہ گاڑی سیدھے راستہ پر آ کر آسانی چل نکلی (۲) ایک وقت یہ میرا شاہ کے مزار کے قریب کھڑے ہوئے تھے، اتنے میں بادشاہی مست ہاتھی بازار میں آنکلا، "ہٹو بچو" کا شور ہوا، لوگ گھبرا کر ادھر ادھر بھاگنے لگے، جس وقت ہاتھی ان کے سامنے آیا تو انھوں نے اپنی جگہ سے اچک کر ایک ایسا گھونسا رسید کیا کہ

وہ چیخ مار کر بھاگ کھڑا ہوا (۳) کسی بڑے شہر کا ایک پہلوان اِن کی شہرت سُن کر کشتی لڑنے کے لئے دریاباد آیا اور پتہ لگا کر اِن کے پاس پہونچا۔ یہ اُس وقت ایک املی کے درخت کی بڑی زبردست ٹہنی جھکائے ہوئے اپنی بکریوں کو پتیاں کھلا رہے تھے۔ پہلوان نے اِن سے دریافت کیا کہ تمھیں لُطف اللہ ہو؟ ہم تم سے کشتی لڑیں گے! انھوں نے جواب دیا کہ "ہمارا نام لُطف اللہ نہیں ہے، تم اس ٹہنی کو سنبھالے رہو، ہم انھیں بُلائے لاتے ہیں"۔ اُس نے اِن کے کہنے پر عمل کیا جوں ہی یہ علیحدہ ہوئے، درخت کی ڈالی ان سے اپنی اصلی بلندی پر پہونچ گئی اور پہلوان صاحب جھولے کی طرح جھولنے لگے انھوں نے کہا، واہ جی! اسی برتے پر لُطف اللہ سے کشتی لڑنے آئے تھے (۴) جب ان کی پہلوانی اور بہادری کی شہرت بادشاہ لکھنؤ کے کان تک پہونچی تو یہ طلب ہو کر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ سلامت اِن کا نام سُنتے ہی خوش ہو گئے، جاگیر و خلعت کے لیے حکم ہوا۔ انھوں نے دست بستہ عرض کیا کہ "جہاں پناہ کے اقبال سے غلام کو کسی چیز کی ہوس نہیں ہے، صرف ایک تمنا ہے، وہ یہ کہ ڈنکے کی مشہور جوڑی جو سُلطانی جلوس کے متعلق ہے، مرحمت ہو، تو عین بندہ نوازی ہے"۔ بادشاہ یہ سُن کر ہنس پڑے اور فوراً جوڑی معہ سامان ان کے حوالہ کی گئی۔ یہ ہنسی خوشی لکھنؤ سے روانہ ہوئے۔ آگے آگے اونٹ پر ڈنکا "دُھم دُھم، دُھم دُھم" کی آواز دیتا ہوا اور پیچھے پیچھے گھوڑے پر شیخ صاحب۔ اسی شان سے دریاباد تک آئے"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیخ لطف اللہ صاحب بڑے قناعت پسند اور شان امارت کے شیدائی تھے۔ اِن کا زمانہ حیات اب سے سوا سو برس قبل ثابت ہوا ہے، اس سے شیخ صاحب دیوان روشن لال صاحب کے ہمعصر معلوم ہوتے ہیں۔

ان کا پختہ مکان محلہ "شیخن احاطہ" میں، جو انھیں کے خاندان والوں کی کثرت سے مشہور ہو گیا تھا، واقع تھا یہ مکان ایک دو منزلی عمدہ عمارت تھی، دکھن طرف شاہی سڑک سے متصل پھاٹک تھا، اسی پھاٹک پر شاہی ڈنکہ کی جوڑی روزمرہ دونوں وقت صبح و شام بجا کرتی تھی، جسے اِن کے مرنے کے بعد خاندان والوں نے رائے صاحب کے یہاں فروخت کر ڈالی، جو اب تک وہاں موجود ہے۔

تحقیق سے دریافت ہوا ہے کہ شیخ صاحب کے بزرگ قدیم زمانے میں مولیٰ آباد سے آکر دریاباد میں آباد ہوئے تھے، جن کی اولاد یہاں عرصہ تک مولیٰ آبادی شیوخ کے نام سے مشہور رہی۔ کسی وقت اِن شیخوں کا زمانہ بڑے عروج پر تھا، انھوں نے اپنے زور بازو سے خصوصیت کے ساتھ دریاباد میں ترقی حاصل کی تھی۔ یہ لوگ اعلیٰ شجاع، بہادر، نصیب ور نیک چلن تھے۔ دربار شاہی میں رسوخ تھا، بہت سے مواضعات معافیوں اور جاگیروں کے ذریعہ سے اِن کے قبضہ میں تھے، معافیوں اور جاگیروں کی اسناد جو فرامین دربار دہلی سے وقتاً فوقتاً عطا ہوئے تھے وہ خاندان والوں کی غفلت سے کیڑوں کی خوراک ہو گئے۔ اسی طرح لطف اللہ صاحب والا فرمان[۵] بھی جو دربار لکھنؤ سے مرحمت ہوا تھا، غارت ہو کر تلف ہو گیا۔

---

۵ یہ فرمان تاریخ دریاباد لکھنے کے قبل ۱۳۱۹ھ میں نواب علی صاحب (شیخ لطف اللہ صاحب مرحوم کے خاندان میں سے تھے) کے پاس موجود تھا لیکن افسوس ہے کہ ضرورت کے وقت وہ انتقال کر چکے تھے ۱۲۔

یہ چند دیہات کے رئیس ابھی تھے، ان میں سے ایک موضع چودھری پور بھی تھا، جس کا اب کہیں پتہ نہیں ہے، صرف آراضی باقی ہے، جو رائے صاحب کے قبضہ میں ہے۔ حدیقۃ الارض سے پتہ چلتا ہے کہ رسالدار صاحب کی اولاد میں مخدوم بخش صاحب کے زمانے تک یہ موضع آباد رہا اور وہ اس پر قابض رہے۔ حدیقۃ الارض میں لکھا ہے:۔ "چودھری پور معافی مخدوم بخش از اولاد شیخ لطف اللہ" اس سے بھی شیخ صاحب کی زمینداری اور معافیوں کا ثبوت ملتا ہے۔ رسالدار صاحب کا مرالبتہ ان کے قبرستان میں موجود ہے، جس کے بائیں پہلو میں پور سطرف کٹار کی شکل بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے، ساتھ ہی اس کے ایک تلوار کا نشان بھی پایا جاتا ہے۔ غور دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ تلوار بھی بنائی گئی تھی، مگر لڑکوں کی شرارت سے اُس کا وجود باقی نہ رہا، صرف نشان رہ گیا ہے۔ اس قبر کے قریب ہی اُس املی کا درخت ہے جس کے تلے یہ بکریاں چرانے تھے اور غیر شہر کا پہلوان ان کی قوت آزمائی کے لئے آیا تھا۔ یہ قبرستان پرتاب گنج سے متصل اُتر جانب واقع ہے۔ نسل میں منشی کریم بخش امین بہ قیدِ حیات صاحبِ اولاد۔

شیودین، بھاگیرتھ

کانکبج برہمن، اُپ سح گوتر، جاباپوری پاٹھک، بجے سنگھ عرف بجی کے بیٹے، جس طرح پہلوان اسی طرح دلیر اور سپاہی، کشتی کے فن میں اوستاد، پہلوانی میں کامل، جوانمردی اور پھرتی میں برق۔ بڑے بڑے پہلوان ان کے داؤ پیچ سے گھبراتے تھے، اچھے اچھے سپاہی بانکے ترچھے نام سن کر خوف کھاتے تھے۔ لڑائی کے وقت ان کی تلواریں ہوا سے باتیں کرتی تھیں۔ ادھر میان سے نکل کر بجلی کی طرح چمکیں اُدھر بیسیوں سر غائب۔ مشہور ہے کہ قاضیوں کے خاندان میں کسی قتل عمد کی بنا پر شیودین اور بھاگیرتھ کا لکھنؤ چالان کیا گیا اور وہاں یہ دونوں بھائی شاہی جیل میں بڑی حفاظت کے ساتھ قید کئے گئے۔ گڑیوں کے دن انھوں نے کشتی لڑنے کے لئے جیل کے داروغہ سے اجازت مانگی، اُس نے پہلے تو انکار کیا، لیکن جب انھیں اپنے ارادے پر کمربستہ دیکھا تو ناچار اجازت دینے کے ساتھ ہی چند سپاہی حفاظت کی غرض سے ان کے ہمراہ کر دئے۔ یہ کسی مشہور اکھاڑے میں پہونچے، اور وہاں بیڑیاں پہنے ہوئے نامی نامی پہلوانوں سے کشتی لڑنے لگے، تھوڑی دیر میں جتنے پہلوان تھے، سب کو ان دونوں بھائیوں نے جیت کر دیا۔ اس کی خبر بادشاہ کے دربار تک پہونچی، دونوں بھائی طلب کئے گئے، اور اُس وقت کے بڑے بڑے مشہور پہلوانوں سے ان کی کشتیاں ہوئیں، دونوں بھائی جیت گئے۔ بادشاہ نے خوش ہو کر بلا تحقیقات مقدمہ رہائی کا حکم دیا، جس وقت بیڑیاں کھولنے کا ارشاد ہوا، تو ان دونوں بھائیوں نے ایک ایک جھٹکا دیا، بیڑیاں خود بخود ٹوٹ گئیں۔ بادشاہ

۵ سی بخش کا بیان ہے کہ "میں بھی شیخ لطف اللہ کے خاندان سے ہوں، میرے پاس شاہی فرمان تھے، خاندان والوں کی باہمی عداوت سے میں گھبرا کر آوارہ وطن ہو گیا، کاغذات وغیرہ جو کچھ میرے پاس تھے، سب دریا بادہی میں رہ گئے۔" سی بخش لکھنؤ سے متعلق آبادنکٹ سائی کے پیشہ میں خاص طور پر مشہور، عرصہ سے ترک وطن ہو کر نواب گنج میں آباد، بارہ بنکی کے اسٹیشن پر دوکان قایم دریاباد میں قدیم مکان رہا حال کے مطابق کالے خان بیچہ ساز کے مکان سے متصل، پرتاب گنج کے گوشہ شمال و مغرب واقع تھا۔

اس حیرت انگیز اور خداداد قوت و بہادری کو دیکھ کر نہایت متاثر ہوئے اور اس طرح اِن دونوں بھائیوں کو دربارِ شاہی سے کچھ آراضی معہ نقد بہ صلۂ انعام مرحمت ہوئی۔ زمانہ حیات سوا سو برس قبل۔ (ٹھکانہ)

بینی مادھو، مادھو رام

عُرف بینی اور مادھو، کانکبج برہمن، اُپ منّج گوتر، جاناپوری پاٹھک، ہیتمپر پاٹھک قانونگو کے بیٹے، پہلوانی اور سپہ گری دونوں میں مشہور اور دونوں فنون میں طاق۔ تلوار کے دھنی ہونے کے علاوہ قول وفعل کے بھی دھنی، جو کچھ زبان سے کہتے تھے وہی کرتے تھے۔ یہ اُن بہادروں میں نہیں تھے کہ بھاگتے کا پیچھا کریں یا کمزوروں کی باتوں پر غضبناک ہو کر تلوار اٹھائیں۔ اِن کی تلواریں میان سے اُس وقت نکلتی تھیں جب دشمن خود اِن پر حملہ کرتا تھا، اور اِن کے برابر یا اِن سے زیادہ طاقت ور ہوتا تھا۔ یہ لوگ شاہی ملازم تھے۔ زمانۂ حیات اب سے ایک صدی قبل۔ (ٹھکانی ٹولہ)

شیودین سنگھ

دریابادی اگن ہوتری، قنوجیا برہمن اُپ منّج گوتر، زبردست پہلوان اور مشہور سپاہی، شاہی گولہ انداز دریاباد کے توپخانے میں تعینات تھے۔ بڑے نیک طبیعت اور خوش نصیب تھے، جب تک زندہ رہے آرام سے زندگی بسر کرتے رہے اب سے ایک صدی قبل موجود تھے (ٹھکانہ)۔

لالتا پرشاد، دیبی سہائے، بھوانی دت

پہلوان اور بہادر سپاہی تھے۔ لالتا پرشاد اپادھیا، مہاراجہ رتن سنگھ بہادر کے یہاں اور دیبی سہائے و بھوانی دت، اگن ہوتری، مہاراجہ میوہ رام بہادر کی سرکار میں بڑی بڑی تنخواہوں پر نوکر تھے۔ یہ لوگ بانک پٹے کے فن سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔

پنڈت درگا پرشاد جی

عُرف درگا پنڈت، پہلوانی میں اچھی خاصی شہرت تھی ضرورت کے موافق سنسکرت حاصل کر کے ورزش پر مائل ہو گئے تھے، جس سے فطری لگاؤ تھا۔ اب سے تخمیناً ۵۰ برس قبل زندہ تھے۔

چودھری لطف علی صاحب

سنی المذہب شیخ، از خاندان چودھریان دریاباد، چودھری امام علی صاحب کے بیٹے، نامی گرامی پہلوان

۱؎ محمد علی شاہ کی سرکار میں میرمنشی تھے، فخر الدولہ منشی الممالک ہوشیار جنگ خطاب تھا ۱۲ ۲؎ مخاطب بہ نواب افتخار الدولہ افضل الملک صلابت جنگ، در عہد نصیر الدین حیدر بادشاہ سلطنت اودھ کے وزیرِ مال اور عزت و توقیر میں صدر اعظم کے ہم رتبہ ۱۲۔

خاندانی رئیس، تعلقہ حمید نگر مین دو آنہ کے حصہ دار۔

چودھری صاحب ایسے پہلوان تھے کہ اکثر غیر جگہون سے مشہور پہلوان زور آزمائی کے لیے آئے، مگر کوئی جیت کر نہین گیا۔ مشہور ہے کہ "ایک مرتبہ کسی بڑے شہر سے ایک بہت بڑا زبردست پہلوان، جو اِن سے قوت مین دو چند سہ چند تھا، اِن کا نام سُن کر کشتی لڑنے کے لیے ان کے پاس آیا۔ یہ اکھاڑے مین علیحدہ بیٹھے ہوئے اپنے شاگردون کو باہم لڑوا رہے تھے، اُس نے اِن سے کشتی لڑنے کو کہا۔ انھون نے جواب دیا کہ، مین لڑنے کو تیار ہون، لیکن میرے ہاتھ کا دہنا انگوٹھا زخمی ہے، اسے بچائے رہنا۔ اُس نے وعدہ کیا اور کشتی شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اُسے معلوم ہوا کہ مین اِن سے نہ جیتونگا، تو، اُس نے اِن کے زخمی انگوٹھے کو زور سے دبا دیا، لیکن، اِنھون نے ایسا پیچ مارا کہ وہ دھم سے اکھاڑے سے تھوڑی دور الگ جا گرا، چودھری صاحب نے فوراً اُسے چیت کر دیا۔ گرنے کے ساتھ ہی اُس کے بدن میں ایسی چوٹ آگئی کہ اُس کا ایک عضو کچھ دن کے لیے بیکار ہو گیا اور اِس طرح ان کی پہلوانی اور بھی دُور دُور تک مشہور ہو گئی"۔

لطف علی صاحب پہلوان ہونے کے علاوہ مشہور مرغ باز بھی تھے۔ اِن کے مرغ دُور دُور تک مشہور تھے، جو لکھنؤ مین نواب نظر حسین خاں صاحب کے یہان آغا میر کی ڈیوڑھی پر لڑنے کے لئے بھیجے جاتے تھے، وہان ایک ایک ہزار اور پانچ پانچ سو روپیہ تک کی بازی لگتی تھی۔ مہاراجہ صاحب بنارس کے یہان بھی ان کے مرغ لڑنے کے لیے جاتے تھے۔ مگر ان کا ایک مرغ بھی کہین سے ہار کر نہین آتا تھا۔ ایک نہایت ہوشیار مرغ باز ہمیشہ اِن کے پاس نوکر رہتا تھا لیکن یہ خود بھی دیکھ بھال کرتے رہتے تھے، محض اُسی کے بھروسے پر نہین رہتے تھے۔ چودھری عباد علی صاحب اِن کے چھوٹے بھائی بھی مرغ بازی کے فن مین کامل تھے۔ بعضون کا بیان ہے کہ، اُنھین کے مرغ چودھری لطف علی صاحب کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔

یہ بانک، پٹے، بانے سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ جب تک زندہ رہے، اسی شغل مین مصروف رہے۔ تخمیناً چھیالیس سینتالیس برس کا زمانہ ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اولاد مین صرف ایک لڑکی موجود اور چودھری ریاست علی صاحب کو منسوب۔ شاگردون مین جھگرو بھٹیارہ، پنڈت شیورام، سُکھ نندن عُرف دُربلی، اشفاق حسین چشتی سرادک، چودھری مُدّھو، گھسیٹے سائین بہت مشہور تھے۔

مرحوم آبائی وضع کے پابند، غیر متعصب، نیک چلن، خوش مزاج، صاحب خلق، مروت دار، رحیم اور منکسار بزرگ تھے۔ (از چودھریان)

اکبر خان، مرتضیٰ خان، شمس الدین خان

بہادر اور نامی سپاہیون مین تھے۔ اِن کے حالات آئیندہ فصل کے اول طبقہ مین تفصیل کے ساتھ درج کئے گئے ہین۔ (خانزادہ)۔

پنڈت بدری پرشاد

کانکبج برہمن، اُپ منیج گوتر، گونیا تھی مشر بڑے معرز دو سالی لسب، مادھو رام مشر کے اکلوتے بیٹے، حال کے پہلوانون مین اچھے پہلوان تھے۔ اِن کے بزرگ اسنی کے رہنے والے تھے، رشتہ داری کی وجہ سے دریا باد کو اصلی وطن تسلیم کرلیا تھا اور اُنکی نسل یہان قایم ہوگئی تھی۔ (ٹھکانہ)۔

کرنیل گریگ صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر کے زمانے مین بارہ بنکی کے دنگلون کے موقعے پر انھون نے اکثر نامی پہلوانون کو پچھاڑکر انعام حاصل کیا تھا جس سے دُور دُور تک پہلوانی مین اِن کی شہرت ہوگئی تھی۔ یہ سنسکرت سے بالکل ناواقف تھے، صرف ہندی اور اُردو پڑھے تھے، مگر پنڈت کے لقب سے مشہور تھے اور سررشتہ تعلیم کے محکمے مین ملازم تھے۔ بعمر ۳۰ سال ۱۸۹۲ء مین دفعتہً چھت سے گر پڑنے کے باعث سر پھٹ گیا اور پھر کسی طرح جانبر نہ ہوسکے۔ نہایت افسوس ہی کہ جس روز پنڈت جی اپنا بیاہ کرکے دُلھن کو گھر لائے، اُسی شب کو قریب صبح یہ جگرخراش اور حیرت انگیز واقعہ پیش آیا، جسے سُن کر ہر شخص کو رنج ہوا۔ تھوڑے ہی دن کے بعد ان کی عورت بھی مرگئی اور اِس طرح سارا مکان ویران ہوکر غارت ہوگیا۔ اب خاندان مین کوئی نہین، صرف مکان کی بیرونی پختہ دیوارین شکستہ حالت مین موجود۔

دوسری فصل ماہرینِ فن کے بیان مین

طبقہ اوّل

گیادت دیچھت کوتوال

فنِ شطرنج کے اوستاد۔ اِن کے حالات باب سوم، فصل دوم مین تفصیل کے ساتھ درج کیے گئے ہین۔ یہان صرف نام لکھدیا گیا۔

پنڈت اجودھیا پرشاد

سریودیہ برہمن، شاندلیہ گوتر، بہت بڑے معزز، افضل نسب، شیو پرشاد عرف تیولی کے بیٹے، مشہور شطرنج باز گیادت دیچھت اور مادھو رام مشر کے ساتھ بلاناغہ ہر روز دوپہر سے شام تک شطرنج کھیل کر دل بہلایا کرتے تھے۔ نہ انھین کسی چیز کی فکر تھی نہ کسی بات کا غم۔ یہ معمولی طور پر ضرورت کے موافق کرم کانڈ سے واقف تھے۔

تحقیقات اور چند شاہی کاغذات کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہی کہ پنڈت جی کے والد شیو پرشاد عرف شیونی مہربان کے بیٹے "چودھری ڈیہہ" (ضلع گورکھپور) کے رہنے والے اور پٹی چودھری اول کے "اُتولیا تواری" کہلاتے تھے۔ بھوانی پرشاد عرف بھوانی کے چیلے اور متبنٰی اولاد ہونے کی وجہ سے اُن کے مرنے کے بعد اُن کی جملہ جائیداد (باغ، مکان وغیرہ)

وغیرہ) کے مالک ہو کر دریاباد مین آباد ہو گئے تھے جن کے بھائیون رگھناتھ اور دیودت کی اولاد مین لال پور اور جھوٹا (ضلع گونڈہ) مین ابتک موجود ہین۔ بھوانی پرشاد عرف بھوانی کے باپ گلس اور دادا اٹھرادن دریاباد کے قدیم باشندون مین سے تھے۔ اِن کی اُپردھتی دریاباد کے علاوہ قرب وجوار کے دیہات مین بھی قائم تھی۔ پنڈت اجودھیا پرشاد دریاباد ہی مین پیدا ہوئے تھے۔

پنڈت جی کے ہاتھ کی "ٹنک بھیرون" نامے ایک پوتھی خوشخط اور صاف حرفون مین لکھی ہوئی چھپی محلہ مین شرون کے یہان دیکھنے مین آئی ہے جس کے آخر مین "کاتک بدی دوادش، دن بدھ، سمت ۱۸۶۳ بکرمی" تحریر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خوشنویس بھی تھے اور ۱۸۰۶ء کے قبل پیدا ہو کر اچھی طرح لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گئے تھے۔

روبکار محکمہ مراقعہ اولی (اہتمام محمد حیات مرقوم بست وہم محرم الحرام ۱۲۶۶ہجری) سے ثابت ہوتا ہے کہ پنڈت جی بہت نیک، ایماندار، اور انصاف پسند بزرگ تھے اور اب سے ۷۵ برس قبل یعنی ۱۸۴۸ء میں زندہ موجود تھے۔ اولاد مین سرجو پرشاد اور تری کرشن۔ سرجو پرشاد کے لڑکے ہومان پرشاد لاولد فوت ہوئے، تری کرشن کے بیٹے پنڈت رام ادھین صاحب اولاد ٹھگوا دین، ٹھاکر پرشاد، موہن لال موجود اور آبائی جائیداد پر قابض۔ مذکورۂ بالا شاہی کاغذات پنڈت رام ادھین کے یہان موجود ہیں۔ (دیکھا ہوا)۔

جھنکولال، اشرف علی، طرار خان، شیخ بدھو

جھنکولال صاحب مشہور ظریف اور بزلہ سنج، اشرف علی صاحب قصہ گوئی مین کامل، طرار خان و شیخ بدھو لیزم، مگدر، بانک، پٹے، بانے مین لایق ذکر، دیوان روشن لال صاحب کے یہان بڑی بڑی تنخواہون پر ملازم تھے۔

شاکر خان و خنجر خان

بلند اور نہایت نفیس تعزیون کے بنانے مین مشہور تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "اِن کے تعزیے اتنے بلند ہوتے تھے کہ جس طرف نکلتے تھے، درختون کی ڈالیان کاٹ ڈالی جاتی تھین۔ یہ تعزیہ دار تھے، تعزیہ فروش نہین تھے، اس لئے اِن کی عقیدتمندانہ صناعی فن مصوری کا قابل قدر نمونہ ہوتی تھی۔ یہ لوگ امیر خان صاحب دریابادی کے خاندان مین سے تھے۔ زمانۂ حیات اب سے سو برس قبل۔

گرپرشاد، رادھے لال دیکھت

کانکبج برہمن، اُپ منج گوتر، از نسل شانت دیکھت دریابادی، سنسکرت زبان کے اچھے خوشنویس تھے زمانۂ حیات اب سے ایک صدی قبل۔ (دیکھا ہوا)۔

منشی شنکر سہائے صاحب

یسی کے بہت بڑے ماہر۔ لکھنؤ مین اس فن کی تعلیم پائی تھی۔ ہر صنف خوشخطی پر قادر تھے مگر ... اص طور پر شہرت حاصل تھی۔ اِن کے حالات باب سوم فصل دوم مین درج ہوچکے ہین

فتح خان، دِلاور خان

مشہور چابک سوار، اپنے فن مین اوستاد، نصیر الدین حیدر بادشاہِ اودھ کے مشہور وزیر نواب روشن الدولہ بہادر کی سرکار مین بڑی قدر و منزلت کے ساتھ ملازم تھے۔ (محلہ سواران حال چھیپی ٹولہ)۔

عاشق علی، محبوب علی، لالہ سُندر لال صاحب

عاشق علی و محبوب علی صاحب خط نسخ و طغرا خوب لکھتے تھے لکھنؤ کے کسی اوستادِ فن کے شاگرد تھے۔ سُندر لال صاحب فارسی دان خوشنویس، خطِ گلزار و نستعلیق لکھنے مین کامل۔ لکھنؤ مین اس فن کی تعلیم پائی تھی۔ نواب امین الدولہ بہادر کے یہان ملازم تھے، غدر کے زمانے مین لکھنؤ مین فوت ہوئے۔ نواب صاحب امجد علی شاہ بادشاہ اودھ (۱۸۴۲ء) کے وزیر تھے۔

لالہ درگا پرشاد صاحب

کائستھ، اعلیٰ مصوّر، مگر مذہبی تصویرین بنانے مین خاص طور پر قابلِ تعریف و مشہور۔ تمام عمر لکھنؤ مین رہے اور وہین وفات پائی۔ مہاراجہ بالکرشن اِن کے بڑے قدردان تھے۔ زمانہ حیات اب سے ۵۰ برس قبل۔

پنڈت بھیرون دَت

سرورِیہ برہمن، مشہر ازنسل پنڈت جیونارائن، پنڈت گوری شنکر کے نامی بیٹے، فن موسیقی کے خاص طور پر ماہر تھے۔ ہندو موسیقی کے متعلق مردنگ، ڈھول وغیرہ اعلیٰ سازون مین پنڈت جی کی ڈھول مشہور تھی۔ جب یہ لکھنؤ جاتے تھے تو، اچھے اچھے طبلہ نواز ڈھولی سُننے کے لئے اِن کے پاس آتے تھے۔ جس طرح لکھنؤ مین "سُور" نامے جھنکار بجانے مین فرد تھا، اُسی طرح پنڈت جی دریاباد مین ڈھول بجانے مین یکتا تھے۔ سُور مین یہ خاص وصف تھا کہ جھنکار سے طرح طرح کے سازون کی دلکش آوازین سُناکر لوگون کو تڑپا دیتا تھا۔ پنڈت جی اپنے کمال سے ڈھول بجاکر ہر قسم کے سازون کی مُرلی صدائین پیدا کرکے سامعین کو وجد کے عالم مین پہونچا دیتے تھے۔ غالبًا پنڈت جی بنارس بھی گئے تھے اور اُن کے اس خاص فن کا وہان بھی شہرہ ہوا تھا چنانچہ راقم الحروف جب ۱۹۰۹ء مین جناب ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب تعلقدار رانی مئو کے ہمراہ "مہامہوپادھیائے" پنڈت شیو کمار شاستری کی خدمت مین

حاضر ہوا تو، دورانِ گفتگو میں اُنھوں نے ٹھاکر صاحب سے دریافت کیا کہ "یہ کون ہیں؟" ٹھاکر صاحب نے فرمایا، کہ "یہ دریاباد کے رہنے والے ہیں اور ہمارے خاص معتبر و معزز کارندے ہیں۔ مہاراج بھوکھن لال نام ہے"۔ دریاباد کا نام سنتے ہی پنڈت جی حیرت سے فرمانے لگے کہ "وہی دریاباد جہاں پنڈت رامچرن اور پنڈت بھیرون دت رہتے تھے"۔ ٹھاکر صاحب نے عرض کیا کہ "مہراج! آپ اُن کو کیا جانیں؟" پنڈت جی نے مسکرا کر فرمایا کہ "وہ دوان کو کون نہیں جانتا۔ پنڈت رامچرن سنسکرت کے مشہور پنڈت تھے، پنڈت بھیرون دت ڈھول خوب بجاتے تھے"۔ اتنا سن کر ٹھاکر صاحب خاموش ہو گئے۔ اس بیان سے دونوں باکمالوں کے کمال کی پوری تائید ہوتی ہے، جو ہمارے لئے باعث فخر ہے۔

سنا جاتا ہے کہ کپتان سیتلا بخش سنگھ صاحب (سنہ ۱۲۶۹ھ میں موجود، دریاباد میں تعینات تھے) پنڈت جی کے بڑے قدردان تھے۔ ایک دن ایک بلبل درخت پر بیٹھی ہوئی چہک رہی تھی، کپتان صاحب پنڈت جی سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگے کہ "یہ بلبل کیا کہتی ہے؟" پنڈت جی نے فوراً ڈھول منگوا کر تال کے ذریعہ اُس کے بول سنا دیئے کہ وہ نہایت خوش ہو گئے۔

کپتان سیتلا بخش سنگھ صاحب کے تین برکھ پھل (واقعات زندگی کا زائچہ جو ہر سال تیار کیا جاتا ہے) سمبت ۱۹۱۱-۱۹۱۳ کا ایک خط کہ جو زبان دیوناگری تحریر ہے، دیکھنے میں آئے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کپتان صاحب اور پنڈت بھیرون دت کے والد پنڈت گوری شنکر سے گہرے مراسم تھے اور وہ ایسے نجوم دان تھے کہ کپتان صاحب اپنے برکھ پھل انھیں سے بنواتے تھے۔ نقل خط حسب ذیل ہے:-

"سوستی سری مہاراج مہراج بالک سیتلا بخش کو گوری شنکر پنڈت کا آشیرباد پہونچے یہاں سب طرح سے، مہا بیر رکھتا کریں، باقی ہم آپ کے بھروسے ہیں، سو آپ جانتے ہیں۔ تو تحکیم"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گوری شنکر مہراج بھی قدیم پنڈتوں کی طرح بھاشا زبان سے مانوس نہیں تھے اور جو کچھ وہ لکھتے پڑھتے تھے وہ مجبوراً، شوقیہ نہیں۔

پنڈت جی سنسکرت میں صاحب استعداد نہ تھے۔ صرف ضرورت کے موافق جوتش اور کرم کانڈ یعنی نجوم و فقہ سے معمولی طور پر واقف تھے۔

پنڈت جی اپنے خاص فن میں کسی کے شاگرد نہ تھے، بلکہ اپنی فطری ذہانت اور قدرتی دلچسپی کی وجہ سے اعلیٰ مشق بہم پہونچا کر خود اوستاد ہو گئے تھے۔ ان کے شاگردوں میں شیو نراین مشر اور کشن پرشاد صاحب بالخصوص مشہور۔ اول الذکر سہرام گھاٹ میں، ثانی الذکر حیدرآباد میں بہ قید حیات۔ اولاد میں گنج بہاری اور بانکے لال صاحب اولاد۔ مذکورہ بالا خط اور برکھ پھل پنڈت مہادیو پرشاد (پنڈت بھیرون دت کے پوتے) کے پاس موجود (دیکھا ناشر)۔

شیو دیال مہراج

سروریہ برہمن، لکھنؤ راکے شوکل، گرگ گوتر، عالی خاندان، بہت بڑے معزز، پنڈت شیو دت دید کے

بیٹے) تبنگ بازی میں مشہور اور دستکاری میں لایق تعریف، خود اپنے ہاتھ سے بھاری بھاری خوبصورت تکلّیں ساکر اُڑایا کرتے تھے۔ شروع انگریزی عملداری تک بہ قید حیات تھے افسوس ہی کہ یہ جاہل محض تھے، ہندی بھی نہیں پڑھے تھے۔

چودھری لطف علی صاحب

بانک، پٹے، بانے اور مرغ بازی میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ اِن کا ذکر باب چہارم کی پہلی فصل میں درج ہوچکا ہے۔

چودھری منصور علی صاحب

شیخ، از خاندان چودھریان دریاباد، چودھری حسین علی صاحب رئیس وتالقہ نگو کے فرزند دوم (بڑے بیٹے چودھری عباس علی صاحب تھے) بٹیربازی میں فرد تھے۔ لکھنؤ میں ابُوتراب خان صاحب کی ڈیوڑھی پر اِن کے بیٹر لڑنے کے لیے بھیجے جاتے تھے، جن کی بازیاں تین تین چار چار سو روپیہ کی لگائی جاتی تھیں اور جو کبھی ہارتے نہیں تھے۔ زمانہ حیات اب سے نصف صدی قبل۔ (چودھریان)۔

چودھری معشوق علی صاحب

چودھری منصور علی صاحب کے بیٹے، کبوتر بازی میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ اِن کے کبوتر چار پہر کامل (بارہ گھنٹے گرمیوں میں اُڑ سکتے تھے اور نہایت بلند پرواز درسدھے ہوتے تھے، دوسری جگہ بھول کر بھی نہیں جاتے تھے، نہ اڑنے میں بحری وغیرہ کا خوف کھاتے تھے۔ یہ کبوتر بہت خوبصورت اور قیمتی ہوتے تھے۔ چودھری امام علی صاحب بھی کبوتر کے بڑے شوقین تھے۔ لیکن، افسوس سے کہنا پڑتا ہی کہ چودھریوں کے خاندان کو تباہ کرنے میں اس قسم کے شوقوں نے بھی (الحاق اور مقدمہ بازی کے علاوہ) زبردست حصّہ لیا تھا۔ کیونکہ یہ شوق حد سے بڑھ گئے تھے اور زمینداری کے کام کاج میں غفلت اختیار کرلی گئی تھی۔ اولاد میں عاشق علی، ساجد علی، مشتاق علی موجود۔ (چودھریان)۔

رادھے کرشن مشر

کانکبج برہمن، عالی نسب بہت بڑے معزز استانہ لیہ گوتر، گونیاتھی دھود بامتیر، از خاندان جدامشر سیتارام مشر کے بیٹے، از بردست دستکار بے مثل عقیل، سُناری، لوہاری، نجاری، معماری کے فنون میں اعلیٰ دستگاہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اچھے خاصے مصور بھی تھے۔ رائے صاحب کے یہاں رائے مہادیو بلی صاحب کے کمرے میں جو چھت گیری لگی ہوئی ہی، اُس میں اِن کی بنائی ہوئی چوبیسوں اوتاروں کی تصاویر مع نفیس بیل بوٹوں کے اب تک موجود ہیں، جن کی صناعی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہی۔ نجاری کے متعلق ایک نہایت سُبک اور خوبصورت پالکی، جسکی محرابیں منقش تھیں، عرصہ تک موجود رہی، دس گیارہ برس ہوئے کہ اُس کے تختے دوسرے کام میں استعمال کیے گئے اور اسطرح

یہ نفیس قابل دید یادگار ہمیشہ کے لئے بٹادی گئی۔ علاوہ اِن سب فنونِ متذکرہ بالا کے مسٹر جی رنگسازی کے کام مین بھی اوستاد تھے۔ شراب کے سادے ولایتی گلاسون پر طرح طرح کے ایسے موزون اور دلکش نقش ونگار بنادیتے تھے، جو ہو بہو اصلی معلوم ہوتے تھے۔ سب سے بڑی خوبی اِن مین یہ تھی کہ جو چیز اِن کو دکھا دیجاتی تھی یہ بجنسہ اُس کی نقل کر دیتے تھے۔ جب تک زندہ رہے رائے صاحب کی قدردانی اور آبائی معافی کی بدولت چین کرتے رہے، پچاس برس کے سن مین اب سے نصف صدی قبل بہ مقام اجودھیا جی بیکنٹھ باش ہوئے۔ اولاد مین قسندت، ٹھاکر پرشاد جانلتی حالات کے لئے باب ۲ فصل ا مین پنڈت بھاگوت پرشاد کا بیان ملاحظہ ہو۔ (دیکھتا نہ)

شیخ جھاؤ

شیخ یار محمد کے بیٹے، بانک۔ پٹے مین شہرت رکھتے تھے، چودھری محلّہ سکونت تھی، اب سے نصف صدی قبل زندہ۔ اولاد مین عابد علی موجود۔

اکبر خان و مرتضیٰ خان

سُنّی المذہب، خانزادے، غلیل اندازی کے علاوہ فنِ پتنگ بازی و دستکاری مین بھی مشہور و معروف خود اپنے ہاتھ کا بنایا ہوا پتنگ اُڑاتے تھے، بازاری پتنگ انھین پسند نہ تھے۔ اِن کے پتنگ دو ہاتھ کے لمبے جوڑے ہوتے تھے جو رنگ برنگ ہونے کے ساتھ ساتھ خوبصورتی اور نفاست مین بھی خاص شہرت رکھتے تھے۔ یہ لوگ ڈھیل کے پیچ پسند کرتے تھے اور اُس وقت لکھنؤ مین اسی کا رواج تھا۔ اکبر خان و مرتضیٰ خان بہادری و سپہ گری مین بھی مشہور تھے۔ ۸۰ یا ۹۰ سال کی عمر مین اب سے تیس چالیس برس بیشتر زندہ تھے۔ (خانزادہ)۔

شمس الدّین خان

سُنّی، خانزادہ، غلیل اندازی کے فن مین اپنے وقت کے اوستاد تخمیناً ۸۰ سال کی عمر مین فوت ہوگئے۔ یہ بہادر اور نامی سپاہی بھی تھے، جو اکبر خان و مرتضیٰ خان کے خاص عزیز اور اُنھین کے خاندانی رکن تھے۔ اِن کے بزرگ شریف النسل ہونے کے علاوہ بہت بڑے شجاع اور بے مثل غلہ باز بھی تھے۔ بعض کے نزدیک یہ لوگ دریاباد کے قدیم باشندون مین سے تھے، بعض کہتے ہین کہ اُنھین چودھری فتح علی صاحب نے آباد کیا تھا۔ (خانزادہ)۔

شیو دین

دیش، آلھا گانے مین لاجواب، آلکھنڈ کے عاشق اور بہت بڑے شوقین، مرتے دم تک آلھا گانے سے باز نہ رہے۔ سُنا جاتا ہے کہ جوانی مین یہ جس وقت کڑک کر آلھا گانے مین مشغول ہوجاتے تھے تو سامعین پر ایک دلیرانہ جوش کا عالم طاری

ہو جاتا تھا۔ آلھا گاتے وقت یہ خود بھی بیخود ہو جاتے تھے لیکن ڈھول کی آواز اور زبان کی روانی میں کوئی فرق نہ آنے پاتا تھا۔ آلھا گانے کے ساتھ ساتھ ڈھول بھی خوب بجاتے تھے اور ہمیشہ اپنے ہی ڈھول پر گاتے تھے مگر کاتیو اور ٹھوری کے میلے میں اچھے اچھے گانے والے ان سے ہار گئے۔ انھیں کُل آلکھنڈ ازبر تھا۔ جوانی میں بڑے خوبصورت اور رعب دار تھے لانبا قد، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، موٹے تازے، چوڑے چکلے، ہاتھ پاؤں سُڈول، گندم رنگ۔ گاڑھے کی دوہری مرزائی، چمر ودھا جوتا، دو لنگی مارکین کی لمبی دھوتی، تنزیب کی دوپلڑی ٹوپی، گلے میں سیاہ اُدراج کا بڑے دانوں والا مالا ہمیشہ پہنا کئے۔ تخمیناً ۹۰ سال کی عمر پائی، ۱۹۰۵ء میں فوت ہوئے۔

پنڈت بشن دت

کانکیج رہین، از حامداں جدا متبر، مشہور دستکار راد ھے کرشن کے بیٹے، چوسر کھیلنے میں فرد تھے۔ پنڈت شنکر دیال کے حقیقی بھائی شیودیال استھی، رامچرن[1] ڈہینگا چودھری، لالہ رامچرن لال بھی اس فن میں ہوشیار تھے۔ ان میں بشن دت، شیودیال رامچرن لال اس کھیل کے بہت بڑے شوقین تھے اور ایسے شوقین کہ اکثر کھیلتے وقت کھانا پینا بھول جاتے تھے اور تمام دن اسی شغل میں مصروف رہنے کے باوجود گھبراتے نہیں تھے۔ شیودیال اور رامچرن لال بشن دت ہی کے مکان پر چوسر کھیلنے آتے تھے اور سہ پہر سے شام تک برابر نشست رہتی تھی تا زندگی اس دستور العمل میں کبھی فرق نہیں آیا۔ یہ لوگ بڑے خوش نصیب تھے۔ ان کا زمانہ گرانی کا زمانہ نہ تھا۔ اُس وقت آج کل کی طرح روپیہ کا چار سیر آٹا اور نو دس چھٹانک کا گھی نہ تھا بلکہ ستائیس اٹھائیس سیر گیہوں اور دو ڈھائی سیر پختہ گھی بکتا تھا، اسی طرح دیگر چیزیں بھی ارزاں تھیں، بدیں وجہ ہر طرح کا اطمینان حاصل تھا، کم آمدنی میں بھی اچھی طرح بسر ہو جاتی تھی۔ ایسی حالت میں اس قسم کے تفریحی مشغلہ سے دلچسپی ہونا ایک قدرتی بات تھی۔

یہ گنجفہ اور شطرنج کے بھی ماہر اور عاشق تھے جس روز شیودیال نہیں آتے تھے تو لالہ رامچرن لال صاحب کے ساتھ گنجفہ یا شطرنج کھیلتے تھے۔ علاوہ اس کے خوبصورت پہلوان بھی تھے۔ اگرچہ قد آور نہ تھے مگر ہاتھ پاؤں کے زبردست اور موٹے تازے تھے۔ جوانی میں کُشتی خوب لڑاتے تھے، داؤ پیچ سے اچھی طرح واقف تھے اور اس فن میں چودھری لطف علی صاحب کے شاگرد تھے۔ سُنا جاتا ہے کہ "ایک مرتبہ انھوں نے ایک مُغلیہ کو جو ان سے دو چند سہ چند زور آور تھا، کسی اکھاڑے میں پچھاڑ دیا تھا" لیکن یہ قوت کثرتِ عیاشی کے باعث جوانی کے بعد ہی رخصت ہو گئی تھی اور بدن کسی قدر ڈھیلا ہو گیا تھا، تاہم ورزش کا مشغلہ بدستور جاری رہنے سے (کوٹھری بند کر کے روزانہ سو پچاس ڈنڈ اور بیس پچیس ہاتھ مگدر ہلا کر سیر ڈیڑھ سیر دودھ استعمال کرتے تھے) ان کی صحت ہمیشہ اچھی رہی، کبھی کوئی زبردست بیماری کی شکایت نہیں ہوئی معمولی بیماریوں

[1] یہ دونوں بھائی گانجہ چرس کے بھی بڑے شوقین تھے۔ نہایت نیک، پُرانی وضع کے پابند گرہستھ دستے۔ دو لنگی دھوتی، بند دار مرزائی یا انگرکھا، گوٹے دار پگڑی، چمر ودھا جوتا پہنتے تھے۔ روزمرہ پوجا پاٹ کر کے سفید چندن کا ٹیکا ماتھے پر لگاتے تھے ۸۰ یا ۹۰ برس کے سن میں اب سے ۳۰ برس قبل زندہ تھے۔ اولاد میں سوریجی موجود، آبائی مکان اور دوکان پر قابض ہر حصے رُدولی میں آباد اور علوائی پیشہ ذریعہ معاش ۱۲۔

کے لیئے یہ کسی حکیم یا ڈاکٹر کے محتاج نہ تھے - دو چار مشہور کتابیں دیکھ کر وید ک (طب) سے کچھ کچھ واقف ہو گئے تھے، جس سے اپنا ذاتی علاج بھی کر لیتے تھے اور اکثر دوسروں کو بھی فایدہ ہو جاتے تھے -

مسٹر جی نپڈت کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے، مگر دراصل سیڈت نہ تھے، صرف ناگری مین نارمل پاس تھے پہلے سررشتۂ تعلیم کے محکمہ مین ملازم ہوئے اور ۲۶ برس تک محمدپور کھالا (مارہ سکی) کے مدرسہ مین بہ عہدۂ افسر مدرسی مامور رہ کر پچاس برس کے سن مین خود استعفا دیکر اپنے وطن دریاباد چلے آئے اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد راے صاحب کے یہان ضلعدار ہو گئے اور عمر بھر اسی عہدہ پر بحال رہے - ۸ - فروری ۱۹۰۶ء کو بمقام اجودھیا سکینٹھ باس ہوا، ۸۲ سال کی عمر نصیب ہوئی - اولاد کوئی نہیں - یادگار مین مکان کا بیرونی دو منزلہ کمرہ موجود - سُنا جاتا ہے کہ ان کی بہلوانی کی ڈھول محمد پور فتح پور کے اکھاڑے مین گڑیوں کے دن اب تک بڑی عزت کے ساتھ بجتی ہے - (دیکھتا نہ) -

مولوی عبد الکریم صاحب

شیخ، از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، فخر وطن حکیم مولانا محمد نور کریم صاحب کے بڑے بیٹے، فن تپنگ بازی اور خوشنویسی مین بہت مشہور و معروف - ان کے حالات باب ۳، فصل ۲ مین بیان ہو چکے ہیں، یہان صرف نام لکھ دینا ضروری و مناسب معلوم ہوا -

حافظ مصطفیٰ کریم صاحب

شیخ، از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کے بڑے بیٹے، خوشنویسی میں فرد، شطرنج کے فن مین کامل، تپنگ بنانے مین قابل تعریف - حالات باب ۳، فصل ۲ میں ملاحظہ ہوں -

حاجی عبد اللطیف صاحب

از خاندان حضرت مخدوم آبکش دریابادی، مولوی حکیم نور کریم صاحب کے فرزند دوم، تپنگ بازی کے فن مین بہت بڑے قابل - مشرح حالات باب سوم کی دوسری فصل مین درج ہو چکے ہین - یہان صرف نام لکھدینا ضروری خیال کیا گیا -

مُنّو پانڈے

قنوجیا برہمن، پانڈے، کبوتر بازی مین مشہور - ان کے یہان بہت اعلیٰ اعلیٰ کبوتر پلے ہوئے تھے - یہ خوبصورت اور بیش قیمت کبوتر دلکش قلابازیون کے ساتھ ساتھ بلند پرواز ہوتے، پانچ پانچ چھ چھ گھنٹے تک نگاہ سے غائب رہتے اور پھر آواز کے ساتھ ہی آسمان سے نیچے اُتر کر چھتری پر بیٹھ جاتے تھے - پرواز کے وقت بحری سے مقابلہ ہو جانے پر اپنی ہوشیاری و دم بازی سے صحیح و سلامت واپس آ جاتے تھے - مُنّو پانڈے لاولد تھے، اب سے بارہ برس قبل تخمیناً ۸۰ سال

کی عمر مین فوت ہوئے۔ مکان پختہ موجود۔ (ٹھکانہ)۔

لالہ رامچرن لال صاحب

لالہ بیجو لال صاحب کے بیٹے، اعلیٰ مصور، اچھے خوشنویس، کارامانت مین فرد، چوسر اور شطرنج و گنجفہ کھیلنے مین مشاق۔ ولادت ۱۸۴۶ء، وفات ۱۸۹۶ء۔

یہ علمی قابلیت نہین رکھتے تھے، مگر حسب ضرورت فارسی زبان سے آشنا تھے۔ انھون نے اپنی بڑی بہن کے یہان لکھنؤ مین تعلیم پائی اور محکمۂ بندوبست مین ملازمت کر کے منصرمی کا عہدہ حاصل کیا۔ بعد اُس کے اپنے وطن دریاباد آکر رائیصاحب بہادر کے یہان بہ عہدۂ صلعداری نوکری اختیار کی اور پھر تمام عمر رائیصاحب کی قدردانی سے کسی دوسری جگہ جانے کا قصد نہیں کیا۔

اِن کے ہاتھ کی بنی ہوئی تصویریں اور وصلیان راقم نے خود دیکھی ہین جو زمانہ ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب مرحوم (تعلقدار رانی مئو) کے یہان دَوران مقدمہ مین کاغذات کی جانچ کے وقت برآمد ہوئی تھین جن کے زیرین حصہ مین "رامچرن لال دریابادی" لکھا ہوا تھا۔ ساتھ ہی اس کے ایک نقشہ بھی جورانی مئو و بلکھرہ کی تنازعہ آراضی کی بابت فریقین کی باہمی رضامندی سے تیار کرایا گیا تھا، دیکھنے مین آیا، جس مین تحریر تھا "رامچرن لال امین ملازم رائیصاحب بہادر" معلوم ہوتا ہے کہ لالہ رامچرن لال صاحب کسی وقت تنازعہ آراضی کی پیمایش کے لئے بلائے گئے ہونگے، کئی روز وہان قیام رہا ہوگا، اسی سلسلہ مین انھین اپنی فطری دانائی و دلچسپ صناعیون کے اظہار کا موقع ہاتھ آیا ہوگا، جو وصلیوں اور تصاویر کی شکل مین پیش کی گئی ہونگی۔ تصاویر رنگین، نہایت خوبصورت اور وصلیان خط گلزار و نستعلیق دونوں خطوں میں تحریر تھین، جو باعتبار فن نہایت اعلیٰ نمونہ تھین۔

قیاسًا معلوم ہوتا ہے کہ فنون مذکورہ بالا انھون نے لکھنؤ مین مشہور استادون سے حاصل کئے ہونگے۔ گانجہ کے زیادہ شوقین ہونے کے باعث یہ تمام زندگی دم کے عارضہ مین مبتلا ہو کر پریشان رہے۔ پنڈت مسندت ان کے گہرے دوست تھے، جن کے ساتھ روزمرّہ چوسر و شطرنج اور گنجفہ کھیلا کرتے تھے۔ صبح کے وقت دس گیارہ بجے تک یاد تر اِن کی نشست چھدامی سراوگی کی دوکان پر، اور کبھی کبھی ہیگا چودھری کے مکان پر رہتی تھی، جہان اکثر گانجہ کی دم بازی کا دُھوان دھار مشغلہ رہتا تھا۔

امین صاحب نیک، ملنسار، دُبلے پتلے، لمبے قد، سانولے رنگ کے سیدھے سادے بزرگ تھے، پُرانی وضع تھی۔ پچاس سال کی عمر مین وفات پائی۔ اولاد میں جیدر علی صاحب اولاد بقید حیات، دفتر نہر گنگ کانپور مین ملازم آبائی مکان ویران و ناقابل ذکر۔ (دیچھتانی ٹولہ)۔

لالہ رجن لال صاحب

سکسینہ کائستھ، بھیری ورن، پتنگ بازی مین مشہور ہونے کے علاوہ پتنگ بنانے اور جلد سازی مین بھی

شہرت رکھتے تھے۔ علم سے بے بہرہ تھے، اس لئے آخری دو دون فن ذریعۂ معاش تھے۔

ان کے۔ رگ منشی پران سنگھ صاحب لکھنؤ کے رہنے والے دریاباد کی نظامت مین بخشی گری کے عہدہ پر مامور تھے۔ فارسی مین اچھی قابلیت رکھتے تھے، سنسکرت دان بھی تھے۔ اپنے دین دھرم کے پکے پابند تھے، اپنے گرو دیدت دیبی دت کو بہت مانتے تھے اور دل سے اُن کے بہی خواہ تھے چنانچہ انھین کی کوشش سے دربار شاہی سے پچاس روپے سالانہ بطور نانکار پنڈت جی کو تاحیات برابر ملا کیے بخشی جی صاحب ملازمت کے سلسلے مین (بہ عہد محمد علی شاہ) دریاباد آکر آباد ہو گئے تھے اور اسے اپنا اصلی وطن قرار دیا تھا۔ یہ اُس مکان مین رہتے تھے جو محلہ قضیانہ مین مسجد کے متصل سیتارام ساہ کے دیوہرہ کے متعلق کھدنے سے بچ گیا تھا اور جو آخر مین انھین کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ بخشی جی کے بعد ان کی نسل مین لالہ بجھولال صاحب سکنڈ ماسٹر ہائی اسکول بارہ بنکی نے دریاباد چھوڑ کر کسی دوسری جگہ سکونت اختیار کی اور مکان فروخت کر ڈالا، جو کھد کر بہت جلد بے نام ونشان ہو گیا۔ غالباً اب سے ۲۰ برس قبل لالہ بجھولال و لالہ رحمن لال صاحب معہ عیال و اطفال تارک الوطن ہو گئے تھے۔ (اضیا ءحال مخدوم زادگان)۔

مولوی ناظم علی صاحب

مشہور شطرنج باز۔ ان کے حالات باب دوم، فصل سیوم مین بیان ہو چکے ہین۔ یہان پر صرف نام لکھدینا ضروری و مناسب معلوم ہوا۔

مولوی ثابت علی صاحب

پیشاپوری سید حکیم باقر علی صاحب کے فرزند دوم (بڑے بیٹے مولوی عالم علی صاحب تھے) پیمائش کے کام مین نہایت ہوشیار، مشہور مدرس، ولادت ۱۸۶۱ء، وفات جنوری ۱۹۲۱ء۔

پہلے اضلاع گونڈہ و بہرائچ مین امین مقرر ہو کر مدت تک کار متعلقہ ایمانداری کے ساتھ انجام دیتے ہوئے سرکاری اسناد حاصل کئے۔ بعد اُس کے ملازمت سے گھبرا کر استعفا دیدیا اور اپنے وطن آکر کار امانت و کتب فروشی کو عموماً اور جلد سازی کو خصوصاً ذریعۂ معاش ٹھہرایا۔ تا زندگی کسی کی نوکری نہین کی بے فکر آزاد رہے۔

مولوی صاحب نیک، ملنسار، خلیق، زندہ دل، خوش تقریر، ظریف الطبع، وضعدار، مذہب کے پابند تھے۔ خوش تقریری و ظرافت کی یہ حالت تھی کہ اکثر یہی باتون سے رنجیدہ کو خوش اور روتے کو ہنسا دیتے تھے جس ریاست میں جاتے، بات چیت سے ہر علی و ادنی کو مطیع کر لیتے تھے۔ مزاج مین صفائی بہت تھی، شعر و سخن سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، سیکڑون اشعار حفظ تھے جو دوران گفتگو مین زبان سے برجستہ نکل جایا کرتے تھے، ناسخ، آتش، صبا، وزیر، ذوق، غالب، امیر، داغ، میر حسن، نسیم، دبیر، انیس، کے علاوہ امانت، جرکین، چرکین، جان صاحب، سودا، انشا کے اشعار بھی بہت یاد تھے۔ اپنے وطنی بزرگون کے حالات سے بھی اچھی طرح واقفیت حاصل تھی۔

طبیعت امیرانہ تھی، عمدہ عطر، تیل، خوشبودار تنباکو سے خوردنی کے بڑے شوقین تھے عطر، تیل اصغر علی محمد علی (لکھنؤ) کے کارخانہ کا اور تنباکو ولدار حسین احمد حسین لکھنوی کی دوکان کا پسند تھا۔

اِن کی افطاری (بمبئی روٹی اور چٹپٹی مزیدار چٹنی) مشہور تھی، جو رمضان شریف کے ایام میں حسب معمول مقررہ دنوں کی پابندی کے ساتھ شام کے وقت مسجدوں میں روزہ داروں کی خدمت میں بھیجی جاتی تھی، جسے لوگ نہایت شوق سے قبول کرتے تھے۔

ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب مرحوم (تعلقہ دار رانی مئو) مولوی صاحب کے بہت بڑے قدردان تھے، ریاست کیسا اور دھانوان میں بھی اِن کی دھوم تھی۔ اِن ریاستوں میں دفتر کے رجسٹروں، نیز پوتھیوں، کتابوں کے متعلق جلد سازی کا کام انھیں کے سپرد تھا۔ ۶۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اولاد میں واحد علی بقید حیات، جلد سازی میں ہوشیار۔ (محمران)

مچھلی خان

پٹھان، چوری کے فن میں بے مثل استاد اور اعلیٰ مشاق، ساتھ ہی اس کے بہت بڑے شجاع اور جوان مرد سپاہی، بانک، پٹے، بانے وغیرہ کے فنوں سے بھی اچھی طرح واقف، لیکن طرزِ عمل قابلِ تعریف۔ چوری کا فن شوقیہ سیکھا تھا، عملی طور پر سخت احتراز رہا۔ کبھی چوری کی نہ چوروں کا ساتھ دیا، اور نہ کسی کو اِس خاص فن سے آگاہ کیا۔ قرب وجوار کے چور اور بدمعاش اِن کے نام سے خوف کھاتے تھے۔ جب تک زندہ رہے، دریاباد میں چوری نہیں ہونے پائی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ: "ایک دن خان صاحب کے سامنے برسبیل تذکرہ چکلہ دار صاحب کے منہ سے نکل گیا کہ "بادشاہی محلات میں ایسا زبردست بندوبست رہتا ہے کہ وہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا، آدمی کی کیا تاب و طاقت ہے کہ چوری کر سکے"۔ اِن الفاظ نے خان صاحب کو اپنا کمال دکھانے پر آمادہ کر دیا۔ دو چار روز کے بعد لکھنؤ پہونچے اور کسی ترکیب سے شاہی محل کے اندر داخل ہو کر چھت میں تین دن تک بے دانہ ڈآب چھپکلی کی طرح چپکے رہے۔ جب چوری کا موقع ملا تو بیش قیمتی اور نایاب چیزیں لیکر لکھنؤ ہی میں کہیں روپوش ہو گئے۔ اس حیرت انگیز واقعہ کی بنا پر شاہی حکم صادر ہوا کہ جو شخص چور کا پتہ لگائے گا اُسے بیشمار انعام دیا جائے گا۔ یہ خبر سنتے ہی خان صاحب بے دھڑک حاضر دربار ہو کر دست بستہ چوری کا اقرار کر کے کُل چیزیں پیش کر دیں اور ساتھ ہی اس کے چکلہ دار صاحب کے الفاظ بھی دُہرا دیئے۔ یہ بھی عرض کیا کہ غلام نہ چور ہے نہ چور کا ساتھی، جو کچھ ہوا تھا وہ محض فن دکھلانے کی غرض سے۔ جوہر شناس اور قدردان بادشاہ نے خان صاحب کی نیک نیتی اور راستگوئی پر خوش ہو کے انعام واکرام سے سرفراز فرمایا۔

مچھلی خاں کے نام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خان صاحب مچھلی کے بیحد شوقین رہے ہونگے جسکی وجہ سے دوستوں نے مذاق میں مچھلی خاں کہنا شروع کیا ہوگا، رفتہ رفتہ اصلی نام کے بجائے یہی نام مشہور ہو گیا ہوگا، جو اس وقت تک لوگوں کی زبان پر جاری۔ اولاد میں پوتا موجود۔ اِن کے حالات مدیر دسول ہونے پر بے ترتیب درج ہوئے۔ (چھیپی ٹولہ)

طبقہ دوم

رمضانی حجام، جراح و مصور **فقیر بخش** دستکاری و جراح **بھوسو** جراحی کے علاوہ بانک، پٹے بانے مین ہوشیار **ابراہیم** جراح **خدا بخش** دستکار - ان سب کا مفصل ذکر باب ۵ فصل ۴ مین درج کیا گیا ہے -

خدا بخش - ورزش کے فن سے خوب ماہر مشہور ہے کہ یہ شخص ایک رومال کے ذریعہ سے بڑے بڑے سپاہیوں کو بھگا دیتا تھا - رومال مین ایک معمولی کوئی وزنی گول چیز باندھ کر رگون کی شناخت پر (اس فن مین خاص ملکہ تھا کہ فلان فلان رگ پر خفیف سے خفیف صدمہ پہونچنے سے بھی سخت تکلیف ہوتی ہے) بیتر سے کے ہاتھ سے اس طرح مارتا تھا کہ لوگ بے قرار ہو جاتے تھے اور پھر اُنھین مقابلہ کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی - زمانۂ حیات اب سے نصف صدی قبل (چھیپی ٹولہ)

مولا بخش - بانک، پٹے، بانے مین اپنے وقت کا اوستاد - ۴۵ برس کا زمانہ ہوا کہ تخمیناً ۷۰ برس کی عمر مین فوت ہوا - اولادیں جنگو خان، علی بخش، رمضان خان - ناظم علی ہر ایک اس فن مین ہوشیار - علی بخش، شاگرد ظہور خان لکھنوی اب تک زندہ - (مخدوم زادگان) -

جنگو خان، عرف مجّن، مولا بخش کا بڑا بیٹا، بانک، پٹے، بانے وغیرہ کے فن مین شیخ چاند لکھنوی کا شاگرد رشید، نواب محسن الدولہ بہادر (لکھنؤ) کے یہان ملازم سنہ ۱۹۱۰ء مین فوت ہوا - (مخدوم زادگان) -

محمد ضامن - قد آدم کُلّ بنانے اور اُڑانے مین مشہور - قریباً اَسّی بچاسی سال کے سن مین سنہ ۱۹۰۰ء مین فوت ہوا -

راجھیاون - بازی، فن شناوری مین کامل - تالابون مین ٹھیکی مار کر گڑگڑی یا فرشی پیتے ہوئے تیرتا تھا - پرانی وضع کا بڑا پابند تھا حتی المقدور چوڑی گوٹ والا انگرکھا، لمبی دُونگی دھوتی، چوگوشیہ ٹوپی کے سوا دوسرے قسم کا کپڑا بہت کم پہنتا تھا - لانبا قد، فربہ جسم، لمبی مُڑی ہوئی گھنی نوکدار مونچھین، گھونگھر والے بال، سانولا رنگ، خوبصورت پُر رعب چہرہ - راجھیاون اب سے پندرہ برس قبل زندہ، تخمیناً ۶۵ سال کی عمر (ٹھکانہ) -

کریم - موچی، اکبر خان و مرتضی خاں کا ہم عصر اور اُنھیں کے برابر تپنگ بازی مین مشہور - یہ بھی انواع و اقسام کے رنگین اور خوبصورت پتنگ خود تیار کر کے اُڑاتا تھا - اب سے تیس چالیس سال قبل زندہ - (کفش دوزان حال ٹیڑھی بازار)

پتّو - مسلمان بھاٹ، اپنے وقت کا مشہور تپنگ باز - اسے پتنگ بازی کے فن مین وہ کمال حاصل تھا کہ اس کے حریف کبھی اس سے بازی نہ لیجا سکے - غالباً اب سے پندرہ بیس برس قبل زندہ تھا - (ٹھکانہ) -

طبقہ سوم خاص موسیقی والون کے بیان مین

جمن خان نامی ستار باز، دیوان روشن لال صاحب کے یہاں ملازم تھے، پہلے کچھ دنوں مہاراجہ جھاؤ لال صاحب (وزیر جنگ، افواج شاہی کے جنرل، بر عہدِ نواب آصف الدولہ بہادر) کے یہاں نوکر رہے (جھیپی ٹولہ)۔

محمد بخش ؎ سنی المذہب، نامی گرامی قوال، شیخ اشرف علی کے بیٹے، مولوی امیر علی صاحب کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ جوانی کے زمانے میں منشی رام دیال صاحب چکلہ دار کی ملازمت حاصل کر کے نمایاں شہرت پیدا کی تھی۔ منشی صاحب کے نزدیک محمد بخش محض قوال ہی نہ تھے، بلکہ ایک صوفی بزرگ بھی تھے، اس لئے وہ ان کی غیر معمولی عزت کرتے تھے۔ محمد بخش عمدہ گانے کے علاوہ شرع کے اس قدر پابند تھے کہ نماز پنجگانہ کے سوا تہجد بھی کبھی قضا نہیں ہوئی۔ باوجود صفاتِ مذکورۂ بالا بہادر بھی تھے۔ چنانچہ تہجد کی نماز پڑھ کر وہ اپنے اسلحے صاف کرتے تھے، اور سلام میں پیشقدمی ان کا فرض تھا۔ اسی زمانے میں ایک بانکے "میر صاحب" کے نام سے شاہی لشکر میں مشہور تھے، جو محمد بخش سے برسرِ مقابلہ ہوئے، لیکن، تھوڑے ہی دیر میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ منشی رام دیال صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی پر انھوں نے میر صاحب کو لشکر سے نکلوا دیا اور محمد بخش کا سپہ گری کے فن میں بھی شہرہ ہو گیا۔ منشی صاحب کی وفات کے بعد محمد بخش نے پھر نہ کسی کو گانا سنایا نہ کسی کی ملازمت کی۔ مگر، چونکہ بزرگانِ دین سے خاص عقیدت تھی اس بنا پر اعراس میں شریک ہونا ان کا فرض تھا۔ بعدِ نمازِ تہجد صاحب مزار کی خدمت میں فجر کی نماز تک دَف کے اوپر گایا کرتے تھے ڈھول سے قطعی نفرت تھی۔ تاحیات اسی اصول کے پابند رہے۔ اِن کے اول بزرگ منصور علی قوال خاص حضرتِ مخدوم آنکش دریابادی، شاہ صاحب ممدوح کے ہمراہ دریاباد آکر آباد ہوئے تھے، اُن کے بیٹے **ہاشم علی** بھی آنحضرت کے خاص قوال تھے میر قسیم کے بیٹے **میر صوفی** نامی قوال، فارسی میں ذی استعداد، اکثر بڑے بڑے شہروں عظیم آباد، پھلواری شریف، بنارس، گیا، بریلی، بہار، پانی پت، اجمیر شریف، دہلی، پیران کلیر شریف کے مجلس صوفیائے کرام میں نامی نامی قوالوں کے سامنے داد پائی تھی۔ میر صوفی کی نسل میں **میر عالم** بھی مشہور قوال تھے۔ **محی الدین** قوال بھی تھے اور صوفی بھی، ذی علم بھی تھے۔ دُور دُور تک اُن کے شاگرد تھے۔ اب سے ۸۰ برس قبل فوت ہوئے۔ اُن کا مزار چودھری کی پیٹی میں ہے، جہاں ہر سال عرس ہوتا ہے۔

میر غوث علی، غیر معمولی قوال، فارسی کے اچھے ماہر تھے۔ محمد بخش تخمیناً ۷۶ سال کی عمر میں اب سے تیس بتیس برس قبل فوت ہوئے تھے۔ آج کل اِن کے بیٹے غفور بخش، شکور بخش، رسول بخش موجود اور آبائی فن سے واقف (محمد راک)

بینی پرشاد عرف بینی، کتھک، موسیقی کے اوستاد، خوش گلو مغنی ہونے کے علاوہ فنِ رقص میں بھی کامل، واجد علی شاہ کے زمانے میں برجیس قدر بہادر کی ماں بیگم صاحبہ کے خاص مجرئی، شاہی کلاونتوں میں شامل بیان کیا جاتا ہے کہ بیگم صاحبہ بینی کے گانے، ناچنے سے بہت خوش تھیں۔ معقول تنخواہ کے ساتھ ساتھ روز مرہ انعام واکرام سے بھی سرفراز فرماتی تھی۔ دریاباد ضلع شکست ہو جانے کے بعد یہ جگکولی (پرگنہ رودولی) میں آباد ہو گئے

؎ چونکہ فارسی موسیقی میں قوالی ایک راگ کا نام ہے اور مولف غیاث نے قوال کے معنی مغنی یا کلاونت تحریر کئے ہیں اس لئے محمد بخش کا نام مغنیوں کے زمرہ میں درج ہونا غیر مناسب نہیں ۱۲۔

تھے [1] اِن کے بیٹے رام لوٹن مہاراجہ سر پرتاب نرائن سنگھ بہادر اودھ ریس کے متدر (واقع اجودھیا) مین اِس وقت تک ملازم۔ (معلن ٹولہ)۔

سرجُو دین عرف سرجُو، کتھک، مینی پرشاد کتھک کے خاص عزیز، اعلیٰ طبلہ نواز، نغمہ سرائی کے اصول سے بھی واقف۔ یہ بھی مینی کے ہمراہ بیگم صاحبہ کے یہان ملازم تھے۔ بارہ بنکی ضلع قائم ہوتے ہی انھون نے بھی اپنا آبائی وطن دریاباد چھوڑکر پورہ کتھک (علاقہ رُودولی) مین سکونت اختیار کرلی تھی۔ (منلس ٹولہ)۔

سالک رام عرف سالک، سرجو کتھک کے حقیقی بھائی، اچھے گانے والون میں تھے۔ ریاست شاہ پور (گونڈہ) مین نوکر تھے۔ ٹھاکر مہیش بخش سنگھ صاحب اور اُن کے بیٹے ٹھاکر ناگیسر بخش سنگھ صاحب کی قدردانی سے بافراغت زندگی بسر کرکے ۱۹۰۹ء مین وہین فوت ہوئے۔ (منلان)۔

ہنومان پرشاد عرف ہنومان، کتھک، فن موسیقی مین لکھنؤ تک مشہور۔ مشیر الدولہ مؤید الملک مہاراج دھراج جسارت جنگ مہاراجہ بالکرشن بہادر (دیوانِ سلطنت اودھ) کی سرکار مین بھاری تنخواہ پر نوکر تھے۔ مہاراج کو صبح و شام مذہبی پد سُنایا کرتے تھے۔ تنخواہ کے علاوہ دسہرہ، ہولی، یا دیگر تقریبون کے موقع پر انھین انعام واکرام بھی بہت ملتا تھا۔ لیکن جنم اشٹمی کے جشن مین چھ دن تک گانے کے عیوض پانچ سو روپیہ نقد اور ایک بیش قیمت دوشالہ مع پانچون کپڑون کے ہرسال مرحمت ہوتا تھا۔ سُنا گیا ہے کہ یہ پہلے مہاراجہ سیوہ رام بہادر (نواب افتخار الدولہ افضل الملک صلابت جنگ وزیر مال سلطنت اودھ) کے یہان نوکر تھے، وہ اِن کی بہت بڑی قدر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ حسب معمول صبح کے وقت بھیرون راگ گا رہے تھے کہ مہاراجہ بہادر نے "بہاگ" کی فرمایش کردی جو رات کو ۱۲ بجے کے وقت گایا جاتا ہے۔ چونکہ ممدوح کا یہ ارشاد اصول موسیقی کے خلاف تھا، اِس لئے ہنومان نے عذر کیا۔ جب ممدوح اپنی فرمائش پر بضد ہوئے تو ناچار انھون نے اُس وقت اُن کی خاطر سے تعمیل حکم کردی لیکن، دوسرے دن دربار نہین گئے اور طلبی ہونے پر چوبدار سے صاف صاف کہدیا کہ اب ہم مہاراجہ صاحب کی ملازمت نہ کرسکیںگے، کیونکہ وہ فن کی توہین اور بیقدری کرتے ہین (منلان)

گنگا دین عرف گنگا **منوہر لال** عرف منوہر گانے ناچنے مین **ہیرا لال** عرف ہیرا کتھک سارنگی نواز۔ **نواب علی** و **تاج محمدؐ** طبلہ نواز دُور دُور تک خاص شہرت رکھتے تھے۔ یہ لوگ اب سے سوا سو برس قبل یعنی نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین موجود تھے۔

شریدھر مشہور بین نواز تھے **مُرلی** مردنگ خوب بجاتے تھے۔ اب سے سو برس قبل موجود تھے۔ **زرگر** بانسری بجانے مین قابل تعریف تھے۔ زمانہ حیات اب سے ۵۰ برس قبل۔

شرعی۔ موسیقی دانی کے ساتھ ساتھ سارنگی بجانے مین اُستاد حسین بخش لکھنوی کے شاگرد (شروع انگریزی عملداری مین فوت ہوئے۔ تخمیناً ۸۰ سال کی عمر پائی۔ سُنا جاتا ہے کہ شرعی کو آخر عمر مین کچھ جنون ہوگیا تھا۔ جس کی وجہ سے

---

[1] و [2] رانی مئو کے مشہور کتھک بجرنگ بیان کرتے ہین کہ ہمنے یہ حالات سرجو کے بھائی سالک کی زبانی سُنے ہیں جبکہ ہم شاہ پور مین ملازم تھے ۱۲۔

انھون نے بہت سے کنوئین یاٹ کر بے نام و نشان کر دیئے تھے۔ (ٹیڑھی بازار)۔

مخدوم بخش - اعلیٰ موسیقی دان اور سارنگی نواز لکھنؤ کے مشہور اوستاد حسین بخش کے شاگرد رشید - رانی مئو کے مشہور اوستاد فن تحرنگ کتھک بیان کرتے ہین کہ "مخدوم بخش کو موسیقی اور قانون سارنگی دونوں کے معلومات مین کافی دخل تھا۔ مخدوم بخش جوہر شناس اور ہنر کے قدردان بھی تھے - چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب دیبی دین سحار نے ایک سارنگی چھ مہینے مین تیار کر کے دوستانہ طور پر ان کو دی تو انھون نے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ مبلغ تیس روپیہ انعام کے طریق پر اُس کے حوالہ کیے" مخدوم بخش اب سے ۳۰ برس قبل تخمیناً ۷۵ برس کی عمر مین فوت ہُوئے - (ٹیڑھی بازار)۔

حسینی - باری - گانے مین مشہور و معروف - اس نے فطری قابلیت کے زور سے موسیقی مین وہ کمال پیدا کیا تھا کہ لکھنؤ کے مشہور اور نامی گرامی اوستاد (ملقب بہ جگت اوستاد) بندادین کتھک کو یہ اپنی خوش الحانی اور گلے بازی سے مست کر دیتا تھا - مشہور ہے کہ "جب حسینی لکھنؤ جاتا تھا تو بندادین کی خدمت مین ضرور حاضر ہوتا تھا اور انھین بغیر اس کا گانا سنے چین نہ آتا تھا"۔ حسینی کسی کا شاگرد نہ تھا، اس لئے اس کا یہ فن باقاعدہ نہین کہا جا سکتا - لیکن، یہ ماننا پڑتا ہے کہ اگر یہ کچھ دن کسی کامل فن کی خدمت مین حاضر ہو کر مشق بہم پہونچاتا تو یقیناً موسیقی دانون مین اس کا شمار ہو جاتا - حسینی رائےصاحب کے یہان شیوراج بلی صاحب کے زمانے مین خدمت گار دن مین ملازم تھا اور وہ اس پر خاص مہربان تھے تخمیناً ۵۰ برس کی عمر مین اس سے ۲۵ برس قبل فوت ہوا - (ٹھیکانہ)۔

گوپالی - کورمی، پکھاوج بجانے مین لائق تعریف - تخمیناً ۶۰ برس کے سن مین اب سے چھ سات برس قبل فوت ہوا - یہ بڑا نیک اور خوش مزاج تھا - (دیچھتانہ، کورمن ٹولہ)۔

رام کلی و خورشید جان - فن موسیقی کی اعلیٰ ماہرہ، اب سے سوا سو برس قبل یعنی نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین ان کے گانے ناچنے کی دھوم تھی -

مہتاب جان، علم موسیقی کی اوستاد - گانا، ناچنا، بھاؤ بتانا تینون فنون سے اچھی طرح آگاہ تھی، ساتھ ہی اس کے حسین و تمیزدار بھی تھی - کٹرہ درباری لال مین رہتی تھی - اچھے اچھے شریف زادے اور شوقین اس کے کمرے پر گانا سننے کی غرض سے جاتے تھے - اب سے سو برس قبل زندہ -

سرستی، رام جنی طوائف، نہایت حسین اور بے مثل گانے والی تھی - نواب مرشد آباد کے یہان ملازم تھی اور وہین فوت ہوئی - اب سے تخمیناً ڈیڑھ سو برس قبل زندہ تھی -

ہیرا جان، رقص کے فن مین قابل ہونے کے علاوہ خوبصورتی اور پہلوانی مین بھی خصوصیت کے ساتھ شہرت رکھتی تھی - داؤ پیچ سے خوب واقف تھی، ملا ناغہ روزمرہ ورزش کر کے مگدر ہلاتی تھی - تمام عمر لکھنؤ مین رہی اور وہین جان سپرد گئی - زمانہ حیات اب سے تخمیناً سوا سو برس قبل -

ننھّا، اصل نام نجیبن جان، خاندانی طوائف، شرعی کی بیٹی اور فن موسیقی مین انھین کی شاگرد، ٹپّہ گانے مین فرد تھی، گلا بہت اچھا تھا - (ٹیڑھی بازار)۔

وزیر جان، نجا طوائف کی بیٹی، لکھنؤ کے نامی استاد چھوٹے منے کی شاگرد، موسیقی کی مشہور ماہرہ چوک (لکھنؤ) میں اکبری دروازہ کے متصل رہتی تھی۔ اس کا گانا عام پسند نہ تھا، لکھنؤ میں خاص خاص لوگ اس کے قدردان تھے۔ ریاست رانی مئو میں ہر تقریب کے موقع پر چھبن جان (لکھنؤ کی نامی گرامی طوائف، جس کا گانا، ناچنا، بھاؤ بتانا، ہر ایک فن بے مثل تھا) کے مقابل میں وزیر جان بھی اپنا کمال دکھاتی تھی۔ یہ گانے کے علاوہ ہارمونیم بھی خوب بجاتی تھی۔ آغاز شباب میں خوبصورت بھی تھی، لیکن وسط جوانی میں فالج کے گرنے سے منہ کسی قدر ٹیڑھا ہو گیا تھا، جو بادی النظر میں برا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وزیر جان خوش مزاج، اپنے وطن دریاباد کی بہی خواہ، وطن والوں کی فرمانبردار اور حاضر و غائب ان کی مداح، خوش تقریر اور خلیق و حاضر جواب تھی۔ اسکی طبیعت شریفانہ اور قناعت پسند واقع ہوئی تھی۔ دیگر طوائفوں کی طرح نوچ کھسوٹ، چھچھورا پن، مکر و دغا، بے مروتی وغیرہ بری عادتوں سے اس کو قطعی احتراز تھا۔ پڑھنا جوانا محض تھی لیکن، اردو خوب بولتی تھی، زبان فصیح اور شستہ، شین قاف درست۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں فوت ہوئی۔ اس کے حقیقی بھائی حشمت علی، آغا علی، خورشید علی اب تک موجود اور ہر ایک اپنے فن میں مشہور۔ (ٹیڑھی بازار)۔

جادی جان۔ اپنے وقت کی مشہور گانے والی اور حسین خاندانی طوائف، مخدوم بخش دریابادی کی شاگرد بعض کہتے ہیں کہ اسے شرعی نے موسیقی کی تعلیم دی تھی۔ ۵۰ برس کی ہو کر سنہ ۱۹۱۲ء میں فوت ہوئی۔ اولاد میں امیرجان عرف اچھن بائی اور منیر الزمان موجود، لکھنؤ میں سکونت، آبائی مکان شکستہ اور ویران۔ (متصل گوپال مندر)۔

ملکہ جان۔ امیر جان عرف امیرن[۵] طوائف کی نوچی۔ ٹھمری، دادرا، دعا وغیرہ خوب گاتی اور خوب بجاتی تھی، حسین بھی تھی، گلا بھی خوب پایا تھا۔ تخمیناً پچاس برس کے سن میں اب سے چالیس برس قبل فوت ہو چکی تھی۔ (محلہ کفش دوزان)۔

وزیرن۔ اصل نام وزیر جان، خاندانی طوائف، اپنے وقت کی نامی ماہرۂ فن۔ اس کی آواز نہایت پاٹ دار اور درد آمیز تھی۔ سنا جاتا ہے کہ یہ حضرت امام حسینؑ کی بڑی معتقد تھی۔ ہر سال محرم میں تعزیہ داری کے ساتھ ساتھ اس کے یہاں مجلس بھی بڑی دھوم دھام سے ہوتی تھی۔ اس کا مکان رئیس صاحب کے قبلہ خانہ کی پشت پر، جہاں آجکل دھوبیوں کے مکان ہیں، واقع تھا، اور یہ غدر سے قبل زندہ تھی۔

گوہر جان۔ عزیمن جان کی لڑکی، خاندانی طوائف، موسیقی کی اچھی ماہرہ، مخدوم بخش سارنگی نواز (دریابادی) کی شاگرد۔ گانا بہت دلچسپ اور درد آمیز تھا، خوبصورت بھی تھی۔ تخمیناً ۲۰ برس قبل فوت ہوئی، ساٹھ برس کا سن تھا۔ اولاد میں اچھن جان، جو ابھی حال ہی میں قضا کر گئی۔ پختہ مکان ٹون پولیس کی چوکی سے متصل پورب طرف موجود۔

نوٹ۔ رانی مئو کے بجرنگ کتھک ایسے ماہرین فن بجا، جادی، ملکہ، گوہر کے گانے کی تعریف کرتے ہیں۔ اس سے ان طوائفوں کے کمال کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

---

۵ امیرن کی یادگار میں ایک پختہ مسجد ٹیڑھی بازار میں اب تک موجود ہے جس میں نماز پڑھی جاتی ہے۔ یہ مسجد حافظ عبد الرحیم کے مکان سے متصل پورب طرف لب سڑک پختہ جنوب رویہ واقع ہے۔ ۱۲

پانچوان باب

مہاجنون، کارخانہ دارون، دوکاندارون، عام پیشہ ورون کا بیان

پہلی فصل مہاجنون کے بیان مین

چھٹنکی ساہ

اصلی نام رامجی مل عرف چھٹنکی ساہ، دسوال جین، از فرقہ ستیتا مبری، زبردست مہاجن، مشہور جوہری۔ ان کے باپ دھرتا مل جوہری تھے، جواہرات کی دوکان تھی۔ رام جی مل نے بذات خاص ترقی کی، مہاجن ہو کر ساہ کہلانے لگے۔ روایت ہے کہ "ساہ جی پوجا پاٹ کر کے ایک چھٹانک سونا روزمرّہ دان کیا کرتے تھے، اس وجہ سے ان کا نام چھٹنکی ساہ مشہور ہوگیا" واضح ہو کہ چھٹانک کو چھٹنکی بھی کہتے ہین۔ چھٹنکی ساہ کا ہفت منزلہ مکان ابتک "چھٹنکی محل" کے نام سے مشہور ہے جسے چھٹنکی ساہ کا ست کھنڈا کہتے تھے۔ اس محل کی تعمیر مین منقش اور بیل بوٹون سے آراستہ لکڑی صرف ہوئی تھی اور بعض بعض چھتین ڈاٹ کی تھین۔ اس سے ساہ جی کی اولوالعزمی اور امارت ثابت ہوتی ہے۔

چھٹنکی محل کی بابت جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے اور جس کا ذکر بابِ اول مین ہو چکا ہے، اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ رام جی مل دریاباد کے نہایت قدیم باشندون مین سے تھے اور ان کے بزرگوار غالبًا اب سے ہزار بارہ سو برس پیشتر یہان آباد ہوئے ہونگے۔

راجہ ٹلکیت رائے کے جانشین راجہ بھوانی دین صاحب کا ایک مہری خط منشی گمن بہاری لال صاحب کے یہان دیکھنے میں آیا ہے، اُس مین جو کچھ لکھا ہے اُس کا ضروری خلاصہ حسب ذیل ہے۔

عزت آثار مینی دسوال محفوظ باشند حویلی پختہ معروف بہ چھٹنکی محل واقع قصبہ دریاآباد نزد اینجانب ہیں است ظاہر اینان مسموعہ من گردید کہ بعد ازین فکر ہست حویلی مذکور حسب وجوب آن فروختہ زرش بہ تصرف خود آوردند لہذا قلمی میگردد کہ بدون فکر ہست حویلی مذکورہ در درست عملہ آن مناسب نیست در ینولا اصرورت چہل ہزار خشت پختہ دینجاہ عدد کوڑی چوب سانکھو بہ لالہ رام سہای صاحب درکار است می باید کہ خشت و چوب ہا مذکور بیں از حویلی رتھن مذکورہ خواہ از دیگر مکانات متعلقہ خود ضرور انصرام کردہ بایدداد پختہ خشت و چوب ہا بہ لالہ معزی الیہ خواہند داد و در حساب اینجانب مجرا خواہد شد شوال ۱۲۵۶ ہجری"

سطور بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ "رام جی مل کے خاندان مین مینی دسوال ۱۲۵۶ھ مین موجود تھے۔ اُس وقت کاروبار مگر چکا تھا، اگلی حیثیت رخصت ہو چکی تھی۔ رام جی مل نے چھٹنکی محل کے علاوہ دیگر پختہ مکانات بھی بنوائے تھے۔ بزمانہ مینی دسوال یعنی اب سے ۸۰ برس قبل محل اور دیگر عمارتون کا کھدنا شروع ہو گیا تھا اور انکی اینٹین اور کڑیان فروخت

ہونے لگیں تھیں۔ واجد علی شاہی میں اس خاندان کے لوگ سرکاری عملہ کی بدعت سے تنگ آکر بنارس اور دہلی میں آباد ہو گئے تھے۔ (جوہری محلہ حال چھیپی ٹولہ)۔

فخر وطن سنگئی ساہ

سراؤگی، جین، اپنے وقت کے بہت بڑے نامی گرامی دولت مند مہاجن، مذہب کے پابند، فخر وطن، زبردست اولو العزم، جوان ہمت، بڑی حوصلہ، فیاض اور مخیر بزرگ تھے، جن کا نام اور جن کی دولت مندی کا افسانہ پانچ چھ سو برس گذر جانے کے بعد اس وقت بھی صوبۂ اودھ اور ملک کے بڑے بڑے شہروں میں خاص طور پر مشہور و معروف ہے سنہ ۱۸۶۲ء کے ایک سرکاری مِسل میں حسب ذیل بیانات تحریر ہیں:۔

(۱) بیان امرت پنڈت، راس ناتھ، گنگا سوکل، ماما دیں برہمن۔ سنگئی کے باپ گوبند پرشاد نے اپنے نام سے گوبندپور آباد کیا سنگئی کے نام سے محلہ مشہور ہے۔ تین سو برس ہوئے کہ بھکو سنگئی نے آباد کیا تھا۔ مکانات پختہ موجود ہیں (۲) بیان ست واجودھیا سنگئی ساہ نے گوبندپور آباد کیا۔ ہمارے بزرگ اُس کے سبب گوبندپور میں آباد ہوئے۔ آبادی گوبندپور دریاباد سال ہے"۔ از نقل روبکار محکمہ بندوبست ملک اودھ ماحلاس رائے گیبتی لال صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر واقع ۱۵۔ جون سنہ ۱۸۶۲ء دعوی سار بند دریاباد مقابلہ گوبندپور دہوسے پور، پرگنہ و تحصیل و ضلع دریاباد، راجہ نراندر بہادر سنگھ بنام راجا ابھرام بلی تعلقدار، نمبر مقدمہ ۱۵۔

ان بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ سنگئی کے باپ کا نام گوبند پرشاد تھا جنھوں نے گوبندپور کی بنیاد ڈالی، جو دریاباد میں شامل تھا اور جس میں پختہ مکانات تھے سنگئی ساہ نے اپنے نام سے محلہ آباد کیا تھا اور وہ اب سے ۳۶۰ سال پہلے موجود تھے۔ واجب العرض سرائے سنگئی سے بھی یہی زمانہ پایا جاتا ہے۔ لیکن، ساہ جی کی مکان کی ساخت و طرز تعمیر پر غائر نظر ڈالنے اور شکستہ دیوار دن کے متعلق جابجا استرکاری اور نقش و نگار، بیل بوٹوں کے دھندلے نشانات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنگئی ساہ اب سے پانچ چھ سو برس قبل موجود رہے ہونگے۔ بعض قابل اور جہان دیدہ بزرگوں کی زبانی جو کچھ سُننے میں آیا ہے اُس سے بھی سنگئی ساہ کا زمانۂ حیات اب سے پانچ چھ سو برس پہلے ثابت ہوتا ہے۔

معتبر ذرایع سے دریافت ہوا ہے کہ سنگئی ساہ کا اصلی نام گوبند پرشاد تھا۔ "ساہ" مہاجنی کا لقب اور "سنگئی" قومی خطاب ہے۔ جب وہ دولت والے ہوئے تو خوب دل کھول کر دان پُن کیا۔ بیشمار غریبوں، بیکسوں اور لاوارثوں کی مدد کی، تیرتھ جاترا کے وقت اپنے ہم قوم بھائیوں کو، جو ہزاروں کی تعداد میں تھے، اپنے ہمراہ لیا اور اُن کے جملہ مصارف خود شوق سے برداشت کئے۔ سفر میں اُن کے آرام و آسایش کے لئے ہر طرح کا کافی انتظام کیا۔ چونکہ ساہ جی کا یہ طرز عمل عین جین دھرم کے مطابق تھا، جس سے وہ دھرم کے ساتھی سمجھے گئے، اسی لئے اُن کو گوبند پرشاد "دھرم سنگتی" یا "دھرم سنگی" کہنے لگے مدت دراز کے بعد اصلی نام اور اصلی خطاب کے بجائے صرف "سنگئی" مشہور ہو گیا۔ ہندی میں ساتھی، سنگتی، سنگی مشہور الفاظ ہیں۔ لہرپور و بارہ بنکی میں بھی اس لقب سے جینی لوگ مشہور ہو چکے ہیں، وہ بھی "ساہ" کہلاتے تھے۔ قدیم زمانے میں صرف اُس سربرآوردہ مہاجن کو "ساہ" کہتے تھے، جو زیادہ دولت مند، قول و فعل کا پابند، نیک نیت اور ایماندار ہوتا تھا

بارہ بنکی کے سنگئی ساہ کا نام بالکل مٹ گیا، اور لہرپور والے سنگئی ساہ اب تک وہان مشہور ہین۔ لیکن، وہ رگو اور دریا بادی سنگئی ساہ کے بعد ہوئے ہین، اِن سے پہلے نہ تھے اور نہ اِن کے برابر دولت مند اور مشہور۔ اِس سے بھی ساہ جی کا زمانۂ حیات اب سے پانچ چھ سو برس بیشتر پایا جاتا ہے، ساتھ ہی اس کے اِن کی مذہبی عقیدتمندی، غربا نوازی اور قومی خدمت یا قومی خیرخواہی، عالی ہمتی بھی اچھی طرح واضح ہوتی ہے۔ سنگئی ساہ نے اپنے بھائی نند دن کو ہمراہ لیکر مقدس فرض کی ادائگی کے لئے دور دراز کا سفر (جینیون کے متبرک مقامات سمیٔ اور بنگال مین پہاڑون پر واقع ہین) ایسے وقت مین اختیار کیا تھا، جبکہ نہ ریل تھی نہ موٹر کار تھا نہ کنکر کی پختہ ہموار سڑکین تھین، بلکہ راستے نہایت دشوار گذار اور پُرخطر تھے۔ سواریون مین ہاتھی، گھوڑے، رتھ، بہل سے کام لیا جاتا تھا۔ اس لئے ساہ جی کا یہ سفر کوئی معمولی سفر نہین کہا جا سکتا، جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے، جس مین زبردست اہتمام کیا گیا ہوگا، اور بیشمار دولت صرف ہوئی ہوگی۔

ساہ جی نے اپنے زمانۂ عروج مین ایک نہایت عظیم الشان اور وسیع سات منزلہ امیرانہ مکان بنوایا، جسکی صنّاعی قابلِ دید تھی، جس مین پائین باغ اور مندر بھی تھا۔ مکان سے متصل اُترطرف بہت بڑے گنج اور بازار کی بنیاد ڈالی۔ محلّہ اور گوبند پور بسانے کے ساتھ ہی ایک دوسرا موضع بھی آباد کیا، جو عرصہ سے "سرائے سنگئی"[۵] کے نام سے مشہور رہا۔ پورب طرف گوبندپور مین پھلواری تیار کرائی، چار منزل والا باولی وار کنوان اور دھرم شالہ تعمیر کرایا۔ اس طرح دریاباد کی آبادی مین زبردست ترقی ہونے کے علاوہ رونق مین بھی بہت کچھ اضافہ ہوا۔ اس سے سنگئی ساہ کی وطن پرستی، شانِ امارت، مذہبی خدمت، رفاہِ عام کے متعلق دلچسپی اچھی طرح پائی جاتی ہے۔

مہاجن اور بے مثل دولت مند ہونے کے ساتھ ساتھ سنگئی ساہ کے پاس اچھی خاصی زمینداری بھی تھی۔ سکھر گوا پور، ہونسے پور، لال پور، بلہری، گوجر پور، گوبند پور، سرائے سنگئی، سات مواضعات اِن کے قبضہ مین تھے۔

اِن کے بارہ مین بہت سے حیرت انگیز افسانے اور بہت سی مختلف روائتین مشہور اور آج تک زبان زدِ ہر خاص و عام ہین۔ ناظرین کی آگاہی کے لئے ذیل مین چند نتیجہ خیز اور منتخب روائتین درج کی جاتی ہین، جو یقیناً دلچسپی کا باعث ہونگی۔

---

[۵] "سرائے سنگئی" کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنگئی ساہ نے رفاہِ عام کی غرض سے ایک سرا تعمیر کرا کے اُس کی رونق اور حفاظت کے لئے اُس جگہ موضع آباد کیا ہوگا، جسے لوگ سرائے سنگئی کہنے لگے۔ لیکن قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ "سرا" نہین، بلکہ دھرم شالہ تعمیر ہوا ہوگا، جسے صدہا اور بعد مین فارسیت کا رواج ہونے پر "سرائے سنگئی" کے نام سے شہرت ہو گئی ہوگی۔ کیونکہ سرا کا لفظ فارسی ہے اور فارسی اُس وقت اہلِ ہنود مین رائج نہ تھی "آبِ حیات" صفحہ ۱۶ مین شمس العلماء مولانا محمد حسین صاحب آزاد دہلوی نے تحریر فرمایا ہے کہ۔ "آخر ۹۱۵ھ مین بزمانہ سکندر لودی کائستھ فارسی پڑھ کر دربار شاہی مین داخل ہوئے۔" اِس سے ہمارے قول کی تصدیق ہوتی ہے علاوہ اِس کے برہمنون، دیشون، جینیون مین یہ عام دستور ہے کہ مسافرون کے قیام کے لئے جو مکان بنایا جاتا ہے وہ "دھرم شالہ" ہی کے نام سے موسوم ہوتا ہے اور اُس مین صرف ہندو ٹھہرتے ہین۔ ہندوؤن کے بعض وقتے عموماً جین بزرگ خصوصاً اب بھی جبکہ ہندو مسلم طرزِ معاشرت مین بہت کچھ یکانگیت پائی جاتی ہے، مسافرخانہ اور سرا کے نام سے اسی طرح عیرانوس نظر آتے ہین، جس طرح اہلِ اسلام "دھرم شالہ" سے۔ پس بوجوہ بالا یہ کہنا بالکل خلافِ واقعہ ہے کہ اُس زمانے مین (جو قومی عداوت اور قومی تعصب کا دور دورہ اور پراکرت و ہندی زبان کا زمانہ تھا) سنگئی ساہ نے سرا کا لفظ پسند کیا ہوگا ۱۲۔

(۱) سنگنی ساہ پہلے بہت غریب تھے، محنت و مزدوری کر کے دن بسر کرتے تھے۔ ایک دن کسی مقام پر گھاس چھیل رہے تھے کہ اتفاقاً ایک سادھو کا گذر ہوا، اُسے اُنکی بیکسی پر رحم آیا اور اپنی جھولی سے پارس پتھر کا ٹکڑا نکال کر اُن کے حوالہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھا دیا کہ اِس پتھر میں لوہا چھو جانے سے سونا ہو جاتا ہے۔ امتحان کے طور پر اُن کا کھرپا (گھاس چھیلنے کا آلہ) لیکر اُسے اِس ترکیب سے سونا بنا کر دکھا دیا۔ چلتے وقت سادھو نے کہا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں، تم جتنا چاہو، سونا تیار کر لو۔ جلد ہی روز میں اتنی دولت جمع ہو جائیگی کہ تمہاری پست ختم نہ ہوگی۔ لیکن مجھے واپسی پر میری امانت مجھے دیدینا۔ ساہ جی نے وعدہ کیا اور اپنے گھر آکر لوہے کو سونا بنانا شروع کیا۔ کچھ دنوں کے بعد اُن کی دولت مندی کا شہرہ ملک کے ہر گوشہ تک پھیل گیا۔ جب وہ سادھو واپس آیا اور اپنی امانت طلب کی تو سنگنی ساہ نے گم ہو جانے کا عذر پیش کر دیا۔ سادھو نے کہا کہ، بچہ! کیوں ایمان چھوڑتے اور کیوں جھوٹ بولتے ہو؟ اِس سے بہتر یہ ہے کہ میں ٹھہر جاؤں، تم اپنی مرضی اور خواہش کے موافق اور سونا بنا لو اور میری امانت مجھے واپس دیدو۔ مگر، ساہ جی نے سادھو کی باتوں پر کچھ خیال نہ کیا۔ ناچار سادھو بددعا دیکر نہ معلوم کہاں چلا گیا (۲) سنگنی ساہ کو گھاس چھیلتے وقت ایک پتھر کا ٹکڑا ملا جس سے انھوں نے کھرپا تیز کرنا چاہا۔ پتھر کے رگڑتے ہی وہ سونے کا ہو گیا۔ اِس آزمائش کے بعد ہی لوہے کو سونا بنا بنا کر وہ دولت مند ہو گئے (۳) کسی سادھو نے سنگنی ساہ کو رسائن وِدّیا یعنی علم کیمیا سے آگاہ کر دیا تھا جس سے لوہے اور تانبے کو چاندی سونا بنا سکتے ہیں۔ اِس طرح وہ صاحب دولت ہو گئے تھے (۴) سنگنی ساہ اتنے بڑے دولت مند تھے کہ ایک مرتبہ کشمیر کا ایک سوداگر ۷۰۰ اونٹ زعفران بیچنے کی غرض سے تمام ملک کی خاک چھانتا ہوا اُن کا نام سُن کر دریاباد آیا اور اُن کے پاس پہونچکر بیان کیا کہ میں یہ سات سو اونٹ زعفران سات سو اونٹ روپیہ کے عیوض یکمشت فروخت کرنا چاہتا ہوں، مگر اس شرط ملک میں کوئی خریدار اِس وقت تک مجھے نظر نہ آیا۔ لیکن، آپ کی نسبت یہ سُن کر کہ ”دریاباد کے سنگنی ساہ اتنے بڑے روپیہ والے ہیں کہ آج ملک بھر میں اُن کا کوئی ثانی نہیں“ حاضر ہوا ہوں۔ یہ سُنتے ہی سنگنی ساہ نے مزدوروں کو (اُس وقت ایک بہت بڑے پیمانے پر تعمیر کا کام جاری تھا) حکم دیا کہ ”اس زعفران کو گارے میں ڈالدو“ اور اپنے ایک ملازم سے کہا کہ خزانہ کی کوٹھریاں کھول کر انھیں دکھا دو، یہ حسب دلخواہ روپیہ اونٹوں پر لاد لیں“۔ جس وقت سوداگر نے خزانہ کی کوٹھریوں میں چاندی، سونے، روپئے، اشرفیوں کے ڈھیر دیکھے تو، اُس کے ہوش و حواس باختہ ہو گئے۔ بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ زعفران کے عیوض ۷۰۰ اونٹ روپیہ دیدیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ سوداگر کو اپنی دولت مندی کا امتحان مدنظر تھا۔ اِس لئے زعفران کی قیمت نہیں لی گئی، اونٹ خالی واپس گئے (۵) کشمیر کا ایک سوداگر بڑا مالدار تھا جس کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ اُس نے عہد کیا کہ میں اپنے سے برابر والے کے یہاں لڑکی یا لڑکے کی شادی کرونگا۔ اِس غرض سے ۷۰۰ اونٹ زعفران امتحان کے طور پر روانہ کی گئی کہ اگر کوئی خریدار ٹھہر گیا تو، وہی اُس کا مدِمقابل ہے۔ زعفران کا بیچنے والا سنگنی ساہ کا نام سُن کر دریاباد آیا اور زعفران بیچنے کی خواہش ظاہر کی۔ ساہ جی نے زعفران لیکر گارے میں ڈلوادی اور فروشندہ سے کہا کہ جس قدر روپیہ چاہو خزانہ سے لے لو۔ اُس نے ساہ جی کا بیشمار خزانہ دیکھ کر اپنے مالک کو اطلاع کی۔ کشمیری سوداگر اِس واقعہ سے آگاہ ہو کر شادی کا خواہاں ہوا۔ ساہ جی کے صرف لڑکی تھی، جسے انھوں نے سوداگر کے بیٹے کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے بیاہ دیا (۶) سنگنی کے اولاد نرینہ کوئی نہ تھی، فقط ایک لڑکی تھی جسکی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ سیکڑوں بورے شکر کوؤں میں ڈلوادی گئی، قریب ایک مہینے کے برات کا قیام رہا۔ ایک روز براتی لوگ کھانا کھا رہے تھے، اتفاقاً ایک گائے براتیوں میں گھُس آئی۔ کسی نے طنز سے کہا کہ ”سنگنی ساہ اتنے بڑے مہاجن اور گھر میں ایک مضبوط رسّی بھی نہیں جس سے گائے باندھ دیجاتی“۔ سنگنی ساہ نے یہ سُن کر اِس کان سے۔

اُس کان اُڑا دیا۔ جب برات والے اپنے قیام گاہ پر واپس گئے تو، ساہ جی نے سُناروں کو بلوا کر بہت جلد، جس قدر جانور دیئے تھے سب کے لئے سونے کی موٹی موٹی زنجیریں حسبِ حیثیت اور ضرورت کے موافق تیار کرائیں۔ کئی روز کے بعد ایک دن کھانا کھانے کے وقت دانستہ کئی گائیں چھوڑ دی گئیں اور وہ جیو ناریں گھُسنے لگیں۔ ساہ جی نے مصنوعی غصّہ سے کہا "کیا ان گائیوں کے بندھن نہیں ہیں؟ جو آج پھر اُسی روز کی طرح جیونار میں گڑبڑ ہو گئی" اتنا سُنتے ہی فوراً آدمی سونے کی زنجیریں لیکر حاضر ہوئے اور گائیوں کو باندھ کر باہر لیگئے۔ حاضرین اس واقعہ سے دنگ ہو گئے اور براتیوں میں جو لوگ سونے کی زنجیریں گلے میں پہنے تھے وہ نہایت نادم اور پشیمان ہو گئے۔ جب برات رخصت ہوئی تو، جہیز میں علاوہ دیگر قیمتی سامان کے جس قدر جانور (گائیں بیل، گھوڑے، ہاتھی، اونٹ بھینسیں وغیرہ) دیئے گئے تھے، سب کے سب مُطلّا زیور اور زرین ساماں سے آراستہ تھے، جن کے باندھنے کے لئے بجائے رسیّوں اور آہنی زنجیروں کے طلائی زنجیریں اور چوبی میخوں کے عیوض سونے کی میخیں بھی دی گئی تھیں (۷) سنگئی ساہ کو "ورت درشت" یعنی دفینہ کی شناخت کا علم تھا، جس کے ذریعہ سے وہ بڑے بھاری دولت مند ہو گئے تھے، حتیٰ کہ بادشاہ نے اُنھیں بلوا کر دولت مندی کا سبب دریافت کیا۔ ساہ جی نے عرض کیا کہ پرمیشر نے مجھے خزانہ پہچاننے کی آنکھ دی ہے اور اس کے ثبوت میں دو ایک جگہ زمین کھُدوا کر خزانہ دکھلا دیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر ساہ جی کو پانچ گاؤں اور بیش بہا خلعت مرحمت فرما کر سرفراز فرمایا۔ لیکن، ساہ جی بیشمار دولت کے مالک تھے گاؤں لیکر کیا کرتے؟ بمنت و سماجت گاؤں کا فرمان واپس کر کے صرف خلعت لیکر ہنسی خوشی دریاباد واپس آئے (۸) سنگئی کے پاس پارس پتھر تھا، جس سے اُن کے یہاں دولت کی کوئی انتہا نہ تھی، مکان میں بڑے بڑے کئی ایک تہ خانے تھے، جن کی کوٹھریوں میں چاندی سونا بھرا پڑا تھا۔ کوٹھریوں میں بڑے بڑے وزنی آہنی قفل لگے ہوئے تھے، جو کسی کی ہلائے ہل نہیں سکتے تھے۔ لیکن، حقیر کی بددعا سے اُن کے مرتے ہی نہ وہ دولت رہ گئی نہ وہ حیثیت نہ معلوم پارس پتھر کون اُڑا لے گیا؟ اور خزانہ کہاں غائب ہو گیا؟ (۹) جب سنگئی ساہ کی دولت مندی دُور دُور تک مشہور ہوئی تو، بدمعاشوں نے زر کی طمع میں اُنھیں قتل کر ڈالا اور سب دھن دولت لوٹ لی۔ جب وہ مارے گئے ہیں، زیادہ عمر کے نہ تھے۔ اگر ساہ جی کم سنی میں مار نہ ڈالے جاتے تو ایسے ایسے کام کرتے کہ دنیا میں نام ہو جاتا۔ بعضوں کا بیان ہے کہ اُن کے خاندان والوں میں سے کسی نے مار ڈالا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اپنی موت سے مرے تھے لیکن کم عمری کا سب کو اقرار ہے۔

روایات مذکورۂ بالا سے ترشح ہوتا ہے کہ ابتدا میں سنگئی ساہ افلاس کے باعث سخت پریشان تھے تکلیف اور مصیبت سے بسر ہوتی تھی۔ مگر، جلد اقبال یاور ہو گیا، رتی چمک گئی، چھپر پھاڑ کے دولت برسنے لگی، گھر میں چاندی سونے کے ڈھیر لگ گئے، جس سے آن واحد میں اتنے بڑے تونگر اور امیر ہو گئے کہ گائیں بھینس والے کی زنجیروں میں بندھنے لگیں اور دولت مندی کا دُور دُور تک شہرہ ہو گیا۔ اولاد نرینہ سے محروم تھے، صرف ایک لڑکی تھی، جس کی شادی اس شان اور اس جدت خیز اُولوالعزمی کے ساتھ کی کہ آج تک اس قسم کی کوئی دوسری شادی دیکھنے یا سننے میں نہیں آئی جہیز میں زرین سامان سے سجے ہوئے جانوروں کا معہ طلائی میخوں اور مُطلّا زنجیروں کے دیا جانا کچھ کم وقعت انگیز نہیں۔ غالباً اودھ میں شانِ امارت کا یہ پہلا نمونہ ہے، جو اپنی خصوصیت کے لحاظ سے بہت کچھ لائق تحسین و آفرین ہے۔

ساہ جی بڑے نوک پلک اور آن بان والے تھے۔ طنز آمیز باتیں بہت ناپسند تھیں۔ مگر، مزاج میں تحمل بھی تھا اخلاق اور تہذیب کی پابندی بھی مدنظر تھی۔ اس لئے بجائے جھنجھلانے اور جاؤ بیجا کہنے کے اس خوبصورتی سے جواب

دیدیتے تھے کہ مخالف شرم سے پانی پانی ہوجاتا تھا۔ ساہ جی کا انتقال کم سنی مین ہوا تھا۔

ساہ جی کی دولت مندی و امارت کے متعلق چار روائیتین اور چارون باہم مختلف بیان کی جاتی ہین۔ پہلی کا مفہوم ہے کہ سادھو کے پارس پتھر سے دولت والے ہوئے۔ دوسری کا اشارہ ہی کہ پارس پتھر خود بخود ہاتھ آگیا تھا، کسی نے دیا نہین تیسری کا ایما ہی کہ علم کیمیا نے صاحب دولت بنا دیا چوتھی (نمبر۷) ظاہر کرتی ہی کہ دفینہ کی شناخت کا علم تونگری کا موجب٥ ہی۔ اگر دولت کا باعث زیادہ شہرت کی بنا پر سادھو والا پتھر تسلیم کرلیا جائے تو اخلاقی حیثیت سے سنگئی ساہ کے دامن پر بدنما دھبا نظر آتا ہے۔ اپنا مطلب حاصل کرکے سادھو کو پارس پتھر واپس نہ دینا ایک ذلیل اور شرمناک حرکت سے کم نہین لیکن "ساہ کا لقب اور واقعات سے سنگئی ساہ کا طرز عمل نہایت عمدہ پایا جاتا ہے، ساتھ ہی اس کے نمبر ۲، نمبر۳، نمبر۷ والی روایات بھی صاف بے عیب ثابت کرتی ہین، اور عقل سلیم کے نزدیک بھی سنگئی ساہ دھرماتما بزرگ معلوم ہوتے ہین۔

پارس پتھر کی نسبت اکثر فاضلون کا خیال ہی کہ یہ ایک محض شاعرون اور قصہ نویسون کی گڑھت ہی۔ جس طرح چشمۂ حیوان، سد سکندر، ہما، عنقا وغیرہ موہوم اور بے بنیاد چیزون کو شہرت دیدی گئی ہی، اُسی طرح پارس کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی بھی اصلیت کچھ نہین محض فرضی اور خیالی چیز ہی۔ اگر پارس کا وجود ہوتا تو مستند کتابون، تاریخون اور شاہی خزانون سے پتا چلتا، شاہان عالم مُلک و دولت کی ہوس مین بجائے جنگ و جدل کے پارس پتھر تلاش کرتے، زمانۂ حال کے داناان فرنگ و امریکہ، جن کی جدت انگیز طبیعتین ہر وقت نئی چیزون کی تحقیقات کے لئے بیقرار رہتی ہیں اور جنھون نے زمین و آسمان کے قلابے ایک کرڈالے، زمین کے اندر سے محلات، عظیم الشان مکانون کے کھنڈر، بازار، باغات، شہر انواع و اقسام کی عجیب و غریب چیزین، پہاڑون کے غارون سے قدیم زمانے کی ہتیار لوتھیان، کتابین اور مختلف مقامات سے سیکڑون کارآمد سکے، کتبے وغیرہ برآمد کرکے دنیا کے سامنے پیش کردئے، کشتی ناکر سمندر کی تہ کی چیزون کے فوٹو لینے اور ہوائی جہاز کے ذریعۂ افریقہ کے نامعلوم اور دشوار گذار جنگلون کی تحقیقات کرنے پر اپنے کو وقف کردیا، پر لگا کر چڑیون کی طرح اُڑنا، ایئر شپ پر بیٹھ کے فضائے آسمانی کی سیر کرنا ایک معمولی کھیل سمجھا، بے تار کا ٹیلیفون ایجاد کرکے چھ ہزار میل کی دوری سے بات چیت ہوجانے پر مریخ کے باشندون سے گفت و شنید کے لئے کوشش شروع کردی، اس نادر و بے مثل چیز سے ناواقف نہ ہوتے، وہ ضرور کوشش کرکے حاصل کرتے، اور اس طرح مغربی ممالک مین نہ صرف جا بجا ہر مقام پر سونے کے سر بفلک محلات اور قلعون کا جنگل تیار ہوجاتا، بلکہ تمام سلطنتین لنکا کے مانند سونے کی ہوجاتین جس سے وہان کے باشندون کو اپنی دلفریب مصنوعات کے ذریعہ سے مشرق کی دولت کھینچنے کی ضرورت نہ رہتی۔ ان حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ سنگئی ساہ علم کیمیا وغیرہ کی بدولت مالدار ہوئے ہونگے، جس کا راز پوشیدہ رہنے کی وجہ سے لوگون نے اپنے قیاس کی بناء پر پارس پتھر گڑھ لیا ہوگا جسکی نسبت یہ عام طور پر مشہور ہے کہ لوہے کو سونا بنا دیتا ہی۔

زعفران والی روائیتون سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے زمانے مین جو اونٹ روز آنہ صبح سے شام تک ضرورت کے وقت

---

٥ اس علم کے متعلق حکیم سید محمد قاسم صاحب طبیب سمیات سرکار نظام کے کتب خانہ (حیدرآباد دکن) مین کتاب موجود ہے ۱۲ از رسالہ زمانہ اپریل سنہ۳۲ء۔

۸۰ کوس چل سکتا تھا، اُسے ساٹھکا کہتے تھے - اکثر رئیسون اور تاجرون مین اِس قسم کے اونٹون کی بہت بڑی قدر تھی، جن پر کم خرچ بالانشین کی مثل بہت صادق آتی ہو - غالباً زعفران والا سوداگر شہرون، قصبون اور ریاستون مین مال بیچتا ہوا ساٹھکا اونٹ پر دریاباد آیا ہوگا، جس کے ہمراہ مال کی حفاظت کے لئے دو ایک اونٹ اور بھی نوکرون چاکرون کے رہے ہونگے سنگئی ساہ نے تھوڑی بہت زعفران حسب خواہش خرید کر کے گارے مین ڈالدینے کا حکم دیدیا ہوگا کچھ دن تک لوگون مین یہ چرچے رہے ہونگے کہ سنگئی ساہ نے ایک سوداگر سے جو ساٹھکا اونٹ پر آیا تھا، زعفران مول لیکر گارے مین ڈلوادی، پھر ساٹھکا اونٹ بھر زعفران کہے لگے ہونگے - مدت دراز کے بعد ساٹھکا اونٹ بھول گیا - اور ساٹھ اونٹ زعفران مشہور ہوگئی - سنگئی ساہ کی یہ جدّت طرازی بھی قابل داد ہے کہ شہرت کے شوق مین زعفرانی گارے سے محل بنواکر ایسی جھلکتی ہوئی یادگار قایم کردی کہ کئی صدیان گذر جانے پر بھی جابجا بدستور خوشبو پھیلی ہوئی ہے -

آج کل کے اکثر نوجوان جانورون کا طلائی زنجیرون کے ذریعہ سے سنہری میخون مین بندھنا، تعمیر کے لئے خوشبودار زعفرانی گارا استعمال ہونا، سُن کر بیساختہ ہنسی اُڑائین گے اور وہ اِسے غیر مفید سمجھ کے فضول خرچی اور حماقت تصور فرمائین گے - لیکن، اُس وقت ناچار اُن کو مجبوراً ماننا پڑیگا کہ سنگئی ساہ کی یہ کاروائیان دولت وامارت کا کرشمہ تھین نہ کہ فضول خرچی وحماقت کا نتیجہ، جبکہ تحقیقات سے معلوم ہوجائے گا کہ نیویارک (امریکہ) کے کروڑپتی بندرون کے لئے سنہرے پلنگ اور مخملی گدّے بنواتے، کتّون کی شادیان کرتے، اور اُن کے رہنے کے لئے ایسے کمرے تعمیر کراتے ہین، جو کسی ملک کے وزیر اعظم کو بھی نہیں میّسر ہوسکتے -

سنگئی ساہ کی فطری فیاضی، اُولوالعزمی، اور دانشمندانہ سودمند سرگرمی اِس امر کا صاف یقین دلاتی ہو اور لوگون کا یہ بیان بالکل سچ معلوم ہوتا ہو کہ "اگر ساہ جی مار نہ ڈالے جاتے، کچھ دن اور زندہ رہتے تو دنیا مین اُن کا نام ہوجاتا" یعنی یہ ایسے ایسے نیک اور مفید کام کرتے (جس سے انھیں قدرتی دلچسپی تھی) کہ دریاباد کے علاوہ دُور دُور تک کے لوگ ان کی فیاضی کے مشکور ہوتے - اِن کی پیدائیش اُس پُرآشوب زمانے مین ہوئی تھی، جبکہ ہندوستان کا ہر متنفس بدنظمی کے باعث باہمی خانہ جنگیون، اندرونی وبیرونی حملون، کشت وخون، لوٹ مار، فتنہ وفساد، ظلم وستم وغیرہ کی مصیبت خیز بلاؤن اور تباہ کن آفتون مین گرفتار ہوکر باختہ حواس تھا - اِس لحاظ سے اِن کے کارنمایان، ان کی شاندار کامیابی خصوصیت کے ساتھ نہ صرف قابل ذکر، بلکہ تاریخ اودھ کے صفحون مین زرین حرفون سے لکھنے کے لائق ہے -

تحقیقات سے پتا چلتا ہو کہ سیتاپور، ہردوئی، کھیری، رائے بریلی، پرتاب گڈھ، لکھنؤ، فیض آباد، گونڈہ، بہرائچ، جونپور، بنارس، الہ آباد، کانپور، بستی، گورکھپور، وغیرہ کے دیہات مین لوگ سنگئی ساہ کی دولتمندی کا ذکر کرتے ہین، اور شولاپور ومقصود آباد کے سیٹھ ان کے مداح ہین، ایئے پور، جودھپور، کلکتہ، بمبئی وغیرہ کے جین مندرون مین ان کا اکثر نام لیا جاتا ہے - اِس سے سنگئی ساہ کی غیر معمولی شہرت اور ناموری کا بخوبی اظہار ہوتا ہے -

ساہ جی کا زمانۂ عروج فقط ایک ہوا کا جھونکا تھا کہ اِدھر آیا، اُدھر زن سے نکل گیا - اسی طرح زندگانی بھی حباب کی صورت ناپائیدار تھی کہ بہت جلد آناً فاناً فنا ہوکر خواب وخیال ہوگئی - کہا جاتا ہے کہ "سنگئی ساہ کے مرتے ہی سب کارخانہ

درہم وبرہم ہوگیا تھا نہ مال وخزانہ رہگیا تھا نہ اگلی حیثیت"۔ لیکن، یہ بیان قابل اعتبار نہیں۔ سرائے سنگئی کی واجب العرض مین لکھا ہے کہ ۱۱۱۱ھ مین لکھو ساہ (وارث سنگئی ساہ) نے "سرائے سنگئی" کو شیخ محمد رفیع صاحب (از اولاد حضرت مخدوم آبکش دریابادی) کے ہاتھ فروخت کیا تھا"۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ سنگئی ساہ کے بعد عرصہ تک کچھ نہ کچھ کاروبار قایم رہا، پھر حسب دستور زمانہ زوال شروع ہوا، اور اب سے دوسو برس قبل اگلی حیثیت اور زمینداری وغیرہ سب رخصت ہوگئی۔ عرصہ سے گو بد لوو ویران گنج و بازار و محلہ وغیرہ بے نام ونشان، ۱۹۰۱ء سے خاندان والے بھرائچ و بہرام گھاٹ مین آباد۔ یادگار مین مکان کا شکستہ حصہ کھنڈر کی صورت، جو اب بھی شاندار عمارت سے کم نہیں، ویران پھلواری، باولی والے کنوئین کا کچھ حصہ، سرائے سنگئی، ساہ جی کی قبر (پختہ) انھین کی پھلواری مین ابتک موجود۔

خدا کی شان دیکھیے! جن تہ خانون مین بیشمار خزانہ رہتا تھا، اب وہان چمگادڑون کا ڈیرا ہے! زمین پر پانون رکھتے ہوے سانپ، بچھو کا خوف معلوم ہوتا ہے! اور جو محل روایت کے بموجب زعفرانی گارے سے تیار ہوا تھا، اُس کے کھنڈرون مین لوگ پاخانہ پھرتے ہین۔ یہ عبرتناک سین انقلاب زمانہ کا ایک نتیجہ خیز منظر پیش کرتا ہے، جس سے بالغ نظر حضرات بہت کچھ سبق حاصل کرسکتے ہین۔ (سنگئی ٹولہ)۔

للّو سیٹھ، لچھی سیٹھ

ان بزرگون کے حالات کی نسبت بہت کچھ کوشش کے بعد صرف یہی معلوم ہوا کہ للّو اور لچھی کسی وقت مین مشہور سیٹھ تھے، فیاضی مین انکی شہرت تھی۔ اِن کے نام سے دھرم شالے بہت دن تک قایم رہے۔ زمانہ حیات تخمیناً چار پانچ سو برس قبل۔

بیچن ساہ

اصلی نام بیچن لال، عُرف بیچن ساہ، جین، سراوک، فرقہ دگامبری، اپنے وقت کے نامی مہاجن ہونے کے ساتھ ساتھ اعلی فیاض اور دھرماتما۔ اِن کے باپ دادے سخاوت وفیاضی مین بہت مشہور تھے۔ لیکن، اِن کی ہمت عالی نے وہ کرشمے دکھائے کہ لوگ اُنھین بالکل بھول گئے۔ چنانچہ جو دھرم شالہ چھیپی ٹولہ مین ساہ جی کے دادا نے بنوایا تھا اور جس مین خیرات خانہ قایم ہوکر روزانہ غریب مسافرون کو خوراک تقسیم ہوتی تھی، اُسے اِن کے نام سے شہرت ہوگئی۔ جب تک زندہ رہے، دھرم شالے کی شان روزافزون ترقی کے ساتھ قایم رہی۔ ان کے بعد اِن کی نسل والون نے اپنے بزرگون کا نام بھی مٹادیا اور خود بھی مٹ گئے، نہ مہاجنی رہی نہ دولت۔ برائے نام شکستہ مکان موجود اور خاندان والے معمولی حیثیت سے باقی۔ بیچن ساہ کا زمانہ حیات اب سے تین چار سو برس قبل ثابت ہوا ہے۔ (گھڑیالی ٹولہ)۔

سدھن لال و بدھی لال

عرف سدھان، بدھان حلوائی، مہاجنی مین مشہور و معروف، [illegible] خاندار، [illegible] دولت مند، نہایت

نیک چلن اور ایماندار تھے۔ سُنا جاتا ہے کہ پانڈوں کی طرح ان کے یہاں بھی شکر سازی کا کارخانہ اٹھارہ تھروں پر قائم تھا یعنی بحساب اوسط پچاس ہزار روپیہ کی شکر ہر سال اِن کے کارخانے سے فروخت ہوتی تھی، جو زمانۂ حال کے مطابق، جبکہ ہر چیز کی قیمت میں بے انتہا اضافہ ہو گیا ہے، ڈھائی تین لاکھ کی مالیت ہوئی۔

یہ لوگ محض حلوائی یا مہاجن ہی نہ تھے، بلکہ اچھے خاصے نوک پلک والے سپاہی بھی تھے۔ چنانچہ جب زمیندار ان پر کسی قسم کا بیجا دباؤ ڈالتا تھا تو یہ بگڑ جاتے تھے اور پھر چکلہ دار کو بھی کچھ نہ سمجھتے تھے۔ ناچار وہ بیچارہ انھیں کی مرضی کے موافق فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

روایت ہے کہ "ایک مرتبہ زمیندار صاحب نے اپنے حقوق کے بارہ میں انھیں بہت دق کیا۔ اِن کا قول تھا کہ "ہم بادشاہ کی رعیت ہیں، کسی زمیندار کے باشندے نہیں ہیں، اس لئے کسی قسم کا حق و حقوق بلاوجہ نہ دیں گے۔" لیکن، زمیندار صاحب اس بات کی سماعت نہ کر کے زبردستی اِن کو اپنا رعایا بنانے پر تلے ہوئے تھے۔ ناچار یہ چکلہ دار صاحب کے پاس نالش کے لئے گئے، وہاں زمیندار صاحب کے مقابلے میں اِن کی سماعت نہ ہوئی۔ اِن کو تاؤ آگیا، فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ہر چند چکلہ دار صاحب "ہاں ہاں، سنو تو، کہاں جاتے ہو؟" کہتے ہی رہے۔ مگر انھوں نے ایک بھی نہ سُنی اور اپنے گھر آتے ہی تلوار ڈھال باندھ اور جلتی ہوئی مشعلیں ہاتھ میں لیکر دونوں بھائی باآواز بلند "اندھیر ہے اندھیر" کہتے ہوئے لکھنؤ کی طرف چل نکلے۔ جب قلعہ کے قریب پہونچے، تو اس عجیب و غریب مگر حیرت خیز شور و غل سے قلعہ والے بھی چونک پڑے اور چکلہ دار صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی۔ وہ فوراً بے تحاشا اُٹھ دوڑے اور اِن کے پاس آکر حیرت سے پوچھنے لگے کہ، یہ کیا؟ دن میں مشعلیں کیوں روشن کیں؟ اس سج دھج سے کہاں جاتے ہو؟ انھوں نے حل کر لے۔ دھڑک جواب دیا کہ "اندھیر ہے، اس وجہ سے مشعلیں روشن کی گئی ہیں"۔ چکلہ دار صاحب بولے! دن میں اندھیر کیسا؟ انھوں نے کہا کہ جب دن دہاڑے بادشاہی رعایا لُٹ رہی ہو اور آپ دیکھتے ہیں مگر، کچھ خیال نہیں کرتے، تو کیا یہ اندھیر نہیں ہے؟ ہم لکھنؤ جاتے ہیں، وہاں اس اندھیر کی فریاد کریں گے! یا تو چکلہ دار صاحب چکلہ داری کے نشہ میں اندھے ہو رہے تھے، نیک و بد کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا یا اِن دندان شکن اور بیتاب الفاظ کو سُن کر انھیں زمین و آسمان نظر آنے لگا۔ بچارہ ناچار چکلہ دار صاحب نے اِن دونوں بھائیوں کو رضامند کیا اور زمیندار صاحب کو بُلا کر حکم دیا کہ آئندہ سے اگر کسی قسم کا جبر و تشدد اِن لوگوں پر کیا گیا تو، سخت باز پرس کی جائیگی، کیونکہ یہ بادشاہی رعایا ہیں، آپ کی رعیت نہیں ہیں"۔ اس لطیف واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سدھان بُدھان اگرچہ حلوائی تھے، مگر بڑی سمجھ بوجھ کے آدمی تھے اور باوجود سپاہی ہونے کے شریفوں سے لڑنا پسند نہیں کرتے تھے، حکمتِ عملی سے کام نکالنے میں ہوشیار تھے، ساتھ ہی اس کے بڑے بیباک اور حاضر جواب بھی تھے۔

سدھان بُدھان کا زمانۂ حیات اب سے دو ڈھائی سو برس قبل دریافت ہوا ہے۔ اِن کا مکان کوئی معمولی نہ تھا جسکی زمین پر آج کل رامچرن بھورجی، تلک رام کلوار کا کمرہ، گنگو حلوائی، شنکو بھرجی، ٹھکر دھر حلوائی کی دوکانیں اور دیگر مکانات موجود ہیں۔ اِن کے تین بیٹے تھے جن کی یادگار میں، حلوائی کا تالاب، بڑا تالاب، پختہ شیوآلہ اب تک موجود اور مشہور ہے۔ یہ شیوآلہ شکستہ حالت میں حلوائی کے تالاب پر پچھم طرف واقع ہے۔ (ٹیڑھی بازار)۔

لالہ سیتا رام ساہ

عرف سیتا ساہ، جین، فرقۂ دِگامبری، نامی مہاجن، کوٹھی وال مشہور تھے۔ شجرۂ خاندانی سیتا ساہ (مرتبۂ لالہ بھیرون پرشاد صاحب مرحوم، خزانچی، ملازم رائیصاحب) کے دیکھنے اور تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ سیتا ساہ کے باپ مٹھولال تھے اور دادا ریوتی رام، جو غالبًا اب سے دو سو برس پیشتر دریاباد مین آباد ہوئے تھے۔ لیکن، یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ لالہ ریوتی رام کہان سے آئے تھے اور کس طرح۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ساہ جی نے ایک مرتبہ قاضیون کی مختصر آراضی پر اپنا قبضہ کر کے دیوہرہ تعمیر کرایا۔ قاضی صاحب نے ذریعہ عرضداشت بادشاہ کے حضور مین نالش کی۔ چونکہ سیتا رام ساہ ایک بڑے متمول مہاجن تھے، اس لئے عمال سلطانی انکا دم بھرنے لگے اور قاضی صاحب کامیاب نہ ہوئے۔ کچھ دنون کے بعد قاضی صاحب کی طرف سے ایک طولانی محضرنامہ لکھا گیا۔ قبل اس کے ہندو بھی ایک بیجا و بے بنیاد وہم مین مبتلا ہو کر بلاوجہ ساہ جی سے ناراض ہو چکے تھے، اس وجہ سے وہ بھی مسلمانون کے شریک ہوئے اور معزز ہنود و مسلمان کے دستخط سے یہ محضر دربار شاہی مین پیش کیا گیا۔ سیتا رام نے اس مرتبہ بھی کوشش کی۔ لیکن، مقبول الدولہ بہادر ناظم اور سیف الدولہ معتمد خاص سلطانی نے اچھی طرح تحقیقات کر کے زمین قاضی صاحب کو دلادی اور مندر کے عوض مسجد تعمیر کرانے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ مندر کھود کر مسجد کی تعمیر شروع ہوئی، جس کا سنگ بنیاد قاضی نور الحق صاحب نے سنہ ۱۲۱۱ھ مین رکھا۔ یہ مسجد ویران اور شکستہ حالت مین قاضیون کے مکان سے متصل پورب طرف اب تک موجود ہے۔ دیوہرہ والا مکان جو کھدنے سے بچ گیا تھا بخشی پران سُکھ کے قبضہ مین آیا، جو غالبًا سنہ ۱۹۱۰ء کے قبل کھد کر بے نام و نشان ہو گیا۔

اس شرمناک واقعہ سے ساہ جی کا طرز عمل قابل نفرین معلوم ہوتا ہے، جو ان کی بداخلاقی کا کافی ثبوت ہے۔

بعض لوگون کا بیان ہے کہ سیتا رام ساہ بہاری لال صاحب (لکھنوی) کے عزیزدار تھے اور اس قدر متمول تھے کہ سنگئی ساہ کے بعد ان کا نام لیا جاتا تھا۔

مذکورۂ بالا محضرنامہ قاضی حاجی حسن صاحب کے پاس اور شجرہ خاندانی سیتا ساہ سُکھ چند کے یہان موجود، جو ساہ جی کے خاندان سے ہین۔ (سرادکی محلہ)۔

شیورام و کاشی رام پانڈے

کانکبج برہمن، بھردواج گوتر، لکھنؤ کے مشاچاریہ پانڈے بڑے عالی نسب، بہت بڑے معزز، مہاجنی مین مشہور و معروف ہونے کے علاوہ اولوالعزم اور امیر کبیر بھی تھے۔

ـه قدیم زمانے مین مشہور تھا کہ سرادکی لوگ مندر مین مورت استھاپنا کے وقت برہمن کے بیٹے کو ... پڑھاتے ہین۔ ایسی جہالت آمیز خیال نے دریاباد کے ہندوؤن کو بھی سیتا رام ساہ سے بدظن کر دیا تھا، حالانکہ جیسی بزرگ ساہ ایسے ... جانور کو بھی نہین مارتے ۱۲۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے مورث اعلیٰ موضع امرا (پرگنہ بدوسرائے) سے تین سو برس کا زمانہ ہوا دریاباد مین بسلسلۂ رشتہ داری آباد ہو گئے تھے، جو صاحب دولت اور اچھی حیثیت رکھتے تھے۔

یہ غیر معمولی مہاجن تھے، لاکھون کا کاروبار تھا۔ بڑے بڑے تعلقدارون اور رئیسون کو ذریعۂ دستاویز قرض دیتے تھے علاوہ مہاجن ہونے کے کارخانہ دار بھی تھے۔ شکر کا کارخانہ دُور دُور تک مشہور تھا سُنا جاتا ہے کہ ان کے کارخانہ کی بنیاد اٹھارہ بھٹھرون پر قایم تھی "بھٹھر" اُس زمانے مین ڈھائی تین ہزار روپیہ کے سرمایہ کو کہتے تھے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ پانڈے جی کا کارخانہ بحساب اوسط پچاس ہزار روپیہ کی شکر ہر سال تیار کرتا تھا، جو آج کل گرانی کے زمانے مین ڈھائی تین لاکھ کے سرمایہ سے کم نہ ہوا۔

پانڈے جی نے اپنی قوتِ بازو سے دولت کثیر پیدا کی تھی۔ دریاباد کے اطراف مین ان کے برابر کوئی متمول نہ تھا حتیٰ کہ "لکھپتی" مشہور تھے۔ ایک دستاویز[1] مین لکھا ہے کہ:۔

"آنکہ مبلغ دو صد و پنجاہ و سہ روپیہ سکہ چلن کہ نصف آن یک صد و بست و شش روپیہ ہشت آنہ میشود از پیش پانڈے شیورام و کاشی ناتھ مہاجن ساکن دریاآباد بضمانی لالہ مسری لال قرض گرفتہ بابت قسط جہارانی تعلقہ لال پور وغیرہ داخل سرکار نمودہ شد اقرار آنکہ مبلغ مرقوم معہ سود بحساب سوا ایک روپیہ ماہانہ بمیعاد یا سردہ روز بلا عذر ادا کردہ خواہد شد ہیچ عذر و حیلہ بمیان نخواہد آمد بنابران این چند کلمہ بطریق تمسک نوشتہ دادہ شد کہ ثانی الحال سند باشد فقط (مُہر مہی لال[2]) تحریر فی التاریخ چہارم شہر رجب المرجب مطابق اگہن بدی یکم روز جمعہ سنہ ۱۲۵۰ھ مطابق سنہ ۱۲۴۲ فصلی"

مذکورۂ بالا تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ شیورام و کاشی ناتھ سنہ ۱۲۵۰ھ مین موجود تھے (دستاویز نوشتہ دُرگا دلہنیا کلوار مرقومہ سمبت ۱۸۹ بکرمی سے بھی اِس کی تصدیق ہوتی ہے، جو پانڈے جی کے نام ہے اور ادری لال کلوار کے یہان موجود) اور لین دین کا کام دور اندیشی کے ساتھ کرتے تھے۔ لیکن، عام مہاجنون کے برخلاف سُود زیادہ کھاتے تھے، اُس وقت سود کی شرح بہت معمولی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ۸۰ برس قبل لوگ ایماندار و دیانت دار ہوتے تھے۔ قانونی عکڑ بندیون اور تباہ کن و مصیبت خیز شرائط سے کوئی واقف نہ تھا۔ ضرورت پر مہاجن کے اطمینان کے لئے صرف معمولی چند سطرین کافی سمجھی جاتی تھین۔ گواہون کے دستخط کی بھی چندان ضرورت نہ تھی، کاتب کے دستخط یا مُہر سے کام چل جاتا تھا۔ ولدیت، قومیت، پیشہ، سکونت وغیرہ لکھنا بھی خاص ضروری نہ تھا۔ لیکن، اِس ترقی یافتہ دَور مین جسے آج کل علم و تہذیب کی معراج خیال کیا جاتا ہے، اِس قسم کی تحریر بالکل بیکار ہے۔ ہم دیکھتے ہین کہ معمولی سے معمولی دستاویزین دنیا بھر کی شرطون، ضروری و غیر ضروری قانونی ضابطون سے مکمل ہونے کے ساتھ ہی محکمہ رجسٹری کی مُہر سے مُزین ہونے پر بھی بغیر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے کوئی مفید نتیجہ نہین پیدا کرتین جو نہایت ذلیل اور شرمناک بات ہے۔ اِن مصدقہ دستاویزون میں بہت سی دستاویزین عدالت سے بھی خارج ہو جاتی ہین۔ اِس لئے اگر ہم لوگ قدیم زمانے کی روش اختیار کرکے اپنے بزرگون کی مبارک تقلید پر آمادہ ہو جائین اور ایمانداری سے کام لین تو طرفین کو بیجا خوشامد، بیجا

[1] منشی مگن بہاری لال صاحب کے یہان موجود ۱۲ [2] دیوان روشن لال صاحب کے بیٹے کا نام ۱۲۔

مصارف، زیر باری اور نا قابلِ برداشت مصیبتون کا سامنا نہ کرنا پڑے، اور کروڑون روپئیہ ہر سال مقدمہ بازی اور محکمۂ رجسٹری مین صرف ہوتا ہے، پس انداز ہو کر مفید اور نتیجہ خیز کامون مین لگا یا جائے، جس سے نہ صرف افلاس دور ہو، بلکہ ملکی ترقی کے لئے نیک فال ثابت ہو۔

شیورام وکاشی رام مہاجن اور کارخانہ دار ہونے کے علاوہ اچھے زمیندار بھی تھے، لال پور دبھلو نا وغیرہ کئی ایک مواضعات اِنکے قبضہ مین تھے جنھین انھون نے رہن و بیع کے ذریعہ سے حاصل کیا تھا۔

اِن کے بعد اِن کی نسل مین **رگھناتھ پرشاد** عرف رگھناتھ اور **کنج بہاری** عرف کنجا پانڈے اِن کی جائداد کے مالک ہوئے۔ رگھناتھ پانڈے بڑے مخیّر اور دریا حوصلہ بزرگ تھے، جن کی نسبت عجیب و غریب روایات سننے مین آتی ہین چند اُن مین سے حسب ذیل ہین:-

(۱) ہر سال اِن کے یہان ہولی کی تقریب مین حسب حیثیت شکر ریسہون کو خصوصاً، ہندو غریبون کو عموماً تقسیم کی جاتی تھی (۲) پترپکش یعنی کناگت کے دنون مین سرادھ کے موقع پر پوریان ہندو مسلمانون کو بلا قید مذہب خاص اہتمام سے گھر گھر تقسیم کی جاتی تھین۔ یہ پوریان ڈیڑھ ڈیڑھ ہاتھ قطر کی نہایت صاف و شفاف اور نفیس و باریک خوبصورت ہوتی تھین (۳) اِن کے یہان پانون کا بہت بڑا خرچ تھا۔ اِن کی نشستگاہ مین علیحدہ ایک جگہ چوکی یا تخت پر ایک برتن مین بہت سی پانون کی ڈھولیان مع ضروری مصالہ وغیرہ کے ہر وقت رکھی رہتی تھین۔ دوست واحباب جو اُن سے ملنے آتے تھے، پان بنا بنا کر، جب تک بیٹھے رہتے، کھایا کرتے تھے اور چلتے وقت حسب خواہش گلوریان ساتھ اپنے ہمراہ لیجاتے تھے۔ اجنبی لوگون یا غیر مذہب والون کو خدمت گار خود تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پان دیا کرتا تھا۔ پان نفیس ہوتے تھے اور مصالہ مین کتھا، ڈلی، چونے کے علاوہ چھوٹی الائچی، جاوتری، لونگ، خوشبو دار تبا کو، کھوپرا وغیرہ ضروری اجزا بھی شامل ہوتے تھے (۴) رگھناتھ پانڈے کا یہ عام دستور تھا کہ اپنے یہان ہر وقت موسم کے لحاظ سے انواع و اقسام کے قیمتی لڈو بنوا کر رکھے رہتے تھے۔ جب کوئی اُن سے ملنے یا کسی ضرورت سے اُن کے مکان پر جاتا تھا اور اُس کے ہمراہ کوئی لڑکا یا لڑکی ہوتی تھی تو، چلتے وقت اُسے دو چار لڈو ضرور دیتے تھے۔ اِس طرح بہت سے لڈو روزمرّہ بلاناغہ بچون کے خوش ہونے کی غرض سے اِن کے دروازے پر بلا خیال قوم و مذہب تقسیم ہوا کرتے تھے (۵) پانڈے جی سائل کا سوال اپنی مقدور کے موافق کبھی رد نہین کرتے تھے۔ اجنبی یا غیر اجنبی سب کے ساتھ مہربانی کا یکسان برتاؤ تھا۔

لالہ دیبی دین صاحب فرماتے ہین کہ اِن پانڈون کا ایسا زمانہ تھا کہ رگھناتھ پانڈے کے بیٹے اپنے گھوڑے کو روزانہ صبح و شام دونون وقت "جلیبیان" کھلایا کرتے تھے۔ مولوی حکیم محمد عبد الحسیب صاحب ارشاد فرماتے ہین کہ ہمنے بھی اپنے والد کی زبانی یہ لطیفہ واقعہ سُنا ہے۔ اِس سے پانڈون کی غیر معمولی امارت ظاہر ہوتی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ اپنے بزرگون کی طرح دانشمند اور زمانہ شناس نہ تھے۔ اِن کے وقت مین لین دین کا حساب کتاب بہت بے قاعدہ ہو گیا تھا، ہزارون روپیون کا جمع و خرچ محض زبانی یادداشت کی بنا پر ہونے لگا تھا۔

تھا یا روپیہ کے وصول کرنے میں سختی کے ساتھ تقاضا نہیں کیا جاتا تھا۔ جہاں باقی داران کے سامنے آکر خوشامد کرنے لگتا تھا، یہ چپ ہو جاتے تھے، پھر اُس سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ جب دوست واحباب اس پر اعتراض کرتے کہ تمہارے اس برتاؤ سے ہزاروں روپیوں پر پانی پھرا جاتا ہے اور حقیت باقی ہے، سب ڈوبی جاتی ہے، تو پانڈے جی جواب دیتے کہ "بھائی ہم کیا کریں! ہم سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ بڑے بڑے آدمی ہمارے سامنے آکر گھنٹوں ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے رہنے کے ساتھ ساتھ منت وخوشامد کریں اور ہم بے مروّتی سے تقاضا کرنے پر آمادہ ہوں"۔ یہ تو رگھناتھ پانڈے کا حال تھا۔ اور کُنجی پانڈے ان کے بھائی بڑے بداخلاق اور مغرور تھے، اُنھیں آدمیوں سے ملاقات کرنا دوبھر تھا۔ لوگ گھنٹوں دروازے پر انتظار میں کھڑے رہتے تھے، مگر پانڈے مہاراج گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے، حاجت مندوں کی کون سُنتا؟ اس غفلت اور ناعاقبت اندیشی سے نوکروں چاکروں کی بن آئی "مالِ مُفت ودلِ بے رحم" پر عمل کرکے خوب گلچھرے اڑانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز میں کارخانہ چوپٹ ہو گیا، مہاجنی خاک میں مل گئی، گھر کی ساری دولت غائب ہو گئی، زمینداری برائے نام رہ گئی۔ بے شمار روپیہ جن لوگوں کے ذمہ واجب الادا تھا، باضابطہ تحریر نہ ہونے سے تلف ہو گیا اور قدیم بھاری بھاری دستاویزیں خارج المیعاد ہو کر ناجائز ہو گئیں، پانڈے جی دانے دانے کو محتاج ہو گئے۔

ایک معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ غدر کے زمانہ میں حفاظت کی غرض سے کُنجی پانڈے کا روپیہ ایک بہت بڑے آدمی کے یہاں رکھا گیا تھا جو، بعد غدر مانگنے پر صاف ہضم کر لیا گیا، ذرا ڈکار بھی نہ لی گئی۔

رانی مئو اور سکردرہا کے اطراف میں اکثر بزرگوں کی زبانی سُنا گیا ہے کہ "کُنجی پانڈے کا بیشمار روپیہ رئیسوں کے یہاں ڈوب گیا، جس نے قرض لیا، ادا نہیں کیا"۔ بعض لوگوں نے چشم دید واقعہ کی بنا پر یہ بھی بیان کیا کہ "کُنجی پانڈے کا ایک زمانہ وہ تھا کہ لوگوں سے ملاقات نہیں کرتے تھے، ایک زمانہ ایسا آیا کہ رانی مئو اور سکردرہا کی طرف ننگے پاؤں مارے مارے پھرتے تھے، کوئی بات بھی نہیں کرتا تھا، حالانکہ اس قرب وجوار کے بڑے بڑے آدمی اُن کے پُرانے قرضدار تھے"۔

ان حالات سے ثابت ہوتا ہے کہ رگھناتھ پانڈے ضرورت سے زیادہ سیدھے سادھے اور مروت دار تھے، اس لئے زمانہ شناسی کا فرض نہ ادا کرنے کے باعث تباہ وبرباد ہوئے۔ تلسی داس جی نے سچ کہا ہے "بہت سیدھائی اُت بڑ دو کھو" یعنی زیادہ سیدھا پن بہت بڑا عیب ہے۔

مہابیر دیکھیت کے یہاں گوپال سیوک دیکھیت کی ایک ہندی چٹھی دیکھنے میں آئی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رگھناتھ پانڈے وغیرہ سمبت ۱۹۲۰ بکرمی مطابق ۱۸۶۳ء میں بقید حیات تھے۔

آج کل پانڈوں کے خاندان میں مہابیر[۱] پانڈے وغیرہ رائے صاحب کے یہاں ملازم اور صرف موضع بھلونا کا دس آنہ آٹھ پائی حصہ ان کی ملکیت میں موجود۔ قدیم مکان کے متعلق کچھ حصہ شکستہ حالت میں باقی، جس سے اگلی شانِ عمارت کا بخوبی پتا چلتا ہے۔ (ٹھیکانی ٹولہ)۔

[۱] یہ رائے صاحب کے یہاں ضلعدار ہیں۔ انھوں نے قدیم مکان کی زمین پر اُتر طرف ذات خاص اور سر نو پختہ مکان بنوا کر اپنے بزرگوں کا نام قایم کیا ہے۔ ۱۲

لالہ درباری لال ساہ

جین، فرقہ دگامبری، از خاندانِ سیتا رام ساہ، لالہ دیبی داس کے بیٹے، مشہور مہاجن، نہایت نیک۔ انھون نے کبھی کسی قرضدار پر نہ غصّہ کیا نہ نالش کی، جو کچھ مل جاتا تھا چپکے سے لے لیتے تھے، کسی کو مطلق خبر نہ ہوتی تھی۔ درباری لال کے لڑکے نیم چرن بھی اپنے باپ کے طرز پر قدم بہ قدم چلنے مین شہرت رکھتے تھے۔ یہ طاقتور خوبصورت، اچھے ہاتھ پاؤن والے بزرگ تھے۔ تخمیناً ۹۰ سال کی عمر پائی، ۱۹۰۸ء مین قضا کی۔ اِن کے بیٹے لالہ گھمنڈی داس بھی اپنے بزرگون کے نقش قدم پر چلنے کو اپنا فخر سمجھے۔ تخمیناً ۵۴ برس کی عمر مین آخر ۱۹۱۰ء کے قریب وفات پائی۔ اولاد مین سیام لال، کنتو مل، کیشو رام، مکان پختہ موجود۔ (سراد کی محلہ)۔

لالہ ٹیکا رام کندن لال۔

جین، دگامبری فرقہ، مہاجنی مین قابل ذکر۔ دریاباد مین آڑھت کی دوکان تھی اور لکھنؤ میں ہنڈوی کے کاروبار کی کوٹھی دوکان ٹیکا رام کندن لال کے نام سے اور کوٹھی تلسی رام گوبند پرشاد کے نام سے مشہور تھی۔ لاکھون کا کاروبار تھا۔ غدر کے بعد کاروبار معرض زوال مین آگیا اور اب سے نصف صدی قبل اِن لوگوں نے دریاباد چھوڑ کر لکھنؤ سکونت اختیار کی۔ ٹیکا رام کے بیٹے آجتک وہان بقیدِ حیات اور چوک مین اُن کی دوکان گوٹے کی موجود۔ (چھیپی ٹولہ)

لالہ منگل سین

دیش، شیو گوپال زرگر کے بیٹے، کوٹھی وال مشہور تھے۔ اِن کے بزرگ غالباً لکھنؤ سے آئے تھے۔ یہ تین بھائی تھے بھوانی دین، گھورو اِن سے بڑے تھے۔ منگل سین کے نام سے دریاباد مین ایک کوٹھی قایم تھی، جس مین دہلی، کلکتہ، بمبئی وغیرہ سے ہنڈیون کی خرید و فروخت ہوتی تھی، ساتھ ہی اس کے جواہرات کا بھی بیوپار ہوتا تھا، کپڑے کی تجارت بھی ہوتی تھی، انگریزون سے لین دین بھی تھا، جس کی نسبت بابو برج لال صاحب کا بیان ہے کہ بہت سی دستاویزات انگریزون کی لکھی ہوئی خود ہمنے دیکھی ہین۔ غالباً ۱۸۸۰ء کے قبل کاروبار منگل سین کی بیجا عیش پرستی کے باعث ایک افسانہ کی صورت اختیار کر چکا تھا، صرف برائے نام کچھ مہاجنی اور کپڑے کی دوکان باقی رہگئی تھی۔ ۷۵ سال کی عمر مین ۱۹۰۶ء مین وفات پائی۔ یادگار مین پختہ دو منزلہ مکان سر بازار موجود، جو قدیم مکان کے گرجانے پر تیار ہوا تھا۔

منگل سین کے بیٹے اجودھیا پرشاد بڑے عقلمند، ہوشیار، محنتی، آن بان والے، عاقبت اندیش، نئی طرز بات کے دھنی، صاف گو، روشن خیال، ساتھ ہی اس کے شوقین مزاج، امیر دل، خوش اخلاق، خوش پوشاک اور عیش پرست بھی تھے۔ بگڑی ہوئی حالت کو خوب سنبھالا، کاروبار کے ترقی دینے مین حتی المقدور بہت کوشش کی۔ لڑکے کو بی، اے تک تعلیم دلوائی۔ ۱۹۱۲ء مین فوت ہوئے، ۶۶ سال کی عمر پائی۔ اولاد مین سرج لال۔ یادگار مین دو منزلہ پختہ مکان

واقع چھیپی ٹولہ۔

مکندی ساہ

جین، فرقہ دگامبری، از خاندان سیتارام ساہ، پارس داس عرف پارس کے بیٹے، مشہور مہاجن، ڈھائی تین لاکھ (روپے، اشرفیاں، زیورات) کی دولت کے مالک۔ اصل نام مکندی لال، عرف مکندی ساہ۔ انھون نے اپنی زندگی ایسے ناگفتہ بہ طریقہ سے بسر کی کہ معمولی سے معمولی حیثیت والا آدمی بھی ان سے لاکھ درجہ اچھا تھا۔ افسوس ہے کہ باوجود لاولد ہونے کے ساہ جی نے اپنی زندگی مین حسب حیثیت کوئی نیک کام نہین کیا۔ تخمیناً ۰ سال کی عمر مین آخر ۱۹۰۲ء کے قریب فوت ہوئے۔ ساری دولت عزیزون کے قبضہ مین آکر بہت جلد برباد ہوگئی۔ یادگار مین ایک معمولی باغ اور چاہ پختہ معہ پوشالہ حلوائی کے تالاب پر موجود۔ یہ کنوان اور پوشالہ عرصہ سے جابجا شق ہو جانے کے باعث بیکار۔ کنوان بالکل خشک، نام کو بھی پانی نہین۔ لیکن ساہ جی کے باپ کے نام سے جو چاہ پختہ معہ پوشالہ انھین کے نصب کردہ باغ مین سراہی کے جھیل سے متصل، لب سڑک پختہ پورہ سکری کے قریب واقع ہے اُس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہین (سراوگی ٹولہ)

ہرپرشاد بہاری لال

اگروال سراوگی، جین، کوٹھی وال مشہور۔ ہرپرشاد کے بزرگ ضلع پانی پت کے "بروتی" نامی مقام سے دو سو برس کا زمانہ ہوا بوجہ قحط سالی پریشان ہوکر بسلسلۂ قرابت دریاباد آکے آباد ہوئے تھے۔ غدر کے بعد انگریزی عملداری کے شروع مین ہرپرشاد نے بہاری لال کی شرکت مین کوٹھی قایم کی تھی، جو "ہرپرشاد، بہاری لال" کے نام سے مشہور تھی، جس مین ہنڈیون کی خرید و فروخت ہوتی تھی، دُور دُور اس کوٹھی کی شہرت ہوگئی تھی۔ ۱۸۸۶ء تک کارخانہ ترقی کے ساتھ قایم رہا۔ مگر منی آرڈر فارم کی ایجاد اور بنک کا دفتر قایم ہوتے ہی زوال مین آگیا۔ اب سے تخمیناً ۴۴ برس قبل ہرپرشاد نے وفات پائی اولاد مین بجے دیال، منوہرداس بقید حیات، مکان پختہ دومنزلہ موجود۔ (سراوگی محلہ)

لالہ کندن لال

عرف کندن، جین، فرقہ دگامبری، لالہ ہیرالال کے بیٹے، لالہ سیتارام ساہ کے خاندان سے تھے۔ اپنے ہم عصر مہاجن مین ان کی خاص شہرت تھی۔ ان کا کاروبار بالکل کھرا، ذرا بھی کھوٹا نہ تھا۔ یہ نہایت ایماندار ذی فہم، دوراندیش اور زمانہ شناس تھے، صرف سونا چاندی رہن رکھکر قرض دیتے اور اپنے اصول کے سختی کے ساتھ پابند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بہ نسبت دیگر مہاجنون کے انھین کاروبار مین کبھی نقصان نہین برداشت کرنا پڑا۔ انھون نے عمر بھر نہ کسی پر نالش کی نہ اہل معاملہ سے رنجش کی نوبت آئی۔ ان کے مزاج مین لالچ کو مطلق دخل نہ تھا۔ انھون نے قرضخواہون کی زیربارہی کے خیال سے سود کی شرح مین بہت کچھ تخفیف کردی تھی۔ اس سے قبل دریاباد مین شرح سود سونا چاندی

رہن رکھنے پر ڈیڑھ روپیہ اور دو روپیہ فیصدی ماہوار تھی۔ مگر کندن نے چھ آنہ، دس آنہ اور بعض موقع پر آٹھ آنہ سیکڑہ ماہوار سے زیادہ لینا پسند نہیں کیا جو اِن کی نیک نیتی اور انسانی خیرخواہی کی ایک بہترین یادگار ہے۔ کندن لال اپنے اوصاف حمیدہ کے باعث بہ قول شخصے آدمی نہیں سونا تھے۔ ۱۹۲۶ء میں انتقال ہوا۔ ۷۰ برس کی عمر پائی۔ اولاد میں تمیزچند، گلاب چند، کیسر چند بہ قید حیات، مکان پختہ موجود۔ (مراد کی ٹولہ)۔

دوسری فصل کارخانہ داروں کے بیان میں

سدھان بدھان

شکر سازی کے متعلق مشہور و معروف کارخانہ دار۔ اِن کا ذکر باب ہذا کی پہلی فصل میں تفصیل کے ساتھ درج ہو چکا ہے۔

سعادت علی، جیالال

سعادت علی، عطرفروش، جیالال گندھی۔ دونوں عطر اور تیل کے کارخانہ دار اور دوکاندار تھے۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے میں اِن کی دھوم تھی۔

امامی، جانو، اللہ رکھو

اپنے وقت کے نامی کارخانہ دار، مشہور تنباکو فروش۔ یہ لوگ کسی دوسری جگہ کا بنا ہوا تنباکو نہیں بیچتے تھے، بلکہ خود اپنے کارخانوں میں خوشبودار اور ہر قسم کا عمدہ خمیرہ تنباکو تیار کرا کر دوکان پر فروخت کرتے تھے۔ امامی، جانو اب سے ایک صدی قبل موجود تھے، اللہ رکھو نصف صدی پیشتر زندہ تھا۔ (ٹیڑھی بازار)

سلا زبخش

شیخ، عطر اور تیل کے کارخانہ دار، مشہور اور ایماندار عطرفروش، مگر ہر فن مولا، تعزیہ دار بھی تھے۔ اِن کی موم کی زریح بہت مشہور تھی، جو دو ڈھائی ہاتھ بلند خالص موم کی ہوتی تھی۔

اپنے باپ کے مرنے کے بعد انھوں نے کارخانہ کو خوب ترقی دی، جس میں ہر قسم کا عطر اور تیل تیار ہوتا تھا، لیکن کثرتِ عیاشی کے باعث کارخانہ بہت جلد تباہ ہو گیا۔ چونکہ انھیں عطر اور تیل کشید کرنے میں کامل مہارت تھی اور عطر وغیرہ کے متعلق اُن کے اجزا، اُن کے ساخت کی ترکیب سے بھی اچھی طرح واقفیت تھی، اس لئے یہ خود عطر اور تیل تیار کر کے ایک مختصر سی دوکان کے ذریعہ زندگی کے دن بسر کرنے لگے، ساتھ ہی اس کے بیچہ سازی، آرائش، پتنگ، تعزیہ وغیرہ فنون بھی حاصل کئے جس سے آمدنی میں ایک معقول اضافہ ہو گیا۔ سلا زبخش تا زندگی عطرفروشی اور دستکاری کی بدولت معمولی طور پر خوش حال رہے۔ بیعنامہ نوشتہ یار علی کفش دوز بنام مولوی نور کریم صاحب ۱۰۔ ربیع الثانی ۱۲۰۰ھ سے ثابت

ہوتا ہے کہ یہ ۱۸۵۷ء میں موجود تھے۔ سالار بخش کے لڑکے امید علی عرف امیدن ۱۹۱۱ء میں فوت ہو گئے۔ (ٹیڑھی بازار)

بھگن

اعلیٰ کارخانہ دار، نیک نیت تنباکو فروش۔ عرصہ تک دریاباد اور قرب وجوار میں بھگن کے خوشبودار تنباکو کی دھوان دھار تعریفیں ہوتی رہیں، لیکن غدر کے پندرہ بیس برس بعد وہ قدردان اور شوقین نہ رہے جس سے کارخانے میں بجائے خوشبودار خمیرہ تنباکو کے کڑوا دُودسا یا میٹھا تیار ہونے لگا اور خوشبودار تنباکو کا نام ہی نام باقی رہ گیا۔ ریاست کمیار درانی، مئو، اکبرپور کے رئیس اور بھلسر، تال گانوں، حیدرگڑھ، شمیر گنج، زیدپور کے دوکاندار بھگن ہی کی دکان سے ہر قسم کا تنباکو منگوایا کرتے تھے۔ بھگن نے تخمیناً ۹۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔ اولاد میں جمن[۵] وغیرہ۔ (جھیپی ٹولہ ٹیڑھی بازار)

شیورام کاشی رام

شکر کے مشہور کارخانہ دار۔ ان کا بیان، باب ہذا کی پہلی فصل میں مفصل طور پر درج کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو۔

انگنو

کبڑیا، شکر سازی کے متعلق دو کارخانوں کا مالک۔ ایک کارخانہ کٹرہ روشن لال میں تھا، دوسرا پرتاب گنج میں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "اس کی ماں مفلسی کی حالت میں اسے لکھنؤ لے گئی، وہاں اس نے ہوش سنبھالا اور قسمت کی یاوری سے سلطانی باورچی خانہ میں ترکاری کا ٹھیکہ دار ہو گیا اور اس طرح دولت کثیر پیدا کر کے غدر کے بعد دریاباد آ کر اس نے شکر سازی کے کارخانے کھول دیے جو اپنے وقت کے نامی کارخانے تھے۔ یہ بڑا نیک، محنتی، مذہب کا عاشق اور ذی حوصلہ تھا۔ چنانچہ "اللہ کی دیگ" اس کے نام سے اب تک مشہور ہے، جس میں ہزاروں روپیہ صرف ہوا تھا کبڑیوں میں آج تک اس ہمت کا دُور دُور تک کوئی نہیں ہوا۔" اس کے تین مکان تھے۔ ایک لالہ مہیش پرشاد صاحب ٹھکرے کے مکان سے متصل مغل ٹولہ میں، دوسرا کٹرہ میں، تیسرا پرتاب گنج میں۔ یہ اب سے ۳۰ برس قبل لاولد فوت ہوا اور ساتھ ہی اس کے کارخانے بھی فنا ہو گئے۔

براتی و دیبی

اپنے وقت کے اچھے کارخانہ دار۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "شکر سازی کا کارخانہ دیبی و براتی کی شرکت میں ۴۵ برس تک برابر جاری رہا، مگر کسی کو کانوں کان مطلق خبر نہ ہوئی، سب یہی سمجھتے رہے کہ کارخانہ دیبی کا ہے۔ جب براتی مرے

---

۵ جمن نے پرانے مکان کو نئے سرے سے پختہ بنوایا۔ حاجی وارث علی شاہ صاحب کی تشریف آوری کی تقریب میں دھوم دھام کی دعوت کی۔ ہر سال گیارھویں شریف کی غیر معمولی مجلس منعقد کر کے خاص طور پر اہتمام کیا۔ اس وقت تک زندہ ہے ۱۲۔

تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ کارخانہ باہمی دونوں کی شرکت میں تھا۔ واہ ری نیک نیتی اور واہ رے اتحاد باہمی! آج کل ترقی کے لئے اسی نیک نیتی اور اتحاد کی ضرورت ہے۔ محفلوں میں صرف دھواں دھار لیکچر دینے اور رزولیوشن پاس کر دینے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ ملکی یا قومی مفاد کے لئے براتی و دیبی کے طرزِ عمل کی تقلید کرنا چاہئیے جنھوں نے معمولی حیثیت سے باہمی اتفاق کی بدولت کارخانہ دار مشہور ہو کر دُور دُور تک سیکڑوں آدمیوں کو فائدہ پہونچایا اور خود دولت مند ہو گئے۔

براتی کے مرنے پر دیبی بوجہ پیرانہ سالی و تنہائی مجبور ہو گئے، اس لئے کارخانہ کو زوال ہونے لگا حتی کہ دیبی کے مرنے کے ساتھ ہی اُسے بھی موت آ گئی۔ دیبی و براتی حلوائی پیشہ بھی تھے مگر مٹھائی کی دوکانیں معمولی تھیں۔

براتی، زرگر، دیش، سیتل پرشاد عرف سیتل کے بیٹے، اصل نام براتی لال تھا۔ سُنا جاتا ہے کہ اِن کے بزرگ دریاباد کا بنیادی پتھر رکھنے کے وقت یہاں آ کر آباد ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں شیوآلہ، ایک مختصر سا دھرم شالہ، چاہ پختہ معہ پوشالہ اور ایک آموں کا باغ تیار کرا کے شیوآلہ کا استھاپنا کیا، جسکے جشن میں کئی ہزار روپیہ صرف ہوا شیوآلے کے دروازے پر سمبت ۱۹۴۲ بکرمی کندہ ہے۔ یہ کل پختہ املاک معہ باغ آبادی کے باہر دکھن طرف تھوڑے فاصلہ پر اسٹیشن والی پختہ سڑک سے متصل واقع ہے۔ براتی لال ۹۰ برس کے ہو کر ۱۹۱۸ء میں لاولد فوت ہوئے۔ (چھیپی ٹولہ)

دیبی، اصلی نام دیبی پرشاد، بلدی تمبولی کے لڑکے تھے۔ اِن کے بزرگ اُس وقت دریاباد میں آباد ہوئے تھے جبکہ اس قصبہ کی داغ بیل پڑ رہی تھی۔ دیبی کی یادگار میں آبادی کے اُتر جانب ٹکیت نگر والی پختہ سڑک کے قریب ایک پختہ دھرم شالہ اور ایک چاہ پختہ معہ پوشالہ، ایک آموں کا باغ آج تک موجود ہے۔ دیبی نے ۷۰ برس کی عمر پائی، ۱۹۲۱ء میں قضا کی۔ اولاد میں سنت پرشاد، عرف سنتو زندہ۔ (سراوگی محلہ)۔

تیسری فصل دوکانداروں کے بیان میں

لالہ بنّے مل

مشہور جوہری، جین، اوسوال، از فرقہ شیتامبری۔ اِن کا مکان پانچ منزل کا تھا، اِن کی یادگار میں "بنّے تلے" محلہ اب تک موجود ہے۔ افسوس ہے کہ اس سے زیادہ بنّے مل کے حالات نہ معلوم ہوئے۔ (جوہری محلہ وال چھیپی ٹولہ)۔

لالہ بھگوانداس جوہری

جین، سراوک، فرقہ دِگامبری، از خاندان سیتارام ساہ، دیبی داس کے بیٹے، پارس داس کے حقیقی بھائی، گنشی ساہ کے چچا، جواہرات کے روزگار میں اچھی شہرت حاصل کی تھی۔ اِن کی دوکان جوہری بازار میں تھی، آصف الدولہ کے زمانے میں بقیدِ حیات۔ (سراوگی ٹولہ)۔

درگاپرشاد، راحت علی، رمضان خان

درگاپرشاد، نامی گرامی بادہ فروش، آٹھ دو کانوں کے مالک۔ چار دو کانیں دریاباد میں تھیں، تین لکھنؤ میں اور ایک فیض آباد میں۔ راحت علی و رمضان خان، بہت بڑے عطار تھے۔

اچھا رام، ہنست لال و بھاگو لال، ہیرا

اچھا رام مرتبہ فروش، گردونواح میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ ہنست لال و بھاگو لال اور ہیرا پنساریوں میں نامی تھے۔ زمانۂ حیات اب سے تخمیناً ڈیڑھ سو برس قبل۔

سوبھا داس، سمپت رام، روشن علی

سوبھا داس و سمپت رام بزازوں میں فرد تھے۔ روشن علی کی دوکان کی روشنائی و قلم دور دور تک مشہور، اور اب سے سوا سو برس قبل موجود۔

راحت علی، درگا دین، ہیرا لال و سادھو رام
ماتا پرشاد، لچھمی نراین، بہاری لال

راحت علی تمباکو فروش، درگا دین ریشمی پارچہ فروش، ہیرا لال و سادھو رام گوٹا فروش، ماتا پرشاد لچھمی نراین نقرئی ظروف و زیورات کے دوکاندار، ہر ایک اپنے زمانے میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ بہاری لال چکن فروش، ان کی دوکان پر لکھنؤ کی چکن، ڈھاکے کی ململ، ٹانڈہ کی جامدانی وغیرہ خاص خاص مشہور اور قیمتی کپڑے فروخت ہوتے تھے۔ بہ عہد نواب آصف الدولہ بہادر موجود۔

بالمکند، متھرا داس، فرزند علی

کلاہ فروش، بالمکند و متھرا داس رستوگی، دسوالن ٹولہ میں رہتے تھے۔ یہ سب کے سب بڑے ایماندار اور یکسخن دوکاندار تھے۔ ہر میل کی ٹوپیاں اور ہر قسم کے سِلے دوکان پر موجود رہتے تھے۔ واجد علی شاہی میں غلط و فوج کی بدعت سے تنگ آکر لکھنؤ بھاگ گئے تھے۔

سوہن لال، خورشید علی، موہن داس

سوہن لال بنارسی، نامی دوکاندار، ان کی دوکان پر ہر قسم کا خوشبودار کھانے کا تنباکو فروخت ہوتا تھا۔ یہ بنارس

کے رہنے والے تھے۔ خورشید علی، اعلیٰ تنباکو فروش، ان کی دوکان پر گورکھپور، لکھنؤ، بسوان کا بنا ہوا خمیرہ تنباکو بکتا تھا۔
موہن داس بنارسی، ان کی دوکان پر بنارس کے ساختہ کپڑے فروخت ہوتے تھے۔ یہ دوکاندار نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے میں خاص شہرت رکھتے تھے۔

لالہ مُنّو لال جوہری

وسوال، جین، شیتامبری فرقہ سے تھے۔ بیعنامہ حویلی مہدی رنگریز سے پتہ چلتا ہے کہ یہ چودھری حسین علی صاحب کے ہم عصر تھے اور نواب سعادت علی خان بہادر سے لیکر غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے زمانے تک بہ قید حیات رہے جوہری بازار عرف چوک میں دوکان تھی۔ (جوہری محلہ حال چھیپی ٹولہ)۔

سالک و رام کشن

پیشہ حلوائی، ان کی دوکانیں کٹرہ روشن لال میں تھیں، جن میں ہر وقت نفیس مٹھائی تیار رہتی تھی، مگر پیڑے خصوصاً مشہور تھے۔ متھرا تک ان کی دوکانوں کے پیڑے بطور تحفہ بھیجے گئے، سو برس کا زمانہ ہوا کہ دونوں موجود تھے۔

لالہ چوکھے رام

عرف چوکھنی، دنیائے کائیتھ، پنساریوں میں مشہور، اپنے پیشہ میں ایمانداری کی وجہ سے قابلِ ذکر، نہایت نیک چلن اور سیدھے سادے دوکاندار تھے۔ اولادیں درگا پرشاد۔ (سٹیڑھی بازار متصل مکان رائے صاحب)

لالہ فقیر چند

عرف فقیرے ساہ، جین، از فرقہ دگامبری، لالہ درباری لال کے بیٹے، مشہور بزاز و مہاجن۔ قول و فعل کے سچے، ایماندار، نہایت نیک بزرگ تھے۔ بزازی میں ترقی کر کے مہاجنوں میں نام پیدا کر لیا تھا۔ فقیر چند ریاست سورج پور کے خزانچی بھی تھے۔ سمبت ۱۹۳۹ بکرمی میں انتقال ہوا، ۶۲ سال کی عمر پائی۔ اولادیں رگھبر دیال عرف رگھبر ساہ اور سکری پرشاد عرف سکری ساہ یادگار میں ایک باغ ہے جو منوہر لال سلوک کے قبضہ میں ہے۔ رگھبر ساہ ۱۵ جون ۱۹۰۸ء کو ۷۵ سال کی عمر میں لاولد فوت ہوگئے۔ سکری پرشاد بہ قید حیات صاحب اولاد، قدیم مکان و جائداد کے مالک ہوس ٹیکس کے ممبر۔

کودی لال

عرف کودی، کلولد، مشہور رنگ فروش، از خاندان نول رام و ہنس رام انبانِ ملاس۔ محمد روشن کی ایک دستاویز سے پتا چلتا ہے کہ نول رام و ہنس رام ۱۱۹۸ھ میں موجود تھے۔ اس سے قیاساً ملاس کا زمانہ اب سے ڈیڑھ سو برس

قبل ثابت ہوتا ہی۔ لیکن ہاس کے بزرگون کا نام کیا تھا اور وہ کس وقت دریاباد میں آباد ہوئے تھے ہاس کا حال باوجود کوشش کچھ نہ معلوم ہوا۔

کودی لال شراب فروشی کے علاوہ مہاجنی بھی کرتے اور انگریزی عملداری مین ضلع دریاباد بھر کے آن بان والے ٹھیکہ دار بھی تھے۔ ٹھیکہ داری کی حالت مین جب گدی دارون کے یہان سالانہ حساب فہمی کی غرض سے جاتے تھے تو، وہ لوگ خوشامدانہ طور پر ان کی خدمت کرتے تھے جسے یہ نامناسب سمجھ کر اُن کا احسامند نہ ہونے کے خیال سے بہ قید زمانہ قیام پانچ روپیہ یومیہ چھوٹ حساب مین مجرا دیتے تھے۔ بستی والون کا بڑا ادب کرتے تھے۔ زندگی بھر دریاباد مین کبھی گھوڑے پہ سوار نہین ہوئے، ضرورت کے وقت بستی کے اندر پیدل چل کر باہر گھوڑے پر سوار ہوتے تھے۔ گھوڑے کی سواری کا انھین خاص شوق تھا۔ ایک کلان راس سفید رنگ کا گھوڑا ان کے یہان پلا ہوا تھا۔ گھوڑے کے سوا دوسری سواری پسند نہ تھی معزز لوگون مین ان کا شمار تھا۔

یہ فیاض بھی تھے۔ ایک زمین دو ر پختہ کنوئیں کی مٹی نکلوا کے از سر نو پختہ بلند جگت بنوا کر پوستالہ جاری کر دیا تھا، جو اتبک موجود اور انھین کے نام سے مشہور رہا۔ یہ کنوان پورہ حسن علی سے ملا ہوا اسٹیشن والی سڑک سے متصل واقع ہے علاوہ اس کے شیخ سلاّح کے مزار کی پختہ چہار دیواری بھی پہلے پہل انھین کے صرف سے تعمیر ہوئی تھی، جو عرصہ ہوا کہ منہدم ہو گئی جس سے ان کی بے تعصبی اور مسلم فقرار کے متعلق ان کی عقیدتمندی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ زمانہ حیات اب سے نصف صدی قبل اولاد مین ادری لال وغیرہ موجود، آبائی دو منزلہ پختہ مکان پر قابض۔ (مغلان)۔

کشن پرشاد

عرف کشن، سراؤگی، جین دھرم کے پابند، از فرقہ اگاہری، حلوائی پیشہ شہرت کا باعث، نہایت ایماندار دوکاندار۔ ان کی دوکان کے پیڑے دُور دُور تک مشہور تھے، امرتی بھی مشہور تھی، انقری ورق دار برفیان بھی عمدہ اور نفیس ہوتی تھین۔ سالک و رام کشن کے بعد پیڑون کے بنانے مین انھون نے بھی خاص نام پیدا کیا تھا۔ ان کے پیڑون مین یہ خاص صفت ہوتی تھی کہ وہ دو چار چار مہینے تک رکھے رہنے کے بعد بھی بدستور ملایم اور ذایقہ دار بنے رہتے تھے۔ ان کی دوکان کے پیڑے بڑے بڑے شہرون مین فرمائشی طور پر بھیجے جاتے تھے۔ کلکتہ بھی دو ایک مرتبہ تحفہ کے طریق پر سراؤگون نے اپنی برادری مین روانہ کئے تھے جن کا شکریہ نہایت تعریف کے ساتھ ادا کیا گیا تھا۔ کشن پرشاد اب سے نصف صدی قبل زندہ تھے۔ (سراوگی محلہ)۔

امیر خان صاحب

آٹھ دو کانون کے مالک، ساتھ ہی اس کے بے مثل سوانگئے اور اعلیٰ قمار باز، دُور دُور تک انھین شوقون کے باعث مشہور و معروف۔ ٹھیکہ اور تجارت وغیرہ مین جو کچھ پیدا کیا وہ سب جوے اور عیاشی اور سوانگ کی نذر

کرکے اپنی بے انتہا ناعاقبت اندیشی اور فطری جہالت کی سچی تصویر پبلک کے سامنے پیش کردی۔

امیر خان صاحب کے بزرگوار جو یوسف زئی پٹھان کہلاتے تھے، افغانستان سے ہندوستان آئے۔ انھین بزرگون کی اولاد سے چند لوگ شکوہ آباد اور دریاباد مین آباد ہو گئے۔ مگر دریاباد مین اُن کے خاندانی بزرگ قتل و خونریزی کی وجہ سے بے نام و نشان ہو گئے۔ دوسری مرتبہ قدیم بزرگون کی نسل سے چند اصحاب بہ عہد شاہ عالم بادشاہ رسالہ کے افسر مقرر ہو کر بکھر کی لڑائی مین شریک ہوئے، جس مین سلطانِ دہلی کو شکست ہوئی۔ یہ رسالہ بادشاہ کے ہمراہ الہ آباد آیا اور وہان صلحنامہ تحریر ہونے کے بعد اِن کے بزرگ شجاع الدولہ بہادر کے رسالے مین ملازم ہو کر دریاباد مین تعینات ہوئے اور اِس طرح معہ عیال و اطفال اُنھون نے یہان سکونت اختیار کی، جن کے خاندان مین اتنی ترقی ہوئی کہ پٹھانون کے نام سے محلّہ آباد ہو گیا، جو واجب العرض دریاباد کے مطابق ۱۸۶۰ء تک قائم رہا، بعد اُس کے ویران ہو کر کٹرہ روشن لال مین شامل ہو گیا۔

خانصاحب نواب سعادت علی خان بہادر کے آخری زمانے مین پیدا ہوئے۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے عہدِ حکومت مین مغفور پلٹن کے جمعدار ہوئے۔ چند روز کے بعد بہرائچ مین سید سالار مسعود غازی کی درگاہ کے متعلق مُلّاؤن مین باہمی جھگڑا ہو جانے کے باعث درگاہ کی نگرانی اِن کے سپرد ہوئی۔ سات برس تک وہان تعینات رہ کر بہرائچ کی شاہی فوج مین مقرر کیے گئے اور واجد علی شاہ کے زمانے تک وہین رہے۔ نوابی ختم ہونے پر اپنے وطن دریاباد آئے۔ یہان غوث محمد خان صاحب کوتوال کی سفارش سے سب انسپکٹری پر مامور ہو گئے۔ لیکن، کوتوال صاحب کی سخت کلامی نے اِنھین جلد ترک ملازمت پر مجبور کر دیا۔ نوکری سے استعفا دیکر کپڑے کی تجارت شروع کی اور دریاباد مین ایک دوکان کھول دی ساتھ ہی اِس کے ایک چٹھی کے ذریعہ سے، جو ۱۸۵۷ء کے غدر مین ایک انگریز کی جان بچانے کے عوض انھین کسی افسر نے عطا فرمائی تھی، ضلع دریاباد کے متعلق سرکاری صدر رسدات بہم کرنے کے لئے اسٹیشنری، فرنیچر، نیز تعمیرات کا ٹھیکہ بھی گورنمنٹ سے حاصل کیا۔ جس وقت تمیز صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ہوئے تو، اُنھون نے تمیز گنج کے تعمیر کا کام بھی (تھانہ، تحصیل وغیرہ کی عمارت) اِنھین کے سپرد کر دیا۔ اِسی سلسلہ مین اِن کی یہان سات دوکانین کپڑا، غلہ، جوتا، کرانہ، اسٹامپ وغیرہ کے متعلق قائم ہو گئین۔ اِس تجارت اور ٹھیکہ کی بدولت امیر خان صاحب بہت جلد مالدار ہو گئے۔ لیکن، بعض معتبر لوگون کی زبانی یہ بھی سُننے مین آیا ہے کہ "راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے بیٹون اور پوتون کے وقت مین خفیہ طور پر اِن کے یہان صدہا اشرفیان معمولی رقم کے عوض رہن ہو کر پھر واپس نہین کی گئین اور بہت سے بیش قیمت مُطلّا اور مرصّع زیورات کوڑیون کے مول فروخت کیے گئے، اور اِس طرح ایک کثیر دولت بے محنت و مشقت اِن کے ہاتھ آ گئی تھی۔ قیمتی زیورون کا اِس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خان صاحب کے زمانۂ افلاس مین ایک انگوٹھی زید پور کے تعلقدار نے چھ ہزار تین سو روپیہ کو خریدی تھی۔"

۱۹۰۳ء تک خان صاحب کا کاروبار بدستور ترقی کے ساتھ جاری رہا۔ بعد اُس کے اِن کے بڑے بھائی سور خان صاحب کے مرتے ہی کل دوکانین شکست ہو گئین اور یہ آزاد ہو کر عیش پرستی پر مائل ہو گئے۔ ناچ رنگ

کی صحبت چمک اُٹھی، ساتھ ہی اس کے قمار بازی اور شطرنج کھیلنے کا بھی شوق پیدا ہو گیا، اور بعد ازاں روپیہ اُڑنے لگا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۹ء تک یعنی دس برس میں ساری حیثیت خاک میں مل گئی - اب رہی برائے نام میراث (سرائے خواجگی میں چک سعدی خان) وہ بھی رہن و بیع کے ذریعہ سے غیرون کے قبضہ مین آگئی - آخر مین دس بارہ برس سخت مصیبتین جھیلنے کے بعد ۲۲ - اکتوبر ۱۹۲۰ء کو ساڑھے تین ہزار روپیہ اصل معہ سود قرض چھوڑ کر امیر خان صاحب دنیا سے رخصت ہو گئے - اولاد مین کالے خان کے بیٹے یعقوب خان بہ قید حیات، قدیم دو منزلہ پختہ مکان پہ قابض، محکمہ جنگلات مین ملازم - انھون نے اپنے دادا کے وقت کا کل قرضہ معہ سود ادا کر کے اپنی سعادتمندی کا کافی ثبوت دیا ہے - (اٹھانی ٹولہ حال کٹڑہ روشن لال) -

جُوگل

اگروال ویش، ان کی دوکان کی رابڑی بہت مشہور تھی - لکھنؤ، سندیلہ اور دوئی وغیرہ تک تحفہ کے طور پر بھیجی جاتی تھی جُوگل اب سے ۲۰ برس قبل زندہ تھے - (ٹیڑھی بازار)

بھولا پرشاد

عرف بھولا، دنیائے کا کیستھ، درگا پرشاد کے لڑکے، جوکھے رام عرف چوکھی کے پوتے، نامی عطار تھے - علاوہ دواؤن کے کرانہ کے متعلق چیزین بھی دوکان پر فروخت ہوتی تھین، عطر اور تیل بھی بکتا تھا، اور ہر ایک چیز صاف اور عمدہ - یہ بھی اپنے دادا کی طرح بڑے ایماندار اور نیک تھے - ہر چیز واجبی قیمت پر بیچتے، غریب امیر سب کو راضی رکھتے تھے - پڑھے بھی تھے، نسخے بہت جلد اور باسلیقہ باندھتے تھے - رائے صاحب اور بڑا گرجا تکی پرشاد سنگھ صاحب تعلقدار کے یہان انھین کی دوکان سے دوائین منگائی جاتی تھین - ۱۹۱۲ء مین بعارضۂ طاعون فوت ہوئے - اولاد مین بیٹے لال موجود، مگر اگلی حیثیت خواب و خیال، دو منزلی پختہ دوکان قایم، آبائی مکان شکستہ اور ویران، چند روز کا مہمان -

چوتھی فصل عام پیشہ ورون کے بیان مین

محمد علی، آتشباز **عیدو** و **درگاہی** رنگساز **مبارک** و **سعد اللہ** صیقل گر **مہابلی** و **درگا** خرادی - **عنایت اللہ** و **فیاض احمد** مرصع ساز **برکت علی** و **کرامت رسول** آئینہ ساز **خیرات علی** و **کریم احمد** ملمع ساز **رحمت** و **شرافت** خیمہ دوز **قربان علی** و **امجد علی** جلد ساز **کریم بخش** و **حسین علی** رنگریز **الفت** تاشا نواز **منور خان** و **فرحت علی** بہروپیے **فضل** و **محمد** نقال، ہر ایک اپنے اپنے فن مین اوستاد افضل و محمد لکھنؤ کا مشہور و معروف بھانڈ کربلا کی صحبت (سنگت) میں رہ کر مشہور ہو گئے تھے -

نرائن کمہار آنجہانی، سراجیان جھجھر بنانے مین ہوشیار تھا - **عزت** و **قدرت** کسگر، لکھنؤ کی وضع

کے رنگین و نقشدار حقّے اور چلمین خوب بناتے تھے، کھلونے بھی مشہور تھے بھو ندو کسگر خاص کھلونون کے لیے مشہور خیراتی نمش کی قفلیان اور کھیر کے پیالے قابل تعریف بناتا تھا ڈھینگر کے مونڈھے لائق تعریف ہوتے تھے گنگو بھرجی پرمل خوب بناتا تھا۔ دنیا ڈیگیا ٹھوا درگا، بتواری اور چکوڑی گاذرا ہر ایک اپنے آبائی فن مین یادگار۔

کرم علی، دین محمد سپر ساز اور حسین بخش، سرفراز علی طبلہ ساز اپنے وقت کے مشہور کاریگر تھے۔ موہن لال، موتی رام چھیپی پی وال ہین، فرد و لحاف کے چھاپنے مین اور راحت خان نیچہ ساز خاص شکل بنانے مین شہرت رکھتے تھے۔

احمد علی، زاہد علی کفش دوز، یہ ایسے کاریگر تھے کہ جس قسم کا جوتا انھین دکھایا جائے، بجنسہ بنا دیتے تھے کسی فرمائش کی بابت مجبور نہ تھے جھنگو سوز یان ایسے نفیس و خوبصورت بناتا تھا کہ دیکھکر طبیعت خوش ہو جاتی تھی، لکھنؤ تک اس کے بانون کی شہرت تھی۔ اب سے ۵۰ برس قبل زندہ۔ نعمت علی اور عنایت خان کی غلیلین مشہور تھین۔ چھمن، بھگوسے پھولون کے گلدستے اور زیور بنانے مین خاص ملکہ رکھتے تھے۔ دیبی، بلدمی آہنگر اپنے فن مین نہایت ہوشیار تھے۔

دیبی دین نجار بے مثل کاریگر تھا، اپنے آبائی فن کے علاوہ فن آہنگری سے بھی اچھی طرح واقف تھا مشہور ہے کہ دیبی دین کے مرنے پر ایک چھکڑا اوزار برآمد ہوئے تھے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے ایک لوٹ کا پلنگ بنا کر رائے شیو راج بلی صاحب کی خدمت مین نذر کے طور پر پیش کیا تھا جسے دیکھکر وہ بہت خوش ہوئے اور دیبی دین کو انعام عنایت ہوا۔ رانی مئو کے مشہور سارنگی نواز بجرنگ کتھک کہتے ہین کہ اس نے ایک سارنگی چھ مہینے مین تیار کرکے مخدوم بخش سارنگی نواز (دریاباد) کو دی تھی، جس کے صلہ مین مبلغ تیس روپیہ انعام حاصل کیا۔ دیبی دین تخمیناً ۷۰ برس کی عمر مین اب سے نصف صدی قبل فوت ہوا۔ (پرتاب گنج)۔

رامچرن، دیبی دین نجار کا لڑکا، فن نجاری مین اپنے باپ کا شاگرد۔ اس کی کاریگری کے متعلق بہت سی زبردست یادگارین رائے صاحب کے یہان ابتک موجود ہین، جن مین روشنی کا پھاٹک خاص طور پر قابل دید۔ رسول بخش قوال بیان کرتے ہین کہ "رامچرن کی بنائی ہوئی ایک خوبصورت ڈھول ہمارے پاس تھی، جو دو فٹ لمبی، ایک بالشت ایک انگل قطر اور پاؤ بھر وزن کی تھی اور خوب بجتی تھی"۔ رامچرن ۱۹۱۶ء مین لاولد فوت ہوا۔ مکان بے نشان۔

چھیدی۔ نجار، لوٹ کا پلنگ، کرسیان خوب بناتا تھا۔ ۹۰ سال کی عمر مین اب سے پندرہ بیس برس قبل زندہ، اولاد کوئی نہین۔ (اکرہ، روشن لال)

گوردین کہار، گوشت خوب پکاتا تھا اور اس بارہ مین اس نے خاص طور پر نام پیدا کیا تھا۔ دریاباد کے کائتھون مین علی العموم برادری کی دعوت کے موقع پر اکثر گوردین ہی طلب ہوتا تھا اور گوشت پکانے کا کام اس کے سپرد کیا جاتا تھا۔ کباب بھی اچھے پکاتا تھا۔ (تمبولی ٹولہ)

بدھی، حسینی معمار اب سے ڈیڑھ دو سو برس قبل زندہ، مدار، آلہی ہنگرے اپنے وقت کے مشہور

سماروں، کٹڑہ روشن لال میں سکونت، اب سے ۳۰ برس قبل موجود، یہ لوگ ایماندار اور محنتی تھے۔ عیسی معمار، فنِ سماری سے اچھی طرح آگاہ، سنہ ۱۹ء میں بعمر تخمیناً ۵۰ برس فوت ہوا۔

بھوانی دین، نامی کوڑے ساز، اپنے فن میں استاد، مشہور ہے کہ یہ پچاس روپیہ تک کے قیمتی کوڑے بناتا تھا۔ اس زمانے میں انہیں بیش قیمت کوڑوں کی زیادہ مانگ تھی۔ بھوانی دین اب سے تخمیناً ۵۰ برس قبل موجود تھا۔ (کٹڑہ روشن لال)

دیارام، تلوار پر باڑھ رکھنے میں آپ ہی اپنا نظیر تھا۔ محلہ ٹھٹھران میں بیس تیس گھر اس پیشہ والوں کے تھے، مگر دیارام ہی سب میں مشہور تھا، جو قریباً ایک صدی قبل زندہ۔

ہینگا لکنگر، اعلیٰ درجہ کا رنگساز تھا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ہینگا ضلع بارہ بنکی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ پلنگ کے پایہ، پٹارے، دروازے کی جوڑیاں، گاڑیاں (شکرم وغیرہ) قفس، پالکی، میانہ، ہر قسم کے باجے (چوبی و غیر چوبی) وغیرہ نفیس بیل بوٹوں کے ساتھ حسب فرمائش ایسا رنگ دیتا تھا کہ جان صدقے ہو جاتی تھی۔ ہینگا نے اس فن کو گورکھپور میں کسی استاد کامل سے حاصل کیا تھا۔ علاوہ رنگسازی کے بانک، پٹے میں بھی نہایت ہوشیار تھا اور اس فن میں مرح خاں کا شاگرد۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں لاولد دنیا سے گذر گیا۔ ۱۰۵ برس کی عمر تھی۔ لکنگر مخفف ہے کمان گر کا، جس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہینگا کسی کمان گر کی اولاد سے تھا، جس نے آبائی پیشہ چھوڑ کر رنگسازی اختیار کی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہینگا عہد شاہی میں بذات خاص کمان بنانے میں مہارت پیدا کر کے "کمان گر" مشہور ہو گیا ہو۔ (قضیانہ حال مخدوم زادگان)

شیخو بخش، گھوڑے کا ساز بنانے میں دور دور تک مشہور تھا۔ اس کی نسل میں **مینڈی لال** بھی سادہ اور پُر تکلف ہر قسم کا ساز بنانے کے علاوہ تلوار، کٹار کی میان بھی حسب فرمائش ہر قسم کی قابلِ دید بناتا تھا۔ ۸۰ برس کی عمر میں تخمیناً پچاس برس ہوئے کہ مر گیا۔ اولاد میں سورج بلی موجود (کھرن ٹولہ حال مغلان)۔

خدا بخش، آتشباز، بھاگو کا بیٹا، قرب و جوار میں اس کی آتشبازی مشہور تھی۔ مگر قلعہ، ہوائی، پھلجھڑیاں خاص طور پر قابلِ تعریف۔ قریباً ۴۰ برس کا زمانہ ہوا کہ ۹۰ سال کی عمر میں فوت ہوا۔ اولاد میں گھورو زندہ۔ (خانزادہ حال چودھریان)

رمضانی، اصل نام رمضان بخش، حجام، فن جراحی میں فرد، مصوری و دستکاری میں اوستاد۔ اب سے ایک صدی قبل زندہ، پرانی وضع کا پابند، شملہ نما ٹوپی، بڑے پائینچے والا پاجامہ، چکن، زری کا جوتا پہنتا تھا۔ ناخواندہ تھا مگر شین و قاف درست، طرزِ گفتگو نہایت باسلیقہ، امیروں کا صحبت یافتہ، بڑے آن بان والا، چودھریوں کا خاص فرمان بردار تھا، بجز اُن کے کسی کی حجامت نہیں بناتا تھا۔ سپاہی بھی تھا۔ اولاد میں فقیر بخش، یادگار میں زری و بُراق ابتک موجود ۵ و مشہور۔ (نون ٹولہ شامل چودھریان)۔

۵ یہ زری اگرچہ بوجہ کہنگی عرصہ سے اپنی اصلی شان و شوکت کھو چکی ہے، تاہم اب سے بیس پچیس برس قبل محرم کی نویں تاریخ کو جب اسے چھوٹے چھوٹے خوبصورت ولایتی گلاسوں ہانڈیوں، جھاڑوں، قمقموں سے آراستہ کر کے چبوترے پر لاتے تھے اور گلاس روشن کئے جاتے تھے تو ایک دلکش عمارت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا تھا۔ زری و بُراق تخمیناً دس بارہ فٹ بلند تیار کی گئی تھی، جو دور سے سنگ مرمر کی تعمیر

ابراہیم عرف براہیم، نائی، جراحی میں کامل۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "اس نے منشی بینڈی لال صاحب کے والد کو، جو جذام کے عارضے میں مبتلا تھے، بالکل اچھا کر دیا تھا جس کی صلے میں علاوہ انعام و اکرام کے چار بیگھہ خام آراضی بطور معافی اُنھوں نے اسے عطا فرمائی تھی جو منشی ماتا پرشاد صاحب مرحوم (وکیل) کے زمانہ حیات تک بحال رہی۔" یہ بھی رمضانی کی طرح ماحاسدہ تھا، مگر تیں و قیافہ درست، بات چیت نہایت سلیقہ آمیز، طرز لباس میں بھی رمضانی کا مقلد۔ تخمیناً اب سے ۸۰ یا ۹۰ برس قبل زندہ۔ اس کا لڑکا کلسو بھی اچھا جراح تھا۔ ۹۰ برس کی عمر میں ۱۹۰۵ء میں فوت ہوا۔ اولاد میں چھنگا جراح موجود۔ (قضیانہ شامل مخدوم زادگان)۔

پیر بخش، نائی، از خاندان رمضانی، آبائی فن میں قابل تعریف۔ حجامت ایسی بناتا تھا کہ تین چار دن تک

معلوم ہوتی تھی۔ لیکن، موزونیت کے ساتھ جا بجا موقع سے اس میں جالی کا رنگین کام، نفیس بیل بوٹے، سنہری افشاں کا چھڑکاؤ وغیرہ صنعتیں بھی دیکھنے کے قابل تھیں۔ اس میں لکھنؤ کی تین مشہور عمارتوں، آصف الدولہ کا امام باڑہ، فرح بخش عرف چھتر منزل اور اُلٹی بارہ دری (قیصر باغ) کی خوبصورت نقل پائی جاتی ہے۔ براق بھی اُس وقت اپنی خوبصورتی میں لاجواب تھی۔ براق و زری کے بارہ میں مختلف روایات مشہور ہیں چند اُن میں سے یہ ہیں (۱) "براق کو رمضانی کے باپ یحییٰ" اور "تارا" زرگر دونوں نے مل کر بنایا تھا۔ زری یحییٰ کی عقیدتمندانہ زود طبیعت کا نتیجہ ہے۔ یحییٰ کے مرنے پر رمضانی نے اس میں اضافہ کر کے زری کو زیادہ بلند کر دیا تھا، جس کا آخری حصہ (چبوترہ) عرصہ سے غیر مستعمل ہو کر علیحدہ ہو گیا ہے (۲) مُلّے حجام کہتے ہیں کہ اب سے تخمیناً ۳۸ برس ہوئے جبکہ میں بارہ برس کا تھا، ایک دہلی کا مصور اس زری کی تعریف سُن کر دریا باد آیا اور زری کا نقشہ اُتارنا چاہا۔ محرم کی نویں اور دسویں دونوں دن پریشان رہا، مگر اچھی طرح کامیابی نہ ہوئی مصور کو اس وقت سب سے زیادہ حیرت ہوئی، جبکہ جانچ کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ زری چوبی نہیں ہے، بلکہ کاغذی ہے جس کا ڈھانچا بانس کی تیلیوں سے بنایا گیا ہے (۳) جب اس زری و براق کی شہرت لکھنؤ تک ہوئی تو بادشاہ نے رمضانی کو معہ زری و براق کے طلب کیا۔ رمضانی حسب الحکم دربار شاہی میں حاضر ہوئے۔ بعد ملاحظہ حکم ہوا کہ "ایک ہزار روپیہ لے لو اور زری و براق داخل کر دو"۔ یہ راضی نہ ہوئے۔ بادشاہ نے پھر ارشاد فرمایا کہ "تم خود جتنا مانگو دلا دیا جائے"۔ رمضانی نے دست بستہ عرض کیا جہان پناہ مالک ہیں، زری و براق لے لیجائے اور غلام کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے"، یہ سُن کر بادشاہ سلامت خاموش ہو گئے اور دونوں چیزوں کی واپسی کا فوراً حکم دیدیا۔ لیکن، بعض بزرگوں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ جب رمضانی طلب ہوئے، تو اُنھوں نے جلدی سے ایک دوسری زری معہ براق تیار کر لی جسے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا اور وہ داخل کر لی گئی جس کے صلے میں انعام و اکرام مرحمت ہوا۔ اس سے رمضانی کی عقیدتمندی مع فن صناعی اور زری و براق کی شہرت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے (۴) بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ اُلٹی بارہ دری والا حصہ رمضانی کے بعد ترمیم شدہ حصہ کے عیوض داخل کیا گیا ہے، جو چودھری محمد علی صاحب کی اختراع پردازی کا اعلیٰ نمونہ ہے جسے رمضانی کے لڑکے پیر بخش نے اُنھیں کے مجوزہ نقشہ کے مطابق تیار کیا تھا۔ چودھری صاحب اس فن میں خاص دستگاہ رکھتے تھے اور اگرچہ خود تعزیہ دار نہ تھے مگر معتقد بہت تھے۔ چنانچہ جب تک زندہ رہے، اس تعزیہ کے مہتمم و سرپرست رہے، اُن کے دم تک زری و براق کی اصلی شان و شوکت بہت کچھ قائم رہی۔ اب بھی چودھری صاحب کے خاندان والے تعزیہ کی تیاری میں امداد کرتے ہیں، جس کی وجہ سے آج کل اسے چودھری کا تعزیہ کہتے ہیں۔ —

کھونٹی نظر نہ آتی تھی۔ علاوہ اس کے پیراشٹرے کی باڑہ سے کپڑے پر چکن کا کام ایسا بنا دیتا تھا کہ بیل بوٹے اُبھر آتے تھے، جو ایک ہفتہ سے زائد تک قائم رہتے تھے۔ لیکن، اگر کپڑا مہینوں نہ دھلایا جائے تو، نشانات بدستور قائم رہیں شروع انگریزی تک زندہ۔ (نون ٹولہ شائل چودھریان)۔

بھولئی۔ خیاط آبائی فن میں اوستاد۔ بہ عہد سلطان واجد علی شاہ بادشاہِ اودھ شاہی پارچہ خانہ میں درزیوں کا جمعدار تھا۔ (محرّان)۔

شکرو، ڈہل کلوا کے بیٹے، دونوں اپنے فن میں قابل ہونے کے علاوہ سوزن کاری سے بھی اعلیٰ واقف سادہ انگرکھے کی سلائی دو روپیے سے کم نہیں لیتے تھے۔ سلائی ایسی کہ کپڑا پرزے پرزے اُڑ جائے، مگر سلائی پر حرف نہ آئے جس انگرکھے پر کٹاؤ کا کام حسب فرمائش بنایا جاتا تھا اُس کی اُجرت معہ سلائی کے کم از کم چار روپیہ اور زیادہ سے زیادہ دس روپیہ ہوتی تھی۔ شکرو کو کبوتروں کا بھی بڑا شوق تھا۔ انواع و اقسام کے قیمتی اور اعلیٰ کبوتر اپنے باپ کے ذریعہ لکھنؤ سے منگواتا تھا، اس لئے دور دور تک کوئی کبوتر باز اس کا مدِّمقابل نہ تھا۔ ۸۰-۹۰ برس کے سن میں دونوں نے یکے بعد دیگرے قضا کی۔

سرجو، زرگر، بھوانی پرشاد کا بیٹا، نہایت ہوشیار، بے مثل کاریگر، کٹک کی بنی ہوئی اشیا کی ہو بہو نقل کرنے میں لائقِ تعریف۔ تخمیناً ۸۰ سال کی عمر میں سنہ ۱۹ء کے قریب فوت ہوا۔ شاگردوں میں مخدوم زرگر لا پتا اور کنھئی و کا لڑکا زندہ موجود۔

آلہی۔ صیقل گر اپنے فن میں مشہور۔ تلوار کا جوہر ایسا چمکا دیتا تھا کہ طبیعت نثار ہو جاتی تھی۔ تلوار کی کاٹھی بھی خوب بناتا تھا۔

سالار بخش معروف سلاری خیاط، اپنے وقت کا نامی کاریگر۔ لکھنؤ میں شاہی درزیوں کا افسر تھا، گھوڑا سواری کے لیے عنایت ہوا تھا۔ اولاد میں اس کا پوتا اللہ دین موجود (چھیپی ٹولہ)

فقیر بخش۔ رمضانی نائی کا بیٹا، فن جرّاحی میں اپنے باپ کا شاگرد اور انھیں کے برابر مشہور، خط بنانے میں فرد، سوتے میں حجامت بنا دیتا تھا اور خبر نہیں ہوتی تھی۔ جب یہ کسی کا خط بنانے لگتا تھا تو اُسے نیند آنے لگتی تھی۔ بلیڈ منٹ میں ایسا خط بناتا تھا کہ شوقینوں کو ایک ہفتہ کے لئے اطمینان ہو جاتا تھا۔ بغیر پانی استعمال کئے خط بنا دینا اور ذرا بھی تکلیف نہ محسوس ہونا بھی اس کا ایک خاص کمال تھا۔ ہر امیر و غریب کی یکساں حجامت بناتا اور خوشی کے ساتھ اطاعت کرنا بھی اسی کا خاص حصہ تھا، جو اس کی نیک نیتی کی اعلیٰ دلیل ہے۔ یہ دستکار بھی تھا۔ اس نے دو چھوٹی مُورتیں ایسی خوبصورت بنائی تھیں، جن کے چہروں میں قابلِ تعریف رنگ و روغن کی وجہ سے دیدہ زیبی و دلکشی کی خاص صفت پائی جاتی تھی۔ ان مُورتوں کا قد بالشت بھر سے زیادہ نہ تھا، ایک ان میں سے اب تک موجود۔ فقیر بخش ۹۰ برس کی عمر میں لب سے نصف صدی قبل زندہ۔ اولاد میں رزاق بخش جرّاح، کسی قدر خوشحال۔ (نون ٹولہ شائل چودھریان)۔

ڈال چند۔ زرگر، سُبک اور نفیس زیور بنانے میں خاص طور پر قابلِ تعریف۔ غدر کے بعد ۸۰ سال کی عمر

مین فوت ہوا - (مخدوم زادگان)۔

سرجو - مُرلی سنار کا بیٹا، اپنے فن مین لاجواب - ولایتی زیور اور دھات کی چیزیں، کٹک کی نقرئی اشیاء دیکھ کر ہوبہو ویسے ہی بنا دیتا تھا کہ اصل و نقل کی تمیز نہیں ہوتی تھی - غالباً سنہ ۱۹۰۲ء مین بعارضۂ طاعون ۵۵ سال کی عمر مین قضا کی - اولاد کوئی نہیں - یادگار مین چھوٹا سا پختہ کنوان، مکان غائب - (مخدوم زادگان)۔

ہیرا - زرگر، یہ بھی اپنے وقت کا مشہور کاریگر تھا - اب سے نصف صدی قبل زندہ - **انگنو** - فرد و لحاف کے تبلنے اور سوتی و ریشمی کپڑون پر سنہرے رُپہلے بیل بوٹون کے چھاپنے مین فرد، تخمیناً ۸۰ برس کے سن مین اب سے ۴۴ برس قبل زندہ - **پرتھی** بھی اس فن مین خاص مہارت رکھتا تھا - ۳۰ برس ہوئے کہ ۸۵ سال کی عمر مین فوت ہوا - (چھیپی ٹولہ)

بھوسو - لایق نائی کا بیٹا، فنِ جراحی کے علاوہ بانک، پٹے، بانے مین بھی لایق فایق، اور اس فن مین مشہور استاد مدح خان کا شاگرد، نہایت نیک چلن، لاطمع، ہندو مسلمان سب کی اطاعت مین بدل و جان موجود، پابندِ مذہب بزرگانِ دین کا دلی فرمان بردار، حضرت تجمل حسین شاہ عرف حمق میان (از اولاد شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ) شاہجہان پوری کا مرید - بیان کیا جاتا ہے کہ بھوسو افیون کا دلدادہ ہر وقت پنک مین بیخود رہتا تھا - گرمی کے زمانے مین ایک روز فرنگی محل کے مشہور عالم مولانا عبد الرزاق صاحب مرحوم دریاباد تشریف لائے اور چھیدا میان کی مسجد مین وعظ دینے لگے - اس مقدس محفل مین بھوسو کے مرشد بھی تشریف رکھتے تھے - بھوسو پنکھا جھلنے کے لئے حاضر ہوا - اتفاق سے پنک آگئی، پنکھا مولانا کے شانے پر لگ گیا، اس پر بھوسو کے مرشد نے اُس کی طرف غصہ کی نظر سے دیکھا، یہ فوراً مسجد کے باہر آیا اور وضو کر کے قسم کھائی کہ، اب افیون نہ کھاؤنگا - کئی مہینے تک افیون ترک کر دینے سے یہ بیمار رہا - طبیبون نے رائے دی کہ اس چیز کو آہستہ آہستہ کم کر کے ترک کرو، دفعتہ ترک استعمال بیحد مضرت رسان ہے - مگر بھوسو نے صاف کہدیا کہ جس چیز کے باعث مرشد کی نگاہ ٹیڑھی ہوگئی وہ چیز اب بالکل حرام ہے، چاہے جو کچھ ہو، لیکن، آخر مین مولوی حکیم عبد العزیز صاحب مرحوم کے علاج سے بھوسو اچھا ہو گیا اور پھر تا زندگی افیون کا نام بھی نہ لیا - یہ ہندی سے واقف اور ہنس جواہر کا عاشق بھی تھا - ہنس جواہر کی قلمی کتاب ہندی خط مین اس کے پاس تھی، جسے بڑے شوق سے پڑھا کرتا تھا - ۶۰ سال کی عمر مین سنہ ۱۹۱۶ء مین لاولد فوت ہوا - شاگردون مین بانک، پٹے کے متعلق غلام محمد نداف، شیو رتن پانڈے، دوسی بھٹیارہ موجود۔

علی بخش - خیاط، اپنے آبائی فن کے ساتھ ساتھ بانک اور پٹے کے فن مین بھی خاص شہرت رکھتا تھا -

سید جھاری ڈمداری - شہنائی بجانے مین مشہور، بعمر ۶۰ سال اب سے ۴۰ برس قبل زندہ -

مُنّو ڈگھورے بھی اس فن مین کمال رکھتے تھے - مُنّو کی اجودھیا مین بڑی قدر تھی - ہر سال ساون کے میلہ کے وقت کنک بھون مین طلب ہوا کرتا تھا - بعمر ۷۰ سال سنہ ۱۹۰۹ء مین فوت ہوا -

کریم - از خاندانِ رمضانی حجام، تاشا بجانے مین قابل اور اس فن مین اپنے پڑوسی بھگت تمبولی کا شاگرد، اب سے ۲۰ برس قبل زندہ - اولاد مین عیدو موجود - جو اپنے باپ کے قدم بہ قدم چلنے پر کمربستہ -

غلام علی - نامی کفش دوز - یہ اتنا بڑا کاریگر تھا کہ اس کے بنائے ہوئے اعلٰی و ادنٰی ہر قسم کے کفش نہایت

خوبصورت اور سبک ہونے کے علاوہ یکساں طور پر مضبوط بھی ہوتے تھے۔ باوجود ان خوبیوں کے دام بہت واجبی لیتا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں ایک پختہ امام باڑہ کے علاوہ ایک پختہ مسجد بھی بنوائی تھی۔ امام باڑہ ۱۸۷۵ء کے بعد نیست و نابود ہو گیا جو ایک سرکاری کاغذ سے ثابت ہے۔ امام باڑہ مسجد سے دکھن طرف واقع تھا۔ مسجد اس وقت تک موجود اور موچیوں کے نام سے مشہور ہے۔ بیعنامہ نوشتہ شیخ جیون سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام علی ۱۲۲۹ھ میں زندہ موجود تھا۔ (کفش دوزان حال کٹیڑھی بازار)

گھرگی کمھار صراحیاں اور آبخورے خوب بناتا تھا۔ بہ عہد ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب ریاست رانی مئو میں اسی کے یہاں سے صراحیاں منگوائی جاتی تھیں۔ (مغلان)۔

مدح خان ۔ نیچہ اور سٹک بنانے میں اوستاد، ایماندار اور نیک۔ اس کا کام خوبصورت اور مضبوط ہوتا تھا۔ (کٹرہ روشن لال)۔

خدا بخش ۔ رحمان جولاہے کا لڑکا۔ اس کی زری و براق مشہور تھی۔ یہ تعزیہ دار تھا، تعزیہ فروش نہ تھا۔ تخمیناً ۹۰ برس کی عمر میں ۱۹۱۰ء میں فوت ہوا۔ اولاد میں گلبے لاتیا۔ (چودھری محلہ)۔

بھاگو ۔ اور اس کا لڑکا **احمد بخش** دونوں کبابوں کے لئے مشہور تھے۔ ہر قسم کے کباب مزیدار ہوتے تھے (چودھری محلہ)۔

حسب علی ، عرف جبلی، شیعہ، رنگریز، اپنے فن میں نہایت ہوشیار، نیک، اخلاق اور تہذیب کا مجسم پتلا اس کی زبان ایسی صاف اور شستہ تھی کہ اچھے اچھے پڑھے لکھے اس کے سامنے فصیح اردو نہیں بول سکتے تھے۔ اب سے تخمیناً تیس پینتیس سال قبل فوت ہوا۔ مہدی بھی اپنے وقت کا مشہور رنگریز تھا۔ (کٹیڑھی بازار)

لوسلے، بہودی ۔ تیلی، چھپر بندی میں مشہور۔ جس وقت رانی مئو کے اولو العزم اور نفاست پسند تعلقدار ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب نے برسات کے موقع پر پھوس کا بنگلہ تیار کرانا چاہا، تو یہی دونوں کاریگر طلب ہوئے تھے جنھوں نے ایسا خوبصورت اور مضبوط بنگلہ تیار کر دیا تھا کہ ٹھاکر صاحب خوش ہو گئے تھے۔ (ٹھکانی ٹولہ)

امام بخش و دانو ۔ نامی خوگیر دوز، ہیٹنگا خیمہ دوز اپنے فن میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ امام بخش اب سے نصف صدی قبل اور دانو و ہیٹنگا ۱۹۱۰ء میں موجود۔

سلار بخش و قادر بخش ۔ سنی المذہب، جولاہے، شیخ مشرف کریم عرف شیخ مشرف کے پوتے، مشہور دلال یہ دونوں حقیقی بھائی دریاباد میں کپڑے کی تجارت کے متعلق دلالی کرتے تھے۔ باہر سے جو سوداگر مال خریدنے آتے تھے وہ انھیں کے مکان پر ٹھہرتے تھے۔ ان کا کاروبار بہت اچھا تھا، بڑے دولت مند تھے، مکانات پختہ تھے۔ اب سے ڈھائی تین سو برس قبل موجود تھے۔ ان کی نسل میں حاجی حافظ عبد الجبار و محمد یوسف، عبد الغفور، عبد الرحیم اس وقت

سلسلہ مثل نمبری ۵۹۰، فیصلہ ۲۴ دسمبر ۱۸۶۶ء مقدمہ بیچ کی سرا، میاں کرم کریم عرف چھیدا میاں ۱۲ ۹۳ میاں عبد الرشید صاحب کے پاس موجود ۱۲۔

تک موجود - انھون نے نان بائی پیشہ کے ذریعہ خوب دولت پیدا کی ہے - کلکتہ مین روٹی کی دو دکانین ہین - حال مین دو منزلے پختہ مکانات تیار ہوئے ہین - یہ لوگ قابل سارکباد ہین کہ انھون نے پردیس جاکر محنت و مشقت سے روپیہ پیدا کرنے کے ساتھ ہی اپنے بزرگون کے مٹتے ہوئے نشانات کو از سر نو قایم کرکے اُن کا نام روشن کر دیا جو اُنکی سعادتمندی و حب الوطنی کا کافی ثبوت ہے - (جوہری محلہ، حال چھیپی ٹولہ)

ساٹھکا - بیان کیا جاتا ہے کہ، مرزا صاحب کے چند خاندانی معزز دربار شاہی مین ملازم تھے، ضرورت کے وقت ساٹھکا اُن کے پاس خط لیکر جاتا تھا اور ایک ہی دن مین لکھنؤ جاکر دریاباد واپس آتا تھا - یہ صبا رفتار قاصد ایک دن مین ۶۰ کوس یعنی ۱۲۰ میل چلنے کی طاقت رکھتا تھا، اس وجہ سے اس کا نام ساٹھکا مشہور ہو گیا تھا -

گھسیٹے و گردین - متمول، فیاض، مذہبی عقیدتمندی مین لایق ذکر - گھسیٹے رایصاحب کے یہان بوتات مین نوکر تھے - آٹے دال کی دوکان بھی تھی - دولت کثیر پیدا کرکے ایک معقول رقم نیک کام مین صرف کر ڈالی - اولاد مین تین لڑکیان - یادگار مین بلند اور عمدہ شیوالہ، چاہ پختہ معہ پوشالہ، دھرم شالہ (واقع میان گنج) گھسیٹے کے چچازاد بھائی گردین نے بھی دریاباد سے ۲ فرلانگ کے فاصلہ پر ٹکیت نگر والی سڑک پر چاہ پختہ معہ پوشالہ اور ایک دھرم شالہ تعمیر کر دیا یہ بھی خوشحال اور اچھے دوکاندار تھے - دونون بھائی ۶۰-۶۵ سال کی عمر مین ۱۹۰۸ء کے قبل فوت ہوئے - گردین کی اولاد مین گیا پرشاد موجود - ان کے یہان کی جنم آٹھمی مشہور اور کرشن جی کی جھانکی قابل دید - (ٹیڑھی بازار) -

گنیشی - حلوائی - اب سے بیس پچیس برس قبل گلاب جامن بنانے مین خاص کمال حاصل تھا - مہینون رکھے رہتی مگر کیا مجال کہ ذایقہ اور خستگی مین ذرا بھی فرق آجاتا - تھوڑا زمانہ ہوا کہ ۷۰ سال کی عمر مین فوت ہو گیا - (ٹیڑھی بازار) -

رگھبر - آہن گر، اپنے فن مین نہایت قابل، بندوق، طپنچہ، بائیسکل کی مرمت خوب کرتا تھا - بیکار شدہ پرزون کے عیوض اُنکی جگہ نئے پرزے بناکر قایم کر دینا کہ جو اصلی معلوم ہون، اس کا خاص حصہ تھا - برادری مین اپنے چودھری کے لقب سے شہرت تھی - آٹھ نو برس ہوئے، گذر گیا - (سنگلی ٹولہ حال برواری محلہ) -

چھٹا باب

عمارات، باغات، محلات، بازار وغیرہ کا بیان

پہلی فصل عمارتون کے بیان مین

قلعۂ شاہی - عالی شان پختہ قلعہ بشکل مخمس - پانچ برج قایم تھے جن پر ہر وقت توپین چڑھی رہتی تھین - قلعہ کے تین طرف اُدھر پختہ گہرا خندق تھی - دروازہ پورب جانب تھا - قریب ہی توپخانہ کی عمارت تھی قلعہ

مین فوج کے علاوہ ناظم اور چکلہ دار بھی رہتے تھے اور اُن کے ہیڈ کچہریون کے متعلق مکانات بھی بنے ہوئے تھے - آئین اکبری
مین اس قلعہ کا ذکر ہے - حدیقۃ الارض سے معلوم ہوتا ہے کہ دریا خان صاحب عامل نے اِسے پندرھوین صدی عیسوی
مین بنوایا تھا - لیکن مولوی کاظم علی صاحب کے بیان سے قلعہ کی تعمیر بارھوین صدی کے آخر مین پائی جاتی ہے اور شیخ
کرم کریم صاحب عرف چھید امیان کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ قلعہ چودھوین صدی مسیحی مین تعمیر ہوا تھا - غدر کے
بعد انگریزی عملداری مین قلعہ کی عمارتین منہدم ہو کر اسکول اور تحصیل کے متعلق جدید عمارتین تعمیر ہوئین ۱۸۶۴ء کے بعد
تحصیل کا دفتر شہی گھاٹ مین قائم ہوا اور ہائی اسکول بارہ بنکی منتقل ہو گیا - آج کل ٹل ورنا کیولر اسکول اور بورڈنگ
ہاؤس موجود - قلعہ کے متعلق اکثر برجون اور چار دیواری کے نشانات ظاہر - قلعہ کی خندق تالاب کی صورت مین "بڑا گڑھا" کے
نام سے مشہور - توپخانہ کا جنوبی حصہ کھیت اور شمالی حصہ پوسٹ آفس کی شکل مین نمودار - پوسٹ آفس کے دکھن طرف تھوڑی
دُور پر ایک پختہ کنواں ہے، جس کا سنگی کتبہ کرنیل گریگ صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر بارہ بنکی لے گئے - توپخانہ کی یادگار مین اب
صرف یہی کنواں باقی ہے - قلعہ مین بھی دو پختہ کنوین قدیم یادگار سے ہین جن کی حال مین مرمت ہونے سے اُن پر جدید
طرز تعمیر کا اطلاق ہوتا ہے -

چھٹنکی محل - اصل نام چھٹنکی ساہ کا ست کھنڈا، رام جی لال عرف چھٹنکی ساہ کی مشہور اور بہت بڑی عظیم الشان
خوبصورت عمارت، جو نہایت قدیم زمانے مین تعمیر ہوئی تھی - یہ محل سات منزل کا تھا دو مرتبہ کسی نواب کے حکم سے اس کے
تین منزل گروا دئے گئے اور دونون مرتبہ مالک مکان نے اُنھین تعمیر کرا دیا لیکن تیسری مرتبہ سخت حکم نازل ہونے پر پھر دوبارہ
منہدم شدہ حصے تیار نہین کئے گئے اور اُس وقت سے چھٹنکی محل صرف چار ہی منزل کا رہ گیا - اس مین دو زبردست تہ خانے
تھے، اور جس قدر لکڑی تعمیر مین صرف ہوئی تھی وہ سب منقش اور دلکش بیل بوٹون سے آراستہ تھی - اس محل کا کچھ حصہ
۱۹۰۰ء تک موجود رہا جس مین پنڈت برج نارائن صاحب بہت عرصہ تک قیام پذیر رہے - تیس پینتیس برس
کا زمانہ ہوا کہ سیٹھ پرکھ چند جوہری نے رائے صاحب کے ہاتھ فروخت کر ڈالا تھا جس کا اب کہین نشان بھی نہین - یہ محل
بہت بڑے وسیع رقبہ مین تعمیر ہوا تھا - (جوہری محلہ حال چھیپی ٹولہ) -

مہابیر جی کا مندر - نہایت قدیم اور مشہور و معروف مندر، جو چار بیگھہ ۱۲ بسوہ کی عمدہ پھلواری مین
واقع تھا پھلواری کی دیوارین پختہ تھین اور چارون طرف برآمدہ والی پختہ کوٹھریان بنی ہوئی تھین، پھاٹک پورب طرف
تھا - بیان کیا جاتا ہے کہ "یہ مندر قبل آباد ہونے دریاباد کے موجود تھا - دُور دُور کے راجہ مہاراجہ اس مندر کے معتقد تھے

---

۵۲ و ۵۳ ملاحظہ ہوں بیانات مولوی کاظم علی و حشمت اشرف و شیخ کرم کریم، مثل مقدمہ نمبری ۵۹، فیصلہ ۲۴ - دسمبر ۱۸۷۵ء -
اجلاس مولوی سید اکبر علی صاحب بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ضلع بارہ بنکی - راجہ پرتاپ بہادر سنگھ مدعی بنام امام علی مدعا علیہ، مقدمہ بیع کی ترا
۵۴ عالبا یہ مہربانی نواب برہان الملک بہادر (صوبہ دار اودھ) کی ہوگی جنھیں ایسی ہی قوم والون کی نمود و شہرت پسند نہ تھی، غیر قوم کی شان و
شوکت کب دیکھ سکتے تھے - قیصر التواریخ وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ شیوخ لکھنؤ کے مشہور و معروف قلعہ مچھی بھون کے پھاٹک کا نام شیخن دروازہ تھا -
اُس مین ایک سنگی ملواد لٹکتی تھی جسے نواب برہان الملک نے کاٹ کر پھنکوا دیا تھا ۱۲ -

جن مین سے راجہ درشن سنگھ والی اجودھیا کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہی۔ مندر مین جو مورت تھی وہ بڑی خوبصورت اور چھوٹی سی تھی، جو کسی خاص مسالہ سے گوبر کی بنی ہوئی تھی۔ دریاباد کے چکلہ دار بدری داس نے جب راجہ چھتر پتی تعلقدار ہڑہا پر سرکاری مالگذاری وصول کرنے کی غرض سے حملہ کیا اور انھین شکست دیکر گرفتار کرنے کے بعد تین برس کی بقایا وصول کرلی تو بموجب اپنے عہد کے مندر کو نئے سر سے ایک عالی شان اور نفیس عمارت کی صورت پختہ بنوا کر قدیم مورت کے بجائے پتھر کی مورت پانچ سو روپیہ کی بنارس سے منگوا کے اس مین استھاپت کی اور پرانی مورت اسی مندر مین دوسری جگہ رکھی گئی ۵۷ء کے غدر مین مندر چند بدمعاشون کی شرارت سی مسمار ہو کر غارت ہوگیا۔ عرصہ سے یہ شکستہ مندر ایک معمولی مکان بن گیا ہی جس کی جنوبی کوٹھری مین جدید مورت استھاپت ہی لیکن، قدیم مورت کا پتہ نہین ہی۔ پھلواری بھی کس مپرسی کی وجہ سے ویران ہوگئی ہی۔ تھوڑے زمانہ سے یہ مقام بابا پورن داس کے تکیہ کے نام سے مشہور ہی۔ اس مندر کے مصارف کے لئے ایک سو روپیہ[۱] سالانہ قدیم زمانے مین دربار شاہی سے مقرر ہوگیا تھا جو آخر شاہی تک برابر ملتا رہا۔ علاوہ شاہی عطیہ کے دیگر ریاستون سے بھی ۳۰ بیگھہ خام آراضی مندر کے لئے وقف تھی، جو ابتک بحال ہی۔ لیکن، راجہ صاحب ہڑہا اپنی معافی کی بابت کچھ لگان وصول کرلیتے ہین۔ (تکیہ پورن داس متصل تالاب دانا شاہ)۔

[۱] تصدیق کے لئے چند شاہی پروانون کی نقلیں ملاحظہ ہون (۱) پروانہ مہری گردھارا سنگھ معصوم چکلہ دریاباد رودولی وغیرہ۔ درمان سالیانہ بھیم داس بیراگی استھان سری مہا بیرجی واقع دریاباد خاص موسومہ کمبھیر سنگھ وڈوی سنگھ مالگذار موضع سراہی بابت ۱۲۵۵ فصلی کمبھیر سنگھ و ڈوی سنگھ مالگذار موضع سراہی پرگنہ دریاباد۔ مبلغ یکصد روپیہ سکہ کلدار کہ نصف آن پنجاہ روپیہ میشود از وجہ سالانہ بھیم داس بیراگی استھان سری مہابیرجی واقع دریاباد خاص از قدیم الایام مقرر و مجرائی دفتر معلی است و ہمیشہ بعنایت گذشتہ پیوستہ یافتہ آمدہ لہذا نگارش میرود کہ سال بسال حسب مذکورہ بابت سال الحال ۱۲۵۵ فصلی از جوائی وجود مامردہ رسانیدہ رسید ش باسد تا فی الحال موجب پروانہ ہا و رسید ش در حساب سال تمام الیتان مجرا و محسوب خواہد شد دریں باب تاکید مزید دانستہ حسب المسطور عمل آرد فقط المرقوم ہشتم رجب المرجب ۱۲۶۰ ہجری (۲) مہر راجہ بختاور سنگھ۔ برخوردار سعادت اطوار بھیم پرشاد لبابیت با شند معانٔہ نوشتہ بمہر وبیس برخوردار راجہ ہردت سنگھ بہادر موسومہ ایشان دربارۂ دادنی مبلغ یکصد روپیہ سکہ وجہ سالانہ بھیم داس بیراگی استھان سری مہابیرجی مقرری دریاباد مجرای دفتر معلی دریافت شد کہ ایشان ہنوز زر رسیدہ بیراگی مذکور رسانیدہ لہذا نگارش میرود کہ بموجب عملدرآمد قدیم و گذشتہ پیوستہ مجرائی دفتر معلی زر وجہ مذکورہ بابت ۱۲۵۵ فصلی رسانیدہ قبض الوصول ستانند دریں باب تاکید مزید دانستہ حسب الارقام عمل آرند زیادہ جز قلمی رود۔ مرقوم ہفتم ذیحجہ ۱۲۶۰ ہجری (۳) پروانہ دریا سنگھ معصوم چکلہ دار دریاباد وغیرہ بنام گوربرشاد سنگھ سیسوبہ ۱۲۶۰ھ (۴) پروانہ شیدا ور علی صاحب چکلہ دار دریاباد رودولی وغیرہ باسمٔی غضنفر حسین صاحب تحصیلدار دریاباد ۱۲۶۱ھ (۵) پروانہ راجہ مان سنگھ بہادر قایم جنگ ناظم بنام میر علی محمد تحصیلدار دریاباد ۱۲۶۲ھ (۶) پروانہ مہابل سنگھ صاحب چکلہ دار دریاباد وغیرہ بنام شیخ عاشق علی صاحب تحصیلدار ۱۲۶۲ھ (۷) پروانہ کمیدان گردھارا سنگھ صاحب چکلہ دار دریاباد رودولی بنام شیخ بخش علی مہر در دریاباد ۱۲۶۶ھ (۸) پروانہ راجہ ہردت سنگھ بنام بھیم پرشاد تحصیلدار سورجپور ۱۲۶۶ھ (۹) پروانہ راجہ مان سنگھ بہادر ناظم محالات دریاباد رودولی وغیرہ بنام میر فراکبر حسین صاحب ۱۲۶۲ھ (۱۰) پروانہ مرزا قاسم علی صاحب تحصیلدار پرگنہ دریاباد بنام چودھری حسین علی صاحب ۱۲۶۱ھ (۱۱) پروانہ راجہ ہردت سنگھ صاحب چکلہ دار دریاباد رودولی بنام ہربرشاد ۱۲۶۳ھ" یہ پروانے رگھوبیر دت کے پاس موجود ہیں جو ذریعہ وصیت نامہ محررہ ومصدقہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء مہنت بابا پورن داس آراضی و معافی و مندر و مکان وغیرہ جملہ جائداد پر قابض ہیں ۱۲

قلعہ کی مسجد عرف جامع مسجد، بعض کہتے ہیں کہ یہ مسجد بابر شاہ کے حکم سے تعمیر ہوئی تھی، بعض اسے عالمگیری مسجد کہتے ہیں۔ لیکن، بعنامہ نوشتہ رعایت اللہ بنام مولوی مخدوم بخش صاحب مورخہ ۲۷ صفر ۱۲۴۳ھ من حسن علی نائب قاضی بیتی نماز مسجد قلعہ دریاباد، سید عتیق اللہ موذن مسجد" تحریر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی بنیاد تعمیر قلعہ کے وقت قائم ہوئی تھی۔ شاہی زمانے میں عام طور پر اسے قلعہ کی مسجد کہتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ قلعہ کی قربت کی وجہ سے اس کا یہ نام پڑ گیا ہو۔ یہ مسجد بلا مینار کے ایک مختصر سی خوبصورت اور نہایت مستحکم عمارت ہے جسکی چھت ڈاٹ کی بنی ہے۔ مسجد کا درمیانی حصہ معہ گنبد ۳۲ فٹ بلند ہے، باقی دو حصے ۱۴ فٹ بلند۔ اندرونی فرش کا طول ۴۳ فٹ، عرض ۲۲ فٹ، آثار ۵ فٹ۔ صحن کا طول ۴۹ فٹ، عرض ۳۲ فٹ۔ چھت پر جانے کے لئے ادھر ادھر دو زینے ہیں۔ اس مسجد کی بیرونی دیواریں، معمولی دروازہ، حجرہ یا مسافر خانہ، غسل خانہ کی تعمیر جدید ہے۔ پختہ کنواں قدیم ہے۔ اس مسجد میں ہر جمعہ کو عام طور پر نمازیوں کی کثرت سے ایک خاص قسم کی رونق ہو جاتی ہے۔

بنّے مل کا پنچ محلہ عرف بنّے محل تعمیر کردۂ بنّے مل جوہری، دریاباد کے نامی گرامی محلات میں سے پانچ منزل کا ایک عظیم الشان محل تھا۔ (جوہری محلہ حال چھیپی ٹولہ)۔

دھنو سیٹھانی کا پنچ محلہ معروف بہ دھنو محل یہ بھی اونچی پنچ منزلی عمارت تھی۔ یہ محل زمانۂ حال کے مطابق متّو پانڈے اور منشی کامتا پرشاد صاحب کے مکان کے درمیان واقع تھا۔ اب سے ۳۰ برس قبل اس کی اکثر دیواریں شکستہ حالت میں موجود تھیں (ٹھکانی ٹولہ)۔

بنی خانہ - مشہور اور مقدس عمارت۔ مزار شاہ خوبان کی چار دیواری سے ملی ہوئی دکھن طرف واقع جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی مبارک نشان محفوظ تھا۔ افسوس اور تعجب ہے کہ ایسی قابل تعظیم تعمیر بھی غفلت کی نذر ہو کر بالکل بے نشان ہو گئی۔ (مخدوم زادگان)۔

سنگئی ساہ کا ست کھنڈا - عرف سنگئی ساہ کا محل، نہایت عظیم الشان اور اپنے وقت کی بہت بڑی نامی گرامی لاجواب عمارت۔ بیرونی حصہ ایک نامعلوم زمانے سے بے نام و نشان ہے۔ اندرونی حصہ (زنانخانہ) نصف صدی کے اندر کھنڈر کی شکل میں باقی رہ گیا ہے جسکی چار منزلی بیرونی دیواریں ۷۷ فٹ لمبی، ۱۰۳ فٹ چوڑی، اور ۴۰ فٹ بلند ہیں اگر ۱ فٹ بلند کرسی بھی شامل کر لی جائے تو کل بلندی تخمیناً ۷۰ فٹ ہوتی ہے۔ اب اس سے ست کھنڈے کی اصلی بلندی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس حصۂ مکان میں چاروں طرف تہ خانے بنے ہیں، جو خزانوں کے لئے وقف تھے۔ مکان کا خاص دروازہ اتر جانب صحن سے ۳½ گز بلندی پر واقع ہے۔ دروازے تک پہونچنے کے لئے آٹھ سیڑھیاں ۷ فٹ لمبی ۲ فٹ چوڑی بنی ہوئی ہیں۔ اس حصۂ محل کی کرسی میں تین طرف گوڑھے ہوئے کنگر لگے ہیں، جو سانچے میں ڈھالے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ کرسی سکریچ کی کانس، جو کنگروں ہی کی بنی ہوئی ہے اور جس میں خوبصورت ابھرے ہوئے بیل بوٹے کھدے ہیں، ایک عجیب چیز ہے۔ ان کنگروں پر اس قسم کے نشانات پائے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام در و دیوار پر چونے کے پلاستر کا نفیس کام کیا گیا تھا اور ہر کنگر علیحدہ علیحدہ معلوم ہونے کے ساتھ ساتھ رنگین نقش و نگار سے بھی مزین تھا، کانس

والے کنگردن کے بیل بوٹے بھی رنگین تھے۔ محل کی تعمیر میں جس قدر لکڑی صرف ہوئی تھی، وہ سب قابل دید نقش و نگار اور دلکش بیل بوٹون سے آراستہ تھی یعنی چوکھٹ، بازو، تختے، چھاتیین، کیواڑ، کھمبے، اُترنگ، کڑیان وغیرہ سب منقش۔ بعض بعض جوڑیون مین جالی کا ایسا کام کھدا ہوا تھا جسے دیکھ کر عقل دنگ ہو جاتی تھی ۱۹۱۳ء کے قبل یہ حصہ محل کسی قدر درست تھا۔ اس مین جو تہ خانے بنے ہین اُن کے راستے بہت مخدوش اور بھول بھلیان کی طرح پیچیدہ اور خوفناک ہین۔ راستے چار ہین یعنی پورب، دکھن، پچھم، نیچے اُترنے کے لئے صد ہا پختہ سیڑھیان بنی ہوئی ہین۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ محل پہلے ست کھنڈا قلعہ مشہور تھا فیض آباد کے کسی نواب[1] کے حکم سے تین منزل گروا دیئے گئے، اُس وقت سے اسے "سنگی ساہ کا محل" کہنے لگے اور یہ محل صرف چار منزل کا رہ گیا جو بہت بڑے وسیع رقبہ مین واقع تھا۔ محل کے پچھم طرف ایک ڈیوڑھی کی اعلیٰ تعمیر تھی۔ زنانے حصے (موجودہ کھنڈر) کے پورب طرف کھڑکی کے متصل ایک نہایت عمدہ پائین باغ تھا۔ صرف زنانے حصہ مین کواڑون کی چھوٹی بڑی سب ملا کر ۵۰۲ جوڑیان تھین، محل کے رقبہ مین ۲۶ چھوٹے بڑے پختہ کنوئیں تھے، جن مین سے کئی ایک اب بھی موجود۔ تمام محل بھر مین نیچے سے اوپر تک مضبوطی کے لیے دیوارون مین چھوٹے بڑے ہر قسم کے مجوسے (اچیلی چوکھٹے) لگے ہوئے تھے محل کی بیرونی دیوارون کی نیوین چار پانچ ہاتھ سے کم چوڑی نہین تھین۔ نیو کی گہرائی پانی کے قریب تک۔[2]

نواب شیر افضل کا امام باڑہ۔ اپنے وقت کی دلچسپ و اعلیٰ تعمیر۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نواب شیر افضل جان صاحب عامل دریاباد نے اسے تعمیر کرایا تھا۔ یہ امام باڑہ زمانہ حال کے مطابق اُس مقام پر تھا جہان پرانی کبڑیا کا کھیت ہے جو بستی سے پچھم طرف واقع ہے۔ اس کھیت مین اب بھی اکثر نشانات پائے جاتے ہین۔

شیش محل، رنگ محل۔ اپنے وقت کی بے مثل عمارتین، بانی حاجی محمد مصطفےٰ شاہ صاحب بزمانۂ اکبر بادشاہِ ہندوستان۔ شیش محل اور رنگ محل کے دلفریب اور شگفتہ نامون پر غور کرنے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ جگمگاتی ہوئی عمارتین کیسی فرحت بخش اور خوشنما بنی ہونگی، جن کی چمک دمک، رنگ آمیزی عجب بہار دکھاتی رہی ہوگی اور ان کے اہتمام مین کس قدر اولوالعزمی سے کام لیا گیا ہوگا اور کاریگرون نے تعمیر کے دلچسپ بنانے میں اپنی عجیب و غریب صناعیوں کے ذریعے سے کیسی کیسی اوستادانہ خیال آرائیون کا اظہار کیا ہوگا!!! (مخدوم زادگان)

رنگ بھون، لکشمی بھون۔ رنگ بھون یعنی عیش خانہ اور لکشمی بھون یعنی دولت کا گھر، اس سے قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ یہ محلات کسی وقت مین نہایت نفیس اور خوبصورت، شاندار تعمیر ہوئے ہونگے۔

امام باڑہ نصرت حسین۔ پورب پھاٹک کے باہر تھوڑی دور پر سنگی ساہ کے کنوئین سے متصل، کسی وقت یہ امام باڑہ دیکھنے کے قابل تھا۔ آج کل صرف زری والا حصہ یعنی بارہ دری شکستہ حالت مین موجود ہے جو دم واپسین بھر رہا ہے۔ دری بھی، جس مین جالی کا دلکش کام کھدا ہوا ہے چند روزہ مہمان۔ ایک سرکاری کاغذ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ امام باڑہ اس سے ۱۳۳ برس قبل تعمیر ہوا تھا اور اس کے متعلق پانچ بیگھہ الیسوہ پختہ آراضی دریاباد وغیرہ سے مالک امام باڑہ کو مرحمت

---

[1] غالباً یہ بھی نواب برہان الملک ہی ہونگے ۱۲۔ [2] نقل حکم و تجویز اجلاس منشی کریم احمد صاحب صدر مصرم سد ولبت مورخہ ۱۸ جنوری ۱۸۶۸ء، تجمل حسین مدعی ہیورا حج لی مرحوم پر تصدیق مدعا علیہ ۱۲۔

ہوئی تھی، جو شاہی پروانوں میں درج تھی (گو بند پور)۔

امام باڑہ غریب شاہ بیان کیا جاتا ہے کہ تخمیناً دو سو برس کا زمانہ ہوا، اسے غریب شاہ نے بنوایا تھا جو قبل غدر معمولی کھنڈر کی صورت میں باقی رہ گیا تھا، غدر کے بعد بے دخل ہو کر منہدم کرا دیا گیا۔ امام باڑہ کی قابل تعریف زری جو آئینہ والی زری کے نام سے مشہور تھی، اشک کہتہ حالت میں موجود۔ غریب شاہ کی نسل میں عیدو شاہ، کالا شاہ، سکو شاہ اس وقت تک زندہ اور زری کے محافظ۔ (سنگی کھیہ حال برتاب گنج)۔

شیخ فضل علی کا امام باڑہ - نہایت خوبصورت اور عالی شان امام باڑہ، بنا کردہ شیخ فضل علی صاحب چکلہ دار و رئیس - یہ امام باڑہ قیمتی شیشہ آلات سے آراستہ تھا۔ شیخ صاحب کے بیٹے نعیم اللہ صاحب کی وفات کے بعد، منشی نبی بخش صاحب عاصی جو انکھین کے خاندان سے تھے، مالک ہوئے، غالباً شروع انگریزی میں شکستہ حالت میں موجود تھا۔ (ٹھکالی ٹولہ)۔

روشن لال کا مکان - عظیم الشان امیرانہ عمارت - اس میں دو منزلے سہ منزلے نفیس اور دلکش مکانات بارہ دری، رنگ محل، محلسرا، ٹھاکر دوارہ، دیوانخانہ، نقارخانہ، نوبت خانہ، فیلخانہ، شترخانہ، اصطبل، گاؤخانہ وغیرہ ناموں سے مشہور اور سجائے ہوئے ایک عمدہ تعمیر تھے۔ افسوس ہے کہ دیوان روشن لال صاحب کی اس تابناک یادگار کے متعلق اب صرف بارہ دری کی ڈیوڑھی اور محلسرا کا نصف حصہ مع اپنے عماری دار دروازے کے شکستہ حالت میں باقی رہ گیا ہے۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ جس زمین پر نادر و نایاب عمارتیں بنی ہوئی تھیں، وہاں آج کل تنباکو کی کاشت ہو رہی ہے۔ جہاں نوبت و نقارہ کی سریلی صدائیں گونجتی تھیں، جہاں سنگھ گھڑیال بجتا تھا، ہر پہر کی مسرت خیز آوازیں آتی تھیں، وہاں چیل، کوّے، اُلّو بول رہے ہیں، ہر طرف سناٹا، ہو کا عالم، جدھر دیکھئے سائیں سائیں ہیبتناک منظر۔ (محرران)۔

ڈکھتوں کی حویلی - عالی شان اور دلچسپ تعمیر، جو خاص مہاراجہ تکیت رائے کے حکم سے تیار ہوئی تھی۔ اس میں دیوانخانہ، بالاخانہ، بارہ دری، محلسرا، وغیرہ کے ناموں سے سلسلہ وار دو منزلے، سہ منزلے مکانات بنے ہوئے تھے۔ بھوانی شنکر دکھیت کی یہ یادگار تخمیناً اب سے ۴۵ برس قبل کچھ کچھ اچھی حالت میں تھی، آج کل صرف کچھ حصہ کھنڈر کی شکل میں برائے نام باقی۔ (دکھیتانہ)۔

راجہ بھوانی پرشاد کا مکان - خوبصورت اور نفیس امیرانہ عمارت، جس میں دو منزلے سہ منزلے چہار منزلے مکانات تعمیر تھے۔ یہ مکان اب سے نصف صدی قبل کھنڈر بے نام و نشان ہو گیا۔ (محرران)۔

لیکھراج کا محل - اس خوشنما عمارت کو راجہ بھوانی پرشاد صاحب کے چھوٹے بھائی لالہ لیکھراج صاحب نے اپنے رہنے کے لئے مغلاکی محلہ میں بنوایا تھا۔ یہ دو منزلی تعمیر بلندی میں سہ منزلے سے کم نہ تھی، جو ۱۹۴۲ء میں بے نام و نشان ہو گئی جس کے متعلق اب ایک چھوٹا سا پختہ کنواں باقی رہ گیا ہے۔ (مغلن ٹولہ)۔

کمیدان کا امام باڑہ - مشہور و معروف امام باڑہ - اسے امیر خان صاحب کمیدان نے بنوایا تھا جو جامع

ؔ بعض حضرات اس امام باڑہ کو امیر خان صاحب کمیدان لکھنوی کا تعمیر کردہ خیال فرماتے ہیں جو عہد امجد علی شاہ بادشاہ لکھنؤ دریاباد کی فوج میں تعینات تھے، ساتھ امام باڑہ مذکور نواب سعادت علی خان بہادر کے وقت میں امیر خان کمیدان دریابادی نے تعمیر کرایا تھا۔ ۱۲

مسجد سے متصل، تو پخانہ سے ملا ہوا پورب طرف واقع تھا۔ غدر کے بعد نزول ہو کر منہدم کیا گیا۔

رائے صاحب کا مکان ۔ دو منزل کی وسیع اور اعلیٰ عمارت۔ مکان بھر مین چارون طرف مُسلسل جواب الجواب بلند عمارتون کی دلکشی، کمرون کی سجاوٹ، در و دیوار کی موزونیت اور نفاست ایک زبردست امیرانہ شان و شوکت کا پتہ دیتی ہے۔ ۱۹۰۵ء کے گزیٹیر مین اس عمارت کا ذکر ہے، جسے لایق مولف نے بجائے رائے راجیشور بلی صاحب کے رائے مہادیو بلی صاحب کے نام سے موسوم کر دیا ہے۔

پتھر کا شیوالہ ۔ مختصر مگر عمدہ تعمیر، طرز دہلی شکل، رائے مہادیو بلی صاحب کی مذہبی یادگار، پرگنہ دریاباد مین اس سے قبل پتھر کی کوئی عمارت نہ تھی۔ یہ شیوالہ اوّل سنگی تعمیر ہے، جو رائے صاحب کی جدّت پسند طبیعت کا ایک دل خوش کن جلوہ ہے۔ رائے صاحب ممدوح کی زندگی مین ہر سال کجلی تیج کی رات کو یہان ایک اچھا جشن منایا جاتا تھا۔ شیوالے کے اندر باہر چارون طرف (در و دیوار، چھت، چھجہ) جھاڑ، کنول، ہانڈیان، ہجابے، گلاس وغیرہ آراستہ کیے جاتے تھے۔ شیشہ آلات کی روشنی سے تمام خِطّہ جگمگا اُٹھتا تھا۔ فصلِ گرما کا آغاز ہوتے ہی دروازون مین خس کی ٹٹیان لگائی جاتی تھین۔ افسوس ہے کہ رائے مہادیو بلی صاحب کی وفات سے شیوالے کے متعلق دیگر تعمیرین وجود مین نہ آسکین جن کے لیے اکثر ضروری سامان فراہم بھی ہو چکا تھا۔

ڈپٹی صاحب کا مکان ۔ عظیم الشان مکان، مولوی حاجی عبد القادر صاحب ڈپٹی کلکٹر کی مستحکم یادگار۔ مکان کی بارہ دری وسعت اور خوبصورتی و بلندی کے لحاظ سے نیشاپوری طرزِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ معلوم ہوتی ہے۔ نہایت خوشی کی بات ہے کہ اس مکان کے آگے ۱۹۲۲ء مین ڈپٹی صاحب کے حقیقی بھتیجے اور بیٹون نے اپنی سعادتمندانہ کوششون سے ایک شاندار اور خوبصورت کوٹھی بنوا کر مکان کی شان و شوکت مین قابلِ قدر معقول اضافہ کر دیا ہے، جس سے اُن کی اُولوالعزمی و حب الوطنی ظاہر ہوتی ہے۔ (مخدوم زادگان)۔

دیوہرہ ۔ جینی مندر، سالِ تعمیر ۱۹۱۰ء، خاص مندر کی شکل مخروطی، تخمیناً ۔ فٹ بلند، مندر کا کلس سونے کے مُلمع سے معمور، بیدی کا فرش سنگِ مرمر اور سنگِ موسیٰ سے مزیّن، جس مکان مین یہ مندر واقع ہے، وہ بشکل مربع، عمارت مضبوط اور وسیع و خوبصورت بلند کرسی پر قایم۔ اس دیوہرہ کو دریاباد کے سراؤگون نے باہم شرکت مین چندہ کے ذریعہ سے تعمیر کرایا ہے۔ (سراؤگی محلہ)

باولی کنوان ۔ بنا کردہ سنگنی ساہ، بستی کے باہر پورب طرف، امام باڑہ حضرت حسین کے متصل، اب خشک کنوئین کا تحتانی حصہ زمین دوز ہو کر سڑک مین شامل ہو گیا ہے، ملحقی حصہ کی پیمائش سے معلوم ہوا کہ قطر ۱۶ فٹ، ھگت کی چوڑائی جو کنکرون کی بنی ہے ۱۶ فٹ، اونچائی ۱۰ فٹ اور محیط ۵۰ فٹ، پانچ سیڑھیان۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کنوئین مین باولی بنی ہوئی تھی اور اس کے چارون طرف اندرونی حصے مین چار منزلی عمدہ عمارتین تعمیر تھین۔ دو پختہ راستے تھے۔ ایک خاص سنگنی ساہ کے محل سے بذریعہ سرنگ کے قایم کیا گیا تھا، دوسرا عام لوگون کی سیر و تفریح کے لیے تھا۔ یہ کنوان اپنی خصوصیت کے لحاظ سے غالباً اودھ مین پہلی تعمیر ہے جس کے بہت دنون کے بعد لکھنؤ مین بہ عہد نواب آصف الدولہ بہادر اسی قسم کا باولی کنوان تیار کیا گیا تھا جو اس وقت تک موجود، اور جس کا جواب آج تک کسی دوسرے مقام پر دیکھنے

سُننے مین نہین آیا۔ روایت ہے کہ "ایک مرتبہ اس کنوئین سے پانی کا ٹم پھوٹنے پر گمان ہوا کہ سارا دریا اُد بہ جائے گا۔ لیکن سنگٹی ساہ نے کئی ایک وزنی لوہے کے توے ڈلوادیے، جس سے پانی کا زور کم ہو گیا"

تالاب پختہ بانی دیوان روشن لال صاحب، نفیس اور قابل دید تالاب۔ چارون طرف بلند اور پختہ دیوارین[۵] تھین۔ دکھن طرف مُجَسّون والے دو پھاٹک تھے۔ ایک گئوشالہ والا، دوسرا عام لوگون کی آمد و رفت کا۔ پورب طرف بہت بڑی عالی شان، خوبصورت دو منزلی کوٹھی تھی، جسے "تالاب والی کوٹھی" کے نام سے شہرت تھی۔ دکھن اور پچھم طرف بارہ دری نما لمبے چوڑے دو درجے والے چار دھرم شالے بنے تھے، پچھم ایک مختصر سا شیوالہ بھی بنوایا گیا تھا اُتر طرف زنانہ گھاٹ کی تعمیر ہوئی تھی۔ ان مین سے شکستہ تالاب، زنانہ گھاٹ اور شیوالہ موجود، باقی عمارتین عرصہ سے بے نام و نشان۔ تالاب کا طول ۳۴۵ فٹ، عرض ۲۳۲ فٹ۔ زنانہ گھاٹ، ایک مختصر سی عمارت دو درجون پر قایم ہے۔ آمد و رفت کے راستے مسدود ہو گئے ہین۔ عمارت کا اگلا درجہ جو بلندی پر ہے، ۳۴ فٹ لمبا ½ ۸ فٹ چوڑا، ادھر اُدھر دونون جانب دو کوٹھریان دوسرا درجہ، جو حوض کے قریب ہے، ۳۴ فٹ طویل، ½ ۱۲ فٹ عریض ہے، آمنے سامنے دو کوٹھریان۔ حوض کا طول ۳۴ فٹ، عرض ۲۳ فٹ ۴ انچہ، پورب پچھم دو دالان۔ یہ عمارت ۴۲ فٹ بلند ہے، آثار ½ ۴ فٹ، کُل عمارت ڈاٹ کی ہے۔ اس گھاٹ کے بیرونی حصے میں بھی سیڑھیون کے برابر دو مندرے پورب پچھم بنے ہوئے ہین۔ برساتی پانی نکلنے کے لئے پچھم شمال و جنوب دو نہرین (پختہ نالیان) بنائی گئی ہین، جن مین سے ہر ایک ۴۰ فٹ لمبی، ۳ فٹ چوڑی، ۵ فٹ گہری ہے، آثار ۳ فٹ سے زائد، نالیون کی زمین بھی پختہ۔ لکھنؤ کے مشہور شاعر منشی رام سہائے صاحب تمنا نے اپنی تالیف "افضل التواریخ" مین اس تالاب کو ساختہ کردہ الماس علی لکھا ہے۔ لیکن، یہ روشن لال کے نام سے مشہور رہے جس کی تصدیق ایک سرکاری مسل سے بھی ہوتی ہے۔ (ملاحظہ ہو بیان مولوی کاظم علی، باب ۶، فصل ۴، ذکر الماس گنج) علاوہ اس کے شیوالہ اور دھرم شالون کی تعمیر خود اس بات کی دلیل ہے کہ تالاب ہندو کا بنوایا ہے۔

دوسری فصل باغون کے بیان میں

سنگٹی ساہ کی پھلواری۔ رقبہ تخمیناً دو بیگہ پختہ، مشہور باغیچہ۔ اس مین دکھن طرف پختہ عمارتین تھین۔ عرصہ سے یہ باغیچہ ویران ہے۔ پختہ چار دیواری، پختہ کوٹھری معہ دالان، ایک چھوٹا سا پختہ کنوان، پختہ بلند دروازہ شکستہ حالت مین اب تک موجود۔ سنگٹی ساہ کی مُدَوّر قبر جو تخمیناً ۸ فٹ بلند ہے، اسی پھلواری مین بنی ہے۔ اس قبر کے قریب لمبے چوڑے پختہ چبوترے پر تین گول قبرین اور بھی ہین جو پنڈت دولہند، وکاس و سیتارام جیسین دھرم کے پُجاریون کی بیان کی جاتی ہین، جنھین یہ باغ سنگٹی ساہ کے خاندان والون نے سنکلپ کر دیا تھا۔ آج کل یہ ویران پھلواری پنڈت دولہند وغیرہ کی نسل مین پنڈت آدناتھ دطیو کے قبضہ مین ہے۔

شیوالہ والی پھلواری۔ رقبہ تخمیناً دس بیگہ پختہ، اپنے وقت کی مشہور و معروف نفیس پھلواری،

---

[۵] متصل دیوار شیوالہ والی پھلواری سے متعلق تھی ۱۲۔

بانی دیوان روشن لال صاحب - بیان کیا جاتا ہے کہ اس پھلواری مین انواع و اقسام کے میوہ دار درخت اور پھولون کے خوشنما چمن کھلے ہوئے تھے - باغ کا پختہ پھاٹک تالاب والی کوٹھی سے متصل دکھن طرف تھا - چاردیواری پختہ اور بلند تھی - اس مین ایک خوشنما کوٹھی اور چند پختہ مکان بنے ہوئے تھے - باغ تیار ہو کر شیوالہ کی تعمیر ہوئی تھی، اس لئے اسے شیوالہ والی پھلواری کہتے تھے ۔ مدت ہوئی یہ باغ اپنی بہار کھو کر کھیتون کی صورت مین منتقل ہو گیا ہے - اب صرف باولی کنوان اور شیوالہ باقی رہ گیا ہے - باولی کی گول عمارت مارہ پہل کی ہے، جس مین محراب نما آٹھ در محض نمائشی اور چار پانی بھرنے کے ہیں - عمارت کی چھت ڈاٹ کی تھی، جو گر گئی - یہ عمارت تخمیناً ۱۵ فٹ بلند اور کنوئین کی جگت پر قائم ہے - باولی کا راستہ دیوان روشن لال صاحب کے بعد مخدوش سمجھ کر بند کر دیا گیا - شیوالہ ویران نہ مورت ہے نہ گھنٹہ - شیوالہ کے پختہ حلقہ مین برسات کا آغاز ہوتے ہی کانٹون کی جھاڑیون، گھاس پھوس کی کثرت سے ایک دشوار گزار جنگل پیدا ہو جاتا ہے - شیوالہ کے قریب ہی مغرب طرف چند قدم پر دیوان روشن لال صاحب کی قبر پختہ چار دیواری کے اندر واقع ہے -

مٹھ والی پھلواری - شیوالہ والی پھلواری سے متصل اُتر طرف واقع اور اسی کے برابر وسیع اور خوشنما و قابل تعریف - اس کے بانی بھی دیوان روشن لال ہی تھے - دیبی کا مٹھ تعمیر ہونے کے باعث اسے مٹھ والی پھلواری کہتے تھے - اس مین بھی کئی ایک پختہ عمارتین تھین - نقل عرضی دعویٰ لالتا پرشاد وغیرہ مورخہ ۲۰ - اگست ۱۸۷۰ء سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پھلواری نیز شیوالہ والی پھلواری اُجڑی ہوئی حالت مین ۱۸۵۷ء کے بعد رہن ہو کر بندوبست کے زمانے مین (۱۸۶۲-۶۴ء) راجہ صاحب ٹہرارا کے قبضہ مین آگئی تھی اور ۱۸۷۰ء مین کچھ حصہ میدان اور کچھ حصہ کھیت ہو گیا تھا -

ٹھاکردوارے والی پھلواری - دلچسپ باغیچہ - بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے اس جگہ ایک معمولی آمون کا باغ تھا، جسے سورج بلی صاحب نے اپنے والد سیتل پرشاد صاحب کی وفات پر تیار کرایا تھا - سیتل پرشاد صاحب کی قبر اسی باغ مین ہے - باغ کے ساتھ ہی ٹھاکردوارے کی تعمیر شروع ہو گئی تھی - جب شیوراج بلی صاحب ریاست کے منتظم ہوئے تو انھون نے اس باغ کو از سرِ نو درست کرا کے ایک مختصر سی عمدہ پھلواری بنا دیا، جسے مندر کی وجہ سے "ٹھاکردوارے والی پھلواری" کہنے لگے - زمانہ کی نیرنگی دیکھئے! جہان کسی وقت رنگا رنگ کے خوشبودار پھول کھلتے رہے، سبزہ و گُل کے نظارے سے دل کو فرحت، آنکھون کو تازگی حاصل ہوتی رہی، انواع و اقسام کے میوہ دار درخت اپنی لطیف بہار دکھاتے رہے، طائرانِ خوش الحان کی زمزمہ سنجی سے دل باغ باغ ہوتا رہا، آج وہی خطۂ چمن افزا ویران ہو کر ایک وحشتناک میدان بن گیا ہے - مستطیل نما پختہ حوض جس مین رنگین مچھلیان تھین، عرصہ سے خشک، چھوٹی سی کوٹھی، چاہ پختہ، اور دو چار درخت اگلی شان یاد دلانے کو قائم و موجود لیکن، شکر کا مقام ہے کہ ٹھاکردوارے کے عیوض (جسکی شکستہ اور بوسیدہ عمارت بہت کچھ مخدوش ہو گئی تھی) حال میں جدید دو منزلہ مندر تیار ہو رہا ہے - عجب نہین کہ رائے راجیشر بلی صاحب بہادر اس ویران پھلواری کی طرف بھی کچھ توجہ مبذول فرمائین -

بہار باغ نفیس باغیچہ، نام کی موزونیت اور جدت قابلِ داد - پہلے یہ ایک معمولی میوؤن کا باغ تھا - رائے بہادر دیو بلی صاحب نے اسے از سرِ نو درست کراسکے ساتھ ہی ایک خوبصورت کوٹھی نما دو منزلہ پھاٹک بھی تعمیر کرا دیا، جو اپنے طرزِ خاص کی بناء پر غالباً ضلع بارہ بنکی بھر مین اوّل پھاٹک ہے - ممدوح کی زندگی تک اس مین وقتاً فوقتاً تفریحی سامان کا

قابلِ قدر اضافہ ہونے کے باعث روز بروز رونق بڑھتی رہی۔ پختہ چاہ، دیواری سے کی نوبت نہ آئی تھی کہ دفعتہً اُن کا انتقال ہو گیا۔ کچھ دن کے بعد کس مپرسی کی وجہ سے باغ کی ساری بہار رخصت ہو گئی۔ موجودہ مارئح برائے نام، پھاٹک جو کسی قدر غیر مکمل ہے، موجود۔

تیسری فصل محلّون کے بیان مین

جوہری محلّہ، اصل نام دسوالن ٹولہ، نہایت قدیم اور دولت مند محلّہ۔ جوہریون کی کثرت ہونے کے باعث اسے جوہری محلہ کہتے تھے۔ یہ جوہری مذہب جین کے پابند "دسوال" کہلاتے تھے۔ یہان بہت سے پختہ مکانات اِن دسوالون کے تھے جن مین چھٹنکی محل اب تک مشہور ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اِس محلہ سے ایک دم ۲۵ گھرون کے باشندے صرف لکھنؤ جا کر آباد ہو گئے اور باقی گھرون کے لوگ کانپور، بنارس، دہلی وغیرہ چلے گئے اور یہ محلّہ غدر کے قبل ہی بے نام و نشان ہو گیا۔ جوہری محلہ زمانۂ حال کے مطابق زنانہ اسکول سے متصل واقع اور دکھن طرف دُور تک آباد تھا۔

پٹھکانہ، عرف پٹھکانی ٹولہ، قدیم آبادی، پاٹھکون کی زیادہ آبادی ہونے سے اِس خطّہ کا نام پٹھکانی ٹولہ مشہور ہو گیا۔ یہ لوگ دولت مند اور شورہ پشت تھے۔ یہان جگاتی املی ایک مشہور درخت ہے، جسکی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ جو کوئی سودا بیچنے والا باہر سے اِس محلہ مین آتا تھا اُس سے پاٹھک لوگ "جگات" لیتے تھے اور "یہ جگات" اسی املی کے درخت تلے وصول کی جاتی تھی، جہان جگات یعنی چُنگی (محصول) لینے والون کی نشست رہتی تھی، اِس بنا پر اِسے "جگاتی املی" کے نام سے شہرت ہو گئی۔ بعض کہتے ہین کہ جگاتی نامے بھُورجی نے نصب کیا تھا اِس وجہ سے جگاتی املی کہنے لگے۔ اگن ہوتریون کے مشہور رگیہ اسی محلّہ مین ہوئے تھے۔ مدّت سے یہ محلّہ ویران اور معمولی محلّون مین شامل۔

دکھیتانہ۔ عرف دکھیتانی ٹولہ، کسی وقت مین یہ بہت بارونق محلّہ تھا، اِس مین ہر فرقہ کے لوگ آباد تھے۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر بارہ بنکی مین اِس کا نام آیا ہے۔ قبل مین یہان صرف دکھیتون کی زبردست نسل قائم ہوئی تھی، اِس وجہ سے دکھیتانی ٹولہ کے نام سے شہرت ہو گئی۔ سُنا گیا ہے کہ بھوانی شنکر دکھیت کے وقت مین یعنی اب سے سوا سو برس قبل یہان چالیس گھر پختہ صرف دکھیتون کے موجود تھے۔ یہان چار رگیہ، جو تین مختلف فرقون ادسٹھیون، جگدھریون، دکھیتون کے نام سے اب تک مشہور ہین، ہوئے تھے۔ اب سے ایک صدی قبل تک یہ محلہ اچھی طرح آباد رہا۔ بعد اُس کے زوال شروع ہوا اور رفتہ رفتہ یہ نوبت پہونچی کہ دکھیتون کے ۴۰ گھرون مین سے ایک گھر باقی رہ گیا، اسی طرح دیگر فرقے بھی آوارۂ وطن ہو گئے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ پورۂ خوبان کے پیشہ ور عموماً اور کوری خصوصاً اسی محلہ کے رہنے والے تھے، جو دکھیتون کی تباہی پر وہان جا کر آباد ہو گئے تھے۔ آج کل اِس محلہ کا مشرقی حصّہ (خاص کرمیون کی آبادی)۔ بجائے خود ایک محلّہ قرار دیا گیا ہے، جسے ملھیا تالاب کی رعایت سے "ملھیا محلہ" کہتے ہین۔

مخدوم زادگان۔ حضرت مخدوم آبکش کی نسلِ والون نے اُن کے نام سے اِس محلّہ کو منسوب کیا تھا۔ بارہ بنکی گزیٹیر مین اِس محلہ کا بھی ذکر ہے۔ پیشہ درون مین یہان اچھے اچھے لوگ آباد تھے جن مین سپر سازون کی خاص

شہرت تھی۔ اُنکی حویلیاں سہ منزلی چہار منزلی تھیں، اُن میں سے بعض رئیسانہ حیثیت رکھتے تھے جسکی تصدیق حدیقۃ الاقالیم سے بھی ہوتی ہے۔ آج کل یہ محلہ بھی بے رونق ہے۔

چودھریان، واجب العرض دریاباد مُحلّون کے بیان مین پورہ فتح علی عُرف چودھری محلہ تحریر ہے، جو اِس بات کی دلیل ہے کہ اِس محلّے کے بانی چودھری فتح علی صاحب تھے، جن کا نام محضر نامہ منجانب قاضی محمد نور الحق مورخہ ۲۲ جمادی الثانی ۱۱۸۹ھ اور حکمنامہ باسم ہمت و دھونکل مرقومہ ۷ رجب ۱۱۶۷ھ مین بہ گواہانِ حاشیہ درج ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہی کہ اِس محلہ کی بنیاد ۱۱۶۷ھ کے قبل یا ۱۱۶۷ھ اور ۱۱۸۹ھ کے درمیان قایم ہوئی تھی ضلع کی تاریخ مین اِس محلّہ کا یہی نام ہے۔ یہ محلّہ غدر کے قبل اچھی طرح آباد تھا۔ یہان ایک تالاب "رہ دیناتلاؤ" کے نام سے مشہور ہے جس کی نسبت لوگون کا بیان ہی کہ کسی وقت اِس تالاب کے گرد چارون طرف ایک جنگل تھا جس مین راہزن لوگ مسافرون کو لوٹ کر چھپ رہتے تھے۔ اِس گروہ کی سرغنہ ایک عورت تھی۔ اِسی وجہ سے تالاب کو پڑھے لکھے رہزنیاؤ بے پڑھے "رہ دیناتلاؤ" کہنے لگے۔ اِس محلہ مین دیگر پیشہ ورون کے علاوہ جولاہے زیادہ آباد تھے۔

خانزادہ، معروف بہ خانزادون کا مُحلّہ، بانی چودھری فتح علی صاحب تعلقدار قانونگو۔ بعضون کے نزدیک یہ محلہ بہت قدیم ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اِس مین خانزادون کے نوسو مکانات تھے، جو بڑے بہادر، شریف اور مشہور غُلّہ باز تھے، آصف الدولہ کے زمانے مین ایک فیلبان ہاتھی پر سوار اِس مُحلّہ مین آنکلا۔ ایک صاحب نے کہا کہ پردہ دارون کی بے پردگی ہوتی ہے، اِدھر ہاتھی نہ لاؤ" اُس نے کچھ خیال نہ کیا، اور ہاتھی مکان کے قریب پہونچ گیا۔ جب اُنھون نے دیکھا کہ آبرو جاتی ہے تو (اُس وقت اُن صاحب کے ہاتھ مین غلیل تھی اور کمر مین تلوار) پہلے اُنھون نے ایک غُلّہ ہاتھی کے ماتھے پر ایسا تاک کر مارا کہ ہاتھی نے چنگھاڑ کر غصہ کی حالت مین اُن کے مکان کا چھپر گرا دیا۔ بعد اُس کے اُن پر حملہ آور ہوا۔ اُنھون نے جلدی سے اُس کی سونڈ تلوار سے کاٹ لی۔ ہاتھی شور کرتا ہوا بھاگا۔ فیلبان نے چکلہ دار و ناظم سے اِس بات کی اطلاع کی۔ وہان سے اُن پر عتاب نازل ہوا۔ لیکن اُن کا ایک عزیز شاہی فوج مین افسر تھا اُس نے سارا واقعہ چکلہ دار سے بیان کر دیا۔ فیلبان کی خطا ثابت ہونے پر اُسکو سزا دی گئی۔ عرصہ سے یہ محلہ ویران ہو کر چودھری محلہ اور مخدوم زادگان مین شامل ہو گیا ہے۔

بازداران۔ سُنا جاتا ہے کہ چودھری صاحب کے مکان سے پچھم طرف تین چار سو پختہ گھر بازدارون کے بنے ہُوئے تھے، جن کا سلسلہ دُور تک پھیلا ہوا تھا اِس سلسلۂ آبادی کو بازدارون کا محلہ یا بازداران ٹولہ کہتے تھے۔ اِس آبادی کا کچھ حصہ اب سے نصف صدی قبل ایک معمولی ٹیلے کی صورت مین موجود تھا۔ قاسم شاہ ہنس جواہر کے مصنف اِسی محلہ مین رہتے تھے۔

سواران، عُرف سواران ٹولہ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ محلہ چھیپی ٹولہ کے دکھن طرف محلۂ مغلان سے متصل دُور تک چارون طرف واقع تھا جس مین دو ڈھائی سو گھر سوارون کے تھے۔ اِسی بنا پر اِسے سوارون کا محلہ کہتے تھے۔ دیگر پیشہ ور بھی اِس مین آباد تھے۔ آٹھ دس گھر پٹھان جانگ سوارون کے بھی تھے۔

کھرن ٹولہ۔ بانی کھرے کائستھ۔ واجب العرض دریاباد مرقومہ ۲۶ فروری ۱۸۷۰ء، دفعہ ۹ مین اس محلہ کا نام درج ہے۔ نصف صدی کے اندر ویران ہو کر محلہ مغلان مین شامل ہوگیا۔ کسی وقت اس کا شمار بڑے محلون مین تھا۔

مغلان معروف بہ مغلن ٹولہ، بانی سردار مرزا بخش اللہ بیگ صاحب مغل۔ بعضون کا بیان ہے کہ یہان اچھے اچھے امیر و معزز مغل لوگ آباد تھے، اس وجہ سے اسے مغلن ٹولہ کہنے لگے۔ بارہ بنکی گزٹیر مین اس محلہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ آج کل یہ محلہ بھی ویران ہے۔

محرّران، عرف محررن ٹولہ، بانی محررون کے مورث۔ بعض کے نزدیک محررون کی نسلی ترقی محلہ کی بنیاد کا باعث۔ بارہ بنکی گزٹیر مین اس محلہ کا بھی نام درج ہے۔ اس محلے مین ہر قسم کے باشندے آباد تھے، مگر کائستھون کی خاص طور پر کثرت تھی۔ یہ محلہ اب سے نصف صدی قبل اچھی حالت مین تھا۔ شاہی زمانے مین یہاں دیگر پیشہ ورون کے علاوہ محض تلوار کی باڑھ درست کرنے والے کاریگرون کے پچیس تیس گھر تھے جو غدر کے بعد دس پندرہ برس تک آباد رہے۔

چھیپی ٹولہ۔ یہان چھیپون کا ایک فرقہ "چھیپی پٹی وال" کے نام سے آباد تھا۔ یہ لوگ کپڑا چھاپتے تھے، اسی وجہ سے ان کو چھیپی پٹی وال کہتے تھے۔ انھین لوگون کی کثرت سے اس محلہ کو چھیپی ٹولہ کے نام سے شہرت ہوگئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس محلہ مین سوڈیڑھ سو گھر چھیپیون کے تھے، جو فرد و لحاف وغیرہ کے علاوہ ریشمی و سوتی کپڑون پر سنہرے، روپہلے بیل بوٹے بھی چھاپتے تھے۔ دیگر پیشہ ورون کی بھی اچھی خاصی آبادی تھی۔ عرصہ سے یہ محلہ بھی ویران اور معمولی محلون مین شامل ہے۔

سنگئی ٹولہ۔ بانی سنگئی ساہ۔ کسی وقت مین رونق و آبادی کے لحاظ سے اس محلہ کا شمار دریاباد کے خاص خاص محلون مین تھا۔ سنگئی ساہ کا مشہور محل "ست کھنڈا" اسی محلہ مین تعمیر ہوا تھا، جس کا کچھ حصہ کھنڈر کی صورت مین اب تک موجود ہے۔ واجب العرض دریاباد مین اسے برداری محلہ عرف سنگئی محلہ لکھا ہے، اور آج کل اسکو برداری محلہ کہتے ہین، سرکاری کاغذات مین بھی یہی نام درج ہے۔ لیکن تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ سنگئی محلہ کے قریب ہی برداری محلہ بجائے خود ایک محلہ تھا، جو مدت دراز سے نیست و نابود ہو کر کھیتون کی صورت اختیار کر چکا ہے اور موجودہ محلہ دراصل سنگئی ٹولہ ہے، جسکی شہادت کے لئے سنگئی ساہ کے محل کا عظیم الشان کھنڈر کافی ہے۔ ایسی حالت مین سنگئی ساہ کی یادمٹا کر زبردستی بردارون کے نام سے محلہ کو شہرت دینا واقعات کے لحاظ سے ایک حیرت انگیز اور اخلاقی نقطۂ نظر سے افسوسناک بات معلوم ہوتی ہے۔

گوبند پور۔ آباد کردہ گوبند پرشاد عرف سنگئی ساہ۔ گوبند پور موضع کی حالت سے ترقی کرکے دریاباد کا ایک زبردست مشرقی محلہ بن گیا تھا۔ اسکی آبادی متمول رعایا سے آباد تھی، اس مین پختہ مکانات تھے، ہر فرقہ، دھرم، قوم اور ہر طبقہ کے لوگون کی کثرت تھی۔ دھرم شالہ، پھلواری، باولی کنوان، اور چاہ[۵] پختہ کی بنیاد اسی محلہ مین قائم ہوئی تھی۔ ہر پرشاد دستھی کہتے تھے کہ ہمنے سنا ہے کہ دریاباد باولی کنوئین سے بھی آگے دور تک آباد تھا۔ پوربی دیبی کا مندر دریاباد کے اندر واقع تھا

[۵] عرصہ سے یہ کنوان زمین دوز ہو کر بے نام و نشان ہوگیا تھا۔ سمبت ۱۹۸۲ بکرمی میں درگا پرشاد نیساری نے صاف کرا کر از سر نو ملبہ اور لمبی چوڑی پختہ جگت بنوا دی۔ لیکن تعجب ہے کہ کنوئیں کے سنگی کتبہ میں اُنھوں نے اپنا تعمیر کردہ کندہ کرا دیا ہے، جو بالکل خلافِ واقعہ ہے ۱۲۔

پختہ مکانوں کی لمبی چوڑی زمین دور دور تک جا بجا ہمنے خود دیکھی ہین۔ ہمکو اچھی طرح یاد ہے کہ ہمنے اپنے لڑکپن میں ایک سرد آٹھ دس ہاتھ گہری کھُدتے ہوئے دیکھی ہے جس مین لکھوری سے بڑی لال لال اینٹین نکلی تھیں۔ گو بندپور کا بہت بڑا حصہ اب سے ۵۷ برس قبل ویران ہوچکا تھا۔ لیکن باقی حصہ سنہ ۱۸۶۲ء تک اچھی طرح آباد رہا۔ جس مین نقل روبکار محکمہ بندوبست (رائے گنیشی لال صاحب بہادر کا مشہور فیصلہ) کے مطابق امرت پنڈت، نرائن ناتھ، گنگا شوکل، ماتا دین برہمن، بسنت، اجودھیا، تسکر کاشتکار بھکھاری، سیوا، خوشحال، متھولال اگروال، ماتا دین کھُورجی، بسال بقال، فقیر بخش، حسب علی وغیرہ مختلف اقوام کے بہت سے پختہ وخام مکانات موجود تھے اور جس کی نسبت اسی کاغذ میں لکھا ہے کہ "قبل از بندوبست ہوسےپور و گوبندپور کی آبادی تھی؟ کوئی نہین جانتا تھا! اور ٹیکس بھی دریاباد مین لکھا ہے اور معاملہ باہمی و متعلق دیوانی و فوجداری ڈکلکٹری و رجسٹری و ماتمی و شادی و قرصہ و تجارت سب جانہ ہائے متنازعی (گوبندپور، ہوسےپور) کی سکونت دریاباد مین لکھی جاتی رہی۔ بندوبست سنہ ۱۸۶۲ء سے گوبندپور دریاباد سے خارج ہوکر ایک علحدہ موضع قرار دیا گیا ہے جس کا اب کہین پتہ نہین ہے۔

چوتھی فصل بازارون کے بیان مین

ٹیڑھی بازار۔ واجب العرض دریاباد میں اس کا اصل نام "پُرانی بازار" تحریر ہے جس سے اس کی قدامت کا پتہ چلتا ہے۔ مگر اس کے بانی کا نام اور آباد ہونے کا زمانہ ہنوز ایک حل طلب معما ہے۔ صاحب حدیقۃ الارض تحریر فرماتے ہیں: "شیخ احمد صاحب مرید حاجی مصطفیٰ صاحب (زمانۂ حیات سنہ ۱۰۷۹ھ) نے اپنی تصنیف تسبیح نامہ میں دریاباد کی آبادی و سرا و بازار وغیرہ کا ذکر کیا ہے" لیکن چونکہ یہ کتاب اس وقت نایاب ہے، اسلئے قیاساً کہہ سکتے ہین کہ شاید وہ بازار یہی پُرانی بازار ہو۔ اگر یہ قیاس مجبوراً صحیح مان لیا جائے تو بازار کی میعاد سنہ ۱۰۷۹ھ یعنی اب سے ۲۷۳ برس قبل ثابت ہوتی ہے۔ یہ طولانی بازار قدیم آبادی کے مطابق قصبہ کے وسط مین واقع ہے جس کا سلسلہ مغرب میں بیچ کی سرا سے کئی جگہ خم کھاتا ہوا پورب طرف نرائن حلوائی کی دوکان سے متصل چاہ پختہ و مندر کے سامنے ختم ہوجاتا ہے۔ اس ٹیڑھے پن کی وجہ سے لوگ اس کو ٹیڑھی بازار کہنے لگے۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین اس بازار کی چہل پہل، دوسری سہ منزلی عمارت والی دوکانوں کی باقاعدہ آراستگی قابل دید تھی، اور اُس وقت اِسے یہ خاص شرف حاصل تھا کہ نواب صاحب بھی والدہ بہو بیگم صاحبہ کی ملاقات کو مہینے میں کئی بار لکھنؤ سے فیض آباد جایا کرتے تھے، اسی آمد و رفت کے سلسلے مین وہ تھوڑی دیر کے لیے یہاں شاہ کی خدمت مین ضرور حاضر ہوتے تھے اور اس طرح اس دریادل بادشاہ کی رونق افروزی سے اکثر دوکاندار و سوداگر بیچنے والے نیز صدہا بیکس و محتاج اور ہر قسم کے سائل مالا مال ہوجاتے تھے۔ یہاں تین پختہ سرائین تھیں "بیچ کی سرا" جس کا ذکر آگے آئیگا، دوسری[۱] سوارون کی سرا، تیسری دھابا بھٹیاری کی سرا۔ کوتوالی (جہان آج کل ٹاؤن پولیس کا حالی مکان موجود ہے) کے آگے طوائفون کا

۱؎ رقبہ ۵ بیگھہ پختہ۔ اس میں چارون طرف پختہ کوٹھریاں تھیں جس کے آگے پختہ برآمدے سے ہوئے تھے، چار دیواری بھی پختہ تھی۔ پھاٹک ٹیڑھی بازار میں کوتوالی کے سامنے اُترطرف تھا۔ اس میں رسالہ کے چند سوار ہمیشہ رہا کرتے تھے اس وجہ سے اسکو سواروں کی سرا

پھکلہ تھا، جس مین دنرات گانے بجانے کا مشغلہ جاری رہا کرتا تھا۔ یہ چکلہ بہت سے پختہ مکانات کا ایک حلقہ تھا جس کا جنوبی پھاٹک منہدم ہو کر نئی صورت مین اب بھی موجود ہے، جسے شاہی مین طوائفون کا پھاٹک کہتے تھے۔ بازار مین بزاز، صراف، عطار، حلوائی، پنساری، تنباکو فروش، عطر فروش، ساقین، وغیرہ ہر قسم کے پیشہ ورون کی بہ کثرت دوکانین تھین۔ ضروریات زندگی کے متعلق کسی چیز کی کمی نہین تھی، تفریح و دلچسپی کا سامان بھی موجود تھا۔ تعجب ہے کہ بارہ بنکی گزیٹیر مین کٹرہ روشن لال اور پرتاب گنج کے بازارون کے تمول مین اس مشہور و معروف بازار کا ذکر غیر موزون سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا، حالانکہ یہ بازار وسعت و قدامت کے علاوہ رونق و آبادی مین بھی دونون سے ہمیشہ افضل رہا۔

جوہری بازار، عرف چوک، مختصر مگر دلچسپ و خوبصورت بازار۔ اس مین پہر دن چڑھے سے پہر رات تک ایک خاص قسم کی چہل پہل رہتی تھی۔ چارون طرف پختہ دوکانون مین گوٹا، پٹھا، جواہرات، نقرئی و طلائی زیورون کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ یہ بازار محض انھین چیزون کی دوکانداری کے لیے وقف تھا۔ یہان دیگر دوکاندارون کی بہ نسبت جوہریون کی دوکانین بہت زیادہ تھین، اسی رعایت سے اس کو جوہری بازار کہتے تھے کیا شان الٰہی ہے! جہان کبھی کندن برستا تھا، آج وہان دنرات خاک برس رہی ہے اور کہنے سننے کے لیے صرف چوک کا نام باقی رہ گیا ہے یا چوک کے نام سے ایک پختہ کنواں، جو زمانہ حال کے مطابق منوہر داس سراوک کے مکان سے تھوڑی دور پچھم طرف اب تک شکستہ حالت مین موجود۔

کہتے تھے۔ بیعنامہ نوشتہ محمد روشن (جو تحقیقات سے حبیبی ٹولہ کا رہنے والا معلوم ہوا ہے) میں یہ عبارت تحریر ہے۔ "مایانکہ محمد روشن قصبہ دریاباد صوبہ لکھنؤ [illegible] ایک قطعہ زمین پختہ واقع قصبہ مذکور متصل سرای جانب مشرق الخ سنہ ۱۱۹۸ ہجری" [illegible] العرض دریاباد مرقومہ سنہ ۱۸۷۰ء، سراؤن کے بیان میں اس کا ذکر نہین ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنہ ۱۱۹۸ھ یعنی سنہ ۱۷۸۴ء کے قبل یہ سرا تعمیر ہو چکی تھی اور سنہ ۱۸۷۰ء کے پیشتر منہدم ہو کر میدان ہو گئی تھی۔ آج کل اس کی زمین داخل کاشت اور سرا کے متعلق پختہ کنواں موجود۔ یہ سرا زمانہ حال کے مطابق ٹیڑھی بازار کی پشت پر لک رام کلوار کے مکان سے متصل، شیخ سلاح کے مزار کے قریب حبیبی ٹولہ مین واقع ۱۲

۵۲ عرف بھٹیاری سرا، بانی دھانا بھٹیاری۔ رقبہ تخمیناً دو ڈھائی بیگھہ پختہ، سرا کا پھاٹک پورب طرف تھا۔ دکھن طرف ایک عمدہ مسجد تھی جب سرا کا وجود باقی نہ رہا تو کس مپرسی کی وجہ سے مسجد بھی ویران ہو کر منہدم ہو گئی۔ لیکن، رسالہ کے سوارون نے چندہ کے ذریعہ بہت جلد اُسے از سر نو تعمیر کرا دیا اور ساتھ ہی اس کے اسلامیہ مدرسہ بھی اس مین قائم کر دیا۔ روبکار محکمۂ بندوبست ملک اودھ (فیصلہ رائے گنیشی لال صاحب بہادر، نمبر مقدمہ ۱۵) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ سنہ ۱۸۶۲ء مین موجود تھا۔ مسجد ایک زمانے سے آغا میر کے نام سے مشہور رہی جسکی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آغا میر بائیس برس کے سن مین دریاباد آکر آباد ہونے کے ساتھ ہی اس مسجد کے حجرے مین دن رات رہنے لگے صرف کھانے کی غرض سے مکان جاتے رہے۔ ایک مدت تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ چونکہ مسجد کا کوئی خاص والی وارث نہ تھا، اس لئے اسکی نگرانی بھی انھین کے ذمہ تھی۔ جب پُرانے واقف کار لوگ گذر گئے تو نئے آدمی بوجوہات بالا اسے آغا میر کی مسجد کہنے لگے۔ آغا میر نواسۂ میر محمد رسالدار (بعہد واحد علی شاہ ترچھا رسالہ ان کے ماتحت تھا) کے چھوٹے بھائی ان کی بہن حکیم برکت اللہ بیگ صاحب کے لڑکے مرزا محمد رضا بیگ صاحب کو منسوب تھیں۔ اسی سلسلۂ قرابت نے آغا میر صاحب کو دریاباد کھینچ لیا تھا سنہ ۱۹۱۹ء مین وفات پائی، ۹۷ برس کی عمر تھی۔ اولاد مین بڈھو میان موجود ۱۲۔

سنگئی ساہ کا بازار - بانی سنگئی ساہ، سنگئی ساہ کے محل سے متصل اُتر طرف واقع - یہ بازار بہت بڑا لمبا چوڑا اور شاندار تھا شمال وجنوب سڑک کے دونوں طرف پختہ اور بلند دوکانیں تھیں، پورب پچھم دو عالی شان پھاٹک تھے، تین طرف پختہ دیوار قایم تھی، دکھن طرف محل کی عمارت کا سلسلہ تھا - اُتر طرف دوکانوں کی پشت پر گنج کی آبادی تھی - تخمیناً ۰ سال سے اس مقام پر پرتاب گنج آباد ہے -

الماس گنج - عرف پُرانا کٹرہ یا کٹرہ روشن لال، دیوان روشن لال صاحب نے اپنے ولی نعمت رکن الدولہ میاں الماس علی خان صاحب بہادر کے نام سے آباد کیا تھا - بارہ بنکی گزیٹیر میں اسے بازار روشن لال تحریر کیا گیا ہے - اس کے چاروں طرف ۵۳۰ فٹ لمبی، ۴۲۰ فٹ چوڑی، تخمیناً ۱۵ فٹ بلند شہر پناہ تھی - پورب پچھم دو بڑے دو پختہ پھاٹک تھے - گنج میں ہر قسم کے لوگ آباد تھے - آبادی کا زیادہ حصہ ہنر مند پیشہ وروں سے معمور تھا - بازار میں بڑی رونق رہتی تھی - سڑک کے دونوں طرف معہ برآمدے کے، پختہ دوکانیں تھیں ٹھٹھرائی، بزازہ، صرافہ، بکرا وغیرہ سبھی کچھ موجود تھا - آمنے سامنے دو پختہ سرائیں تھیں - جانب مشرق گئو شالہ کی ایک عالی شان عمارت تھی، جو گئو خانہ کے نام سے مشہور تھی - اس کے ایک مختصر حصے میں حمام بھی تھا جس کا فرش لال پتھر کا تھا - ۶۴-۱۸۶۳ء کے درمیان گئو خانہ میں جیل خانہ قایم ہوا - بعد اس کے ایک اسکول کھولا گیا، پھر ٹراہا کورٹ کی کچہری آدھمکی - غالباً ۱۸۸۰ء میں اس عمارت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا - ۱۹۱۰ء میں نصف حصہ گنج معہ شہر پناہ، دوکانات و سرا و مشرقی پھاٹک کھُدکر ویران ہوگیا - اب صرف جنوبی حصہ شکستہ اور ناگفتہ بہ حالت میں اپنی اگلی شان وشوکت پر رونے کے لئے باقی رہ گیا ہے - مغربی پھاٹک بھی زیادہ دن تک قایم نہیں رہ سکتا - موجودہ حصہ کی سرا بھی برائے نام - اس میں ایک مسجد ہے، جس کے سنگی کتبہ سے پایا جاتا ہے کہ یہ مسجد ۱۲۰۳ھ میں تعمیر ہوئی تھی، غالباً گنج کے آباد ہونے کا بھی زمانہ یہی ہو - سنگی تحریر حسب ذیل ہے -

بحکم خداوند الماس علی	باکرد مسجد بہ شان تمام
بفضل الامین ورحمت علی	شدہ روشن از ہند تا روم وشام
بجستیم تاریخ سالش زہاتف	ندا داد آنست بیت الحرام

۱۲۰۳ھ

"بحکم خداوند الماس علی" سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مسجد الماس علی خان صاحب کے حکم سے تعمیر ہوئی تھی - اسی طرح الماس گنج کا نام اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اسے الماس علی خان صاحب نے تیار کرایا تھا - شاید انھیں وجوہ سے تمنا صاحب لکھنؤ کے مشہور شاعر وسابق ڈپٹی انسپکٹر مدارس ضلع اناؤ، منشی رام سہائے صاحب ساکن نوبستہ نے اپنی تالیف "افضل التواریخ" میں گنج کو بنا کردہ الماس علی خان تحریر فرمایا ہے - لیکن، اصل واقعہ یہ ہے کہ گنج اور مسجد دونوں کے بانی مبانی دیوان روشن لال ہی تھے - عام طور پر بھی یہی مشہور رہا کہ گنج کو روشن لال صاحب نے آباد کیا تھا اور مسجد بھی انھیں نے بنوائی تھی - ایک سرکاری مثل[۵] سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے، جس میں

[۵] ملاحظہ ہو مثل مقدمہ نمبری ۵۹۰، فیصلہ ۲۴ - دسمبر ۱۸۷۵ء، اظہار مولوی کاظم علی گواہ، اجلاس مولوی سید اکبر علی صاحب بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ضلع بارہ بنکی، راجہ نرندر بہادر سنگھ تعلقدار ٹراہا مدعی، رائے اجلام علی تعلقدار ردولی مدعا علیہ مقدمہ مسیح کی سرا ۱۲

تحریر ہے: ''در تعلقہ کے مجتمع زمین گنج وعمارات وتالاب ومسجد وغیرہ کے لئے روشن لال دیوان الماس علی خان کو ریاست ہٹرا سے دی تھی''۔ علاوہ اس کے گنج مین ایک عمارت گئوشالہ کے نام سے تعمیر ہوئی تھی، جس کا ذکر اوپر ہو چکا اور جو نصف صدی کے اندر موجود تھی۔ یہ گئوشالہ مع گنج روشن لال صاحب کے بعد اُنکے چھوٹے بیٹے مہی لال کی نسل مین لالتا پرشاد وغیرہ کی ناعاقبت اندیشی سے تباہ و برباد ہوا گئوشالہ کی اینٹین فروخت ہوئین، نصف تہہ بنیاد مع سرا نیلام ہوئی، باقی نصف گنج پر راجہ صاحب ہٹرا بذریعۂ رہن اس وقت تک قابض ہین۔ اگر گنج اور مسجد کا بنیادی پتھر الماس علی خان نے رکھا ہوتا تو نہ روشن لال کی شہرت ہوتی۔ قابل دید گئوشالہ تعمیر ہوتا اور مہی لال پرشاد وغیرہ گنج کے جائز مالک قرار دئے جاتے، بلکہ گورنمنٹ خود اسے بے دخل کرنے پر مجبور ہوتی۔ الماس علی خان نے جو گنج آباد کیا تھا وہ میاں گنج ہے، جہان اُن کے نام کی ''بارہ دری'' باوجود نیست و نابود ہو جاتے کے اتنا مشہور ہے۔ اُس گنج اور بارہ دری کے بارہ مین روشن لال کا کوئی نام بھی نہیں لیتا، حالانکہ اُس کے مہتمم یہی تھے۔ مثل مقدمہ سرائے الماس گنج (بھینگن بھٹیاری مدعی، راجہ صاحب ہٹرا مدعا علیہ) اور بعض بزرگون کے بیانات سے بھی یہی پایا جاتا ہے کہ گنج اور مسجد کے بانی روشن لال صاحب تھے۔ (بیانات روشن لال صاحب کے ذکر مین ملاحظہ ہون) گنج کو الماس گنج اور مسجد کے کتبہ مین الماس علی کا نام ظاہر کرنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگلے زمانے کے نیک آدمی شہرت پسند نہین ہوتے تھے اور جس کا کھاتے تھے اُس کا گاتے تھے، روشن لال صاحب بھی نیک اور اپنے مالک کے بہی خواہ تھے (ملاحظہ ہو پنڈت بیتا نند کی چٹھی روشن لال صاحب کے بیان مین) سیر یہ کہ الماس علی خان کی بدولت غریب سے امیر ہو گئے تھے؛ اس لئے ''جس کی جُو، اُسکی پر'' خیال کر کے انھون نے بجائے اپنے نام کے اپنے آقا کی شہرت مناسب سمجھ کر یہ کارروائی کی کہ گنج کو الماس علی کے نام سے موسوم کر کے مسجد مین انھین کے نام کا کتبہ لگا دیا جو روشن لال صاحب کی روشن خیالی کی ایک روشن اور صاف دلیل ہے۔

کٹرہ درباری لال کا بازار۔ خوشنما چوپڑ کا بازار، تفریح و دلچسپی کے لحاظ سے چوک لکھنؤ کا مختصر نمونہ ہر طرف پختہ دوکانون کے سلسلے مین اکثر دوکانین دو منزلی سہ منزلی تھین، جن کے بالائی کمرے حسین طوائفون سے آباد تھے۔ بازار مین شام سے پہر رات تک (۶ بجے سے ۱۰ بجے تک) خاص طور پر رونق رہا کرتی تھی۔ شوقین تماشائیون کا ہجوم، پالی پلانے والون کے ڈول کی کھٹکھٹاہٹ، پھولون کے گجرے اور ہار بیچنے والون کی آوازین، میوہ فروشون کی صدائین بے فکرون کی متر گشتیان، البیلے نوجوانون کی نرالی جھانک تاک، خوبصورت ساقیون کے جمگھٹے، حسینون کی دلفریب نظر بازیان، گانے بجانے کا دلچسپ مشغلہ، دوکانون کی باسلیقہ سجاوٹ وغیرہ سمان دلون پر ایک عجیب اثر پیدا کرتا تھا۔ کٹرہ کا اصلی نام نواب گنج تھا، شکل مخمس، رقبے مین الماس گنج سے دو چند۔ روشن لال صاحب کے بڑے بیٹے لالہ درباری لال صاحب چکلہ دار نے نواب آصف الدولہ بہادر کے نام پر نواب کی رعایت سے نواب گنج رکھا تھا، جو الماس گنج کے سلسلے مین پچھم طرف واقع۔ حلقہ کی دیوارین پختہ تھین، چھ پھاٹک تھے۔ پہلا الماس گنج کے مغربی پھاٹک سے قریب، دیوان روشن لال صاحب کے مکان کا گذرگاہ تھا۔ دوسرا تالاب پر جانے کے لئے، تیسرا گئوگھاٹ کے متعلق

چوتھا رام نگروالی سڑک پر، پانچواں پچھم طرف، چھٹا دکھن طرف۔ ان مین سے مغربی پھاٹک دو منزلہ تھا اور باقی سب بُرجیون والے تھے۔ اُتر طرف پختہ سرا تھی، دکھن طرف آبادی، جس کا کثیر حصہ لکھنؤ کے باشندوں سے آباد تھا باشندے پیشہ ور اور خوشحال تھے۔ ماتادین ٹھٹھیر بیان کرتا تھا کہ ”واجد علی شاہ کے زمانے مین یہ کٹرہ بالکل ویران ہوگیا تھا۔ قناتی دیوارین، سرا، بازار کی دوکانین وغیرہ سب بے نام ونشان ہوچکی تھین، صرف الماس گنج کے مغربی پھاٹک سے متصل دونون طرف پندرہ بیس دوکانین اور برائے نام پھاٹک کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تھا۔ ان دوکانون مین ہر وقت شراب وگوشت اور کھانے پینے کی چیزین بکا کرتی تھین بعض دوکانین خوبصورت ساقنون کی نشستگاہ تھین۔ شام کے وقت اس مقام پر تماشائیون کا اچھا مجمع ہوجاتا تھا۔ پھولون کے ہار بیچنے والے، پانی پلانے والے بھی موجود رہتے تھے۔ ہمارے دیکھتے ہوئے اب سے نصف صدی قبل یہ سب باتین ایک افسانہ ہوگئین۔“

پانچوین فصل دھرم شالون اور سراؤن کے بیان مین

سنگئی ساہ کا دھرم شالہ۔ بہت بڑی پختہ عالیشان عمارت، گوبند پور مین پھلواری اور باولی کنوئین سے متصل واقع۔ اس مین خیرات خانہ بھی قایم تھا۔ اب سے سو برس قبل ندارد۔

لٹّو سیٹھ لچھی سیٹھ کے دھرم شالے مشہور ومعروف دھرم شالے اپنے وقت کی اچھی عمارتین افسوس ہے کہ ان دھرم شالون کی نسبت یہ نہ معلوم ہوا کہ کہان پر تھے اور دریاباد مین کب تک قایم رہے۔

دھرم شالہ بیچن لال یہ دھرم شالہ بہت بلند اور وسیع رقبہ مین واقع ہونے کے علاوہ دومنزلی خوبصورت عمارت بھی تھی، جسے بیچن لال کے دادا نے بنوایا تھا، جو اپنے وقت کے بڑے دولت مند اور دھرماتما مشہور تھے۔ اس مین جس قدر سادھو اور غریب ہندو مسافر آکر ٹھہرتے تھے، سب کو خوراک مفت روزانہ تقسیم کیجاتی تھی۔ مدّت دراز کے بعد اس دھرم شالے کو بیچن لال کے نام سے شہرت ہوگئی تھی جنھین بیاسی مین اپنے باپ دادے سے بھی زیادہ دلچسپی تھی۔ دھرم شالہ کے متعلق چاہ پختہ اب تک باقی۔ (گھڑیا لی محلہ)۔

پرانی سرا۔ عرف بیچ کی سرا، لمبی چوڑی اچھی خاصی پختہ سرا تھی۔ پورب پچھم دو بلند پھاٹک تھے، ٹیڑھی بازار کے مغربی سرے پر واقع تھی۔ پہلے اسے پرانی سرا کہتے تھے جب الماس گنج مین سرائین تیار ہوئین تو ٹیڑھی بازار اور الماس گنج کی سراؤن کے درمیان واقع ہوجانے کے باعث اسکو ”بیچ کی سرا“ کے نام سے شہرت ہوگئی۔ یہ سرا شاہی تھی، قلعہ سے تعلق تھا، شاہی عملہ اس کی مرمت کرواتا تھا۔ اس سرا کے منہدم ہوجانے کے بعد اس کی زمین پر اُتر دکھن دو سرائین بنوائی گئین تھین جس کی تصدیق ایک سرکاری کاغذ (مثل مقدمہ نمبری ۵۹، راجہ صاحب ٹڑا با مدعی، رائے ابھرام بلی مدعا علیہ، مقدمہ بیچ کی سرا) سے بھی ہوتی ہے، جس مین تحریر ہے کہ اتھین جھنگی اور سینگن بھٹیاری نے تیار کرایا تھا اور جنوبی سرا کا پھاٹک بخشی رام پرشاد نے بنوایا تھا جسکی تعمیر ۱۲۹۵ فصلی مین ہوئی تھی۔“ اُتر طرف والی سرا ۱۸۷۰ء کے قبل نیست ونابود ہوچکی تھی، مگر جنوبی سرا اب تک ناگفتہ بہ حالت مین موجود اور چند روزہ مہمان تعجب ہے کہ یہ

سرا راجہ صاحب ہرڈا کے قبضہ مین ہے اور وہ خبر نہین لیتے ۔

الماس گنج کی سرائین عرف کٹرہ کی سرائین، بانی دیوان روشن لال صاحب، یہ پختہ سرائین اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے بہت مشہور تھین ۔غریب مسافرون سے کرایہ نہین لیا جاتا تھا اور ان کو خوراک مفت تقسیم کی جاتی تھی۔ اس بارہ مین دیوان جی کا سخت حکم تھا۔ اگر کسی قسم کی شکایت سنی جاتی تھی تو بھٹیارون سے سخت باز پرس ہوتی تھی۔ یہ دونون سرائین طول و عرض اور خوبصورتی مین یکسان تھین صرف اتنا فرق تھا کہ جنوبی سرا مین مسجد بھی تھی اور کنوان بھی تھا، لیکن شمالی سرا مین فقط ایک چاہ پختہ کی تعمیر ہوئی تھی۔ شمالی سرا سنہ ۱۹ء سے بے نام و نشان ہے جنوبی سرا ابھی برائے نام باقی ہے جس کا طول ۱۳۷ فٹ عرض ۱۳۱ فٹ ۔ ۴۳ کوٹھریان، برآمدے مع دالان، درون کے پختہ چوکور ستون جا بجا موجود۔ مسجد کی چھت ڈاٹ کی بنی ہے، آثار ۳۰ فٹ، مینار و درمیانی گنبد چھت، محرابی در ابھرے ہوئے بیل بوٹون سے آراستہ، مینارون کی بلندی تخمیناً ۵۰ فٹ۔ مسجد کا طول ۵۰ فٹ، عرض ۲۰ فٹ، بلندی ۳۵ فٹ مسجد کا اندرونی حصہ ۴۸ فٹ لمبا، ۱۲ فٹ چوڑا، صحن مسجد ۴۷ فٹ طول اور ۳۰ فٹ عریض ہے۔ دکھن اور اُتر طرف ۵۳ فٹ طول اور ۱۰ فٹ عرض مین دو دالان چار کوٹھریان آمنے سامنے ایک دوسرے کے جواب مین بنی ہوئی ہین، جنھین مسافر خانہ، غسل خانہ وغیرہ کہ سکتے ہین، جو کس مپرسی کی وجہ سے چند روزہ مہمان ہین ۔

کٹرہ درباری لال کی سرا۔ عالی شان پختہ سرا رقبے مین الماس گنج کی دونون سراؤن کے برابر، بانی دیوان روشن لال صاحب کے بڑے بیٹے۔ اس مین چارون کونون پر چار عمدہ ہوادار کمرے (بالاخانے) بنے ہوئے تھے۔ دونو بڑے پھاٹک پورب جانب تھا۔

کٹرہ مہی لال کی سرا، مشہور اور بہت بڑی عمدہ پختہ سرا، تیار کردہ لالہ مہی لال صاحب ناظم فرزند خورد دیوان روشن لال صاحب۔ اس کٹرہ کا اصل نام آصف گنج تھا جو نواب آصف الدولہ بہادر کے نام سے موسوم کیا گیا تھا یہ کٹرہ کٹرہ درباری لال سے ملا ہوا دکھن طرف تھا، بازار کی دوکانین پختہ تھین محمد علی شاہ کے زمانے مین سرا تی شدہ کٹرہ کا وجود باقی تھا۔

آصفی بازار کی سرا۔ نامی اور نادر پختہ سرا۔ بانی دیوان روشن لال صاحب کے فرزند سوم لالہ سیوک رام صاحب ناظم یہ بازار کٹرہ درباری لال سے ملا ہوا اُتر طرف واقع تھا۔ دوکانین پختہ تھین۔ آبادی خاص پیشہ ورون کی تھی جس مین لکھنؤ کے باشندے زیادہ آباد تھے۔ بازار کا نام آصف الدولہ بہادر کے نام پر آصفی بازار رکھا گیا تھا۔

چھٹی فصل میلون کے بیان مین

مہابیر کا میلہ۔ اپنے وقت کا مشہور اور زبردست میلہ۔ بستی سے باہر تھوڑی دُور پر مہابیر جی کے مندر سے متصل (بابا پورن داس کی کٹی) ایک بہت بڑے میدان مین ہوتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بدری داس چکلہ دار اور راجہ درشن سنگھ ناظم کی عقیدتمندانہ کوششون سے اس میلہ کو دُور دُور تک شہرت حاصل ہوگئی تھی۔ شاہی

زمانے تک میلہ کی شان بدستور ترقی کے ساتھ قایم رہی۔ بعد اُس کے غدر کی وجہ سے میلہ موقوف ہوگیا، ساتھ ہی اس کے چند بدمعاشون نے مندر مین دفینہ سمجھ کر اُسے جا بجا سے منہدم کرکے تباہ و برباد کردیا۔ انگریزی عملداری مین رائےصاحب کے زیر اہتمام پھر از سرِ نو میلہ کی بنیاد ڈالی گئی، جو اگرچہ اس وقت تک معمولی میلہ سے زیادہ وقعت نہین رکھتا، تاہم رائےصاحب کی یہ مذہبی خدمت قابل تعریف ہے کہ انھون نے مٹتی ہوئی قدیم اور مقدس یادگار کو دوبارہ زندہ کردیا۔ یہ میلہ ہر سال منگل کے دن گوپال مندر کے قریب ہوتا ہے، اور مندر خوب آراستہ کیا جاتا ہے۔

دسہرہ۔ پہلے یہ دھوم دھامی اور شاندار میلہ بھی بابو پورن داس کی گلی سے متصل پورب طرف میدان مین منشی نارائن دت کے زیر اہتمام ہوتا تھا اور دریاباد کے قرب و جوار کے علاوہ دُور دُور تک مشہور تھا۔ کمیدان گردھارا سنگھ، راجہ ہردت سنگھ، سر مہاراجہ مان سنگھ وغیرہ ناظم و چکلہ دار (عمّال شاہی دریاباد) کی کوشش اور گرد و نواح کے زمینداروں اور تعلقداروں کی شرکت سے میلہ مین ایک قسم کی شان اور رونق پیدا ہو جاتی تھی۔ اس میلہ کی اہمیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ دربار لکھنؤ سے ایک سو روپیہ سالانہ چندہ مقرر تھا اور عمال شاہی خاص سرپرست تھے۔ آج کل دسہرہ کا میلہ لالہ کے تالاب سے متصل ایک دلچسپ اور پُرفضا مقام پر ہوتا ہے۔ یہ جدید میلہ بھی عام طور پر شہرت اور مقبولیت کی سند حاصل کرچکا ہے۔ لیلا بھی معقول طریقہ سے ہوتی ہے، مجمع بھی کم نہین ہوتا، ہر سال دس پندرہ[۵] ہزار آدمی میلے مین شریک ہوتے ہین۔ میلہ صاف اور ستھرا، انتظام نہایت معقول، دسہرہ کا جلوس قابل دید۔

دھنش جگ۔ دسہرہ کے برابر مشہور و معروف اور نفیس میلہ۔ شاہی زمانے مین یہ میلہ بھی منشی موصوف اور عمّال شاہی کی سرپرستی مین بڑی دھوم دھام سے شان و شوکت کے ساتھ رام لیلا کے میدان مین ہوتا رہا۔ دربار لکھنؤ سے اس کے لئے بھی سو روپیہ سالانہ چندہ مقرر تھا۔ غدر کے بعد منشی جی کے مرنے پر ایک مدت تک دھنش جگ کا ہونا موقوف رہا۔ سمبت ۱۹۴۶ بکرمی مطابق ۱۸۸۹ء مین جنگی لال عرف جھنی ساہ ک کی کوشش سے پھر دوبارہ میلے کا آغاز ہوا۔ چند سال جھنی ساہ مہتمم رہے۔ بعد اُس کے عرصہ تک چند ہندو اصحاب کے اہتمام مین چندہ کے ذریعہ سے یہ مبارک رسم ادا ہوتی رہی، ساتھ ہی اس کے میلہ بھی ترقی کرتا رہا۔ غالباً ۱۹۱۴ء سے رائے راجیشور بلی صاحب اس مذہبی خدمت کو بحسن و خوبی انجام دے رہے ہین۔ رائے صاحب کی سرپرستی مین دھنش جگ کا انتظام ہونے کے باعث اس میلہ نے نمایان ترقی حاصل کرنے کے علاوہ اچھی خاصی شہرت بھی پیدا کی ہے۔ میلہ تین روز تک رہتا ہے۔ دن مین دھنش جگ کے متعلق لیلا ہوتی ہے اور رات کو قابل دید مذہبی ناٹک۔ لیلا نفیس اور باقاعدہ، انتظام معقول، تماشائیون کا ہجوم پانچ چھ ہزار سے زائد۔ اس سال ۱۹۲۳ء مین آٹھ دس ہزار آدمی شریک تھے۔

عشرہ۔ عظیم الشان اور زیادہ بارونق میلا۔ سُنا جاتا ہے کہ شاہی عہد مین عشرہ کے دن دریاباد سے کربلا تک ہر طرف آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ چالیس پچاس بُراقین، پانچ چھ سو تعزیون کے بیس پچیس غول نکلتے تھے، جن مین خوبصورت اور بڑے تعزیے زیادہ ہوتے تھے، چھوٹے اور معمولی بہت کم۔ انھین تعزیون مین کاغذ اور ارک کے علاوہ

[۵] اِس سال ۱۹۲۳ء کے میلے مین بیس پچیس ہزار آدمیون کا تخمینہ کیا گیا ہے ۱۲۔

مٹی، جو، لکڑی، مٹر، موم، کپڑے، پوت، پھولوں وغیرہ کے تعزیوں کی بھی ایک معقول تعداد ہوتی تھی، جو بڑی محنت اور کاریگری سے تیار کیے جاتے تھے۔ کئی جگہ پانی اور شربت کی سبیلیں جاری کی جاتی تھیں، جو تصاویر اور گلدستوں وغیرہ سے پُرتکلف آراستہ ہوتی تھیں۔ ہندوؤں کی طرف سے بھی شربت اور پانی پلانے کا معقول بندوبست کیا جاتا تھا۔ بانک، پٹے وغیرہ کے بڑے بڑے استاد اپنے کرتب دکھاتے تھے۔ موجودہ زمانے میں بوجہ افلاس و گرانی اس میلہ میں بہت کچھ کمی ہوگئی ہے۔ لیکن، پھر بھی مجمع و رونق کے لحاظ سے بہت غنیمت ہے، چنانچہ گذشتہ سال (۱۹۲۳ء) میلہ میں پچیس تیس ہزار آدمیوں کا تخمینہ کیا گیا تھا اور دو سو ساٹھ تعزیے شمار کیے گئے تھے، جن میں عمدہ اور بڑے تعزیے صرف گنتی کے تھے۔ شربت کی ایک ہندو سبیل بھی تھی، چند معمولی بانک، پٹے والے بھی تھے۔ تعزیوں کے نکلنے کا انتظام بھی قابل ذکر ہے۔ محرم کی دسویں تاریخ کو (روز عاشورہ) پہلے قصبہ کے کل تعزیے "بڑ تلے" جمع ہوتے ہیں، بارہ بجے کے بعد آہستہ آہستہ علیگیٹ نگر والی سڑک پر گذر کر قریب شام کربلا میں دفن ہو جاتے ہیں۔

ساتویں فصل عُرسوں کے بیان میں

شاہ عبدالرسول کا عُرس۔ بانی شیخ کرم کریم صاحب عرف چھید امیاں، ۱۱ ذی حجہ کو ہوتا ہے۔ قوالی بھی ہوتی ہے، معمولی طور پر میلہ بھی لگتا ہے۔

پیرا شاہ کا عُرس۔ شاہی میں خاص طور پر شہرت تھی، میلہ بھی دلچسپ اور اچھا ہوتا تھا، عمال شاہی سرپرست تھے آج کل عُرس صرف قصبہ میں مشہور اور میلہ برائے نام۔ تاریخ عُرس بسنت پنچمی۔

آٹھویں فصل کتب خانوں کے بیان میں

جینی کتب خانہ۔ نہایت قدیم اور اپنے وقت کا بہترین علمی ذخیرہ۔ غالباً اب سے دو سو برس قبل غارت ہو کر بے نام و نشان ہو گیا۔ اس کتب خانہ کی تخمیناً دو سو قلمی پوتھیاں سنسکرت و پراکرت اور مرہٹی زبان کے متعلق نہایت خوشخط عجیب و غریب حرفوں میں بھوج پتر اور تاڑ پتر پر لکھی ہوئی ابتک ایک شخص کے پاس موجود ہیں۔ عرصہ ہوا، ان پوتھیوں میں ایک پوتھی ایسی بھی دیکھی گئی تھی، جس میں سنگئی ساہ دریابادی کے حالات لکھے ہوئے تھے۔ قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوتھیاں چھنگی ساہ اور سنگئی ساہ کے کتب خانوں کی ہونگی، کیونکہ دولت مند جینی بزرگ کتب خانے کے بڑے شوقین ہوتے ہیں، اور اب سے چار پانچ سو برس قبل تو جینی اصحاب کی علمی خدمت ملک بھر میں مشہور تھی، جسکی زندہ جاوید مثالیں احمد آباد، پاٹن، جیسلمیر اور کھمبات وغیرہ کے کتب خانے اس وقت تک موجود ہیں افسوس ہے کہ مذکورۂ بالا پوتھیاں ایک مقفل صندوق میں بھری پڑی ہیں اور ان کے دکھلانے سے سخت گریز کیا جاتا ہے، جس سے احتمال ہے کہ چند روز میں ضائع ہو جائیں گی۔ کاش انھیں عام طور پر ظاہر کر کے قدردانوں کی بدولت ذاتی مستفید ہونے کے ساتھ ساتھ پبلک کو بھی فائدہ پہونچانے کی کوشش کی جاتی، اور اس طرح غیر مطبوعہ نسخے

(یقیناً اس ذخیرہ مین بہت سے نسخے ایسے ہونگے جنھون نے مطبع کی صورت ابھی تک نہ دیکھی ہوگی) چھپ کر شایع ہوجاتے اور قلمی کتابین ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوجاتین۔

پنڈت جیونارائین کا کتب خانہ قلمی پوتھیون کا زبردست اور قابل تعریف ذخیرہ۔ دریاباد کے مشہور و معروف پنڈت جیونارائن مشر نے سمبت ۱۸۰۱ بکرمی، مطابق ۱۷۴۴ء کے قبل قایم کیا تھا، جو تخمیناً ستر اسّی برس کے بعد ناقدری کے ہاتھون تباہ ہوگیا۔ اس برباد شدہ کتب خانہ کے متعلق جس قدر قلمی کتابین ناگفتہ بہ حالت مین موجود ہین، اُن مین سے صرف ۸۰ پوتھیان دیکھنے مین آئی ہین جو قریب قریب اٹھارھوین صدی بکرمی کی سفید بالسی کاغذ پر لکھی ہوئی ہین۔ لیکن، بعض پوتھیان سترھوین، سولھوین اور تیرھوین صدی بکرمی کی بھی تحریر شدہ ہین۔ ان اسّی پوتھیون مین نصف کے قریب بلحاظ اپنی اہمیت کے نہ صرف نہایت ممتاز درجہ رکھتی ہین، بلکہ سنسکرت خزانہ کی تابناک جواہرات کہے جانے کی مستحق ہین۔ انھین پوتھیون مین ایکا رتھت دُھن، پاکھنڈ چیٹیکا، آرکھ راماین، بیتال پچیسی وغیرہ ایسی نایاب و عجیب و غریب نام کی پوتھیان بھی شامل ہین جن سے غالباً سنسکرت دان طبقہ کے لوگ بہت کم واقف ہونگے۔ اس سے کتب خانہ کی اہمیت کا اندازہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس دعوے کی بھی کافی تردید ہوتی ہے کہ ہندوستان مین کاغذ سازی کا کام عہد اکبر سے شروع ہوا جسے آج تک صرف (۱۵۶۰ء لغایت ۱۹۲۶ء) ۳۶۶ برس ہوئے ہیں۔

دکھیتون کا کتب خانہ ۔ عالی شان علمی خزانہ، بانی پنڈت پراگدت دکھیت۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین بنیاد ڈالی گئی تھی۔ یہ کتب خانہ باقاعدہ تھا۔ سنسکرت کے علاوہ بھاشا کی بھی بکثرت پوتھیان تھین۔ اس مین چند محرر بھی ملازم تھے جو پوتھیان لکھا کرتے تھے۔ شروع انگریزی عملداری مین خاندان والون کی غفلت و جہالت کے باعث یہ نایاب ذخیرہ تلف ہوگیا۔ اب صرف سو پچاس بوسیدہ اور کرم خوردہ کتابین باقی رہ گئی ہین، جو مہابیر دکھیت کے یہان ایک صندوق مین ردی کی طرح بھری پڑی ہین۔

کتب خانہ رائے صاحب ۔ عالیشان اور خوشنما کتب خانہ۔ بانی رائے راجیشور بلی صاحب بہادر۔ اس مین سنسکرت، بھاشا، فارسی، اردو، انگریزی سے متعلق ہر قسم کی تخمیناً چھ ہزار کتابین موجود ہین، جن مین چند قلمی کتابین بلحاظ اپنی قدامت و اہمیت کے اعلیٰ درجہ کی ہین۔ قلمی نسخون مین دو کتابین ڈھائی سو برس کی لکھی ہوئی، ایک ڈیڑھ سو برس کی اور سوا سو سوا سو برس کی متعدد کتابین ہین۔ علاوہ ان کتابون کے انگریزی کے دو مطبوعہ البم بھی ہین جن مین غار اجنٹا کی تصاویر کے فوٹو چھپے ہین۔ یہ البم جرمن کے چھپے ہوئے چار چار سو روپیہ قیمت کے ہین۔ کتب خانہ کی عمارت اور آراستگی بھی دیکھنے کے قابل ہے، جو ایک پُرفضا پائین باغ کے اندر واقع ہے۔ کتابون کے علاوہ ہندوستان کی قدیم مصوری اور مقامی نجارون، معمارون کی قابل تعریف صناعی کے دلکش نمونے بھی اس کتب خانہ مین پائے جاتے ہین۔ سُنا جاتا ہے کہ "نومبر ۱۹۲۰ء کو مسٹر جابلنگ صاحب بہادر کمشنر لکھنؤ اپنی میم صاحبہ کے مخصوص اس کتب خانہ

۵ ان کتابون مین اہمیت کی بنا پر قاسم شاہ کی مشہور تصنیف "ہنس جواہر" زیادہ قابل قدر و قابل ذکر ہے جو ۱۲۰۵ھ مین بخط فارسی لکھی گئی تھی۔۱۲

کو دیکھنے کی غرض سے دریاباد تشریف لائے تھے۔ صاحب بہادر اور میم صاحب کو لائبریری اور مصوری سے بیحد دلچسپی ہے، ساتھ ہی اس کے مصوری کے نکات سے بھی اچھی طرح وقفیت حاصل ہے۔ اُنھون نے کتب خانہ کی کتابین اور سجاوٹ غار اجنٹا کی تصویرین ملاحظہ فرما کر بہت مسرت ظاہر کی تھی"۔ رپورٹ انڈسٹریل سروے ضلع بارہ بنکی ۱۹۲۳ء (مطبوعہ گورنمنٹ پریس الہ آباد) سے معلوم ہوتا ہے کہ لارڈ میسٹن صاحب بہادر سابق گورنر صوبہ متحدہ ان تصویرون اور صناعیون کی تعریف سنکر بہت خوش ہوئے تھے اور کئی بار ان کے دیکھنے کی خواہش کی تھی" صوبہ کے مشہور اخبار پائنیر اور لیڈر مین اس لائبریری کی بہت کچھ تعریف کی گئی ہے۔ اس سے کتب خانہ کی شان و شوکت پر جو روشنی پڑتی ہے، وہ محتاج تصریح نہین۔

کتب خانہ عبد القادر - مشہور اور عام کتب خانہ۔ حاجی مولوی عبد القادر صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر کی یادگار مین اُن کے سعادتمند لڑکون مولوی عبد المجید صاحب (ڈپٹی کلکٹر لکھنؤ) اور مولوی عبد الماجد صاحب ناظر بی۔ اے نے آخر ۱۹۱۳ء مین ایک خوبصورت اور شاندار مکان کے اندر قایم کیا تھا۔ اس مین فارسی، عربی، انگریزی، اردو ہندی، کتابون کے ایک بڑے ذخیرے کے علاوہ اُردو، ہندی، انگریزی اخبارات و رسائل بھی بہ کثرت آتے تھے۔ لیکن، نہایت افسوس ہے کہ اہل وطن کی بے توجہی اور بعض دیگر وجوہ سے یہ کتب خانہ زیادہ دن تک قایم نہ رہ سکا

کتب خانہ عبد الحسیب - نادر علمی ذخیرہ۔ یہ کتب خانہ حکیم صاحب کے مورثون مولانا حکیم نور کریم صاحب اور حکیم عبد العزیز صاحب کا جمع کیا ہوا ہے ۱۸۵۷ء کے غدر مین بہت سی نادر و بیش بہا کتابین تلف و ضایع ہوگئین تاہم اب بھی عربی و فارسی کی دو ہزار کتابون کا ایک معقول ذخیرہ موجود ہے۔ طب کی کتابین قدرتاً زیادہ ہین، مگر دوسرے فنون کی کتابین بھی اچھی خاصی تعداد مین جمع ہین۔ اکثر کتابین تین چار سو برس کی لکھی ہوئی ہین اور دو ڈیڑھ سو برس کی لکھی ہوئی تو بہت سی ہین۔ مولانا حکیم نور کریم صاحب خود بہت بڑے خوشنویس اور خطاط تھے، بکثرت کتابین انکے ہاتھ کی صحیح، صاف اور خوشنما لکھی ہوئی موجود ہین۔ تاریخ الخلفا عربی، جذب القلوب فارسی، مدارج النبوۃ فارسی، شرح مواقف عربی، تفسیر بیضاوی عربی، ہدایہ عربی، فتاوی عالمگیری عربی، شرح وقایہ عربی، حیوۃ الحیوان فارسی، فتوح الغیب عربی، مرأت مسعودی فارسی، مرأت الوجود فارسی، مشکوۃ المصابیح عربی، مکمل قانون شیخ الرئیس عربی، نفیسی عربی، القرائی عربی، گلستان فارسی، بوستان فارسی، مدارج النبوۃ فارسی، تقویم البلدان عربی، وغیرہ بکثرت کتابون کے قلمی اور خوشخط نسخے پائے جاتے ہین۔

بعض چھپی ہوئی کتابین بھی، جو اب نایاب ہوگئی ہین، یہان محفوظ ہین مثلاً تفسیر کشاف (مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء) برہان قاطع (مطبوعہ کلکتہ) دیوان واجد علی شاہ، دیوان مہر، دیوان زخمی، درۂ نادرہ، وغیرہ۔

ایک آدھ کتاب ایسی بھی ہے، جو ابتک غیر مطبوع ہے، اور اپنی قدر و قیمت کے لحاظ سے بھی نہایت نادر کہی جاسکتی ہے مثلاً عربی مین علامہ ازنیلی کی کتاب "مدینۃ العلوم"، جو آخر زمانہ تک کے تمام مسلمان ماہرین علوم و کاملین فنون کی جامع فہرست ہے۔ اس نادر کتاب کا ایک بڑا حصہ خوشخط لکھا ہوا اس کتب خانہ مین موجود ہے۔

اس کے مطالعہ سے آنکھین کھل جاتی ہین، اور نظر آجاتا ہے کہ اہل اسلام نے اپنے زمانۂ عروج و ترقی مین سیکڑون ایسے علوم و فنون مین، جن کا اب کوئی نام بھی نہین جانتا، کیسی حیرت انگیز ترقی کی تھی!

کتب خانۂ عبدالماجد - عجیب و غریب خزانۂ علم، اور ہند سے فرنگ تک مشہور و معروف انگریزی، اردو، فارسی، عربی کی کل کتابین کئی ہزار کی تعداد مین ہین - عربی و فارسی کی کتابین کچھ مولانا مظہر کریم صاحب کے وقت سے چلی آتی تھین، حال مین ان مین بھی اضافہ ہوا ہے، اور انگریزی، اردو کا ذخیرہ بالکل جدید ہے -

انگریزی مین زیادہ تر کتابین مغربی فلسفہ کے متعلق ہین - عربی و فارسی کا بڑا حصہ تفسیر، حدیث، تصوف، فقہ پر شامل ہے - قلمی کتابین بہت سی ہین -

قابل ذکر و قابل دید کتابون مین ایک قلمی نسخہ اخلاق ناصری، مصنفہ نصیرالدین محقق طوسی کا ہے جس پر سال کتابت ۱۰۰۱ھ درج ہے - یہ نسخہ خط نسخ مین لکھا ہوا ہے - خط کی پختگی، صفائی، خوشنمائی، دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے ساڑھے تین سو برس گذر جانے پر روشنائی کسی ایک مقام پر بھی ماند نہین پڑی ہے - یہ نسخہ شہنشاہان دہلی کے کتب خانہ مین بھی رہ چکا ہے - "شاہ رفیع الدرجات" بادشاہ دہلی کی مہر ۱۱۲۵ھ اس پر درج ہے - جدول اور لوح کی صناعی دیکھکر قیاس یہ ہوتا ہے کہ غالباً شاہی کتب خانہ ہی کے واسطے اسکی کتابت بھی ہوئی ہے -

ایک نایاب کتاب، جو ابتک غیر مطبوع تھی، ملک الشعراء شیخ مصحفی کی مثنوی "بحر المحبت" ہے - مصحفی کا کلام ملک مین متعدد بار شایع ہو چکا، مگر اس مثنوی کا کسی کو علم ہی نہ تھا - حضرات حسرت موہانی، احمد علی شوق، عزیز لکھنوی وغیرہ جن جن اصحاب سے دریافت کیا گیا، سب نے اپنی لاعلمی ظاہر کی - بالآخر مولوی عبدالماجد صاحب ناظر بی- اے نے اپنے قلمی نسخہ کے مطابق بعد صحت اغلاط و بہ اضافہ مقدمہ و دیباچہ و حواشی کثیرہ مثنوی کو ۱۹۲۳ء مین دارالمصنفین اعظم گڈھ سے شایع کرا دیا - ملک کے اخبارات و مشاہیر ادب نے اس پر بہتر سے بہتر ریویو کئے، اور کتاب بعض یونیورسٹیون کے نصاب ادب اردو مین بھی داخل ہو گئی -

دیگر قابل ذکر کتابین :- (۱) دیوان حافظ، تقطیع خرد، خوشخط و خوشنما، ناتمام از اول و آخر (۲) تذکرۃ الاولیاء شیخ فریدالدین عطار، خط نسخ، ناتمام (۳) نفحات الانس، مولانا جامی (۴) مثنوی مولانا روم، دفتر اول (۵) مجمع البحرین، شہزادہ داراشکوہ، ابتک غیر مطبوع (۶) حسنات العارفین (۷) صُراح، بہ غایت خوشخط (۸) مناقب رزاقیہ، مرتبہ میر باقر علی صاحب رُدولوی، ابتک غیر مطبوع (۹) فتاوائے مظہریہ، مجموعہ فتاوی مولانا مظہر کریم صاحب خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا، ابتک غیر مطبوع (۱۰) ہدایہ، کرم خوردہ و ناتمام (۱۱) فتاوی عالمگیری، کرم خوردہ و ناتمام (۱۲) تفسیر حسینی ایضاً (۱۳) ہنس جواہر، مصنفہ قاسم شاہ دریابادی، بخط دیوناگری (۱۴) ترجمہ اردو مراصد الاطلاع، عربی مین لغت جغرافیہ پر مشہور و جامع کتاب ہے - اس کا اردو ترجمہ از مولانا مظہر کریم دریابادی خود مترجم کے ہاتھ کا لکھا ہوا (۱۵) منتہی الکلام، مصنفہ شیخ حیدر علی صاحب فیض آبادی -

کتب مطبوعہ، جو اب نایاب و نا پید ہین مثلاً (۱) برہان قاطع، مطبوعہ کلکتہ (۲) شرح سفر السعادت

مطبوعہ کلکتہ (۳) فتاوی قاضی خان، مطبوعہ کلکتہ (۴) نفحات الانس، مطبوعہ کلکتہ (۵) نفحات الانس، مطبوعہ بمبئی (۶) سیر الاولیا، مطبوعہ دہلی (۷) گلستان، مطبع مصطفائی (۸) بوستان، مطبع مصطفائی کانپور (۹) تفسیر عزیزی مطبع بمبئی (۱۰) مثنوی مولانا روم، ہر شش دفتر، مطبوعہ نامی پریس کانپور (۱۱) جذب القلوب، مطبوعہ کلکتہ (۱۲) رسالہ شید سالار، نامی پریس کانپور (۱۳) ترجمہ اردو مناقب العارفین، رامپور۔

غیر مطبوع نادر کتابیں ایسی ہیں، جبکی وجہ سے اس کتب خانہ کی شہرت ہندوستان سے گذر کر یورپ تک پہونچ چکی ہے۔

ایک، ملفوظات مولانا روم موسوم بہ فیہ مافیہ، بزبان فارسی، مشرق و مغرب دونون کے محققین اس کتاب کو معدوم سمجھ چکے تھے۔ خدا کی شان اک مولوی عبد الماجد صاحب بی۔ اے کو اس کے بعض قلمی نسخون کا علم ہوگیا۔ چنانچہ بہ صرف زر کثیر دستی بلیغ حیدرآباد و رامپور سے تین مختلف نسخون کی نقلین حاصل ہوگئین اور ایک نقل قسطنطنیہ کے شاہی کتب خانہ سے مل گئی۔ کاملین فن کے نزدیک ایک بہت بڑی دولت گم گشتہ کا پتہ لگ گیا۔ یورپ کے مشہور فاضل اور کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر نکلسن نے اس تلاش کی بہت داد دی، اور سنہ ۱۹۲۳ء مین رایل ایشیاٹک سوسائٹی کی صد سالہ سالگرہ کا جشن جب لندن مین منایا گیا، تو یورپ کے بڑے بڑے نامی علماء و فضلاء کی مجلس مین پروفیسر موصوف نے دریابادی کی اس تلاش کی داد اپنے ایک فاضلانہ مضمون مین دی، جس کا اردو ترجمہ بھی رسالہ "معارف" علی گڈھ مین چھپ چکا ہے۔ اب عبد الماجد صاحب اس کتاب کو چھپانے کی فکر مین ہین، اور مقابلہ و تصحیح و اضافہ مقدمہ و حواشی وغیرہ مین مشغول۔ چھپنے کے بعد دنیا کے علمی خزانہ مین دریاباد کی طرف سے ایک یادگار اضافہ ہوگا۔

دوسرا، رسالہ "القصد الی اللہ" عربی زبان مین، فن تصوف پر اتنی قدیم کتاب آج تک دنیا کے علم مین نہ تھی۔ خوش قسمتی سے مولوی عبد الماجد صاحب کو حیدرآباد و لکھنؤ سے اسکے دو مختلف نسخون کی نقلین حاصل ہوگئین بعض علماء کا قول ہے کہ یہ رسالہ تمام صوفیون کے سرتاج حضرت "جنید" بغدادی کی تصنیف ہے۔ اس رسالہ کو کیمبرج کے نامور فاضل پروفیسر نکلسن نے بڑے فخر و مباہات کے ساتھ اپنے زیر اہتمام طبع و شایع کرنا منظور کیا ہے۔ دریاباد کی طرف سے دنیا کے خزانۂ علم مین یہ دوسرا بیش بہا اضافہ ہے۔

ساتوان باب

موجودہ مشاہیر کا مختصر بیان

فخر وطن آنریبل رائے راجیشر بلی صاحب منسٹر

بی۔ اے، او۔ بی۔ ای، وزیر تعلیم و لوکل سلف گورنمنٹ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ، ماتھر کایستھ رائے

نارائین بلی صاحب تعلقدار کے فرزند اول، بہت بڑے نامور رئیس و تعلقدار، مذہبی فرایض مین سختی کے ساتھ پابند، کرشن جی مہاراج کے خاص معتقد، ہندوستانی صناعی کے بیحد شوقین اور قدردان - ولادت سنہ ۱۸۹۰ء۔

پہلے کالون اسکول (لکھنؤ) مین تعلیم پائی۔ بعد اُس کے کننگ کالج مین بی۔ اے پاس کیا۔ سنہ ۱۹۱۳ء سے کاروبار ریاست مین مشغول ہونے کے ساتھ ہی آنریری مجسٹریٹ اور انجمن ہند لکھنؤ کے جوائینٹ سکریٹری بھی ہو گئے کچھ دنون کے بعد اقبال نے اور یاوری کی سنہ ۱۹۲۰ء لیجسلیٹو کونسل کی ممبری عطا ہوئی۔ جنوری سنہ ۱۹۲۴ء مین گورنمنٹ ہند نے منسٹری کا جلیل القدر عہدہ مرحمت فرما کر سرفراز فرمایا۔ راجہ صاحب تعلقداران اودھ مین اول تعلقدار اور کائیتھ ہونے کی بنا پر غالبًا یو۔پی بھر مین پہلے کائیتھ اور کمسنی کے اعتبار سے سارے ہندوستان مین اوّل شخص ہین جنھون نے کرسئی وزارت پر رونق افروز ہو کر زبردست شہرت و ناموری حاصل کی۔

ممدوح کی ذات سے دریاباد مین سنسکرت پاٹ شالہ اور انگریزی اسکول[۱] کی بنیاد ڈالی گئی۔ حال کے دسہرہ و دھنش ملگیہ کو زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ سنٹرل کوآپریٹو بنیک کھولا گیا۔ پائین باغ مین از سرنو کتب خانہ قایم ہوا جس مین بھاشا اور سنسکرت کی قلمی پوتھیون کا معقول اضافہ خاص انھین کی دلچسپی کا باعث ہے۔ بنارس والا سنگی دو منزلہ مکان پانچ منزل کا تعمیر ہو کر ایک عظیم الشان محل کی صورت مین نمودار ہوا۔ منسٹر صاحب کے وقت سے چند دیگر کارنامے بھی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہین۔

(۱) جشن تاجپوشی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم سنہ ۱۹۰۱ء۔ عالیشان دربار آراستہ ہوا جس مین بستی کے علاوہ عملۂ تحصیل، قرب و جوار کے رؤسا، زمیندار اور مہاجن وغیرہ شریک ہوئے۔ اسپیچین دی گئین، مدحیہ قصائد پڑھے گئے۔ اسکول دریاباد و متھرا نگر کے طلباء کو شرینی اور قریبًا دو ہزار محتاجون کو کھچڑی تقسیم کی گئی۔ غریبون کو کمل بانٹے گئے۔ ڈیڑھ ہزار روپیہ، جو کاشتکارون کے ذمہ باقی تھا، معاف کیا گیا۔ رات کو روشنی ہوئی، آتشبازی چھوڑی گئی، ناچ گانا ہوا اور پرتکلف دعوت دی گئی۔ دربار کی رونق، محفل کی زینت اور دونون کی سجاوٹ قابل دید تھی۔ تخمینًا تین ہزار روپیہ صرف ہوا (۲) سنہ ۱۹۰۷ء کی زبردست قحط سالی مین گورنمنٹ سے بیس پچیس ہزار روپیہ ذریعۂ تقاوی حاصل کر کے (یہ روپیہ بدفعات کئی قسطون مین معہ سود ایک مقررہ میعاد کے اندر ادا کر دیا گیا تھا) ایک بہت بڑا تالاب تیار کرایا گیا، جس سے نہ صرف صدہا بیکسون اور محتاجون کی جان فاقہ سے بچ گئی، بلکہ آبپاشی کے ذرائع وسیع ہو جانے کے باعث زراعت کو بھی بیحد فایدہ پہونچا۔ یہ تالاب راجہ بیسر بلی صاحب کے نام سے موسوم ہو کر راج سرور کہلاتا ہے (۳) جشن تاجپوشی شہنشاہ جارج پنجم سنہ ۱۹۱۱ء۔ اس جشن مین غریبون کو بجائے کمل کے مرزائیان تقسیم کی گئی تھین، باقی کل کارروائی قریب قریب مطابق جشن اوّل (۴) جنگ یورپ کے موقع پر ایک زبردست میٹنگ منعقد کر کے جو اُس وقت تحصیل سنہی گھاٹ مین اوّل میٹنگ تھی، امداد جس مین

[۱] اس موقع پر راقم الحروف نے یہ قطعۂ تہنیت کہہ کر اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا تھا قطعہ بعد مدت پیر اقبال چمکا اے محب اپنا نام۔ وطن ہو گیا دنیا مین دریاباد کا بیواے راجہ بیسر بلی صاحب منسٹر ہو گئے ۔ دھوم ہے چارون طرف، غل ہے مبارکباد کا [۲] افسوس ہے کہ پبلک کی کم توجہی سے یہ اسکول جولائی سنہ ۱۹۲۶ء کو شکست ہو گیا ۱۲۔

دریا باد کے علاوہ قرب وجوار کے لوگ بھی بکثرت شریک تھے، برٹش امداد کے لئے جو تیلی اور پُر زور تحریک کی گئی۔ جنگ مین ڈھائی ہزار کے قریب چندہ دیا گیا، اور ڈھائی سو رکروٹ (رنگ روٹ) بھرتی کئے گئے۔ علاقہ والے رکروٹون کے ساتھ حسب مناسب ضروری رعائتین کی گئین۔ اس وفادارانہ خیر خواہی کے صلہ مین برٹش گورنمنٹ نے رائے راجہ شیر علی صاحب کو او۔ بی۔ اے (آرڈر برٹش ایمپائر خیر خواہ سلطنتِ برطانیہ) کا خطاب مرحمت فرمایا (۵) جشن فتحیابی ۱۹۱۹ء۔ مسٹر "ہوبارٹ" ڈپٹی کمشنر (بارہ بنکی) کی صدارت مین ایک بہت بڑا دربار منعقد کیا گیا، جس مین تحصیل بھر کے معززین وروسا وغیرہ نے شرکت فرمائی تھی۔ ہون کے بعد جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ اسپیچیں دی گئیں نظمین پڑھی گئین اسکول کے طالب علمون کو شرینی تقسیم کی گئی۔ محتاجون کو مرزائیان اور رضائیان میم صاحبہ کے دستِ مبارک سے تقسیم کرائی گئین۔ بارہ سو روپیہ بقایا لگان معاف کیا گیا۔ علہ کی زبردست حیرات ہوئی "شہنشاہ کی جے" کے نعرے بلند ہوئے، پھر ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر کی تحریک پر "رائےصاحب کی جے" منائی گئی۔ رکروٹون کے بھرتی کرنیوالون مین سے اہلکارون مقدمون ضلعدارون کو شال دوشالے (بارہ) عنایت ہوئے اور سپاہیون کو چاندی کی شام لگی ہوئی لاٹھیان (۱۱) دی گئین۔ رات کو معقول روشنی ہوئی، اور نفیس آتشبازی چھوڑی گئی۔ تخمیناً چار ہزار روپیہ صرف ہوا۔ دربار خوب آراستہ تھا۔ فتحیابی کا یہ شاندار جلسہ ضلع مین پہلا جلسہ تھا، جس کے قبل کسی دوسرے مقام پر اس قسم کے جلسہ کی نوبت نہین آئی تھی (۶) جو وکیل نان کواپریٹر ہوکر وکالت چھوڑ بیٹھے تھے، رائےصاحب نے انھین سمجھا بجھا کر قانونی پیشی پر آمادہ کر دیا اور وہ بدستور سابق گورنمنٹ کے خیر خواہ بن گئے۔

رائےصاحب نے صنعت وحرفت کی قدردانی مین خاص طور پر نام پیدا کیا ہے۔ چنانچہ انڈسٹریل سروے ضلع بارہ بنکی ۱۹۲۳ء (مطبوعہ گورنمنٹ پریس الہ آباد) مین تحریر ہے:۔

"رائے راجہ شیر علی صاحب ممبر کونسل صوبہ متحدہ آگرہ واودھ دریاباد کے قابل قدر تعلقدار صنعت وحرفت کے بڑے سرپرست ومربی ہین۔ قصبہ کے ایک مصور مرزا غفار بیگ کو نوکر رکھا ہے۔ مرزا صاحب اور رائےصاحب دونون نے مل کر قدیم تصاویر کی صناعی اور خوبیون کو سمجھ کے بڑے پیمانہ پر اُن کی نقلین حاصل کی ہیں، جو دیوارون اور چھتون مین نظر آرہی ہین۔ انھون نے قدیم اور پختہ رنگون کی تحقیقات بھی کی اور اُن کے تیار کرانے میں کامیاب ہوئے۔ یہ رنگ خیال کی مدد سے تیار ہوتے ہین، جو اگلے زمانے مین صدیون تک بدستور چمک رکھتے تھے۔ تعلقدار صاحب نے اپنے ڈرائینگ روم (ملاقاتی کمرہ، متعلقہ کتب خانہ) مین پھر یہ ان رنگوں کا استعمال کیا ہے، جو نہایت کارآمد ثابت ہوئے ہیں۔ مقامی نجارون سے بھی کچھ کام لیا گیا ہے، جن کے نمونے الماریون اور تصویرون کے چوکھٹون سے ظاہر ہوتے ہین مقامی معمارون کی صناعی بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ ان صناعیوں کو لارڈ میسٹن صاحب بہادر سابق گورنر صوبہ متحدہ نے بہت پسند فرمایا اور کئی بار ان کے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی"۔

فخر وطن آنریبل رائے راجہ شیر علی صاحب بڑے خوش نصیب، اقبال مند، نہایت نیک، بامروت، خلیق، ملنسار، خوبصورت خندان رو، شگفتہ پیشانی، نوجوان، ہر دل عزیز، غیر متعصب، منکسر المزاج، صاحبِ اولاد، وضع قدیم وجدید۔

رائے بہادر رائے چندر بلی صاحب

رائے شنکر بلی صاحب کے اکلوتے بیٹے، رائے راجیشر بلی صاحب کے چچا، ریاست کے نائت، آنریری مجسٹریٹ ومنصف، وفادار گورنمنٹ، حکام رس، ملکی صنعت وحرفت کے بہی خواہ، زندہ دل، فارسی و انگریزی کے ماہر، اردو مین نیتجہ خیز شعر گوئی کے شوقین، مذاق سخن پاکیزہ، ذی فہم، خلیق، جواد، صاحب اولاد، وضع قدیم وجدید - ولادت ۱۹۳۸ بکرمی مطابق ۱۸۸۱ء -

رائے بہادر صاحب نے ۱۹۱۰ء مین دیسی مصنوعات کی ترقی کے لئے دریاباد مین پارچہ بافی کا اسکول قایم کیا، جس مین سوتی و ریشمی ہر دو قسم کے عمدہ اور مضبوط کپڑے تیار ہوتے تھے - بہت سے کپڑون کو سرجان ہیوٹ صاحب بہادر سابق لفٹنٹ گورنر صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ (بمقام بارہ بنکی بہ تقریب جلسہ ہیوٹ اسکول) ملاحظہ فرماکر نہایت خوش ہوئے تھے، اور دو تھان ریشمی کپڑے کے، جو بطور تحفہ اُن کی خدمت مین پیش کئے گئے تھے، بہت شکریہ کے ساتھ قبول فرماکر عزت افزائی کی تھی - لیکن، نہایت افسوس ہے کہ پبلک کی ناقدری سے یہ اسکول ۱۹۱۳ء مین بند کر دیا گیا، جسے ملک کی بدقسمتی کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہین ؟ -

۱۲- دسمبر ۱۹۱۱ء کا رونیشن دربار دہلی سے، آنریری مجسٹریٹی و آنریری منصفی، ممبری ڈسٹرکٹ بورڈ، مدد حکام مقامی، اجراء و اہتمام اسکول پارچہ بافی وغیرہ مفید خدمات کے صلے مین سارٹیفکٹ اور نقرئی تمغہ عطا ہوا - زراعت کے متعلق کام کرنے کی بنا پر "کانفرنس محکمۂ زراعت وتجارت لکھنؤ" سے ایک سند ملی - جنگ یورپ کے زمانے مین رائے چندر بلی صاحب نے رکروٹون کے بھرتی کرنے مین زبردست حصہ لیا - مختلف مقامات پر جا جا کر موثر لیکچر دیئے جس کا اثر عوام پر اچھا پڑا - اس خیر خواہانہ خدمت کے عیوض گورنمنٹ سے "رائے بہادری" کا خطاب عنایت ہوا -

رائے اُمانا تھ بلی صاحب

رائے بہادر دیو بلی صاحب کے فرزند اوّل، ہندوستانی موسیقی کے بہت بڑے حامی اور مشہور ماہر، ذی علم، انگریزی و فارسی اور اُردو و بھاشا سے آگاہ، انگریزی و بھاشا مین صاحب تصنیف وتالیف، تعلقدار، رئیس کے مالک، حکام رس، ولادت ۱۸۹۲ء - موسیقی مین وہ قابلیت پیدا کی ہے کہ اس وقت علمی حیثیت سے ٹھاکر نواب علی صاحب تعلقدار (سیتاپور) کے بعد صوبہ اودھ مین اُن کا کوئی ہمپایہ نہین - ہندوستان کے نامی گرامی علمائے موسیقی پنڈت وشن نرائن بھات کھنڈے (ساکن بمبئی، یورپ و امریکا اور جاپان وغیرہ، یعنی تمام دنیا مین مشہور و معروف) و تاترے کیشو جوشی (دہلی) پریم بلبھ جوشی (پروفیسر اجمیر کالج) شنکر راؤ کرنادھ (بمبئی)، برج کشن کول (دہلی) ایچ - بی - کرشنا راؤ (ریاست میسور) ایم - پیس راما سوامی آئیر (کویم ٹور، مدراس) سے سلسلۂ مراسلت قایم ہے -

اُمانا تھ بلی صاحب آل انڈیا میوزک کانفرنس کے ممبر ہین - اِن کی منشا ہے کہ ہندوستانی موسیقی، جو

ایرانی موسیقی کے میل سے خراب اور ناقص ہوگئی ہے، اُسے پھر اصلی صورت مین لانا چاہیئے۔ انھون نے بھاشا زبان مین ایک رسالہ "سنگیت سُدھا" نامے دریاباد سے شایع کرنا شروع کیا تھا۔ لیکن، افسوس! ملک کی ناقدری سے صرف پانچ مہینے اگست ۱۹۱۸ء لغایت دسمبر ۱۹۱۸ء جاری رہ کر بند ہوگیا۔ یہ رسالہ موسیقی معلومات کا ایک خزانہ تھا جس کے نامہ نگار نامی نامی اہل قلم تھے۔ رسالہ کے ایڈیٹر اور پروپرائیٹر رائیصاحب ہی تھے۔ حال مین موسیقی کے متعلق میوزک آف انڈیا (انگریزی) اور سنگیت پردیشکا (بھاشا) دو کتابین بڑی محنت اور قابلیت سے تصنیف فرماکر ملک پر بڑا احسان کیا ہے۔ یہ کتابین عنقریب چھپ کر شایع ہونیوالی ہین۔ آج کل موسیقی کالج کھولنے کے لئے بدل وجان کوشش کررہے ہین۔ برٹش انڈیا مین اس وقت تک نہ کوئی اسکول ہے نہ موسیقی کا کالج۔ اس لئے رائیصاحب کی یہ عظیم الشان کارآمد خدمت ایک لاجواب یادگار ہوگی۔

رائیصاحب فریمیسن لاج فیض آباد کے بھی ممبر ہین، اور آل انڈیا اسٹینڈنگ کمیٹی آف میوزک کی طرف سے صوبہ متحدہ آگرہ واودھ کے اسسٹنٹ سکریٹری بھی ہین۔

وضع قدیم وجدید، خوشرو، نوجوان، خوش فہم، خوش خلق، خوش پوشاک۔ طرز لباس مین مغربی ومشرقی دونون رنگ شامل۔

رائے سومناتھ بلی صاحب

رائے مہادیو بلی صاحب کے فرزند دوم، دریاباد مین راگھو ستی کے بانی مبانی۔ یہ انجمن دسمبر ۱۹۲۴ء مین قومی ہمدردی اور مذہبی ترقی کے لئے قایم کی گئی ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ کارکنانِ انجمن زمانہ کی رفتار دیکھ کر متانت اور سنجیدگی کے ساتھ قدیم ہندو مسلم اتحاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے فرائض کے انجام دینے مین مشغول ہوکر منزل مقصود پر پہونچنے کی کوشش فرمائین گے۔ رائے صاحب نیک، خلیق، ملنسار، نوجوان۔ وضع قدیم وجدید۔

رائے بشیشر بلی صاحب

بی۔ اے، آنریبل رائے راجیشر بلی صاحب بہادر منسٹر کے برادر خورد۔ ۱۹۲۲ء مین لکھنؤ کے کیننگ کالج مین بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ نوجوان، نیک طینت، صاحب اخلاق، ذہین، وضع قدیم وجدید۔ ولادت ۳۰۔ اپریل ۱۸۹۵ء۔

رائے شمبھو بلی صاحب

ولادت ماہ پھاگن سمبت ۱۹۳۴ بکرمی مطابق فروری ۱۸۷۸ء، رائے رگھناتھ بلی صاحب کے فرزند اکبر گیتا کے شوقین، فارسی، انگریزی اور سنسکرت سے واقف، بھاشا کے اچھے انشا پرداز اور ایک پوتھی کے مصنف جو تعلقدار پریس مین زیر طبع ہے، اور جس مین نہایت عمدہ دلایل سے ثابت کیا گیا ہے کہ دروپدی کے پانچ خاوند نہ تھے، بلکہ ایک ہی

٭ تاریخ ہذا کامل طور سے مرتب ہوجانے کے بعد یہ مسرت انگیز خبر سننے مین آئی کہ رائیصاحب موصوف ڈپٹی کلکٹری کے لئے نامزد ہوگئے ہین۔ مبارک ہو۔ مولف

تھا۔ اِن سے بیشتر رائے صاحب کے خاندان مین سنسکرت تعلیم کا مطلق رواج نہ تھا، یہ پہلے شخص ہین جنھون نے اپنی قومی زبان مین قابلیت پیدا کر کے سنسکرت دانی کا مرتبہ حاصل کیا۔ وضع قدیم و جدید۔

رائے بدھ ناتھ بلی صاحب فراقؔ

ولادت سمبت ۱۹۲۹ بکرمی مطابق ۷ اجولائی ۱۸۷۲ء یوم دوشنبہ، رائے تھمبو بلی صاحب کے برادر خورد۔ فارسی مین قابل، اُردو کے اچھے اور سخن آفرین شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ فارسی مین بھی شعر کہنے پر مائل، فارسی کے متعلق خواجہ عزیز الدین صاحب عزیزؔ لکھنوی (کیننگ کالج مین فارسی کے پروفیسر تھے) اور اُردو مین حضرت جلالؔ مرحوم (لکھنوی) کے شاگرد، غزل۔ رُباعی قطعہ۔ مسدس وغیرہ ہر صنف کلام پر قادر۔ کلام بہت کچھ جمع ہو چکا ہے، مگر ابھی چھپنے کی نوبت نہین آئی ہے۔ حال مین طبیعت کا رنگ بدل گیا ہی، قدیم طرز شاعری ترک کر کے جدید روش اختیار کی ہے، اور بجائے حُسن و عشق کی فرضی خیالآرائیون کے سبق آموز مذہبی واقعات نظم کرنے لگے ہین۔ چنانچہ اس سلسلہ مین رامائن کے دو باب اُردو نظم کے زیور سے آراستہ ہو چکے ہین، باقی حصص کی نسبت بھی کوشش بلیغ ہو رہی ہے۔ معلوم شدہ حصے مسدس کی حیثیت رکھتے ہین، اسی طرح رامائن کے دیگر حصص بھی اسی صنف شاعری کے حدت انگیز لباس مین خوبصورتی کے ساتھ جلوہ گر کیے جائین گے۔ اُردو و فارسی مین آج تک اس قسم کی کوئی رامائن شایع نہین ہوئی، اِسلیئے یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ علمی دنیا مین یہ بیش بہا مذہبی تحفہ اپنی خصوصیت کے لحاظ سے ادبی ذخیرہ کے لیئے ایک قابل قدر اور جدید اضافہ تسلیم کیا جائے گا۔ فراقؔ صاحب کیسے شاعر ہین اور ذی علم طبقہ مین اِن کا کلام کس نظر سے دیکھا جاتا ہے؟ اس کا حال ذیل کے ایک مختصر مگر دلچسپ ریویو سے ظاہر ہوتا ہے، جو اودھ اخبار کے ایک تازہ اشاعت مین فاضل ایڈیٹر کے جادو نگار قلم سے نکلا ہے۔

"ہمین یقین ہے کہ یہ اطلاع نہایت تفریح و دلچسپی کا باعث ہوگی کہ خاندان روسائے دریاباد کے ایک ممتاز تعلیم یافتہ ممبر جناب رائے بدھ ناتھ بلی صاحب المتخلص بہ فراقؔ رامائن کو اُردو نظم کا جامہ پہنا رہے ہین۔ اس کے دو سین ہمارے دوست رائے اُما ناتھ بلی صاحب مالک تعلقدار پریس کی عنایت سے ہمین بغرض اشاعت موصول ہوئے ہین، جنھین ہم نہایت شکریہ کے ساتھ اپنے ناظرین کی دلچسپی کے لئے یہان درج کرتے ہین۔ اُمید ہے کہ رائے صاحب موصوف کی مہربانی سے اس مجموعہ کے دیگر حصص بھی وقتاً فوقتاً ہم شایع کرتے رہین۔ رائے صاحب موصوف کا یہ کارنامہ بلحاظ اُس کے مذہبی اور لٹریری اہمیت کے ملک مین عام طور پر پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ ایڈیٹر۔ اودھ اخبار ۹۔ نومبر ۱۹۲۴ء، صفحہ اول، کالم پہلا۔"

رسالہ "زمانہ" کانپور کے قابل اسسٹنٹ ایڈیٹر جناب احسن صاحب (بمبئی) اپنے ایک پرائیویٹ خط مین تحریر فرماتے ہین:۔ ۱۰۔ نومبر ۲۴ء۔ مکرمی تسلیم۔ مبارک ہو کہ آپ رامائن کو اُردو نظم مین جلوہ گر کرنے کی کوشش فرما رہے ہین، خدا کرے کہ آپ کی یہ سعی مشکور کامیاب ہو۔ رسالہ زمانہ بطور تحفہ حاضر خدمت ہوتا ہے۔ اُمید ہے کہ پسند آئیگا

اسکی خریداری منظور فرماکر کبھی کبھی اپنی بیش بہا نظموں سے اسکی بزم ادب کو رونق بخشتے رہیں گے۔ زیادہ تسلیم۔ آپ کا مخلص احسن بمبئی اسسٹنٹ ایڈیٹر زمانہ" اس سے بھی فراقی صاحب ذی علم اور قابل شاعر معلوم ہوتے ہین۔ رسالوں مین حتی المقدور عمدہ ہی کلام چھاپنے کی کوشش کیجاتی ہے اور "زمانہ" اردو کا مشہور و معروف رسالہ ہے۔ معمولی نہیں۔ خط کو فراقی صاحب کے نام ہے اور انھین کے پاس موجود۔

فراقی صاحب اپنے مذہبی فرض کی ادائیگی مین قدیم اصول کی پابندی زیادہ مناسب خیال فرماتے ہین۔ چنانچہ انھون نے اپنا "جنیو" باقاعدہ کیا ہے۔ اسلامی زمانے سے ہمارے صوبہ کے ہندوؤن مین برہمنون کے علاوہ دیگر معزز فرقے چھتری کائستھ، ویش وغیرہ دھرم شاستر کے بموجب یگیوپویت (جنیو پہنا) کی رسم ادا نہیں کرتے، بلکہ شادی بیاہ کے موقع پر پنڈت جی کے حکم سے جنیو پہن لیتے ہین، جو ایک افسوسناک غلطی ہے اس لئے چھتری، ویش مین عموماً اور کائستھون مین خصوصاً یہ پہلی رسم ہے، جسے پنڈت ہری شنکر جوتشی کے ذریعہ بنارس مین ۱۱۔ مارچ ۱۹۱۰ء یوم پنجشنبہ کو بمدو شریعت کے مطابق باضابطہ ادا کیا گیا۔ دریاباد کے مشہور پنڈت شنکر دیال اوستھی نے ان کے پیدا ہونے کی دلچسپ تاریخ کہی ہے دوہا سمبت بکرم ترپ کے ندھ گن نرہرنش ناتھ بھم تیج دِ تیا سوم دن جنم لیو سدھ ناتھ اس سے سمبت ۱۹۳۹ برآمد نکلتے ہین۔ وضع قدیم وجدید، خوبصورت، خلیق، سخن سنج، شاعرون کے دوست و قدردان، صاحب اولاد۔

رائے دیوراج بلی صاحب و رائے ہرناتھ بلی صاحب

رائے کدار بلی صاحب کے بیٹے، انگریزی تعلیم یافتہ، ایف۔ اے پاس۔ اسی سال (۱۹۲۴ء) امتحان مین کامیاب ہوئے ہین دیوراج بلی صاحب کی تاریخ ولادت ۵۔ فروری ۱۹۰۱ء اور ہرناتھ بلی صاحب کا زمانہ پیدائش ۸۔ جنوری ۱۹۰۳ء۔ وضع قدیم جدید، صاحب اخلاق، آغاز شباب، ملنسار، دھن، خوش چلن۔

رائے امرناتھ بلی صاحب

رائے بیجاناتھ بلی صاحب کے بیٹے، زراعت کے خاص شوقین اپنے خاندان مین پہلے تعلیم یافتہ نوجوان شخص ہین جنھون نے "اتم کھیتی مدھم بان" پر عمل کرکے دو برس ہوئے کہ باقاعدہ کاشتکاری شروع کر دی ہے۔ رائے امرناتھ بلی صاحب نوجوان، نیک، خلیق، ملنسار، وضع قدیم وجدید۔

خان بہادر مرزا محمد یوسف بیگ صاحب

ولادت ۱۸۶۷ء مرزا محمد اصغر بیگ صاحب کے فرزند اول، خاندانی رئیس، آنریری مجسٹریٹ درجہ دوم بہت بڑے عالی نسب، منتظم، دولتمند، فارسی و انگریزی اور اردو سے بقدر ضرورت واقف، دور اندیش، فہیم، زمانہ شناس سخن دوست، قدردان علم و فن، حکام رس، بخیر خواہ گورنمنٹ برطانیہ۔ ان کی شادی آنریبل نواب امیرالدین احمد خان بہادر

کے. سی. ایس، آئی دائی لوہارو (ملک پنجاب) کی ہمشیرہ کے ساتھ ہوئی۔ سراج الدین صاحب سائل دہلوی حضرت داغ کے داماد اور نواب صاحب لوہارو کے چچا زاد بھائی اور سالے ہین، اور غالب دہلوی بھی نواب صاحب کے رشتہ دار ہین۔ کیونکہ نواب صاحب کے والد ماجد مرزا علاء الدین احمد خان تخلص علائی غالب کے شاگرد اور رشتہ دار تھے جیسا اُردو معلی غالب سے ظاہر ہے، اور نواب صاحب کی ہمشیرہ مرزا محمد یوسف بیگ صاحب کو منسوب ہیں، اس لئے سائل و داغ و غالب مرحوم مرزا صاحب کے عزیز رشتہ دار ہوئے۔ حال کی مشہور تاریخون امپیریل گزیٹیئر لاہور ۱۹۱۱ء، گولڈن بک نو لکشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۱ء، تاج التواریخ لاہور، نصرت التواریخ، انڈیا دار بک لاہور ۱۹۱۵ء مین مرزا صاحب کے بعض حالات بڑی تعریف کے ساتھ قلمبند کئے گئے ہیں چنانچہ ایک انگریزی تاریخ مین تحریر ہے۔

" مرزا محمد یوسف بیگ صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس دریاباد تعلقدار لبنداس پور ضلع بارہ بنکی ملک اودھ ان کے خاندانی بزرگ بہ عہد اورنگ زیب ایران سے دہلی آئے۔ ان مین سے اکثر اصحاب معزز و معتبر ہونے کی وجہ سے زمانہ مغل دیوانی و فوجداری کے محکمہ مین جلیل القدر عہدہ پر ممتاز رہے۔ خان بہادر صاحب کے والد مرزا محمد اصغر بیگ قدیم طرز کے رئیس اور آبائی وضع کے پابند اور گورنمنٹ انگلیشیہ کے خیرخواہ تھے۔ خان بہادر صاحب ہز ہائینس نواب صاحب لوہارو کے رشتہ دار ہین جن کی بہن ان کو بیاہی ہوئی ہے۔ جنگ یورپ کے موقع پر انھون نے رکروٹ بہم پہونچائے، اور اپنی رعایا سے برضامندی چندہ وصول کیا۔ قرضہ جنگ اور مختلف چندون کے دینے مین شرکت کی۔ ان وفادارانہ خدمات کے صلہ مین وار بورڈ اور دیگر معزز حکام کی طرف سے شکریہ ادا کیا گیا مجسٹریٹ ضلع تحریر کرتے ہین کہ" خان بہادر مرزا یوسف بیگ ضلع مین پہلے شخص ہین جنھون نے دروازہ " رکروٹ منٹ " کا کھولا"۔ از انڈیا وار بک نمبر ۲، صفحہ ۹۷، مکھ سلا برادرس پرنٹنگ ورکس لاہور

مرزا صاحب روزہ و نماز کے پابند، خوبصورت، خلیق، نفاست پسند، خوش پوشاک، ملنسار، سیر و تفریح کے شوقین، صاحب اولاد۔ وضع جدید، شیروانی اچکن، قمیص، واسکٹ، پتلون یا پائجامہ، پمپ شو، ترکی ٹوپی استعمال کرتے ہین۔

مولوی محمد کریم صاحب تحصیلدار پنشنر

ولادت ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۵ء، از اولاد حضرت شیخ مخدوم آبکش دریابادی، حافظ مرتضیٰ کریم صاحب کے فرزند چہارم، لکھنؤ مین تحصیل علوم سے فراغت حاصل کرکے بائیس تئیس سال کی عمر مین ۱۸۸۰ء مین پہلے تحصیل بدوسہ ضلع باندہ کے نائب تحصیلدار ہوئے، ایک ہی سال کے بعد ترقی کرکے کماسن مین تحصیلدار ہوگئے۔ مدت دراز تک اضلاع الہ آباد و ہمیر پور کی مختلف تحصیلون مین اسی عہدہ پر مامور رہ کر تحصیل میجا پور ضلع الہ آباد آئے اور یہین سے پنشن پاکر خانہ نشینی اختیار کرلی۔ اس وقت تک بہ فضلہ صحیح و سلامت اور آنریری اسسٹنٹ کلکٹری کے عہدہ سے سرفراز، ایمانداری و خوش اسلوبی سے کار متعلقہ مین مصروف۔

قیام الہ آباد کے سلسلے مین خان بہادر سید اکبر حسین صاحب جج تخلص اکبر الہ آبادی سے اور تحصیلدار صاحب سے

گہرے تعلقات پیدا ہو گئے تھے، جو اُن کی زندگی تک بدستور قایم رہے۔ چنانچہ جس وقت یہ تحصیل "میجا" کی خراب حالت کو درست کرنے کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے وہان تعینات کئے گئے تو حضرت اکبر نے یہ رُباعی نظم فرما کر اِن کے پاس بھیجدی۔

رُباعی "درپیش جو چند امور میجا آئے : مصلح بن کر کریم میجا آئے : حُکّام سے کیون کیجئے اِس کو منسوب۔ سچ پوچھئے تو، خدا نے بھیجا، آئے"۔

ایک مرتبہ تحصیلدار صاحب نے کچھ پختہ و خام مچھلیان ممدوح کی خدمت مین روانہ کین جس کے تشکریہ مین حضرت اکبر نے یہ رُباعی تصنیف فرمائی:۔ رُباعی[1] "عمدہ مچھلی مُسلّم و خام ملی : تحفہ پایا مراد حُدّام ملی : ممنون کرم کیون نہ ہون اے اکبر وہ دام مین لائے مجھے بے دام ملی"۔

یہ بڑے زمانہ شناس، ذی حوصلہ اور روشن خیال بھی ہین اپنے بڑے لڑکے اور رشید مرتضیٰ علی[2] اپنے داماد کو بیرسٹری پاس کرنے کے لئے ولایت بھیجا اور جب تک وہ کامیاب ہو کر واپس نہین آئے، خوشی سے مصارف کثیر برداشت کرتے رہے ان کے تین بیٹے بڑے احمد کریم، دوان سے چھوٹے۔ صاحب اخلاق، بامروت، خوش مزاج، خوش تقدیر، کچھ کچھ ورزش کے شوقین، وضع جدید بطرز مغربی۔ (مخدوم زادگان)۔

مولوی احمد کریم صاحب سب جج

ولادت ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۵ء، مولوی محمد کریم صاحب کے فرزند اوّل۔ ۱۱ برس کے سن مین ولایت جاکر خوب محنت و مشقت کر کے بیرسٹری کی سند حاصل کی ۱۹۰۶ء لغایت ۱۹۱۲ء الہ آباد مین بیرسٹری کرتے رہے۔ بعد ازان گونڈہ کے منصف، پھر ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے محکمہ رجسٹری مین انسپکٹر ہوئے۔ عرصہ سے فیض آباد کے منصف تھے، حال مین کچھ روز بہرائچ کے قائم مقام سب جج رہے، آج کل گونڈہ کے سب جج اور اسسٹنٹ سشن جج۔

۱۹۲۲ء مین انھون نے "جدید قانون لگان" کا انگریزی سے اُردو مین عام فہم ترجمہ کیا، جس کے صلے مین گورنمنٹ نے از راہ قدردانی مبلغ پانچ سو روپیہ مرحمت فرما کر سرفراز فرمایا۔

لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی قدیم تعلقات کی بنا پر اِن پر بھی شفقت فرماتے تھے۔ جب یہ الہ آباد مین بیرسٹری کرتے تھے تو کسی روز انھون نے دو چھے شکار کر کے اُن کی خدمت مین روانہ کئے۔ ممدوح نے فوراً شکریہ مین برجستہ شعر موزون فرمایا۔ شعر "میان احمد نے دو پہرے بھیجے : لطف یہ ہے کہ بے کہے بھیجے"۔

سُنا جاتا ہے کہ جس وقت فیض آباد مین یہ خبر گرم ہوئی کہ مسٹر احمد کریم صاحب منصف، بہرائچ کے قائم مقام سب جج ہو گئے، اُسی وقت سے وہان کی معزز جماعت گارڈن پارٹی دینے پر آمادہ ہو گئی۔ روز ایک گارڈن پارٹی کا جلسہ ہونے لگا۔ ایک ہفتہ تک بڑے جوش و خروش کے ساتھ یہ محبت آمیز اخلاقی سلسلہ قایم رہتے ہوئے بھی اکثر اصحاب کے دل میں حسرت باقی رہ گئی اور منصف صاحب تاریخ معہدہ پر مجبوراً بہرائچ تشریف لیگئے۔ اس سے مولوی احمد کریم

[1] کلیات اکبر حصہ اول ملاحظہ ہو ۱۲ [2] آج کل ریاست بھوپال مین ہائی کورٹ کے جج، سات سو روپیہ ماہوار مشاہرہ ۱۲

صاحب کی اخلاقی وسعت کا زبردست پتا چلتا ہے ۔
سب جج صاحب خوش خوان، خوش فہم، خوش نصیب، خوش طبیعت، خوش تقریر، خوش چلن، خوش پوشاک، خلیق، منکسر المزاج، ہر دل عزیز، با مروت، غیر متعصب، باعدل و انصاف، اپنے فرایض منصبی کو نہایت نیک نیتی و ایمانداری اور بڑی مستعدی و قابلیت کے ساتھ انجام دینے مین مشغول۔ وضع مغربی۔

مولوی عبد المجید صاحب ڈپٹی کلکٹر

فرزند اکبر حاجی مولوی عبد القادر صاحب ڈپٹی کلکٹر مرحوم، ولادت ۱۸۸۶ء۔ راجہ درگا پرشاد صاحب مہر (تعلقدار سندیلہ) نے فارسی زبان مین قطعہ تاریخ ولادت کہا "غنچۂ امید شگفت"۔ اردو، فارسی درسیات اور عربی کے صرف نحو بیر چندر سالے منطق کے مکان پر مولانا حکیم محمد علی اطہر صاحب دہلوی سے پڑھے۔ ضلع گورکھپور کے جوبلی ہائی اسکول مین انگریزی تعلیم کی ابتدا ہوئی سیتاپور ہائی اسکول سے ۱۹۰۶ء مین انٹرنس کی سند حاصل کی۔ لکھنؤ کے کیننگ کالج و کرسچین کالج مین تعلیم پا کر ۱۹۱۱ء مین ایف۔ اے پاس کیا۔ سرکاری ملازمت کا آغاز عہدۂ نائب تحصیلداری سے آخر ۱۹۱۱ء مین ہوا۔ کئی سال تک تحصیلداری لکھنؤ کے اہم اور مشکل خدمات کو نیک نامی کے ساتھ انجام دینے کے بعد آخر ۱۹۲۳ء سے ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر ممتاز، حکام اور رعایا مین یکسان ہر دل عزیز۔
اخبارون[۵] کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبد المجید صاحب کو تحصیلداری کے عہدہ سے سبکدوش ہونے پر لکھنؤ کی پبلک نے سات آٹھ سو روپیہ چندہ جمع کر کے قیصر باغ مین ایک بڑی دھوم دھامی گارڈن پارٹی دی تھی۔ غالبًا ادھر مین آج تک کسی تحصیلدار کو ایسی گارڈن پارٹی نہین دی گئی، اس لئے مولوی صاحب اوّل تحصیلدار ہین جنھین معزز باشندگانِ لکھنؤ کیطرف سے اس مقام پر یہ اعلیٰ افتخار حاصل ہوا تھا، جہان صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے حکم سے اِس قسم کی گارڈن پارٹی کے لئے اجازت ملنا ایک نہایت دشوار بات ہے۔ لکھنؤ کی پبلک کا گارڈن پارٹی دینا ڈپٹی صاحب کے اوصاف حمیدہ کا ایک شاندار اور کافی ثبوت ہے۔
گذشتہ کئی سال سے ڈاکٹر رشبروک ولیمس گورمنٹ آف انڈیا کے لئے ایک کتاب "انڈیا" کے نام سے ہر سال تیار کیا کرتے ہین۔ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۱-۲۲ء کی کتاب کا ترجمہ مولوی عبد المجید صاحب نے "مرقع ہند" کے نام سے کیا۔ متعدد اخبارات نے ترجمہ کے متعلق نہایت عمدہ تبصرہ لکھے۔ علاوہ برین کبھی کبھی اخبارات مین مضمون نگاری بھی کیا کرتے ہین۔ نہایت نیک ملنسار، بہی خواہ وطن، خوش خلق، خوش لباس، غیر متعصب، صاحب اولاد، وضع قدیم و جدید۔ (مخدوم زادگان)۔

حافظ عبد الرشید صاحب

از نسل حضرت مخدوم آنکش دریابادی، مولوی شیخ عبد الوحید صاحب کے فرزند اکبر، اپنے خاندانی سلسلہ کے اعلیٰ

[۵] انڈین ڈیلی ٹیلیگراف مورخہ ۳۰۔ نومبر ۱۹۲۳ء، ہمدم اور اودھ اخبار مورخہ یکم دسمبر ۱۹۲۳ء ۔

محقق، شاہی اور انگریزی عہد کے ضروری اور مفید کاغذات معہ حجت یقول باقاعدہ و بالترتیب محفوظ رکھنے مین قابل قدر۔ حافظہ اور یادداشت کی بنا پر لایق داد و تحسین۔ ولادت ۲۸ محرم ۱۲۹۸ھ، مطابق ۱۹ اپریل ۱۸۸۱ء یوم چہارشنبہ

ابتدائی تعلیم اُردو و فارسی اور حفظِ قرآن کی دریاباد مین ہوئی۔ انگریزی اپنے ماموں حکیم عبدالعزیز صاحب کے ساتھ رہ کر لکھنؤ مین مڈل تک پڑھی۔ ضروری تعلیم کے بعد ریاست بھوپال، ریاست کپورتھلہ (علاقہ بارہ بنکی) اور ریاست گڑھی بھلول وغیرہ میں ملازمت کی۔ کچھ عرصہ سے مکان پر قیام پذیر اور موروثی جایداد کے انتظام مین مصروف۔ فی الحال ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ کے ٹھیکہ دار، فنِ تعمیر سے دلچسپی۔ اپنے بزرگون سے ان کو خاص عقیدت ہے۔ چنانچہ مخدوم صاحب کی درگاہ اور اکثر بزرگون کے سالانہ عرسون کا اہتمام انھین کے تعلق ہے۔ اکثر درگاہون کی خام دیوارون کو نئے سرے پختہ بنوا کر صحن مین پھول اور کیلے وغیرہ کے درخت نصب کرا دئیے ہین، جسکی وجہ سے ہمیشہ ایک قسم کی رونق رہا کرتی ہے۔

حافظ جی صاحب نے بڑی تلاش اور محنت سے اپنے خاندان کا ایک شجرہ از سرِ نو تیار کر کے عمدہ یادگار قایم کی ہے۔ اسی سلسلہ مین بعض بزرگون کے ضروری حالات کا خلاصہ قلمبند کر کے ایک مختصر سی کتاب کی صورت مین چھپانے کا خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ خدا کرے کہ یہ سعئی مبارک جلد کامیاب ہو۔

آغاز جوانی مین کچھ کچھ ظرافت نگاری کا بھی شوق پیدا ہو گیا تھا۔ اکثر خفیہ طور پر ظریفانہ مضامین لکھتے اور اودھ پنچ لکھنؤ مین شایع کراتے تھے۔ دریاباد کی تاریخ لکھنے مین انھون نے راقم الحروف کو بڑی مدد دی۔ اکثر کارآمد باتیں اور حالات جو بزرگون سے سُنے تھے، انھیں خوب یاد ہین۔ اولاد مین ایک لڑکی جو عبدالمجید صاحب ڈپٹی کلکٹر کو بیاہی ہوئی ہے۔ خلیق خوش مزاج، ملنسار، پابندِ صوم و صلوۃ۔ (مخدوم زادگان)۔

حکیم مولوی محمد عبدالحسیب صاحب

مولوی شیخ عبدالوحید صاحب کے فرزند دوم، بہت بڑے قابل اور مشہور و معروف طبیب۔ ولادت ۲۱ ذیحجہ ۱۲۹۶ھ مطابق نومبر ۱۸۷۹ء یوم چہارشنبہ۔ فارسی و اُردو کی ابتدائی تعلیم دریاباد مین پائی۔ انگریزی و عربی کا سلسلہ لکھنؤ سے شروع ہوا۔ کتب درسیہ عربی مولانا محمد عبدالمجید صاحب و مولوی محمد عبدالحمید صاحب فرنگی محل سے پڑھین۔ طب اس کے پہلے اپنے ماموں حکیم عبدالعزیز صاحب سے، پھر اُنکے انتقال کر جانے کی وجہ سے کانپور مین حکیم محمد حیات صاحب شاگرد رشید حکیم عبدالعزیز صاحب دریابادی سے جو اُس وقت کانپور کے نامور اطبا مین سے تھے، طب کی علماً و عملاً تکمیل کی، اور وہان سے سند ملنے کے ساتھ ہی لکھنؤ کے مشہور اُستاد حکیم محمد عبدالولی صاحب (جھوائی ٹولہ) کے درس و مطب مین مشغول رہکر مزید سندِ طبابت بھی حاصل کر لی۔ پھر آگرہ میڈیکل اسکول مین فنِ جراحی و تشریح سے واقفیت پیدا کی جس کے لئے موجودہ طبیبون کو مطلق خیال نہین، حالانکہ اس فن سے ماہر ہونے کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ جس وقت آگرہ میڈیکل اسکول مین آئی ہاسپٹل (آنکھ کا اسپتال) قایم کیا گیا، تو، دوبارہ وہان جا کر آنکھون کا عملی کام خاص طور پر سیکھا۔ ۱۹۰۳ء سے اپنے وطن دریاباد مین مطب شروع کیا اور علاج کے ساتھ ساتھ نزول الماء (موتیا بند) کے متعلق آپریشن اور عمل جراحی بھی انجام پانے لگا

سنہ ۱۹۱۱ء تک نہایت کامیابی و شہرت کے ساتھ کام کرتے ہوئے سلسلۂ درس و تدریس بھی جاری رکھا۔ اکثر طلباء تحصیل علم کی غرض سے آتے رہے۔ قرب و جوار میں بڑے بڑے معرکہ کے علاج کئے۔ رانی مئو کے مشہور تعلقدار ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ صاحب کے داروغہ مسمی وزیر کی عورت کے پیٹ میں بچہ مر گیا اور وہ جان بلب ہو گئی جب کسی تدبیر سے بچہ نہ نکل سکا، تو، حکیم صاحب کو تکلیف دیگئی۔ انھوں نے فوراً بذریعۂ عمل جراحی بآسانی پیٹ سے بچہ کو کاٹ کر نکال لیا، جس سے عورت کی جان بچ گئی۔ یہ ایک ایسا معرکہ کا علاج ایک ہندی طبیب کے ہاتھ سے ہوا تھا جس کا تذکرہ اودھ اخبار لکھنؤ، اخبار تفریح لکھنؤ، البشیر اٹاوہ، مجلہ طبیہ دہلی، انڈین ڈیلی ٹیلیگراف، ایڈوکیٹ لکھنؤ وغیرہ میں بڑی تعریف کے ساتھ کیا گیا، اور ٹھاکر صاحب خاص طور پر مداح اور معتقد ہو گئے۔

اوّل اوّل جب دریاباد میں طاعون کی بیماری نازل ہوئی، تو اہل قصبہ مکانات چھوڑ کر میدانوں میں رہنے لگے۔ مگر، حکیم صاحب اپنے مکان پر قیام پذیر رہنے کے ساتھ ہی مریضان طاعون کا علاج بھی کرتے رہے جس میں اس قدر کامیابی حاصل ہوئی کہ بارہ بنکی کے مشہور ڈپٹی کمشنر مسٹر بوس صاحب نے بڑی تعریف کی اور سارٹیفکیٹ عنایت فرمایا۔

سنہ ۱۹۱۲ء سے لکھنؤ میں مطب کا سلسلہ قائم کیا، چند ہی روز میں شہر بھر میں شہرہ ہو گیا، اور اب تو یہ حالت ہے کہ حکیم عبد الحمید صاحب اور حکیم کمال الدین صاحب ایسے نامی گرامی اطباء لکھنؤ میں حکیم محمد عبد السبحان صاحب کا بھی شمار ہونے لگا ہے۔ لکھنؤ کے علاوہ اضلاع گورکھپور، بستی، کھیری، سیتاپور، ہردوئی، اناؤ، بارہ بنکی، گونڈہ، بہرائچ، وغیرہ میں بھی حکیم صاحب کی خاص شہرت ہو گئی ہے، جہاں علاج کی غرض سے برابر آمد و رفت لگی رہتی ہے۔ لکھنؤ سے کلکتہ ایک مارواڑی سیٹھ کے یہاں علاج کرنے گئے اور اُسے شفا ہو گئی۔ ایک مرتبہ بمبئی جا کر سیٹھ چھوٹانی صاحب کے بھائی کا علاج کیا اور وہ بہت جلد صحت یاب ہو گئے۔

رانی مئو، بھلول، سبیہہ، بڑاگاؤں، ٹکرا (ضلع سیتاپور) جھنڈی، مگیس، کٹوارہ، مہیوہ (ضلع کھیری) ریاست عالیہ محمود آباد، سورجپور، ہڑاہا، محمدی، نانپارہ (بہرائچ) گدیہ، سترکھ، بیسار (بارہ بنکی) مہسون ضلع بستی، وغیرہ ریاستوں میں حکیم صاحب بڑی قدر و منزلت کے ساتھ علاج کی غرض سے بلائے جاتے ہیں۔ راجہ تصدق رسول خان صاحب کے۔ سی۔ ایس۔ آئی تعلقدار جہانگیر آباد بھی حکیم صاحب ہی کا علاج کرتے تھے۔

لکھنؤ میں طبیبوں کے علاوہ بڑے بڑے ڈاکٹروں کے مقابلے میں بھی حکیم صاحب نے معرکہ کے علاج کر کے نیکنامی و سرخروئی کا افتخار حاصل کیا ہے۔ پروردگار عالم حکیم صاحب کی عمر دراز کرے اور صحت کو برقرار رکھے، انکی ذات سے بھی دریاباد کو نئے سر سے بہت کچھ شہرت و عزت نصیب ہوئی ہے۔

حکیم صاحب کو نباضی اور تشخیص مرض میں اعلیٰ دستگاہ حاصل ہے۔ غریب و امیر کا یکساں جی لگا کے علاج کرتے ہیں۔ نسخہ پُر تاثیر و زود اثر اور کم قیمت ہوتا ہے۔ خدا نے ہاتھ میں شفا دی ہے، مریضوں کو بہت جلد صحت ہو جاتی ہے۔ جو مرض کسی طبیب سے مہینوں میں بھی نہیں دفع ہوتا وہ حکیم صاحب کی دوا سے صرف ہفتہ بھر میں کافور ہو جاتا ہے

جن مریضون کو اچھے اچھے ڈاکٹر اور طبیب اپنے علاج سے تنگ آکر جواب دیدیتے ہین، وہی بیمار حکیم صاحب کے نسخے سے چند روز مین چنگے ہوجاتے ہین۔

حکیم صاحب کی عالی ہمتی اور فیاضی و سخاوت بھی لایقِ ذکر ہے۔ اکثر میلون اور جلسون مین بغرض رفاہِ عام ذاتی صرفہ سے شفاخانہ قایم کرکے بلا معاوضہ علاج کرتے ہین۔ چنانچہ اس سلسلہ مین حکام و معززین و روساء نے اپنی اپنی قیمتی اور گران بہا رائیون کا اظہار کرتے ہوئے حکیم صاحب کی اس قابلِ تعریف خدمت کی خوب خوب داد دی ہے۔ ناظرین کی آگاہی کے لئے چند رائین حسب ذیل ہین۔

(۱) مین نے حکیم عبد الحیب صاحب کے خیراتی شفاخانہ کا، جسے انھون نے یہان (میلۂ دیوی) کھولا ہے، معائنہ کیا۔ اب تک ۵۲ مریضون کا علاج ہوچکا ہے۔ نتیجہ نہایت خوش کن ثابت ہوا۔ دستخط وی۔ اے۔ جی حسی، ڈپٹی کمشنر بارہ بنکی۔ ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء

(۲) مین نے خیراتی شفاخانہ کا، جوکہ لایق حکیم عبد الحیب صاحب نے دیویٰ کے میلے مین کھولا ہے، معائنہ کیا۔ حکیم صاحب کو جو شوق ہندوستانی دواؤن اور طریقۂ علاج کا ہے، وہ بہت ہی قابلِ تعریف ہے۔ لوگون کے لئے دواؤن کا مفت تقسیم کرنا قابلِ شکریہ ہمدردی ہے۔ راجہ بشیر علی۔ چندر سہر بلی (رئیس اعظم دریاباد) ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء (۳) مجھے اس خیراتی شفاخانہ کے کھلنے اور اُس کے کارگر ہونے کی نہایت خوشی ہے۔ اپنے دورہ قیام مین مین نے دواؤن کے ذخیرہ کو جو کہ دواخانہ مین کافی مقدار مین ہے، دیکھا۔ حکیم صاحب جو ہمدردی مریضون کے ساتھ کررہے ہین وہ بہت ہی قابلِ تعریف ہے۔ شفاخانہ کھولنے اور پبلک کو آرام پہونچانے کا خیال ایک بہت بڑی علو ہمتی ہے۔ حکیم صاحب پہلے شخص ہین جنھون نے اس خیال کو عملی جامہ پہنایا ہے جو ہر شخص کے لئے قابلِ شکریہ اور قابلِ ہمت افزائی ہے۔ ہمکو اُمید کرنا چاہئے کہ اس مثال کی تقلید اِن کے ہم پیشہ اور لوگ بھی کرینگے۔ ولایت علی وکیل بارہ بنکی۔ میلۂ و نمائش دیویٰ ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۲ء (۴) خیراتی یونانی دواخانہ کھولنا جسکو مین نے آج معائنہ کیا، حکیم صاحب کے پبلک خدمت کرنے کی ایک نہایت ہی قابلِ قدر مثال ہے۔ مین اُمید کرتا ہون کہ پبلک حکیم صاحب کے شفاخانہ کھولنے کی بہت زیادہ ممنون اور شکرگذار ہوگی۔ مین نے لوگون کو حکیم صاحب کی زود اثر اور پُرتاثیر دواؤن کی تعریف کرتے سُنا ہے۔ رگھبر دیال ڈپٹی کلکٹر ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء میلہ و نمایش دیویٰ (۵) مین نے حکیم عبد الحیب صاحب کے خیراتی شفاخانہ کو، جو کہ اُنھون نے دیویٰ نمائش مین کھولا ہے، معائنہ کیا۔ میرے خیال مین کمیٹی اور پبلک دونون کو حکیم صاحب کا ممنون ہونا چاہئے۔ میرے چچازاد بھائی کو تپ شدید آگئی تھی، مین خیال کرتا تھا کہ کم از کم دو تین روز یہان قیام کرنا پڑیگا۔ لیکن، حکیم صاحب کے علاج سے صرف چند گھنٹے مین صحت کُلی حاصل ہوگئی۔ مسیح الدین بیرسٹر، بارہ بنکی (۶) مین خیال کرتا ہون کہ کانگریس کو حکیم عبد الحیب صاحب دریابادی کا ممنون اور شکرگذار ہونا چاہئے، جنھون نے کانگریس کیمپ مین دواخانہ قایم کرکے بلا معاوضہ لوگون کا علاج کیا۔ حکیم صاحب سے مجھ سے ذاتی طور پر ایک مدت سے مُلاقات ہے۔ حکیم صاحب کا پیشۂ طبابت مین دُور دُور تک شہرہ ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگون نے حکیم صاحب کی اس قابلِ قدر خدمت سے فائدہ اٹھایا ہے۔ پرتھی پال سنگھ وائس چیرمین (انڈین نیشنل کانگریس لکھنؤ)، ۲۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء (۷) ہم لوگ حکیم عبد الحیب صاحب کے بہت ممنون ہین، جنھون نے شرکاء و ممبرانِ کانگریس کے آرام کے لئے شفاخانہ قایم کیا اور بلا معاوضہ لوگون کو امداد دی۔ لوگون نے اِن کی مرکب و زود اثر دواؤن سے فایدہ اٹھایا۔ ہم اُمید کرتے ہین کہ حکیم صاحب کے اس طرزِ عمل کی اور لوگ بھی تقلید کرینگے۔ ناظر الدین حسن ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ ڈی

(۸) حکیم مولوی عبدالحسیب صاحب کا دواخانہ ۱۹۱۷ء لکھنؤ بھنویری سنہ کانگریس نیشنل انڈین ۳۲ سیکرٹری جوائنٹ ایٹلا، سیر سٹر کانگریس کیمپ میں میری نظر سے گذرا حکیم صاحب نے ازخود کیمپ مین بغرض معالجہ اتفاقیہ بیماروں کے اپنا دوائی خانہ یہان قائم کیا ہے۔ چنانچہ مختلف و متعدد اشخاص بغرض علاج حکیم صاحب کی خدمت مین آئے اور انکی دوا سے فائدہ حاصل کیا۔ مین نے بھی ایک نسخہ حکیم صاحب سے لکھوالیا ہے۔ اس طریق عمل سے حکیم صاحب کے ظاہر ہوتا ہے کہ انکو مخلوق الٰہی سے کس قدر ہمدردی ہے کہ بلامعاوضہ ایسے بڑے مجمع میں اپنا فیض جاری کر رکھا ہے۔ اسکے ساتھ ایک عمدگی یہ ہے کہ ابھی کسی دوا کا کوئی اشتہار تقسیم نہین کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض بے غرض یہ زحمت حکیم صاحب نے برداشت کی ہے جسکے لیے وہ مستحق شکریہ ہین۔ محمد عبدالرحیم وکیل عدالت دیوانی علی گڈھ و پریزیڈنٹ پراونشل کانفرنس منعقدہ بنارس سنہ ۱۹۱۶ء۔ ۲۹۔ دسمبر سنہ ۱۹۱۶ء (منقول از رجسٹر معائنہ اصحاب" حکیم صاحب کے یہان موجود)۔

علاوہ مطب کے حکیم صاحب کو ملکی و قومی کامون سے بھی بہت دلچسپی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے مین بھی اپنے حسن خدمات کی بنا پر اچھا خاصا نام پیدا کیا ہے سنہ ۱۹۱۱ء مین ڈسٹرکٹ بورڈ کی ممبری ملی۔ یہ انتخاب بڑے معرکہ کا تھا۔ لیکن بفضلہ کامیابی ہوئی سنہ ۱۲-۱۹۱۳ء مین انجمن اصلاح المسلمین لکھنؤ کے جوائنٹ سکریٹری اور ممتاز دارالشفا ہی لکھنؤ کے رکن انتظامیہ ساتھ ہی اس کے نمائش دیوی کے ممبر مقرر ہوئے سنہ ۱۹۱۵ء مین آل انڈیا ویدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس دہلی کے وائس پریسیڈنٹ ہو گئے سنہ ۱۹۱۶ء مین آل انڈیا مسلم لیگ و پراونشل مسلم لیگ سے متعلق کونسل کی ممبری کا عہدہ عنایت ہوا۔ سنہ ۱۹۲۰ء مین ہوس ٹیکس کمیٹی دسلیا حکی بھی ممبری مل گئی سنہ ۱۹۲۱ء سے ادھر خلافت کمیٹی کے رکن انتظامی اور کانگریس کمیٹی لکھنؤ کے بھی ممبر ہو گئے ہین۔ حال مین ایک سرکاری تحریر سے معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ ویدک و طب یونانی کی ترقی کے لئے بہتر ین ذرائع اختیار کرنیوالی ہے جسکی نسبت حکیم صاحب عرصہ سے خاموشی کے ساتھ کوشش کر رہے تھے اس کے متعلق جو کمیٹی مقرر ہونے والی ہے، اس کے لیے صوبۂ متحدہ اودھ سے سرکاری طور پر صرف تین ممبر منتخب کیے گئے ہین، جن مین ایک ممبر حکیم محمد عبدالحسیب صاحب بھی ہین۔ ہندوستان کی ویدک اور طبی انجمن کا نائب ہونا، جس کے بانی مبانی اور روح روان ملک کے سچے خادم اور سچے بہی خواہ مشہور زمانہ استاد حکیم اجمل خان صاحب دہلی ہین، اسی طرح سرکار کا اپنی مجلس شوریٰ کے لئے رکن قرار دینا حکیم صاحب کی زبردست شخصیت کا عین ثبوت ہے۔

حکیم اجمل خان صاحب دہلوی کے دو گرامی نامے، جو حکیم صاحب کے نام ہین، دیکھنے مین آئے ہین، اُن سے بھی حکیم صاحب کی زبردست شخصیت کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کو یونانی طب سے فطری محبت ہے جسکے یہ دل سے بہت بڑے ترقی خواہ ہین۔ گرامی نامون کی نقلین حسب ذیل ہین:۔

(۱) ۲۲ مئی سنہ ۱۹۱۰ء، راہ عدن۔ حکیم صاحب مہربان من دام لطفکم۔ وعلیکم السلام۔ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ابھی مجھے بمبئی مین اُس وقت ملا جبکہ مین سفر یورپ وایشیا کے لئے روانہ ہو رہا تھا اس لئے اُس کا جواب جہاز سے دے رہا ہوں جس جوش اور محبت کے ساتھ آپ نے اپنی طب کو اس خط مین یاد کیا ہے خدا تعالیٰ اس سے زیادہ آپ کے دل مین طب یونانی کی محبت عطا فرمائے

آپکے اس خط کو پڑھ کر میرے دل میں بھی خاص اثر ہوا ہے جس سے میں سمجھتا ہوں کہ آپنے جوش دلی کے ساتھ یہ چند سطرین لکھی ہیں۔

اجمل (۳) ۷ افروری ۱۹۲۶ء۔ مکرمی تسلیم بعد۔ اکر اخبارات اور کانفرنس کے دعوت نامہ سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا۔ آل انڈیا ویدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس کا تیرھوان سالانہ اجلاس دہلی میں ۲۷ و ۲۸ فروری و یکم مارچ ۱۹۲۶ء کو قرار پایا ہے۔ اب زمانہ وہ آگیا ہے کہ ہم اپنی عزیز طبوں کو موجودہ حالت میں نہیں چھوڑ سکتے ہیں اور ان کی بقا و ترقی کے لیے ہم سب کو اپنا فرض ادا کرنا ناگزیر ہے۔ پس اس اجلاس میں یونانی طب اور ویدک کی بہتری اور ترقی کے لیے ایک ایسا نتیجہ عمل اور نظام تیار کرنا ہے جو ان کے شاندار مستقبل پر اثر ڈالنے والا ہوگا۔ یونانی طب سے آپکو خاص دلچسپی ہو اور جس قدر آپ کے مفید مشوروں سے طب کی ترقی کے لئے شاہراہ عمل تیار ہو سکتی ہے اُسکے بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ جیسے باوقار ارباب فن کی شرکت کے بغیر ہم صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ اسلئے آپ کی شرکت اس جلاس میں از بس ضروری ہے مجھے کامل یقین ہو کہ اپنے شریف فن کی خدمت کے خیال سے اور اسکو موجودہ و بے سروسامانی سے نکالنے اور بام رفعت و ترقی پر پہونچانے کے مقصد سے آپ اپنے عزیز اور گرانمایہ اوقات میں سے چند روز اس کانفرنس کے لیے ضرور نکالیں گے اور اپنی اور اپنے ہم پیشہ احباب کی شرکت سے مجھے خاص مسرت اور شکر گذاری کا موقع دینگے۔ براہ مہربانی اپنی تشریف آوری کی تاریخ اور وقت سے جلد مطلع فرمائیے۔ اجمل"۔

مولوی عبد الحسیب صاحب روزہ و نماز کے پابند، نہایت نیک بہت بڑے خلیق اور ملنسار، قانع، مروت دار، منکسر المزاج، ہندو مسلمان سب کے دوست، بہی خواہ وطن، خوبصورت، خوش چلن، خوش پوشاک، وضع جدید اولاد میں محمد امین الیف۔ اے تک تعلیم یافتہ، بعد تکمیل علم عربی اپنا آبائی فن طب شروع کیا ہے۔ (مخدوم زادگان)

نوٹ۔ یہ حالات کتاب ہذا کی تکمیل و ترتیب کے بعد بجز ابتدائی حصہ چھپنے کے لئے پریس میں داخل کر دیا گیا تھا سنہ ۱۹۲۶ء میں کچھ ضروری اور مفید باتیں اضافہ ہو کر پھر از سر نو لکھے گئے ہیں۔

شیخ محمد مقیم صاحب

مولوی شیخ عبد الوحید صاحب کے فرزند سوم ایمانداری و قناعت پسندی اور حسن کارگذاری میں قابل تعریف

ولادت ۲۲ جمادی الثانی سنہ ۱۲۹۸ھ، مطابق ۲۲ مئی سنہ ۱۸۸۱ء یوم دوشنبہ۔

جوبلی ہائی اسکول لکھنؤ میں تعلیم پائی سنہ ۱۹۰۲ء میں ذاتی کوشش و پیروی سے اودھ روہیلکھنڈ ریلوے میں ملازمت کی سنہ ۱۹۱۱ء تک لکھنؤ، بارہ بنکی، فیض آباد، بنارس، کاشی، بریلی، مراد آباد، پریاگ وغیرہ کے اسٹیشنوں پر پارسل گھر اور مال گودام میں کام کرتے رہے۔ ان مقامات پر جہاں آمدنی کی کوئی انتہا نہ تھی، نہایت نیک نیتی و ایمانداری سے اپنے فرض منصبی کو انجام دیکر پبلک و معززین اور افسران ریلوے کو خوش رکھا۔ پریاگ اسٹیشن پر انھوں نے خصوصیت کے ساتھ عزت و ناموری حاصل کی۔ چنانچہ پنڈت موتی لال صاحب نہرو وکیل الہ آباد، جسٹس سرناکس جج ہائی کورٹ الہ آباد، جسٹس پرمودا چرن بنرجی، سر جی، ایم چنتامنی چیف اڈیٹر اخبار پائنیر الہ آباد، جسٹس سید کرامت حسین صاحب جج ہائی کورٹ الہ آباد خاص طور پر مہربان تھے۔ اس درمیان میں کئی ایک

مسلمانون کو ریاست امیٹھی (سلطان پور) مین پنڈت موتی لال نہرو سے سفارش کر کے حدہ عہدون پر نوکر رکھا دیا۔ ۱۹۱۲ء مین دفتر ٹریفک منیجر مین کوشش کر کے تبدیلی کرالی، جہان آج کل پچھتر (۷۵) روپیہ ماہوار کے مشاہرہ پر مامور، اپنے کار متعلقہ مین بہوشیاری مشغول۔ دفتر کی ملازمت مین بھی انھون نے سفارش کر کے دس بارہ ہندو مسلمانون کو او۔ آر۔ آر کی ملازمت دلوادی ہے۔ پابند صوم وصلوٰۃ، نیک چلن، خلیق، غیر متعصب، صاحب اولاد (مخدوم زادگان)۔

شیخ محمد مبین صاحب

مولوی شیخ عبدالوحید صاحب کے فرزند چہارم بڑے فقیر دوست اور مہمان نواز۔ ولادت ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۰۰ھ مطابق ۲۷۔ اکتوبر ۱۸۸۳ء یوم شنبہ۔ ضرورت کے موافق انگریزی پڑھنے کے بعد دریاباد اسٹیشن پر ریل کا کام بطور خود سیکھا۔ شروع مین کانپور کے اسٹیشن پر ملازم ہوئے۔ پھر لکھنؤ مین اکزمنار کا امتحان پاس کیا۔ عرصہ تک لکھنؤ، کاکوری، بنارس، فیض آباد، رائے بریلی، کاشی وغیرہ مختلف اسٹیشنون پر مختلف حیثیتون سے تعینات رہے۔ ایک سال پارسل ایکسپرس ٹرین کے متعلق بطور گارڈ کام کیا۔ اسی سلسلہ مین اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹری کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ جنوری ۱۹۲۴ء مین لکھنؤ اسٹیشن پر پارسل آفس مین تعینات تھے، پچپن روپیہ ماہوار تنخواہ تھی۔ فروری ۱۹۲۵ء سے گڈس اور پسنجر ٹرین کے گارڈ ایک سو دس روپیہ مشاہرہ۔ اس وقت یہ عہدہ بطور قایممقامی ہے۔ لیکن سنا جاتا ہے کہ بہت جلد مستقل ہو جائے گا۔ منکسر المزاج، نیک، محنتی، آمدنی کا زبردست حصہ فقیرون اور مہمانون کی خدمت مین صرف کر دیتے ہین، اس وجہ سے مالی حالت درست نہین رہتی۔ یہ حالات بعد تکمیل کتاب ہذا ضروری ترمیم و اضافہ ہونے کی وجہ سے پھر دوبارہ از سر نو فروری ۱۹۲۵ء مین لکھے گئے ہین۔

مرزا اشرف علی بیگ صاحب

دریاباد کے مشہور شاعر مرزا نجف علی بیگ صاحب تخلص نجف کے بیٹے، نہایت نیک نیت اور دیانت دار، ولادت غالباً ۱۸۸۳ء۔ حسب ضرورت اردو، انگریزی پڑھ کر ۱۹۰۰ء مین حضرت گنج کے اسپتال مین بصیغہ کمپونڈری ملازمت کی۔ ایک ہی سال کے بعد علیحدہ ہو گئے اور اودھ رہیلکھنڈ ریلوے کے اسپتالون مین مختلف مقامات پر نوکر رہے۔ ۱۹۰۸ء۔۱۹۰۹ء دو سال ٹکٹ کلکٹری کا کام انجام دیا۔ ۱۹۱۰ء ایک سال بوجہ تخفیف بیکاری مین گذرا۔ ۱۹۱۱ء سے پھر دوبارہ ریلوے مین مستقل طور پر ملازم ہو گئے۔ اس وقت کانپور "او۔ آر۔ آر" کے اسٹیشن پر مامور اور چوالیس ۴۴ روپیہ ماہوار تنخواہ، بہ مستعدی کار متعلقہ مین مشغول۔ نیک، خلیق، وضع جدید، صاحب اولاد۔ خاندانی حالات کے لئے باب ۲، فصل ۲ مین نجف صاحب کا بیان ملاحظہ ہو۔ (چھیپی ٹولہ)۔

بابو نولکھے لال صاحب

لالہ شنکر لال صاحب کے فرزند دوم (بڑے صاحبزادہ بشیشر دیال تھے) نیک نیتی اور جہاکشی میں لایق ذکر۔ ولادت غالباً سنہ ۱۸۹۰ء سے پہلے اودھ رُہیل کھنڈ ریلوے میں پندرہ روپیہ ماہوار کی ملازمت کی۔ بعد اسکے رفتہ رفتہ ترقی کر کے حضرت گنج کے دفتر مین اٹھاسی روپیہ ماہوار کے شاہرہ پر ملازم ہو گئے۔ آج کل کلکتہ[۱] مین تعینات، سوا سو روپیہ ماہوار تنخواہ، بہ ہوشیاری و خوش اسلوبی کارِ متعلقہ مین مصروف۔ نیک، خلیق، صاحب اولاد۔ اِن کے بھائی بھی لائق اور اچھے محنتی ہین۔ **بابو مادھو دیال صاحب**، بابو اَنوکھے لال صاحب کے برادر خورد۔ ولادت سنہ ۱۸۹۲ء عالم باغ کے دفتر مین (او۔ آر۔ آر) تعینات، ۴۵ روپیہ ماہوار تنخواہ نیک، خلیق، صاحب اولاد **بابو بجے دیال صاحب**، بابو انوکھے لال صاحب کے سب سے چھوٹے بھائی۔ ولادت سنہ ۱۸۹۷ء۔ اودھ رہیلکھنڈ ریلوے کے متعلق حضرت گنج کے دفتر مین ۴۵ روپیہ ماہوار پر ملازم۔ نیک، خلیق۔

بابو انوکھے لال صاحب کے بزرگ، قریب داستو یہ دوسرے کائیتھ آل ڈینگر، موضع بردلیا پرگنہ فتح پور (ضلع بارہ بنکی سے غالباً اب سے ۱۲۵ برس قبل دریاآباد آ کر آباد ہوئے تھے۔ (مردہی محلہ)۔

فخرِ وطن مولوی عبدالماجد صاحب ناظر

بی۔ اے، ڈپٹی عبدالقادر صاحب مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے، فارسی و عربی مین ذی استعداد، انگریزی کے بہت بڑے ادیب، اُردو کے قابل تعریف ڈراما نویس، اور بہترین انشاپرداز و مضمون نگار، ساتھ ہی اس کے اچھے نقادِ فن اور اعلیٰ فلسفی و صوفی خیال شاعر، زبردست مصنف و مولف، ہندوستان سے یورپ تک مشہور۔ ولادت غالباً سنہ ۱۸۹۳ء۔

اُردو فارسی اور عربی کی تعلیم مکان پر مختلف مولوی صاحبان سے حاصل کی، اُن مین سے بعض جیّد عالم تھے، مثلاً مولانا حکیم محمد علی اطہر صاحب۔ انگریزی تعلیم کی ابتدا سیتاپور اسکول سے ہوئی، چنانچہ انٹرنس وہین سے پاس کیا۔ سنہ ۱۹۱۲ء مین کیننگ کالج لکھنؤ سے "بی۔ اے" کی سند حاصل کی۔ علی گڈھ کالج مین ایم۔ اے مین داخل ہوئے مگر اُسی زمانے مین والد نے سفر حجاز مین انتقال فرمایا لہذا کالج چھوڑنا پڑا۔

مطالعہ و مضمون نگاری کا شوق بچپن سے تھا۔ چنانچہ جس وقت سیتاپور ہائی اسکول کی ساتوین جماعت مین تعلیم پاتے تھے تو متعدد مضامین آریون کے جواب مین پنجاب کے اخبارات مین شایع کرائے۔ کیننگ کالج مین داخل ہوتے ہی مطالعہ کے میدان نے بہت وسعت اختیار کی، کیونکہ لکھنؤ کے متعدد کتب خانون سے مستفید ہونے کا پورا موقع حاصل تھا۔ چنانچہ سنہ ۱۹۱۰ء مین رسالہ "الناظر" مین "تنقید الکلام مولانا شبلی" کے عنوان سے چھ نمبر ایک طالب علم کے فرضی نام سے لکھے۔ اِن مضامین کی اشاعت سے رسالہ الناظر کی شہرت تمام علمی دنیا مین ہو گئی اور تھوڑے

---

[۱] سنہ ۱۹ مین جوانی مین فوت ہو گئے۔ ان کا بیٹا راج کرشن بہ قید حیات امپریل انجینیرنگ کمپنی کانپور مین پچاس روپیہ ماہوار پر ملازم۔ عمر ۲۳ سال، نیک، خلیق، ہوشیار۔ [۲] حال مین ایسٹ انڈیا ریلوے کمپنی سے نکل کر اودھ رہیل کھنڈ ریلوے مین جو گورنمنٹی ریلوے ہے، شامل کر دی گئی ہے۔

ہی دنون مین لوگونکو اصل لکھنے والے کے نام سے بھی واقفیت ہوگئی۔ اُس وقت سے مولوی عبد الماجد صاحب کا شمار ہندوستان کے مشہور لکھنے والوں مین ہوگیا۔

فلسفہ جدید کی شاخ "نفسیات" کے ساتھ شروع ہی سے بہت شغف تھا۔ زیادہ زمانہ نہین گذرنے پایا تھا کہ تصنیف اور تالیف کے میدان مین آگئے۔ فلسفۂ جذبات، فلسفۂ اجتماع، تاریخ اخلاق یورپ ۲ جلد، مکالمات برکلے، پیام امن، بحر المحبت شیخ مصحفی، زود پشیمان (ڈراما) سائکالوجی آف لیڈرشپ (انگریزی) وغیرہ ایسی معرکتہ الآرا کتابین اس وقت تک مولوی صاحب کے قلم سے نکل کر چھپ چکی ہین۔ مشہور اخبارات و رسائل مین وقتاً فوقتاً ان کتابون کی بابت خوب خوب فاضلانہ داد دی گئی ہے۔ چنانچہ مسٹر ظفر حسن خان صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس "پیام امن" پر ریویو کرتے ہوئے "الناظر" مارچ ۱۹۲۴ء مین رقمطراز ہین:۔

"مولوی عبد الماجد صاحب مُلک کے اُن ہونہار فرزندون مین سے ہین، جنھوں نے تھوڑی عمر مین ملک کی سب سے زیادہ علمی خدمت کی ہے۔ خدا ان کی عمر مین برکت دے، ملک کی بہت سی اُمیدین اِن کی ذات سے وابستہ ہین۔ دیگر مستقل تصنیفات کے علاوہ آپ کے تراجم "تاریخ اخلاق یورپ" اور "تاریخ تمدن" قابل ذکر ہین۔ اصل یہ ہے کہ کبھی اور بکل اُردو مین ان مباحث پر لکھتے تو مترجم موصوف ہی کی زبان اختیار کرتے۔ ترجمہ مین کہیں ترجمہ پن نہین معلوم ہوتا۔ بیان مین وہی روانی اور خیالات مین وہی قدرتی ترتیب ہے جو کسی بلند پایہ مصنف کی مادری زبان کی تصنیف مین ہونا چاہیے، یہی خوبی "پیام امن" کا طُرّۂ امتیاز ہے"۔ یہ کتاب فرانس کے نامور اہل قلم "پال رچرڈ" کی شہرۂ عالم تصنیف کا ترجمہ ہے۔

اس سے اندازہ کرسکتے ہین کہ مولوی عبد الماجد صاحب اپنے علم و کمال مین کس پایہ کے ہین اور ہندوستان کی علمی جماعت انھین کس قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے!

تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ اُردو اور انگریزی کے متعدد رسالون مین بکثرت مضامین لکھے اور اب بھی لکھتے رہتے ہین۔ زمانہ کانپور، ادیب الہ آباد، الناظر لکھنؤ، معارف اعظم گڈھ، اُردو اورنگ آباد دکن، ماڈرن ریویو کلکتہ، ایسٹ اینڈ ویسٹ بمبئی، مولوی صاحب کے بیش بہا مضامین کی بارش سے ہمیشہ رہین منت رہین گے۔

کچھ عرصے سے فلسفیانہ خیالات کی جگہ تصوف نے لے لی ہے اور مذہب کا رنگ روز بروز غالب ہوتا جاتا ہے۔ غنیمت ہے کہ اب تک "این دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ" پر عمل نہین اور لوگ مولوی صاحب کی مفید تحریرون سے مستفید ہوتے رہتے ہین۔

کالج سے نکلنے کے تھوڑے زمانہ کے بعد ایک معزز انگریز کی سفارش سے (جس سے کوئی تحریک اور کوشش نہین کی گئی تھی) "رائل ایشیاٹک سوسائیٹی" کے ممبر منتخب ہوئے، پھر حکیم ارسطو کے نام سے جو مشہور انجمن لندن مین قائم ہے، اسکی ممبری ہوگئی۔ یہ دونون انجمنین نہایت ممتاز ہین اور صرف ممیز اساتذہ فن کے لئے مخصوص ہین، اس لئے اس وقت تک صرف چند ہی ہندوستانیون کا نام فہرست ممبری مین پایا جاتا ہے۔

مولوی عبد الماجد صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے کورٹ کے ممبر بھی ہین اور ڈگری کے امتحانون مین اکثر

سخن ہوا کرتے ہین - الہ آباد یونیورسٹی بھی باوجود اپنی مسلمہ باقدر شناسی مولوی صاحب کے تبحر علمی سے کبھی کبھی فیض حاصل کرتی رہتی ہے -

سنہ ۱۹۱۷ء مین عثمانیہ یونیورسٹی (حیدرآباد دکن) کے شعبۂ تراجم مین مثل قرار مشاہرہ پر ملازمت اختیار کی بہت بڑی قدر و منزلت ہوئی - مگر ایک ہی سال کے قیام مین وہان کے سازشون سے اس قدر پراگندہ ہوئے کہ واپس چلے آئے - چند دنون کے بعد ہز اگزالٹڈ ہائینس حضور نظام[۵] نے یاد فرمایا اور بذریعۂ امین جنگ بہادر طلبی ہوئی چنانچہ حیدرآباد گئے اور باریاب ہوئے - حضور نظام نے قیام حیدرآباد پر بہت اصرار کیا - لیکن شیدانِ علم ہمیشہ ملازمت کی قیود سے آزاد رہنا چاہتے ہین، اس لئے باوجود اصرار بلیغ وہان کے قیام پر راضی نہین ہوئے حضور نے آخر کار معقول وظیفہ مقرر کردیا اور شرط یہ قرار پائی کہ سال مین ایک کتاب لکھدیا کرین -

فلسفیت کے سیس نے ذوق سلیم پر غلبہ نہین پایا ہے، اس لئے ناظر صاحب کو شعر و سخن سے دلی لگاؤ ہے - دل مین درد رکھتے اور اثر سے ڈوبے ہوئے کلام سے فوراً متاثر ہوجاتے ہین - بیشتر تو زبانِ قال سے شعر کی باریکیان نشر پاتی تھین، اب زبانِ حال سے دوسرون کو متاثر کرتے ہین خود روتے ہین اور دوسرون کو رُلاتے ہین - کبھی کبھی بعض رسالون (معارف اور الناظر) مین ناظر کے نام سے غزلین چھپا کرتی ہین - حال مین دو نعتیہ غزلین رسالہ الناظر مین شایع ہوئی ہین، دونون غزلین اپنے رنگ مین نہایت ہی خوب ہین -

ناظر صاحب حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی، حضرت ریاض گورکھپوری، جناب عزیز لکھنوی وغیرہ نامی گرامی شعراؔ و اہلِ قلم اور ملک کے مشہور ایڈیٹرون سے مراسلت رکھتے ہین - راقم کے اوستاد مخدومی و مکرمی جناب منشی نوبت رائے صاحب نظر مرحوم (لکھنوی) ایک مرتبہ بر سبیل تذکرہ ارشاد فرماتے تھے کہ "محب صاحب آپ کے ہم وطن مولوی عبدالماجد صاحب ناظر بہت بڑے قابل شخص ہین - ادبی حیثیت سے علمی دنیا مین اُن کا درجہ بہت ہی بلند اور ممتاز نظر آتا ہے - مین اُن کی تصانیف اور اُن کے مضامین کو جو اخبارون اور رسالون مین اکثر شایع ہوتے رہتے ہین، بڑے غور اور شوق سے دیکھتا ہون - مین نے سُنا ہے کہ لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی اور مولانا حسن نظامی اُن پر بہت مہربان اور اُن کی قابلیت کے غائبانہ بڑے مداح رہتے ہین - لیکن، یہ کوئی بڑی بات نہین، اُن کی اس وقت ہندوستان بھر مین شہرت ہے - اس دورِ جدید کے بہترین اُردو اہلِ قلم سب اُن کی لیاقت اور ادبی خدمت کے دل سے معترف ہین، جسکی تصدیق مشہور اخبارات و رسائل کے فائلون سے اچھی طرح ہوسکتی ہے "

لسان العصر حضرت اکبر مرحوم کے پرائیویٹ خطوط سے پایا جاتا ہے کہ وہ مولوی عبدالماجد پر خاص طور سے مہربان تھے اِن کی علمی قابلیت، اِن کی شاعری، اِن کے فلسفیانہ مضامین کی دل سے تعریف کرتے اور اِنہین بڑی قدر کی نگاہون سے دیکھتے تھے - اِنھین خطوط مین عزیز من، ڈیر فرینڈ - عنایت فرمائے من

[۵] نواب میر عثمان علی خان بہادر آصف جاہ، جی، سی، ایس، آئی، والئ حیدرآباد دکن ۱۲-

الطاف فرمائے اکبر، برادرم، مکرمی، زیب انجمن علم و دانش وغیرہ خطابوں سے عبدالماجد صاحب کو یاد فرمایا گیا ہے ایس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح عبدالماجد صاحب کی علمی قابلیت اور استعداد بتدریج ترقی کرتی گئی، اُسی طرح مولانا اکبر کے دل میں بھی محبت اور قدر و منزلت اور اعزاز و مراتب کا اضافہ ہوتا گیا۔ ابتدا میں "عزیز من" لکھتے رہے، بعد اُس کے دوستانہ برتاؤ اختیار کیا اور "ڈیر فرینڈ" عنایت فرمائے من" "الطاف فرمائے اکبر" وغیرہ برادرانہ القاب پسند فرمائے، پھر برادرانہ طور پر "برادرم" لکھنے لگے اور آخر میں بزرگ تسلیم کرکے "زیب انجمن علم و دانش" اور "مکرمی" ایسے شاندار اور معنی خیز القاب استعمال کرنے پر آمادہ ہوگئے تھے۔ ایک خط میں تحریر ہے:۔ "آپ کی محبت اور عنایت اور مہربانی اور سیکدلی ہے کہ آپ نے مجھکو قابل مشورت سمجھا ہے" اسی خط میں دوسری جگہ لکھا ہے۔ "آفتاب علم آپ ب بھی ہیں۔ خدا کا فضل شامل حال رہا تو عمر و عروج کے ساتھ آپ کی شعاعیں زیادہ ہوتی جائیں گی رسائی میں زیادہ ہونگی۔ اب عقلوں تک پہونچتی ہیں تو آئندہ دلوں تک پہونچیں گی" ۔ از مکاتیب اکبر حصہ دوم، مرتبہ مولوی عبدالماجد صاحب ناظر بی۔ اے۔

عبدالماجد صاحب اپنی علمی خدمت اور علمی تحقیقات کی بدولت ہندوستان کے علاوہ یورپ میں بھی مشہور ہوگئے ہیں۔ وہاں اِن کے فضل و کمال کی خوب خوب تعریفیں ہورہی ہیں چنانچہ کیمبرج یونیورسٹی (لندن) کے نامی گرامی فاضل پروفیسر نکلسن "رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹن کی صدسالہ سالگرہ کے جلسہ میں بڑے بڑے عالموں اور فاضلوں کے درمیان ملفوظات جلال الدین رومی پر تقریر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:۔

"اِس درمیان میں ایک ہندوستانی فاضل مولوی عبدالماجد (دریاآباد، بارہ بنکی) میرے علم میں تین نسخے اور لائے ہیں، جن میں سے ایک کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد کا ہے، ایک سرکاری کتب خانہ رامپور کا، اور ایک نواب سالارجنگ حیدرآباد کے کتب خانہ کا۔ مولوی عبدالماجد کا قصد اس رسالہ کے شایع کرانے کا ہے، اور اس غرض سے اُنھوں نے اِن تینوں نسخوں کی نقلیں حاصل کرلی ہیں۔ چند ہفتہ ہوئے اُنھوں نے بکمال عنایت کتب خانہ آصفیہ والے نسخہ کی نقل مجھے بھی عنایت کی تھی۔ میں اِس موقع پر مسرت اُنکی اِس عنایت کا، نیز اُنکے دیگر اہم خدمات کا جو وہ میرے زیر ترتیب ایڈیشن مثنوی کے سلسلہ میں کررہے ہیں، شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں" ۔ از رسالہ معارف علی گڈھ مئی ۱۹۲۴ء

فخر وطن مولوی عبدالماجد صاحب کی ذات سے دریاباد کو جو غیر معمولی شہرت نصیب ہوئی ہے، راقم الحروف اُسکے اظہار سے قاصر ہے، ناظرین خود اندازہ کرلیں۔ پروردگار عالم ممدوح کو خضر علیہ السلام کی عمر عطا فرمائے اور اُنکی صحت و تندرستی کو ہمیشہ برقرار رکھے۔ آمین!

مولانا پابند صوم و صلوٰۃ، حلیق، ملنسار، اہل کمال کے قدردان، سخن دوست، سخن سنج، منکسر المزاج، شیدائے وطن، صوفیانی وضع، کھدرپوش، صاحب اولاد، ہندو مسلم اتحاد کی حمایت میں ساعی اور مشغول۔ (مخدوم زادگان)

مولوی تجمل کریم صاحب وکیل

بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی، مولوی شیخ مظفر کریم صاحب وکیل مرحوم کے فرزند اصغر، باندہ کے مشہور وکیلوں

مین شامل، ہندو مسلم اتحاد کے حامی، قومی معاملات سے زیادہ دلچسپی۔ ۱۹۱۶ء مین کرسچین کالج الہ آباد سے بی۔ اے پاس کیا۔ ۱۹۱۹ء مین "لا کالج" الہ آباد سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اسکے بعد ہی بانده مین وکالت شروع کر دی، اور اس وقت تک بفضلہ کامیابی و ترقی کے ساتھ مشغول۔ حال مین اِن کا عقد ثانی تعلقدار صاحب گنڈارا کی بیٹی کے ساتھ ہوا ہے۔ جوان، خلیق، نیک طبیعت، خوش وضع، صاحب اولاد، ولادت ۱۸۹۱ء۔ (مخدوم زادگان)۔

شیخ حفیظ الدین صاحب اسٹیشن ماسٹر

از نسل حضرت مخدوم آبکش دریابادی، مولوی علیم الدین صاحب کے بڑے بیٹے، موضع رسیلکھنڈ ریلوے مین اسٹیشن ماسٹری کے عہدہ پر مامور۔ خلیق، نہایت نیک، جوان، روزہ و نماز کے پابند، وضع جدید، صاحب اولاد۔ ولادت غالباً ۱۸۸۲ء۔ (مخدوم زادگان)۔

مولوی حکیم الدین صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر

شیخ حفیظ الدین صاحب کے حقیقی بھائی۔ علی گڈھ کالج مین ایف۔ اے پاس کیا۔ آج کل فیض آباد مین سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس۔ ولادت ۱۸۹۲ء۔ نیک مزاج، جوان، خلیق، صاحب اولاد، وضع جدید۔ شیروانی اچکن پتلون نما پائجامہ، قمیص یا کرتا، واسکوٹ، بوٹ، ٹرکش کیپ استعمال کرتے ہین۔

حاجی محمد یوسف صاحب

از اولاد حضرت مخدوم آبکش دریابادی شیخ فضل رب کے بڑے بیٹے، فطری خوشنویس۔ اُردو شکستہ لکھتے اور عربی بھی بہت خوبی کے ساتھ استعمال کرتے ہین۔ حضور نظام کی قدردانی سے راجہ راجیان راجہ شیو راج مہاراج دھرمونت بہادر آصف جاہی رئیس و سر دفتر مال کے سر رشتہ دار ہین، اڈھائی سو روپیہ ماہوار مشاہرہ ہے۔ نیک، صاحب اخلاق، صوفیانی وضع روزہ و نماز کے پابند، اولیائے کرام کے معتقد، صاحب اولاد۔ ولادت غالباً ۱۸۶۷ء (مخدوم زادگان)۔

حافظ محمد یونس صاحب چیف ریڈر

شیخ فضل رب کے چھوٹے صاحبزادہ، حاجی محمد یوسف صاحب کے برادر خورد۔ کلام مجید خوب یاد ہے اور صاف پڑھتے ہین۔ باوجود عارضۂ ضیق النفس کے اکثر رمضان مین محراب سنایا کرتے ہین۔ انگریزی اور اُردو دونون خط پختہ اور نہایت صاف۔ مختلف حیثیتون سے اضلاع کھیری، اُناؤ اور ہردوئی مین نیک نامی سے

سرکاری ملازمت کی۔ آج کل ضلع ہردوئی مین چیف ریڈر ہین۔ ملنسار اور خلیق، دریاباد مین آبائی پختہ مکان موجود، صاحب اولاد۔ ولادت ۱۸۶۸ء۔

شیخ جلال الدین صاحب خوشنویس

عرف ضیاء الدین، شیخ جمال الدین صاحب کے بیٹے، از اولاد مخدوم آبکش دریابادی، فن خوشنویسی کی باقاعدہ تعلیم مین منہمک، خط نستعلیق و طغرا لکھنے پر مائل، لکھنؤ کے مشہور و معروف اوستاد محمد افضل صاحب اعجاز رقم کے شاگرد، خوشنویسی کے علاوہ حسب ضرورت عربی و فارسی کی تکمیل مین بھی مشغول۔ ابھی عمر بہت کم ہے اگر کچھ دن اسی طرح مشق جاری رہی تو، اچھے خوشنویسون مین ان کا شمار ہو جائے گا۔ ذہین، ہونہار، محنتی نیک۔ ولادت ۱۹۰۲ء۔

حافظ مشرف کریم صاحب گرداور قانونگو پنشنر

حافظ مصطفےٰ کریم صاحب کے اکلوتے بیٹے۔ عرصہ تک گرداور قانونگو رہے۔ اپنے فرض منصبی کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیکر حکام و رعایا، اور ماتحتین کو ہمیشہ خوش رکھا۔ حال مین ساٹھ روپیہ ماہوار کے مشاہرہ سے پنشن لیکر خانہ نشینی اختیار کی۔ آبائی وضع، غیر متعصب، نیک، ملنسار، خلیق، صاف گو، دنیا کے تین پانچ سے ناواقف، روزہ و نماز کے پابند، اولاد مین صرف لڑکی، ذاتی پختہ مکان موجود۔ ولادت ۲۔ رجب ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۸۶۱ء یوم دو شنبہ۔

شیخ محمد امین صاحب گرداور قانونگو

حافظ محمد یونس صاحب کے فرزند اکبر، انگریزی مین انٹرنس تک تعلیم یافتہ۔ حال مین گرداور قانونگوئی کا عہدہ عنایت ہوا ہے۔ خلیق، ملنسار، نیک، جفاکش، تخمیناً ۲۰ سال کی عمر، ولادت غالباً ۱۹۰۰ء (عدم یادگاری)

مولوی اجتبیٰ کریم صاحب ٹکٹ اگزامنر

حافظ مجتبیٰ کریم صاحب کے فرزند دوم، لکھنؤ کے نامی گرامی وکیل مسٹر محمد نسیم صاحب کے حقیقی بھانجے ایف۔ اے پاس۔ مختلف محکمون مین ملازمت کی، فی الحال او۔ آر۔ آر مین ٹکٹ اگزامنر، عرصہ بیس برس سے گڑھی بھلول مین سکونت پذیر۔ ولادت غالباً ۱۸۸۶ء۔

مولوی اصطفےٰ کریم صاحب

مولوی اجتبیٰ کریم صاحب کے چھوٹے بھائی، بی۔ اے، حیدر آباد مین سر رشتۂ تعلیم کے محکمہ مین ملازم۔

یہ بھی اپنے بھائی کے ہمراہ گڈھی بھلول مین رہتے ہین۔ انھون نے عربی کی تحصیل دہلی کے مشہور عالم مولانا عبیداللہ سندھی سے کی تھی۔ ولادت غالباً ۱۸۹۰ء۔

پروفیسر برج راج بہادر صاحب

ایل۔ ایل۔ بی۔ ایم۔ ایس۔ سی، پروفیسر سائنس، بابو شیو راج بہادر صاحب کے فرزند اول، کھرے کائیستھ، کائیستھ پاٹ شالہ الہ آباد مین ملازم۔ ولادت ۱۸۸۸ء۔

بابو گرراج بہادر صاحب

شری واستو یہ کھرے کائیستھ بی۔ اے، بابو شیو راج بہادر صاحب کے فرزند دوم ۱۹۲۳ء مین میور کالج الہ آباد سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی آج کل بنارس مین ملازم اور وکالت کا امتحان دینے کے لئے قانونی کتابون کے مطالعہ مین مشغول۔ ولادت ۱۸۹۰ء۔

بابو بلراج بہادر صاحب

ایف۔ اے پاس، بابو شیو راج بہادر صاحب کے فرزند سوم۔ حال مین ایف۔ اے پاس کیا۔ بہت نیک خلیق، بنارس مین ملازم۔ ولادت ۱۹۰۰ء۔

بابو برج لال صاحب

بی۔ اے، شری واستو یہ کھرے، بابو بشیشر دیال صاحب کے فرزند اول، ہندو ہائی اسکول (فیض آباد) مین ملازم۔ ولادت ۱۸۹۲ء۔

پروفیسر جالپا پرشاد صاحب

ایم۔ ایس۔ سی، پروفیسر بیالوجی، بابو برج راج بہادر صاحب کھرے کائیستھ کے خاندانی رکن، بابو اقبال بہادر صاحب ہیمینٹ کلرک (بہرائچ) کے بیٹے، کائیستھ پاٹ شالہ الہ آباد مین ملازم۔ ولادت ۱۸۸۸ء۔

بابو رام سرن داس صاحب وکیل

بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی، بابو بشیشر دیال صاحب ہیمینٹ کلرک کے بیٹے، کھرے کائیستھ، از خاندان

ل ۵ نہایت ۵ خاندانی حالات کے لئے باب ۳، فصل ۱، ذکر لالہ بھگوان داس صاحب ملاحظہ ہو۔

بابو برج راج بہادر، سلطان پور کے وکیلوں مین مشہور۔ ولادت ۱۸۸۸ء

بابو شیام لال صاحب وکیل

بی۔اے، ایل۔ایل۔بی، بابو بشیشر دیال صاحب کے چھوٹے بیٹے، بابو برج لال صاحب بی۔اے کے حقیقی بھائی، فیض آباد مین پیشۂ وکالت ذریعۂ معاش، نوجوان، خلیق، نیک، ولادت ۱۸۹۴ء۔

بابو سنت بخش صاحب وکیل

بی۔اے، ایل۔ایل۔بی، از نسل محرران دریا باد، لالہ شیو نارائن لال صاحب کے بیٹے، شری واستو دوسرے کائستھ۔ کچھ دن گونڈہ مین سب رجسٹرار رہے، عرصہ سے مشہور وکیلوں مین شامل۔ گونڈہ میں وکالت کے ذریعہ کثیر دولت پیدا کرکے وہان ایک عمدہ کوٹھی بنوائی ہے۔ ولادت غالباً ۱۸۶۷ء۔ بابو صاحب بہ سلسلۂ زمینداری کبھی کبھی اپنے وطن دریا باد آیا کرتے ہین، لیکن، اس بارِ گران سے سبکدوشی حاصل کرنے کی فکر مین ہین۔ دیکھیے کب مراد پوری ہو؟ آبائی مکان (پختہ وخام) شکستہ کس مپرسی کی حالت مین چند روز کا مہمان۔

بابو برج لال صاحب وکیل

بی۔اے، اجودھیا پرشاد مہاجن کے بیٹے، از نسلِ منگل سین کوٹھی وال۔ دریا باد مین اردو مڈل کلاس پاس کیا۔ ۱۸۸۹ء مین بارہ بنکی ہائی اسکول مین انٹرنس، ۱۸۹۵ء مین کیننگ کالج (لکھنؤ) مین بی۔اے کی سند حاصل کی۔ دو برس تک نائب تحصیلداری کا کام بارہ بنکی اور ہمیر پور مین انجام دیا۔ ۱۸۹۹ء مین ہائی کورٹ کا امتحان دیکر بعدِ کامیابی کانپور مین وکالت شروع کی۔ ۱۹۰۱ء سے بارہ بنکی مین قیام اور اس وقت تک سلسلۂ وکالت جاری۔ لیکن، افسوس ہے کہ صحت خراب ہونے کی وجہ سے، جسکی انھین ذرا بھی پروا نہین، اس پیشہ مین کچھ نام نہ پیدا کرسکے۔ بابو صاحب نیک چلن، کم سخن، با مروت، اولاد مین چھ بیٹے، اور سب انگریزی دان۔ ولادت تخمیناً ۱۸۷۶ء۔ یادگار مین ایک پختہ مکان بہ مقام نواب گنج بارہ بنکی موجود۔

بابو رام شنکر صاحب وکیل

بی۔اے، ایل۔ایل۔بی، بابو برج لال صاحب وکیل کے فرزند چہارم۔ پہلے بارہ بنکی ہائی اسکول مین انٹرنس پاس کیا۔ بعد اس کے کیننگ کالج لکھنؤ مین داخل ہوئے ۱۹۲۲ء مین بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ اسی سال ۱۹۲۴ء مین ایل۔ایل۔بی کی ڈگری لی اور وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ ولادت غالباً سن ۱۹۰۰ء۔

بابو ہری رام صاحب

بی۔ اے، بابو برج لال صاحب وکیل کے فرزند پنجم۔ ابتدائی تعلیم ہائی اسکول بارہ بنکی مین پائی میٹرکس امین آباد ہائی اسکول لکھنؤ مین پاس کیا۔ بعد اس کے کیننگ کالج لکھنؤ مین داخل ہوکر اسی سال (۱۹۲۴ء) بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ اب قانونی تعلیم مین مشغول۔ ولادت ۱۹۰۲ء۔

بابو بھگونت رائے صاحب منیجر بنک

شری واستو یہ دوسرے کایستھ از خاندان محرران دریاباد، منشی ہر پرشاد صاحب کے فرزند سوم انگریزی کے اچھے انشا پرداز، ایف۔ اے تک تعلیم یافتہ۔ ولادت سمبت ۱۹۲۱ بکرمی۔ پہلے دریاباد، پھر بارہ بنکی ہائی اسکول بعد اسکے کیننگ کالج لکھنؤ مین تعلیم پائی۔ عرصہ تک بعہدۂ سکنڈ ماسٹری مختلف انگریزی مدارس مین نیکنامی کے ساتھ کار متعلقہ انجام دیتے رہے۔ ستمبر ۱۹۱۱ء مین پنشن حاصل کی۔ ۱۹۱۲ء لغایت ۱۹۲۰ء راناز کارونیشن انگلش ٹمڈل اسکول کھجورگانون مین ہیڈ ماسٹر رہے۔ آج کل کواپریٹیو ٹاون بنک لمیٹڈ سلطانپور کے منیجر۔ خلیق، ملنسار، نہایت نیک، مذہب کے پابند، اولاد مین تین بیٹیان۔

چودھری نواب علی صاحب وکیل

چودھری عباد علی صاحب کے فرزند چہارم، گوالیار مین اردو دان نامی وکیل، کسی قدر انگریزی کے ماہر حسب ضرورت فارسی سے آشنا۔ سات آٹھ برس سے گوالیر مین وکالت کر رہے ہین، کام خوب چل رہا ہے خلیق، ملنسار، ہوشیار، زود فہم، صاحب اولاد۔ ولادت تخمیناً ۱۸۸۹ء۔

چودھری عاشق علی صاحب سب انسپکٹر

چودھری معشوق علی صاحب کے فرزند اول۔ پہلے کانسٹبل ہوئے، پھر ہیڈ محرر، بعد کو سب انسپکٹر۔ عرصہ تک ضلع جونپور کے شرپیھا تھانہ مین تعینات رہے۔ آج کل کانپور مین نہایت مستعدی و ہوشیاری سے اپنے فرایض انجام دینے مین مصروف۔ خلیق، ملنسار، صاحب اولاد۔ ولادت تخمیناً ۱۸۸۳ء۔

چودھری ساجد علی صاحب انسپکٹر بینک

ولادت تخمیناً ۱۸۹۰ء، چودھری معشوق علی صاحب کے فرزند دوم، ریاست بھوپال مین بینک کے

ف نہایت خاندانی حالات کے لئے باب ۳، فصل ۱، ذکر چودھری عباس علی صاحب ملاحظہ ہو ۱۲

انسپکٹر۔خلیق، ملنسار، جوان، تعلیم یافتہ، خوش پوشاک، وضع جدید۔

منشی جانکی پرشاد صاحب رجسٹرار قانونگو

عرف چھیدی لال، ماتھر کائستھ، از نسل درگاداس بہ سلسلۂ خاندان رائےصاحب دریاباد، لالہ شیو گوپال صاحب کے بیٹے، انگریزی، اردو، فارسی کے ماہر، آغاز شباب مین مشہور لیکچرار۔ ولادت ۔

اب سے ۳۰ برس قبل ان کے لیکچر دن کی دور دور تک شہرت تھی۔ جس وقت شروع شروع مین منشی سکتا پرشاد صاحب وغیرہ بہی خواہان قوم کی تحریک پر ہر طرف سوشل رفارم کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ کائستھون کی دنیا مین عام طور پر ایک خاص جوش پھیلا ہوا تھا، بڑے بڑے شہرون لکھنؤ، بنارس، پٹنہ وغیرہ میں دھوم دھام سے جلسے منعقد ہو رہے تھے، رائےصاحب بہادر (دریاباد) انھین کو اپنی طرف سے ڈیلی گیٹ منتخب فرماتے تھے۔ یہ جلسوں مین شریک ہو کر کرسی پر بیٹھ کے تماشا دیکھنے یا "ان میں ہان" ملانے کے بجائے سبجکٹ کمیٹیون مین معقول رائین دیتے اور جلسے کے وقت پُرزور اور موثر تقریرین کرتے تھے۔

سنہ ۱۸ء مین بارہ بنکی ہائی اسکول سے انٹرنس پاس کیا۔ سنہ ۸ء لغایت سنہ ۱۸ء بارہ بنکی کے مشن اسکول مین ہیڈ ماسٹر رہے۔ سنہ ۱۹ء سے تحصیل سنہی گھاٹ مین رجسٹرار قانونگوئی کے عہدہ پر مامور ہین۔ فسانۂ آزاد (مصنفہ پنڈت رتن ناتھ سرشار لکھنوی) اور نیچرل اشعار جو تصنع و مبالغہ سے پاک ہون، سے دلچسپی رکھتے ہین۔ وضع قدیم و جدید، اولاد مین ہرشت بہاری

بابو چندر کا پرشاد صاحب ہیڈ کلارک

سن پیدائش غالباً سنہ ۱۸۸۵ء، منشی ہیکو لال صاحب کے اکلوتے بیٹے، انگریزی تعلیم سیتاپور ہائی اسکول مین پائی اور سنہ ۱۹۰۵ء مین وہین سے انٹرنس پاس کیا۔ ان کے خاندان کے اکثر افراد نے سررشتۂ تعلیم کے محکمہ کو ذریعۂ معاش قرار دیا، چنانچہ ماسٹر ہیکو لال صاحب اور ماسٹر رگھوبر پرشاد صاحب کے پڑھائے ہوئے صدہا طالب علم صوبۂ اودھ کے مختلف حصون مین پائے جاتے ہین۔ اسکول سے نکلنے کے بعد بابو چندرکا پرشاد صاحب دفتر ڈپٹی کمشنر سیتاپور مین ملازم ہوگئے۔ مگر تھوڑے دن کے بعد آبائی محکمہ کی جانب جھکے، اور اب لکھنؤ کے مشہور صنعتی اسکول (ٹیکنیکل اسکول) مین بہ عہدۂ ہیڈ کلرکی بمشاہرہ سوا سو ماہوار مامور ہین۔ باوجود انگریزی تعلیم کے خیالات کے لحاظ سے مشرقیت مزاج مین بہت غالب ہے۔ مرنجان مرنج ہین۔ ہندو مسلمان مین یکسان ہر دل عزیز ہین۔ علم مجلس مین خاص سلیقہ رکھتے ہین۔ ماشاءاللہ قد و قامت کے لحاظ سے پولیس یا فوج کے محکمہ کے لئے زیادہ موزون معلوم ہوتے ہین۔ مگر جاننے والے جانتے ہین کہ آپ کا دل کتنا ہے! اس لئے اہل قلم ہی کی جماعت مین آپ کامیابی حاصل کر سکتے ہین۔ شروع شروع مین آپکی نامزدگی سب انسپکٹری مین ہوئی مگر خوش قسمتی سے آپ انتخاب مین نہین آئے۔ مشرقیت کے لحاظ سے سیلا ٹھیلا اور

محافل نشاط کے آپ بہت دلدادہ ہیں، اور سچ تو یہ ہے کہ لکھنؤ مین آپ ہی ایسے حضرات کی وجہ سے برسات مین عیش باغ کے میلہ کی چہل پہل باقی ہے۔ وضع قدیم وجدید، خوش پوشاک، خوبصورت، صاحب اولاد، نیک دل، نیک چلن، خاندانی حالات کے لئے باب ۲، فصل ۲، تذکرہ لالہ سرجو پرشاد صاحب کے متعلق فٹ نوٹ مین لالہ پریتم دیال صاحب کا بیان ملاحظہ ہو۔

منشی مگن بہاری لال صاحب

شری واستو یہ دوسرے کایستھ، لالہ کندن لال صاحب کے فرزند اول۔ اصلی وطن لکھنؤ۔ دریاباد مین تعلیم و تربیت پائی۔ منشی رام سہائے صاحب کے بعد معہ اپنے بھائی گوکل پرشاد کے اُن کی جملہ جایداد پر قابض ہوکر دریابادی کہلائے۔ انھین پبلک اور مذہبی کامون سے دلچسپی ہے۔ ۱۹۰۶ء لغایت ۱۹۰۹ء ''پنچ گھروارہ'' کے لقب سے نامزد ہوکر کار متعلقہ کو بحسن وخوبی انجام دیا، جو سرکاری پروانون سے ثابت ہے۔ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری مین اپنے عہدہ گرداوری کے فرائض کو مستعدی کے ساتھ ادا کیا۔ گورنمنٹ سے خوشنودی مزاج کا پروانہ عطا ہوا لالہ لال بہادر صاحب کایستھ (دیوانِ مرزا محمد یوسف بیگ صاحب) لاولد تھے، اُن کو ایک شیوالہ کی تعمیر کے لئے آمادہ کردیا، جس کی تیاری مین خود بھی بڑے شوق سے حصہ لیا۔ دونون صاحبون کے نام مورت کی استھاپنا ہوئی جس کا جشن بڑی دھوم دھام سے منایا گیا۔ گئوشالہ دریاباد کی بنیاد انھین کی بے لوث کوششون سے قایم ہوئی جسکے تفصیلی حالات اودھ اخبار[1] لکھنؤ اور ڈسٹرکٹ گزٹ بارہ بنکی[2] مین شایع ہو چکے ہین۔ آج کل گئوشالہ دریاباد کے آنریری سکریٹری اور اسکول دریاباد کے ممبر ہین۔ علاوہ اس کے ہر جلسہ اور ہر کمیٹی مین خواہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی، شوق سے حصہ لیتے ہین۔ حکام ان کے کامون سے خوش رہتے ہین۔

خاص خاص سرکاری جلسون مین بھی یہ اعزاز کے ساتھ بلائے جاتے ہین چنانچہ ہیوٹ اسکول بارہ بنکی کے افتتاحی جلسہ منعقدہ ۱۶۔ فروری ۱۹۱۱ء مین شرکت کے لئے ہز آنر لفٹنٹ گورنر سرجان ہیوٹ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ سی۔ آئی۔ ای کی آمد پر، سی۔ اے شیرنگ صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر بارہ بنکی کی طرف سے منشی صاحب کے نام جو دعوتی مطبوعہ کارڈ آیا تھا، وہ اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ یہ کارڈ منشی صاحب کے پاس موجود، جس کے خوشنما لفافہ پر انگریزی مین ان کا نام لکھا ہوا ہے۔

منشی صاحب کو راجہ جیا لال صاحب گلشن (دیوان سلطنتِ اودھ، رئیسانِ لکھنؤ مین سے تھے) کی رشتہ داری کا فخر بھی حاصل ہے۔ راجہ بھوانی بخش صاحب دہلوی کے دولڑکے کنور اسری سہائے اور راجہ جیا لال اسری سہائے کے کنور اسنی کمار (زمیندار قصبہ ایچولی) جن کی لڑکی مگن بہاری لال صاحب کے والد کو منسوب تھی اسلئے راجہ صاحب پرنانا اور اسنی کمار نانا ہوئے۔ مگن بہاری لال صاحب کی تاریخ ولادت ۱۸۷۰ء، خلیق، ملنسار،

[1] اودھ اخبار ۱۲ مارچ ۱۹۲۰ء، صفحہ ۹۔ اودھ اخبار ۱۷ فروری ۱۹۲۱ء صفحہ ۹ [2] بارہ بنکی ڈسٹرکٹ گزٹ یکم اپریل ۱۹۲۰ء، صفحہ ۹

نیک دل، مذہب کے دلی معتقد، سخن دوست، صاحب اولاد۔

بابو گوکل پرشاد صاحب رینج افسر

منشی مگن بہاری لال صاحب کے برادر خورد، ڈویژن بہرائچ مین رینج افسر۔ دریاباد مین معمولی اُردو پڑھ کر اپنی کوشش و پیروی سے "محکمہ جنگلات" مین ملازمت کی، اور رفتہ رفتہ ترقی کرکے رینج افسری کا معزز عہدہ حاصل کرلیا، عرصہ سے اسی عہدہ پر مامور۔ اپنے فرائض منصبی انجام دینے مین نہایت ہوشیار اور مستعد، پبلک اور حکام مین نیک نام اور ہر دل عزیز، خلیق، ملنسار، بامروت، محنتی، نیک چلن، صاحب اولاد۔ ولادت ۱۸۸۰ء

منشی جے بہاری لال صاحب

ماتھر کائستھ، منشی کامتا پرشاد صاحب کے فرزند اول (منجھلے بھائی چھیل بہاری، چھوٹے رگھو ونش بلی) بہت بڑے ایماندار، لاطمع، اور انھین اوصاف کے باعث نیک نام اور قابل قدر، اپنے ولی نعمت کے دلی خیر خواہ اور فرمان بردار۔ ولادت غالباً ۱۸۸۰ء۔

اِن کے دادا منشی نندکشوری پرشاد صاحب غازی پور مین عرصہ تک سررشتہ دار رہے۔ والد جوانی مین خوش تحریر تھے۔ جنکی دال پر" آلہی غنچۂ امید بکشائے"، ایسا صاف لکھتے تھے کہ بغیر عینک اچھی طرح پڑھ لیا جاتا تھا۔ مختلف جگہون مین نوکری کرکے بارہ بنکی مین عرائض نویسی اختیار کی، دو روپیہ روز آمدنی پیدا کرتے تھے۔ پیری کے زمانے مین اپنے سعادت مند لڑکون کے محبت آمیز اصرار سے مجبوراً خانہ نشین ہونا پڑا۔ اِس وقت سن ۷۵ سال کا ہے۔

اِن کا خاندانی سلسلہ دریاباد مین تخمیناً دوڈھائی سو برس سے قائم ہے، جس کے بانی قصبۂ نارنول (ضلع بلندشہر) کے رہنے والے رائے کانجی مل صاحب چکلہ دار تھے، جنھون نے بادشاہِ دہلی کے حکم سے یہان تعینات ہوکر رائے صاحب کے خاندان مین اپنی شادی کرنے کے ساتھ ہی دریاباد مین سکونت اختیار کرلی تھی۔

منشی جے بہاری لال صاحب نے دریاباد مین اُردو مڈل کلاس پاس کیا۔ پہلے سررشتۂ تعلیم مین مدرسی کی نوکری کی، بعد اُس کے رُدولی کے مشہور تعلقدار چودھری ارشاد حسین صاحب (ریاست نزدلی) کے یہان ملازم ہوگئے اور بہت جلد اپنی فطری نیک نیتی اور خوش اسلوبی کی بدولت معززین مین افتخار حاصل کرلیا۔ عرصہ سے مختار عام کھانے کپڑے کے علاوہ پینسٹھ روپیہ ماہوار مشاہرہ، پچھتر بیگھہ پختہ اراضی کے دوامی معافی دار (جسکی آمدنی تخمیناً چھ سو روپیہ سالانہ) کار متعلقہ مین ہوشیاری و مستعدی کے ساتھ مشغول، چودھری صاحب سید مہربان، عزت و ناموری مین روزافزون ترقی۔ سعادت مند، خلیق، نیک چلن، تکلف اور سوقینی سے بری، صاحب اولاد۔ منشی صاحب کے منجھلے بھائی چھیل بہاری صاحب بھی چودھری صاحب کی قدردانی سے آنریری منصفی کے سررشتہ دار پینتیس روپیہ ماہوار تنخواہ، کھانا کپڑا اِس کے علاوہ۔

منشی محمد عباس علی صاحب خوشنویس

شیخ انصاری، از خاندانِ حافظ جہانگیر بخش صاحب مرحوم۔ شیخ الہ بخش صاحب کے بیٹے، خوشنویسی مین لایق تعریف، کار امانت مین مشہور۔ دریاباد کے اسکول مین تعلیم پاکر لکھنؤ مین متفرق طور پر فارسی کی کتابین پڑھین اور وہین مشہور استادِ فن حافظ امام الدین صاحب دہلوی (مولانا حکیم محمد علی اطہر صاحب مرحوم کے والد ماجد) کی خدمت مین حاضر ہو کر باقاعدہ خوشنویسی کا فن حاصل کیا، ساتھ ہی اس کے بذات خاص محنت و مشقت کر کے امانت کے کام مین بھی اچھی خاصی مہارت پیدا کر لی۔ ۱۸ برس کے سن مین فرنگی محل کے مطبع مین کاپی نویسی کی نوکری کی، پھر نول کشور پریس مین پندرہ برس تک کتابت کا کام کیا۔ بعد اس کے اضلاع بالیسر (ملک اڑیسہ) گورکھپور، چھپرا، پرنیان، ڈھکا، اعظم گڈھ، میرٹھ وغیرہ مین بسلسلۂ امانت ملازمت کرتے ہوئے بارہ برس کی بعد دریاباد آئے۔ یہان تحصیل سنہی گھاٹ مین سرکاری حکم سے بطور کمیشن بارہ برس تک امین رہے۔ تھوڑے عرصے سے ریاست ٹہرا مین مبیس روپیہ ماہوار پر ملازم اور اس خیال سے کہ "دیس کی آدھی بھلی"، خوش و خرم۔ ۲۲ سال کی عمر، ولادت ۱۸۶۲ء

حافظ محمد سعید صاحب خوشنویس

شیخ انصاری، حافظ محمد جہانگیر بخش صاحب کے اکلوتے بیٹے، اعلیٰ درجے کے خوشنویس اور اس فن مین شیخ محمد عباس علی صاحب دریابادی (حافظ جی کے رشتے کے خاندانی چچا) کے شاگرد، ساتھ ہی اس کے لکھنؤ کے مشہور و معروف اوستادِ فن منشی شمس الدین صاحب اعجاز رقم کے فیض تلمذ سے بھی مستفید۔ پہلے نولکشور پریس لکھنؤ مین نوکری کی۔ بارہ برس کے بعد لاہور پہونچکر گلاب سنگھ پریس مین ملازم ہوئے، جہان اس وقت تک مالک مطبع کی بیحد قدردانی سے خوش و خرم۔ ولادت تخمیناً ۱۸۷۳ء۔ اولاد مین دو لڑکے، دونون حافظ اور کلکتہ مین دوکاندار۔

شیخ کریم بخش صاحب امین

شیخ صدیقی، از اولادِ شیخ لطف اللہ صاحب سالدار، شیخ خدا بخش صاحب کے بیٹے، علم پیمایش مین قابل اوستاد۔ پندرہ برس کی عمر مین بھلسر (پرگنہ رُدولی) کے نامی گرامی منصرم منشی عبد الہادی صاحب کی خدمت مین حاضر ہو کر پیمایش کا کام سیکھا۔ بعد اس کے وہ کمال حاصل کیا کہ خود استاد کو حیرت ہو گئی۔ اضلاع مراد آباد، بدایون، میرٹھ، بریلی، بارہ بنکی، وغیرہ کے بہت سے لوگون کو لایق امین بنا دیا، بعض اُن مین سے انسپکٹر ہو گئے۔ وطنی شاگردون مین سے یعقوب خان صاحب، افضل صاحب، منشی عبد الوہاب صاحب امرادس

ڈاکٹر قادر بخش صاحب مرحوم) شیخ رحیم بخش و شیخ شکور بخش صاحب وغیرہ اس وقت تک موجود اور ہر ایک لائق و ہوشیار۔

۱۸۶۲ء لغایت ۱۹۰۷ء یعنی ۴۵ برس بندوبست کے محکمہ میں مراد آباد، باندہ، گورکھپور، بدایوں میرٹھ وغیرہ ضلعوں کی پیمایش کی۔ اکثر موقعوں پر انسپکٹر بھی رہے، مگر چونکہ اس محکمہ میں ہمیشہ صرف چھ مہینے کام جاری رہتا ہے اور چھ مہینے بند، اس لئے انھیں بجائے ملازمت کے اُجرتی کام پسند تھا جسکی آمدنی سو روپیہ ماہوار سے کم نہ تھی کار متعلقہ کو ہمیشہ نہایت خوش اسلوبی و دیانت داری اور بہت مستعدی و جفاکشی کے ساتھ انجام دیکر نیکنامی حاصل کرتے رہے۔ افسران محکمہ نے خوش ہوکر جو انگریزی زبان میں سارٹیفکٹ عطا فرمائے ہیں، اُن میں سے صرف چند کے ترجمے حسب ذیل ہیں۔

(۱) سروے آف انڈیا۔ تصدیق کیجاتی ہے کہ کریم بخش نے ۱۸۷۲ء سے محکمہ سروے میں کام کیا خصوصاً بحکم مبری ۵ گورکھپور پارٹی مدت پانچ سال۔ یہ حسب کنی و تختہ مسطح ہر دو طریقہ سے پیمائش کر سکتے ہیں۔ انھوں نے خسرہ ضلع گورکھپور پانچ فضاؤں میں تیار کئے ہیں۔ یہ نقشوں میں روشنائی بھر کر تیار کر سکتے ہیں۔ دستخط لفٹنٹ کرنل نخط انگریزی، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ انچارج نمبرہ پارٹی سروے آف انڈیا۔ ۲۷ ستمبر ۱۸۸۲ء (۲) کریم بخش امین نے پانچ ہزار ایکڑ کی اس سال پیمائش کی اور رقبہ صحیح نکالا۔ یہ بہت ہی محنتی اور ایماندارانہ کام کرنے والے ہیں۔ ہم اُن کے کام سے بہت خوش رہے۔ دستخط ٹامسن اسسٹنٹ سرویئر ایم۔ سی۔ انچارج کیمپ نمبر۱، پارٹی نمبر ۵ ایس۔ آئی گورکھپور۔ ۱۹ مئی ۔

شیخ صاحب ناخواندہ محض ہیں، ہندی بھی نہیں جانتے، صرف انگریزی ہندسوں سے واقف ہیں، اس لئے ان کا کارنامہ اُن کی فطری ذہانت اور قدرتِ الٰہی کا ایک حیرت انگیز کرشمہ معلوم ہوتا ہے۔ ۱۹ برس کی عمر میں کام کرنا شروع کیا، ۶۵ برس کی عمر میں خانہ نشینی اختیار کر لی۔ اس وقت سن ۸۰ سال کا ہے۔ ولادت ۱۸۲۷ء۔ اولاد میں۔ شکور بخش وغیرہ۔

مرزا غفار بیگ صاحب مصوّر

عرف بین، مرزا چغتائی، نہایت قابل اور ہوشیار مصوّر، شبیہ کشی و نقاشی میں مشاق، نکاتِ فن سے بخوبی آگاہ، محقق، صاحب معلومات۔ ولادت غالباً ۱۸۵۸ء۔ خیالی اور نقلی دونوں قسموں کی تصاویر کھینچنے میں یدطولیٰ حاصل ہے، تصویروں کی نقلوں پر اصل کا اطلاق ہوتا ہے، چھوٹی سے بڑی اور بڑی سے چھوٹی تصویریں بنانے میں کافی مہارت پیدا کی ہے۔ کاغذ، دیوار، کپڑے پر قلم سے یکساں خوبصورتی کے ساتھ کام لیتے ہیں اور ذرا بھی نقص نہیں

ف۱ دریاباد کے استال میں ملازم تھے۔ پنشن پانے کے بعد رائیصاحب کی قدردانی سے دریاباد میں معہ عیال و اطفال سکونت اختیار کر لی تھی۔ بڑے نیک خلیق اور ملنسار تھے۔ اولاد اتنک موجود ہے ۱۲ ف۲ رائیصاحب کے یہاں ضلعدار، خوش اخلاق، خوش چلن۔ آبائی مکان کی ضروری ترمیم و مرمت کے بعد بطرز جدید ایک پختہ خوبصورت نشست گاہ بنوا کر اپنی حب الوطنی کی شاندار یادگار قائم کی ۱۲۔

آنے پاتا۔ زمانۂ قدیم کے پختہ اور چمکدار رنگون سے واقف بھی ہین، اور اُن کے تیار کرنے کا معقول طریقہ بھی معلوم ہے۔

ان کے پردادا مرزا تقی بیگ صاحب جو سردار مرزا بخش اللہ بیگ صاحب ناظم (رئیس دریاباد) کے چھوٹے بھائی کی اولاد مین تھے۔ پہلے رُدولی مین رہتے تھے۔ جب سردار صاحب کا دریاباد مین پورے طور پر قیام ہوگیا اور وہ اطمینان کے ساتھ یہان رہنے لگے تو مرزا تقی بیگ صاحب نے بھی اپنی سکونت دریاباد قرار دی اور رُدولی مین رہنا ترک کردیا بتّن صاحب کے والد مرزا آغا بیگ صاحب اُنھین کے حقیقی پوتے تھے۔ مرزا تقی بیگ٥ صاحب مرزا املاق بیگ صاحب کے داماد اور اس رشتہ کی بدولت رئیس کہلاتے تھے، اُن کے مرتے ہی ساری زمینداری غفلت و بے پروائی سے رہن و بیع ہوکر تلف ہوگئی۔

بتّن صاحب فطری مصور ہین، کسی کے شاگرد نہین۔ اِنھون نے خود ہی اپنے قدرتی شوق اور آنریبل راجہ راجعیسر بلی صاحب مسٹر۔ رئیس اعظم دریاباد کی حوصلہ افزا قدردانی سے اس فن مین خاص کمال پیدا کیا ہے۔ راجہ صاحب کے کتب خانہ مین ان کی مصوّری کے بہت سے دلچسپ اور شاندار نمونے پائے جاتے ہین، جو قدیم تصویرون کی ہوبہو نقلین ہین جن سے شانِ شاقی، خداداد ذہانت، طبیعت داری، نمایان کامیابی، دانشمندانہ صناعی اور زورِ قلم کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

مرزا صاحب کو ایک مرتبہ بہرائچ کی نمایش سے ایک سارٹیفکٹ مرحمت ہوا ہے جس سے اِن کی ابتدائی مشق بھی لایقِ تعریف پائی جاتی ہے۔ ترجمۂ سارٹیفکٹ حسب ذیل ہے۔

"زراعتی وصنعتی نمایش بہرائچ ۱۹۱۳ء۔ درجۂ اول۔ یہ سارٹیفکٹ مرزا غفار بیگ ساکن دریاباد ضلع بارہ بنکی کو بصلۂ تیاری مونوگرام آر۔ ایل۔ ایچ کلارک صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ضلع بہرائچ، جو کہ اس نمائش مین رکھا گیا، اور سب سے اچھا ثابت ہوا، دیا گیا۔ دستخط انگریزی کلارک آئی۔ سی۔ ایس پریذیڈنٹ نمائش، سید زین العابدین افسر انچارج نمائش۔ سید حسین سکریٹری۔ ۳۰ جون ۱۹۱۳ء"

نومبر ۱۹۲۱ء مین راجہ صاحب کے کتب خانہ مین مذکورۂ بالا تصویرون کو مسٹر جابلنگ صاحب بہادر کمشنر لکھنؤ نے ملاحظہ فرماکر اظہارِ مسرت کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب کی بہت تعریف کی تھی میم صاحبہ بھی جو ممدوح کے ہمراہ تھین تصاویر کی بناوٹ، رنگ و روغن، خط و خال، تناسب اعضا، وغیرہ سے بہت خوش ہوئی تھین۔ صاحب بہادر اور میم صاحبہ کو مصوری اور لائبریری سے خاص دلچسپی ہے۔ رپورٹ انڈسٹریل سروے ضلع بارہ بنکی ۱۹۲۳ء (مطبوعہ گورنمنٹ پریس الہ آباد) مین آنریبل راجہ راجعیسر بلی صاحب کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب کا بھی ذکر ہے اور اِن کی مصوری کی تعریف لکھی گئی ہے۔ اسی طرح صوبہ کے بعض معزز اور نامی گرامی انگریزی اخبارون مین بھی ان کا تذکرہ چھپا ہے اور اِن کے کمال فن کی خوب داد دی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علمی دنیا مین دُور دُور تک غفار بیگ صاحب کا آوازۂ شہرت بلند ہوچکا اور فاضل اصحاب ان کی دلکش اور نظر فریب صناعیون

---

٥ ان کی بی بی اپنے والد مرزا املاق بیگ صاحب کی زندگی مین اُن کی رضامندی سے چہارم تعلقہ کی مالک ہوگئی تھین اور اس طرح مرزا تقی بیگ صاحب کو بمیانہ اعزاز حاصل ہوگیا تھا۔ ملاحظہ ہو باب فصل الذکر مرزا املاق بیگ صاحب ۱۲۔

سے خوش ہو کر انکی ثنا و صفت مین رطب اللسان ہو گئے۔

اِن کی عمر اِس وقت تخمیناً ۳۰ سال کی ہے۔ خلیق، ملنسار، نیک، حسبِ ضرورت پڑھے لکھے، وضع جدید۔

اِن کا ایک بھائی ٹرامویے کے دفتر مین (کلکتہ) سو روپیہ ماہوار پر ملازم اور مع عیال و اطفال کلکتہ مین مقیم۔ مرزا صاحب کے خاندانی حالات کی زیادہ وضاحت کے لئے باب ۳، فصل ۱، ذکر مرزا بلاق بیگ صاحب ملاحظہ ہو۔

میر سیّد علی صاحب

سنی المذہب، حسینی سیّد، میر کرامت علی صاحب کے بیٹے، فیاض، اپنے ہم وطنون کے اعلیٰ بہی خواہ، مہمان نواز، خضر پور (کلکتہ) مین برف اور سوڈے کی دوکان کے مالک اور ٹھیکہ دار۔ دریاباد سے جو شخص کلکتہ مین اِن کے پاس جاتا ہے، اُس کی میر صاحب صرف خاطر داری ہی نہین کرتے، بلکہ اُسے روزگار پر بھی لگا دیتے ہین۔ انھون نے معمولی حیثیت سے قابلِ تعریف ترقی کرکے ایک امیرانہ شان پیدا کی ہے۔ موضع بھلونہ کا کچھ حصہ خرید کیا، آبائی مکان از سرِ نو پختہ بنوایا، جس سے بزرگون کا نام پھر زندہ ہوگیا، گاڑی گھوڑا مول لیا۔ ابھی اور زمینداری خریدنے کی فکر مین ہین۔ اِس سے میر صاحب کی حب الوطنی اور علو ہمتی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

اِن کے والد میر کرامت علی صاحب کے پردادا میر غلام علی صاحب منگرونڈہ کے زمیندارون مین تھے۔ اب سے تخمیناً دو سو برس پیشتر قرابت داری کی بنیاد پر اپنا آبائی وطن ترک کرکے دریاباد مین سکونت اختیار کی تھی اور اِس طرح اُن کا خاندان یہان قایم ہوگیا تھا۔

میر صاحب چھ بھائی ہین۔ ذاکر علی، سخاوت علی، مبارک علی، عاشق علی، صابر علی، سب کلکتہ مین دوکاندار اور خوشحال۔ میر ذاکر علی صاحب مذہبی خدمت مین قابلِ تعریف ہین، جنھون نے ایک مسجد کی تیاری مین دو ہزار روپیہ سے زائد چندہ دیا۔ یہ مسجد مردہی محلہ مین انھین کی تحریک پر انھین کے اہتمام مین تعمیر ہوئی ہے۔

سید محمد شفیع و سید محمد رفیع صاحب

سنی المذہب، میر اولاد علی صاحب کے بیٹے، کلکتہ مین نامور کمیشن ایجنٹ، چار پانچ لاکھ کی جائداد کے مالک صاحب اعزاز، خلیق، جوان، نیک۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ محمد شفیع صاحب کو اپنے آبائی وطن سے محبت پیدا ہوگئی ہے۔ چنانچہ حال ہی مین انھون نے دریاباد آکر اپنا قدیم مکان از سرِ نو پختہ تعمیر کرایا ہے اور آئندہ اِسے زیادہ شاندار بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ موصوف بڑے خوش مزاج اور خوش تقریر اور خوبصورت جوانون مین سے ایک زندہ دل شخص ہین۔ محمد رفیع صاحب کو اُردو نظم و نثر سے بڑی دلچسپی ہے، شعر گوئی اور نثر نگاری کا شوق رکھتے ہین۔ رہبر تخلص ہے، ایک رسالہ "خلافت کا چاند" کے نام سے تالیف فرمایا ہے، جو چھپ کر شایع ہو چکا ہے۔ اِن مین بھی پورے حب الوطنی پائی جاتی ہے۔ تاریخ دریاباد کی سرپرستی بخوشی قبول کرکے مالی امداد دینا اس بات کی دلیل ہے۔

بابو سیّد حاکم علی صاحب

سُنّی المذہب، مولوی ناظم علی صاحب کے بیٹے، مولانا کاظم علی صاحب کے حقیقی بھتیجے، بی۔ این ڈبلو ریلوے کے متعلق ڈی۔ ٹی۔ ایس آفس گونڈہ مین اسسٹنٹ ہیڈ کلرک، نیک طبیعت، خلیق، ملنسار، کار متعلقہ مین ہوشیاری دستعدی کے ساتھ مشغول۔ تخمیناً ۵۰ برس کا سن۔ ولادت غالباً ۱۸۷۱ء، صاحب اولاد

بابو جے دیال صاحب

جین، از فرقہ دگا مبری، لالہ ہر پرشاد صاحب کوٹھی وال کے بیٹے۔ عرصہ تک اودھ روہیلکھنڈ ریلوے کانپور کے اسٹیشن پر چیف پارسل کلرک رہے، ۱۹۱۰ء مین رٹیایر ہو کر خانہ نشین۔ تخمیناً ۷۰ برس کا سن ولادت غالباً ۱۸۵۲ء۔ انھوں نے بصرف کثیر فروری ۱۹۱۲ء مین رتھ جاترا کا جشن منایا تھا۔ خلیق، مروت دار، نیک دل، مذہب کے پابند، صاحب اولاد، خاندانی حالات کے لئے باب ۵ فصل ۱ مین لالہ ہر پرشاد کا بیان ملاحظہ

بابو چھوٹے لال صاحب

بابو جیدیال صاحب کے فرزند دوم، کانپور کے اسٹیشن پر چیف پارسل کلرک، فیاض، نہایت نیک، خلیق و کرم کے پابند، ولادت ۱۸۸۹ء۔ اِس وقت تخمیناً ۳۵ سال کا سن۔ اِن کے بڑے بھائی بابو دھن کمار داس صاحب انگریزی مین اچھی قابلیت رکھتے ہین پہلے ریلوے مین ملازم تھے، اکثر بیلون مین بھی نوکری کی ہے آج کل کل ان پر خانگی امورات مین مصروف۔ عمر تخمیناً ۴۰ سال۔

سیّد ناصر علی صاحب منصرم پنشنر

سیّد عالم علی صاحب کے فرزند اول، اپنے والد کی طرح دیانت داری مین قابل ذکر، قناعت پسندی من لایق تعریف۔ ولادت ۱۸۶۷ء۔ ۲۱ سال کی عمر مین پہلے اہلمد فوجداری، بعد اُس کے اہلمد مال پھر یکم جنوری ۱۹۰۰ء سے ریاست محمود آباد مین ملازمت کی۔ ۶ جنوری ۱۹۰۰ء لغایت ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۰۱ء گرداوری (مشاہرہ پچاس روپیہ) کا کام کیا۔ ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۶ء لغایت ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۱۵ء ستر (۷۰) روپیہ ماہوار کے مشاہرہ پر محاسب رہے ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۱۵ء سے ۷۔ ستمبر ۱۹۲۲ء تک منصرمی کا عہدہ انجام دیتے ہوئے ایک سو روپیہ ماہوار کے مشاہرہ سے پنشن حاصل کی۔ آج کل خانہ نشین، پچاس روپیہ ماہوار پنشن۔

منصرم صاحب ۹ ۱/۲ سال گورنمنٹ کے ملازم رہے، ۲۷ سال ریاست محمود آباد مین نوکری کی، دونون جگہ فطری دیانت داری و نیک نیتی اور راستگوئی و محنت اور حسن کارگذاری کے باعث ہمیشہ نیک نام رہے، اور

اپنے قابل تقلید طرز عمل کی وجہ سے محمود آباد الیسی عالی شان اور نامی گرامی ریاست میں باوجود کم علمی (معمولی اردودانی) کے معزز منصب پر پہونچکر شہرت اور ہر دلعزیزی کے خلعت سے سرفراز ہوئے۔ اِن کے یہان جو اسناد دیکھنے مین آئے ہین، اُن سے اِن کے اوصاف حمیدہ اچھی طرح ظاہر ہوتے ہین۔ اسناد کی چند نقلیں حسب ذیل ہین۔

"(۱) ناصر علی بہم وجوہ ایک لائق اہلکار ہے۔ وہ وقت کا پابند ہے اور اس وجہ سے اُس کا کام روز کا روز ہوجاتا ہے۔ وہ محنتی ہے اور ساتھ ہی اس کے اپنے کام مین ہوشیار ہے۔ اُس کا کام ویسا ہی صاف ہے جیسا کہ ہونا چاہئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو اُس کے والد کی مشہور صفت دیانت داری وراثتاً ملی ہے۔ دستخط انگریزی شیخ محمد حبیب اللہ ڈپٹی کلکٹر کھیری۔ ۱۱ نومبر ۱۹۱۱ع (۲) مین شیخ حبیب اللہ صاحب ڈپٹی کلکٹر کی تحریر کی تائید کرتا ہون۔ دستخط بیڈن سائک لال ڈپٹی کلکٹر کھیری۔ ۸ جنوری ۱۹۱۲ع (۳) نہایت راست باز اور صاف کام کرنے والے ہین۔ ایمانداری اُن کو وراثت مین ملی ہے۔ مین ایسے افسران نگران کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہون دستخط شیخ حبیب اللہ مدار المہام ریاست محمود آباد۔ ۷ مارچ ۱۹۲۲ع ماخوذ از نقل سروس بک ریاست محمود آباد (اسمی ناصر علی صاحب) جو باضابطہ ریاست کی مہر سے مزین ہے۔"

ناصر علی صاحب نہایت نیک، خلیق، مروت دار، غیر متعصب، روزہ و نماز کے پابند، کم سخن، مستقل مزاج، ملنسار، صاحب اولاد، سن اس وقت ۴۹ سال کا ہے۔

پنڈت کشوری سرن شاستری

از نسل شیورام و کاشی رام پانڈے، دوارکا پرشاد پانڈے کے بیٹے، ساہیتہ یعنی علم ادب کے اعلی ماہر پہلے دریاباد کے اسکول مین بھاشا کی تعلیم پائی، چودہ برس کی عمر مین مڈل کلاس کی سند ملی۔ بعد اُس کے کچھ دن اجودھیا مین سنسکرت پڑھی، پھر بنارس کے گورنمنٹ سنسکرت کالج مین داخل ہوئے۔ اپریل ۱۹۲۴ع مین ساہتیہ یعنی ادب کے متعلق شاستری کا درجہ یعنی بی، اے پاس کرلیا۔ ۲۶ سال کی عمر تاریخ پیدائش قیاساً ۱۸۹۸ء، خلیق تیز طبیعت، نیک محنتی۔

حکیم مولوی سید نذیر احمد صاحب

مولوی محمد حاتم علی صاحب کے بیٹے، مولانا محمد کاظم علی صاحب کے پوتے، علم طب مین قابل۔ ۱۷ برس کی عمر مین اسکول دریاباد سے مڈل کلاس کی سند حاصل کی۔ چار برس لکھنؤ مین عربی و فارسی کی تعلیم پائی۔ بعد تکمیل علوم ۱۹۲۱ع مین تکمیل الطب کالج لکھنؤ مین داخلہ ہوا۔ دسمبر ۱۹۲۲ع مین درجہ اعلی پاس کیا اور ۲۳۔ مارچ ۱۹۲۴ع کو سالانہ جلسہ مین جناب آنریبل نواب صاحب چھتاری (منسٹر) نے سند طب عطا فرمائی۔ آج کل طبابت مین مشغول ہو نہار، خلیق، نیک، ۲۴ سال کی عمر تاریخ ولادت غالباً ۱۹۰۰ء۔

بابو شاہ محمد صاحب ٹکٹ کلکٹر

شیخ مولوی کرامت علی صاحب کے اکلوتے بیٹے، بنارس چھاونی کے اسٹیشن ٹکٹ کلکٹر محنت و مشقت اور دیانتدارانہ کارگذاری و بلند حوصلگی میں قابل قدر۔ ولادت ۱۸۸۲ء۔ ان کے دادا مولوی جمعیت علی صاحب میلا اُٹ گنج سے بہ سلسلۂ قرابت دریاباد میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ مولوی کرامت علی صاحب کی پیدائش دریاباد ہی میں ہوئی تھی مولوی صاحب نے تمام عمر درس و تدریس میں بسر کی عرصہ تک دیہاتی مدرسوں میں بہ عہدۂ افسر مدرسی لڑکوں کو تعلیم دیتے رہے، نو روپیہ ماہوار تنخواہ تھی ضعیفی میں اپنے وطن دریاباد آکر تکمیل تنخواہ پر معلم گیری اختیار کی۔ تھوڑا زمانہ ہوا کہ وفات پائی۔

شاہ محمد صاحب نے دریاباد کے اسکول میں تیسرا درجہ پاس کرکے پرائیویٹ طور پر کچھ انگریزی پڑھی۔ ۱۶ برس کی عمر میں پہلے پڑھانے کی نوکری کی مختلف جگہوں میں معلم گری کرنے کے بعد ڈاکخانہ حضرت گنج لکھنؤ میں پوسٹمین ہوئے، تین برس کے بعد ڈپازٹ کلرک ہوکر دو برس تک اسکا کام نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ ۱۹۱۱ء میں اس محکمہ سے علیحدہ ہو کر ریلوے کی ملازمت اختیار کی اور بیس روپیہ ماہوار پر ٹکٹ کلکٹر ہوئے۔ اپنی محنت و جانفشانی اور ایمانداری و حسن کارگذاری سے افسروں کو ایسا خوش کیا کہ اب بینتالیس روپیہ ماہوار مشاہرہ ہوگیا۔ اُمید ہے کہ شاہ محمد صاحب بہت جلد اس سے بڑا عہدہ حاصل کرینگے۔

بابو صاحب کے والد معمولی حیثیت کے آدمی تھے۔ مگر انھوں نے محنت و مشقت اور فطری دانائی و کوشش سے نہ صرف ملازمت کے سلسلے میں ترقی کرکے اطمینان سے بسر ہونے کی صورت پیدا کی، بلکہ بحیاتی بیگم خام آراضی بھی باضابطہ عدالت سے ذریعۂ ڈگری ۱۵۔ نومبر ۱۹۲۳ء کو حاصل کرلی، ساتھ ہی اس کے تین باغوں کی ملکیت بھی مل گئی۔ اس کے علاوہ ریلوے فنڈ میں بو تنخواہ ایک کثیر رقم بھی جمع ہوچکی ہے جس میں تا زمانۂ ملازمت برابر اضافہ ہوتا رہے گا۔

خدا کے فضل سے اب اس وقت شاہ محمد صاحب ٹکٹ کلکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ زمیندار بھی ہیں اور سرمایہ دار بھی۔ نہایت خلیق اور ملنسار، نیک چلن منکسر المزاج، قانع، ہردلعزیز، خوش تقریر، خوش نصیب، صاحب اولاد۔

شیخ رحیم بخش صاحب

شیخ کریم بخش صاحب امین کے بیٹے، کارچوب اور چکن کے کام میں نہایت ہوشیار۔ کارچوب بابو استاد لکھنؤ اور چکن کا فن تاج خان صاحب لکھنوی سے حاصل کیا۔ عرصہ سے رائے صاحب کے یہاں جمعدار عمر تخمیناً ۴۲ سال، ولادت غالباً ۱۸۸۲ء۔ خلیق، محنتی، ہونہار۔

سید نظیر علی صاحب موٹر ڈرائیور

سید وزیر علی صاحب کے بیٹے۔ پندرہ برس تک کلکتہ میں موٹر ڈرائیوری کا کام کرتے رہے۔ کلکتہ کی فرنچ کمپنی میں اس فن کو حاصل کرکے اچھی شہرت حاصل کی۔ آج کل لکھنؤ میں موٹر کار کے متعلق پرزوں وغیرہ کی

دوکان کھولنے کی فکر میں ہیں۔ تخمیناً ۲۵ برس کا سن، ولادت غالباً ۱۸۹۵ء۔

شیخ عظیم بخش صاحب

شیخ رحیم بخش صاحب جمعدار کے حقیقی بھائی، موٹر ڈرائیوری میں لائق تعریف عرصہ تک نواب سلطان علی خان بہادر (کشمیری محلہ لکھنؤ) کے یہاں ملازم رہے۔ اب بمبئی وغیرہ میں ملازمت کرنے کا ارادہ ہے۔

حافظ عبدالرحیم صاحب

نہایت خوش آواز، مثنوی مولانا روم اور قصیدہ ہمس جواہر کو نہایت خوش الحانی سے پڑھتے ہیں۔ صوفیہ کرام کی صحبت کا فطری ذوق ہے چوٹ کھایا ہوا دل رکھتے ہیں۔ اساتذہ کا کلام ایک خاص انداز اور اثر سے پڑھتے ہیں محفل سماع میں حافظ صاحب کی موجودگی اکثر باعث گرمی محفل ہوتی ہے۔ آدمی ذی استعداد، پابند صوم وصلوٰۃ، نیک خلیق، ملنسار، خوش مزاج۔ ولادت غالباً ۱۸۸۵ء اس وقت عمر تخمیناً ۴۰ سال کی ہے۔

پیشہ ور لوگ

لالہ سیتل پرشاد - عرف سیتل ساہ، جین (فرقہ دگمبری) از نسل سیتارام ساہ، لالہ چھیدی لال کے بڑے بیٹے، بیشہ صرافی میں فرد، لکھنؤ شاہ دریاباد کے خزانچی۔ بھائی کی شادی میں اولوالعزمی کی وہ شان دکھائی کہ آرہ شہر میں نام ہوگیا۔ نیک، ملنسار، خوش مزاج، مروت دار، ۳۵ برس کی عمر، ولادت غالباً ۱۸۸۵ء۔

بھولا پرشاد - عرف بھولا، دیش، اچھے خاصے دوکاندار اور تھوک فروش۔ ان کی دوکان پر کرانے کے علاوہ دیگر ضروری چیزیں بھی فروخت ہوتی ہیں۔ مذہبی فرض کی ادائیگی میں انہوں نے اچھا خاصا نام پیدا کیا ہے۔ جگناتھ اور گیا کا جاترا کرنے کے بعد وہ دھوم دھام "برم بھوج (مذہبی دعوت) کیا کہ دور دور تک واہ واہ ہوگئی۔ بھولا کا سن اس وقت تخمیناً ۵۰ سال کا ہے، اولاد میں دو لڑکیاں۔ ولادت ۱۸۷۰ء۔

افضل حسین - مشہور قوال، حاجی غفور بخش کے چھوٹے بیٹے، قوالی میں اپنے والد کے شاگرد حسب ضرورت فارسی سے آشنا۔ عنوان شباب میں ردولی کے سجادہ نشین حضرت شاہ التفات احمد کی توجہ ان پر مبذول ہوگئی جس سے میاں افضل کی شہرت ہیں، جو بچپن سے ہونہار تھے، چار چاند لگ گئے، اور اب تو یہ عالم ہے کہ دور دور تک ان کی چوکی کا کوئی ہمپایہ نہیں۔ بڑے بڑے اعراس میں حاضر ہوتے اور میدان مسابقت میں اپنے ہمچشموں سے دوسرے نمبر پر نہیں رہتے۔ اساتذۂ قدیم اور جدید کا منتخب کلام خوب یاد ہے اور پھر لطف یہ کہ محفل کے رنگ کو خوب پہچانتے ہیں۔ خدا نے حافظہ ایسا دیا ہے کہ بہت تھوڑے وقت میں بڑی بڑی غزلیں حفظ کر لیتے ہیں۔ بعض

وقت محفل قوالی مین خود بھی متاثر ہو جاتے ہین، اُس وقت ایسا سماں باندھ دیتے ہین کہ حاضرین کو اپنے تن بدن کا ہوش نہین رہتا۔ تخمیناً ۴۵ برس کا سن، صاحب اولاد، ولادت غالباً ۱۸۹۱ء۔

اصغر علی - بلاری قوال کے بیٹے کلام فارسی، اردو، ہندی خوب یاد، محفل کا رنگ خوب پہچانتے ہین۔ فرزند و (شیر آباد) اور لعفنی (شاہجہان پور) ایسے نامی گرامی قوالون کے ساتھ رہ کر اپنے فن مین ہوشیار ہو جانے کے علاوہ اچھی خاصی شہرت بھی حاصل کی ہے۔ ایک مدت تک عظیم آباد کے ایک رئیس کے یہان قیام رہا۔ تھوڑے دن سے خیر آباد مین سکونت اختیار کر لی ہے۔

حشمت علی - برادر حقیقی نور جہان طوائف، ہارمونیم بجانے مین دور دور تک مشہور و معروف، اور اس فن مین ہندوستان کے نامی گرامی استاد گنپت راؤ گوالیاری کے شاگرد، علم موسیقی کے بھی ماہر طبلہ کے فن سے بھی آشنا۔ موسیقی کا فن چھوٹے منے خان لکھنوی سے حاصل کیا، طبلہ کا فن لکھنؤ کے مشہور استاد "لاڈلے" سے سیکھا۔ بنارس، گورکھپور، گیا، پٹنہ، اعظم گڈھ، مرشد آباد وغیرہ شہرون مین ان کی خاص شہرت ہے۔ تھوڑے عرصہ سے تارک الوطن۔

آغا علی عرف خورشید علی - حشمت علی کے حقیقی بھائی، سارنگی کے فن مین قابل، موسیقی مین صاحب استعداد، یوسف علی خان لکھنوی کے شاگرد، گورکھپور، پٹنہ وغیرہ مین مشہور، فی الحال تارک الوطن۔

منتظم حسین - عرف منتظم، اعلیٰ سارنگی نواز، یوسف علی لکھنوی کے شاگرد، ہارمونیم کے قانون سے بھی واقف، گورکھپور وغیرہ کے اطراف مین اچھی طرح مشہور۔ انھون نے ذاتی طور پر ایک پختہ مکان بنوا کر اپنے بزرگون کے مٹے ہوئے نام و نشان کو نئے سرے سے قائم کر دیا ہے، جس سے ان کی حب الوطنی ثابت ہوتی ہے۔

امیر جان عرف اچھن بائی، ہادی جان طوائف کی بیٹی، فن موسیقی مین کامل بچھو خان مراد آبادی کی شاگرد رشید۔ اچھن بائی نے علاوہ بچھو خان کے دیگر نامی نامی استادون سے بھی اس فن کو حاصل کیا ہے۔ اس وقت اودھ کے علاوہ ممالک متحدہ مین بھی ان کے گانے کی خاص طور پر شہرت ہے، اور اودھ مین تو ان کا کوئی مد مقابل ہی نہین۔ انھون نے اپنی بہن کے لڑکے تعلی حسین کو انگریزی کی تعلیم دلوا کر بی۔ اے پاس کرایا ہے، آج کل وہ قانونی تعلیم مین مصروف ہین۔ اس سے بائی جی کی روشن خیالی ظاہر ہوتی ہے۔ تھوڑا زمانہ ہوا کہ اچھن بائی نے اپنے گھر والون کے بیجا برتاؤ کے باعث تنگ آ کر دریاباد سے لکھنؤ مین سکونت اختیار کی ہے، جہان حال ہی مین دین دیال روڈ پر ذاتی بہت عمدہ پختہ مکان (دو منزلہ) بنوایا ہے، لیکن دریاباد مین ان کا آبائی مکان (پختہ و خام) بدستور ابتک موجود، جس پر ان کے حقیقی بھائی منیر الزمان عرف میان منیر قابض اور پیشۂ عطاری سے خوش۔

پتلی بائی - اصلی نام عزت النساء، منتظم حسین سارنگی نواز کی بیٹی، نغمہ سرائی مین قابل تعریف، رامپور کے مشہور مغنی امن خان کی شاگرد، گورکھپور وغیرہ شہرون مین ناموری حاصل کر رہی ہین۔

سورج بلی - بیڈی لال کا لڑکا، گھوڑے کا ساز اور تلوار کی میان خوب بناتا ہے۔ جلد سازی کے فن

مین بھی مہارت ہے۔ اولاد مین رام بلی، جیدیال، بھاگو، لکھنؤ اور کلکتہ کے "لوکو" مین ڈھلائی کے کام پر تعینات، پچاس ساٹھ روپیہ ماہوار تنخواہ۔

الہ دین ۔ خیاط، نبی بخش کا بیٹا، مشین کے ذریعہ سلائی کے کام مین نہایت ہوشیار۔ سلائی بہت عمدہ اور مضبوط ہوتی ہے۔ اچھے اچھے شوقین اصحاب نے اس کے تیار کئے ہوئے اچکن اور کوٹ کے متعلق "کالر" کی خاص طور پر تعریف کی ہے۔ شیروانی اچکن کی قطع و برید مین اسے اعلیٰ مہارت ہے۔ اس نے اپنے قوتِ بازو سے اس فن کی بدولت اچھی حیثیت پیدا کی ہے۔ خام مکان کو از سر نو پختہ بنوا کر اپنے بزرگون کا نام دوبارہ زندہ کر دیا۔ الہ دین تعزیہ دار، سنی المذہب، روزہ و نماز کا پابند، نیک اور جوان آدمی ہے۔ عمر تخمیناً ۴۲ سال۔ ولادت غالباً ۱۸۸۰ء۔

رزاق بخش ۔ عرف رزاق، سنی المذہب، فقیر بخش نائی کا بیٹا، فن جراحی مین ہوشیار، اور اس فن مین اپنے باپ کا شاگرد، خوشحال، نیک۔ حال مین اس نے اپنے باپ دادے کا نام روشن کرنے کی غرض سے قدیم مکان کو پختہ بنوانا شروع کیا ہے، جو بہت جلد تیار ہو جائے گا۔ اس کی عمر اس وقت تخمیناً ۶۶ سال کی ہے۔ ولادت ۱۸۵۸ء۔

مولہے ۔ بھاگو نائی کا بیٹا، سنی، بغیر پانی استعمال کئے ایسا خط بناتا ہے کہ طبیعت خوش ہو جاتی ہے بہت نیک، فرمانبردار، لاطمع۔ عمر ۵۲ سال، ولادت قیاساً ۱۸۷۲ء۔

عیدو ۔ کریم نائی کا بیٹا، تاشا خوب بجاتا ہے، اس ہنر کو اپنے باپ سے سیکھا تھا۔ اس وقت عمر تخمیناً ۶۶ سال کی ہے۔ ولادت غالباً ۱۸۵۸ء۔

رحیم بخش ۔ عرف رحیم، مشہور بہروپیا، مشہور استاد مدح خان کا شاگرد، اس نے اکثر ریاستون مین بعض بعض موقعون پر اچھے اچھے بہروپیون کے سامنے اپنا کمال فن دکھلا کر انعام حاصل کیا ہے۔ دور دور تک شاہ پور، دھانوان، چندا پور، کھجور گانون وغیرہ مشہور ریاستون مین اس کا سالانہ حیندہ مقرر ہے۔

رحیم بخش ۔ عرف رحیم، کباب بنانے مین خاص شہرت رکھتا ہے۔ بھاگو کا شاگرد۔ مخدوم زادگان سکونت۔ عمر تخمیناً ۵۴ سال۔ ولادت غالباً ۱۸۷۰ء۔

عبداللہ شاہ ۔ لائق بوٹ ساز۔ لکھنؤ کا مشہور کارخانہ "جیٹر جی کمپنی" مین بوٹ سازی کا فن حاصل کر کے اچھی خاصی مہارت پیدا کی۔ بالفعل رئیس ریرہ مئو (بارہ بنکی) کے یہان کے طور پر ملازم۔ ولادت ۱۸۸۲ء۔

بھوسی ۔ شان بخار کا بیٹا، زمانۂ حال کے فن بخاری سے اچھی طرح واقف۔ فرنیچر کے متعلق میزین، کرسیان، الماریان وغیرہ ہر قسم کی چیزین خوبصورت اور نفیس بناتا ہے۔ آج کل "مرے کمپنی" لکھنؤ مین ملازم، ۴۱ سال کی عمر، کرملا روشن لال سکونت۔ ولادت ۱۸۹۳ء۔

رام ادھین ۔ انگنو مالی کا بیٹا۔ کپڑے کے پھول، پتیان، پھولون کی کلیان، کپڑے کے پھولون کی دیوار گیرین، گلدستے وغیرہ ایسے بناتا ہے کہ نقل پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔ ۴۰ سال کا سن۔ ولادت ۱۸۸۱ء

نواب۔ اصل نام، پٹھان، نہایت طاقتور اور غیر معمولی بارکش۔ اب سے ۲۵ برس قبل بڑے سے بڑا زبردست بوجھا پھول کے مانند اُٹھا لیتے تھے۔ آٹھ نو پنسیری کی آٹھ یا نو گڑوں کی باریان (وزن فی باری ایک من یعنی چوبیس سیر سختہ) ڈیڑھ دومیل کے فاصلہ سے دریاباد اپنے سر پر لانا اِن کے نزدیک ایک معمولی بات تھی۔ دو من پختہ کرلنے کا بورا سعادت گنج سے دریاباد سات کوس بآسانی لے آنا بائین ہاتھ کا کھیل تھا۔ یہ نہ بوجھا خود لادتے تھے نہ اُتارتے۔ آپ جتنا چاہتے، قاعدے سے سر پر لاد دیتے نواب کو پہونچا دینے مین عذر نہ ہوتا۔ لیکن، موقع پر اگر آپ نہ پہونچتے تو بوجھا سر سے زمین پر آ رہتا۔ انھین مقام پر پہونچ کر پھر انتظار کرنا قیامت کا سامنا تھا۔ اب تک زندہ، اسّی یا نوّے برس کا سِن، سکونت کٹرہ روشن لال۔ امیر خان کے مکان سے متصل۔

آٹھوان باب

پرگنہ دریاباد کا بیان

پہلی فصل پرگنہ کی وسعت وآبادی وغیرہ کے بیان مین

پرگنہ دریاباد۔ یہ بڑا پرگنہ تحصیل سنہی گھاٹ کا شمالی حصّہ بناتا ہے۔ اسکی وسعت مشرق مین دریائے گھاگھرا سے لیکر مغرب مین پرگنہ پرتاب گنج اور تحصیل نواب گنج تک ہے۔ اس کے شمال مین بدوسرائے، رام نگر تحصیل فتح پور، دکھن مین سورجپور، پرگنہ بسوڈھی ورُدولی۔ رقبہ ایک لاکھ ۳۸ ہزار ۸۸۵۔ ایکڑ یا تخمیناً ۲۱۷ مربع میل ہے سنہ ۱۹۰۱ءکی مردم شماری مین ایک لاکھ ۹۳ ہزار ۱۹۹۔ آبادی تھی۔ ہندو ایک لاکھ ۱۸ ہزار ۶۲ ۴ ہبیش ہزار ۹۰ ۳ مسلمان، باقی جین وغیرہ۔ اس پرگنہ مین آمدورفت کے ذرائع اچھے ہین۔ پرگنہ کے جنوبی حصّہ مین اودھ روہیلکھنڈ ریلوے کی لوپ لائن ہے جس مین دریاباد سید غازیپور دو اسٹیشن ہین اور صفدر گنج پرگنہ کی آخری حد پر واقع ہے۔ یہان تین پختہ اور کئی ایک خام سڑکین ہین۔ کلیانی ندی کے قریب موضع رائے پور سے متصل آج کل ایک عالی شان کوٹھی راجہ راجان راجہ شیو راج مہاراج دھرمونت بہادر آصف جاہی رئیس سرِدفتر آل ریاست حیدرآباد کے حکم سے تعمیر ہو رہی ہے جو تھوڑے دنون مین تیار ہو جائیگی۔

دوسری فصل مشہور ریاستون کے بیان مین

ہرّاہا۔ دریاباد سے ۸ میل کے فاصلہ پر بجانب شمال و مغرب، پرگنہ مین سب سے بڑا اور زرخیز تعلقہ، سورج

[1] از ڈسٹرکٹ گزٹ بارہ بنکی مطبوعہ سنہ ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۲۶۔

دنشی تعلقداروں کی ملکیت - یہاں راجہ پرتھی پت سنگھ صاحب بہت نامی تعلقدار گذرے ہیں، جو بہادر بھی تھے اور منتظم وعلم وہنر کے قدردان بھی - سنا جاتا ہے کہ راجہ صاحب سکے کے حروف انگوٹھے سے مل کر غایب کردیتے تھے - عرصہ سے تعلقہ کا صدر مقام رانی کٹرہ قرار پایا ہے جسے راجہ چھتر پتی سنگھ صاحب کی بی بی رانی رتن کنور صاحبہ نے آباد کرایا تھا - کٹرہ میں مدرسہ، ڈاکخانہ، بازار اور راجہ صاحب کا پختہ مکان ہے، جو منشی سورج بلی صاحب منیجر ریاست کے زیر اہتمام تیار ہوا تھا - آج کل راجہ رگھوراج بہادر سنگھ صاحب تعلقہ کے مالک اور صاحب اولاد -

کمیار - دریاباد سے ۱۰ میل کے فاصلہ پر بجانب شمال دریائے گھاگھرا سے متصل واقع - ٹھاکر شیر بہادر سنگھ صاحب یہاں کے تعلقداروں میں نامی تھے - یہ تعلقہ بارہ بنکی، گونڈہ، بہرائچ تین ضلعوں میں منقسم ہے - موجود تعلقدار کے وقت سے تعلقہ کا صدر مقام گونڈہ کے ضلع میں پہلے چھاونی تھا، اب بہلاد گنج ہے -

میلارائے گنج - دریاباد سے ۱ میل پچھم طرف - یہ تعلقہ "میلا" اور "رائے گنج" دو موضعوں سے نامزد ہے - شیخ نوشاد علی خان صاحب یہاں کے مشہور تعلقدار تھے جو تعلیم یافتہ اور روشن خیال رئیس ہونے کے علاوہ اردو کے مشہور شاعر اور سخن فہم وجوہر شناس بھی تھے - سنہ ۱۹۱۰ء میں لاولد وفات پائی - اس وقت لفٹنٹ راجہ امتیاز رسول خان صاحب اے ڈی سی گورنر متحدہ تعلقہ کے مالک -

سیدن پور - دریاباد سے پانچ کوس مغرب - شیخ عنایت اللہ صاحب نایب ریاست محمود آباد اور ممبر انجمن ہند لکھنؤ یہاں کے مشہور تعلقدار تھے - آج کل شیخ حبیب اللہ صاحب ڈپٹی کمشنر، شیخ حامد علی صاحب، شیخ نعیم اللہ صاحب اس تعلقہ پر قابض - سیدن پور کے آم مشہور ہیں - یہاں مدرسہ ہے -

رانی مئو - دریاباد سے گوشہ شمال ومشرق چھ میل کے فاصلہ پر تعلقہ ٹھرا کی سب سے بڑی اور مشہور ومعروف شاخ، شاہی میں یہاں کی گڑھی مشہور، چاروں طرف خاردار جنگل، خندق، دو ضرب توپ - ٹھاکر اوتار سنگھ کے زمانے میں رانی مئو کو بہت عروج ہو گیا تھا - اس میں ہر فرقہ اور ہر پیشہ کے لوگ بکثرت آباد تھے - رانی مئو میں نامی بزرگ گذرے ہیں - ٹھاکر گنگا سنگھ صاحب اولو العزم، بے مثل رعایا پرور اور بڑے منتظم تھے - ان کے پوتے شیودت سنگھ، جگت سنگھ، عجب سنگھ، ارجن سنگھ - **شیودت سنگھ** صاحب بڑے خوبصورت اور رعب دار جوان سپاہی تھے - بادشاہ اودھ کے دربار میں باریاب ہو کر خلعت سے سرفراز ہوئے تھے - **جگت سنگھ** صاحب ریاست شاہ پور میں ٹھاکر تیج بخش سنگھ صاحب کے مصاحب خاص، نشانہ بازی اور جرات اور پھرتی میں خاص طور پر مشہور - بندوق سے چار باگھ مار ڈالے تھے، جن میں ایک نو ہاتھ کا تھا - زین سے نشانہ لگاتے تھے، مچان پر نہیں بیٹھتے تھے - **عجب سنگھ** صاحب ان کا بیان سکر ورعا میں درج کیا گیا ہے - **ارجن سنگھ** صاحب بہادر، رعب دار، گراں ڈیل، قانع، صلح پسند آزاد طبیعت، فیاض اور منتظم تھے - شیودت سنگھ صاحب کی نسل میں **ٹھاکر اوتار سنگھ** صاحب بڑے منتظم اور نامی رئیس ہوئے - یہ آخر واجد علی شاہی میں تعلقہ ملکہرہ پر قابض ہو گئے تھے - لیکن غدر کے بعد انگریزی انتظام ہونے کے وقت

؎ اقرار نامہ منگل سنگھ وغیرہ زمینداران منصور پرگنہ دریاباد سے پتہ چلتا ہے کہ راجہ صاحب ۱۲۳۳ھ میں بقید حیات تھے ۱۲

چند روز تک غیر حاضر رہنے کی وجہ سے ملکیرہ ان کی ملکیت سے نکل گیا۔ پختہ بندوبست کے زمانے مین رانی سُوباضابطہ تعلقہ قرار پایا اور اوتار سنگھ صاحب ایکٹ ۲ کے تعلقدار تسلیم کئے گئے۔ **ٹھاکر جانکی پرشاد سنگھ** صاحب۔ ٹھاکر اوتار سنگھ صاحب کے پوتے، ٹھاکر جنگ بہادر سنگھ صاحب تعلقدار کے فرزند اکبر، خوبصورت، جوان، طاقتور، جامہ زیب، حکام رس قدردان علم و فن، نفیس مزاج، امیر طبیعت، خوش اخلاق، بامروت، خوش پوشاک، مذہب کے پابند، بڑے اُولوالعزم اور فیاض رئیس تھے۔ ناگری زبان کے بہت بڑے حامی تھے۔ عیش پرستی و بادہ نوشی سے سخت نفرت تھی۔ دنگل اور تھیٹر کا بیحد شوق تھا۔ توڑ اگرانی مین اچھی مہارت پیدا کی تھی۔ گھوڑے پر خوب سوار ہوتے تھے۔ نشانہ بازی مین شہرت رکھتے تھے۔ پتنگ، تاش، چوسر، بازدیکھتی اور بلبل وغیرہ سے بھی دلچسپی تھی۔ بنارس کے نامی گرامی پنڈت مہامہوپادھیائے شیو کمار شاستری، مہامہوپادھیائے شدھاکر شاستری وغیرہ اِن پر خاص مہربان تھے۔ حضرت میان سید غلام رسول صاحب مرحوم (گرونڈہ) حکیم مولوی محمد عبد الحسیب صاحب (دکیا باد) ڈاکٹر عبد الرحیم صاحب مرحوم (اسسٹنٹ سرجن وکٹوریا گنج لکھنؤ) سے خاص تعلقات تھے۔ آج کل کے چھتریون مین ٹھاکر صاحب اول سورج ونش چھتری تھے، جن کے دم سے اِن کے حقیقی بھائی دوار کا پرشاد سنگھ کا "یگیتوپویت" (جنیو پہننے کی رسم) دھرم شاستر کے اصول پر بڑی دھوم دھام سے ہوا تھا۔ ۳۶ برس کی عمر مین ۱۰ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء کو دفعتہً انتقال ہوگیا۔ اولاد مین دھرابندھ سنگھ بہ قید حیات۔ ریاست کورٹ، مکان ویران۔ حال مین یہان ڈاکخانہ کا بھی ہوس قایم ہوا ہے۔

بشنداس پور۔ بانی لالہ بشنداس صاحب کھترے۔ سکھرے کا تیتھون کی ملکیت، عرصہ سے برائے نام، مرزا محمد یوسف بیگ صاحب قابض **حمیدنگر** مشہور تعلقہ۔ چودھری عباس علی صاحب کے وقت مین یعنی اب سے نصف صدی قبل شکست ہوگیا۔ **سکری جیول۔** بھیانک اندر والے ماتھر کایتھون کی ملکیت مین اب سے ایک صدی بیشتر موجود تھا۔

کھجوری۔ چالیس مواضعات کا زرخیز اور مشہور تعلقہ۔ بانی راجچند بیس ٹھاکر، موضع کھجور گانون علاقہ بیسواڑہ کے رہنے والے تھے۔ سات سو برس ہوئے کہ علاء الدین غوری کے زمانے مین صوبہ دار کے ہمراہ یہان آئے اُس وقت بھر قوم کا اس طرف راج تھا۔ راجچند نے بھر قوم کے اخراج مین صوبہ دار صاحب کو کافی مدد دی۔ اس

ٹھاکر صاحب کے وقت مین ریاست مقروض ہوگئی تھی، جس سے اُن کی ناعاقبت اندیشی اور فضول خرچی ثابت ہوتی ہے۔ لیکن ریاست کی تباہی کا خاص باعث یہ ہوکہ: - ایک مرتبہ بنارس کے مشہور و معروف جوتشی مہامہوپادھیائے پنڈت شدھاکر شاستری نے جن کی نجوم دانی کا ملک مین خاص شہرہ تھا، ٹھاکر صاحب کا جنم پتری دیکھ کر صاف صاف بیان کردیا کہ آپ صرف آٹھ ہی نو برس زندہ رہین گے، تین شادیون کے بعد بچون کا آغاز ہوتے ہی آپ کا خاتمہ ہے۔ اولاد زندہ نہ رہیگی، شاید آخری لڑکا بچ جائے۔ مان، بھائی، عزیز و اقارب، کارندے سب خلاف ہو جائینگے۔ مکان ویران علاقہ تباہ ہو جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ ان مایوس کن الفاظ نے ٹھاکر صاحب پر گہرا اثر ڈالا ساتھ ہی اس کے چند روز کے بعد مان اور بھائیون نے علیحدگی چاہی، کچھ جائی لا کھ کی جائداد بھی ہاتھ سے نکل گئی، تین لڑکے پیدا ہوتے ہی فوراً مرگئے، عزیز اقارب بھی بباطن عداوت پر آمادہ ہوگئے، کارندے بھی دشمنون سے مل گئے۔ بوجوہ ٹھاکر صاحب کو قدرتی طور پر پنڈت جی کی پیشینگوئیون پر کامل اعتقاد آگیا اور وہ اپنے دلی ارمان نکالنے پر مجبور ہوگئے ایسی حالت مین ٹھاکر صاحب جیسے منتظم اور ناعاقبت اندیش نہیں کہے جا سکتے ہین ۱۲۔

خیر خواہی کے صلہ مین صوبہ دار موصوف کی سفارش سے اُنھین بھر قوم کے مقبوضہ مواضعات بادشاہ نے
عطا فرمائے۔ منجملہ دیگر دیہات کے ایک موضع کا کچھ حصہ جنگل کی حیثیت سے تھا، اُسے کٹوا کر بسین ٹھاکر نے آباد
کیا، اور اپنے قدیم آبائی وطن کے نام کی رعایت سے "کھجوری" نام رکھا۔ اِن کی نسل والون نے خوب ترقی کر کے تعلقدار
حیثیت پیدا کرلی اور کھجوری چالیس مواضعات کا تعلقہ قرار دیا گیا، بارہ مواضعات پرگنہ بدوسرائے مین اور ۲۸ مواضع
پرگنہ دریاباد مین شامل تھے۔ سنہ ۱۲۵۵ فصلی مطابق ۱۸۴۷ء مین رام پرشاد سنگھ، اجودھیا سنگھ، امان سنگھ صاحب
کی رضامندی سے تینون بھائیون مین علاقہ تقسیم ہوکر تعلقداری کی شان سے خارج ہوگیا، اور ٹھاکر لوگ بجائے
تعلقدار کے زمیندار کہلانے لگے۔ کھجوری کے رئیسون مین ٹھاکر رام چھبیرے، فقیر سنگھ، جنگی داس، دلتھمن سنگھ، اجو
دھیا سنگھ نامی بزرگ گذرے ہین۔ ٹھاکر رام چھبیرے سنگھ صاحب۔ بڑے اولوالعزم، منتظم اور رعایا پرور تھے، اِن
کے وقت مین کھجوری بہت زرخیز تھا۔ انھون نے ایک مرتبہ بجائے بیلون کے سراون مین ہاتھی جتوا کر کھیت درست
کرایا تھا۔ ٹھاکر فقیر سنگھ صاحب مُلقب بہ فقیر شاہ۔ بڑے منتظم۔ قبل اِن کے علاقہ زیربار ہوکر غیرون کے قبضہ مین
آگیا تھا۔ لیکن، انھون نے کوشش و پیروی سے بہت جلد کُل علاقہ حاصل کرلیا۔ بہت دن تک ریاست ٹیراہا
مین نیابت کی۔ دربار اودھ مین باریاب ہوکر "شاہ" کے خطاب سے سرفراز ہوئے حُسن انتظام سے کثیر دولت جمع
ہوگئی، دور دور تک نام ہوگیا۔ ٹھاکر مولا بخش سنگھ صاحب کے یہان ٹھاکر فقیر سنگھ صاحب کے نام کی مُہرین موجود ہین
جن پر "فقیر شاہ تعلقدار کھجوری" کندہ ہے۔ فقیر شاہ کے چھوٹے بھائی جنگی داس بڑے زبردست پہلوان تھے، جن
کی پہلوانی کی بابت بہت سی بعید از قیاس روائتین زبان زد خاص و عام ہین۔ ٹھاکر دلتھمن سنگھ صاحب بہت
قدآور اور طاقتور جوان تھے۔ ایک مرتبہ ایک ساکھو کا لٹھا چند ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیا تھا۔ ٹھاکر اجودھیا سنگھ صاحب
ایسے قوت دار تھے، کہ انگلیون سے روپیہ توڑ دیتے اور اُس کے حروف مل کر مٹا دیتے تھے۔ ۱۰۷ برس کے ہوکر اب سے
نصف صدی قبل وفات پائی۔ ٹھاکر مولا بخش سنگھ صاحب کے پاس جو پُرانے کاغذات موجود ہین، اُن سے معلوم
ہوتا ہے کہ تعلقدارانِ کھجوری بہت بڑے منتظم، حساب دان، اور عقلمند و تجربہ کار تھے۔ فہرست مواضعات مین
زمین کی خاصیت، زمین کے نیچے پانی کی دوری کہ اس مقام پر کنوان کھودنے سے اتنی دور پر پانی نکلے گا، باغات کے درختون
کی تعداد، اُن کا تخمیناً وزن وغیرہ بہت سی پُراز معلومات باتین درج ہوتا اُن کی دانائی وغیرہ کی صاف دلیل ہے۔ ٹھاکر
چھتر سنگھ صاحب آتش لکھنوی کے اس شعر کی تقلید مین کہ "اللہ رے ہمارے تکلف شب وصال + روغن کے بدلے
عطر جلایا گلاب کا"۔ بہت مشہور بیان کیا جاتا ہے کہ انھون نے اپنی معشوقہ جادی جان (طوائف کا نام) کی آشنائی
مین روغن کی جگہ چراغ مین ایک ہزار روپیہ کا عطر جلا دیا تھا۔ بعض کہتے ہین کہ ناچ کے وقت عطر سے مشعل روشن
کیے گئے تھے۔ رئیسان کھجوری اپنی لڑکیون کی شادیان اچھے اچھے اور نامی نامی تعلقدارون کے یہان کرتے ہین
چنانچہ اس وقت تک ٹیراہا، چندا پور، سمرونتہ، رام نگر دھمیڑی، دھنانوان، شاہ پور، رانی مئو، آہنا، پائیر۔
رامپور متھرا، لسبی ڈیہہ، کسمنڈا، ملا پور، سرورا، اونچہ جے، پال پور وغیرہ ریاستون سے قرابت و رشتہ داری

کا سلسلہ قایم ہوچکا ہے۔ ان شادیون مین ہتھورا اور رامپور کی شادی ابتک مشہور ہے۔ دونون براتون مین تین تین چار چار سو گھوڑے اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو ہاتھی تھے۔ آدمیون کا شمار نہ تھا۔ قرب وجوار کے کنوئین خشک ہوگئے تھے، پانی کا قطرہ گوہر نایاب ہوگیا تھا۔ آخری شادی رانی مئو کے تعلقدار کے یہان ہوئی تھی۔ برات مین بیس ہزار آدمیون سے زائد مجمع تھا، اچھے اچھے تعلقدار شریک تھے۔ حال مین ٹھاکر مولا بخش سنگھ صاحب کی بیٹی ہرپور کے تعلقدار سے منسوب ہوئی ہے۔ اس برات مین صفائی اور نفاست کا نظارہ قابل دید تھا۔ نامی نامی تعلقدار اور خاص خاص رئیس اور سفید پوش برات کے ہمراہ تھے، معمولی اور کم حیثیت کا کوئی آدمی نہ تھا۔ اس شادی مین ۳۰ ہزار روپیہ خرچ ہوا۔ کھجوری کی شادیون کے متعلق یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ براتیون کی ایسی اطاعت اور خاطرداری کی جاتی ہے اور کھانے پینے دانہ، چارا، لکڑی، برتن وغیرہ کا ایسا معقول انتظام کیا جاتا ہے کہ کسی کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہین ملتا۔ کھجوری کے زمیندار بہت بڑے دولت مند مشہور رہتے۔ لیکن باہمی نفاق اور مقدمہ بازی کی بدولت سب کے سب تباہ و برباد ہوگئے۔ موجودہ زمیندارون مین ٹھاکر مولا بخش سنگھ صاحب اچھے منتظم، متمول اور سربرآوردہ رئیس ہین جنھون نے حال ہی مین اپنے قدیم مکان کے ایک حصے کو از سر نو پختہ بنوایا ہے، جو بجائے خود نہایت مضبوط اور ایک شاندار خوبصورت عمارت ہے۔ مردانہ نشستگاہ وسیع اور نفیس، آرامگاہ خاص فرش اور قیمتی شیشہ آلات اور فرنیچر سے آراستہ ہے۔ ٹھاکر صاحب کو کتابون کا بھی بڑا شوق ہے۔ ذاتی طور پر ایک نیا کتب خانہ قایم کیا ہے، جس مین سنسکرت، بھاشا، فارسی، اردو، بنگلہ زبان کے متعلق قریبًا ایک ہزار کتابون کا معقول ذخیرہ جمع ہے۔ قلمی کتابون مین چند کتابین دو سو برس کی لکھی ہوئی ہین۔ مولا بخش سنگھ صاحب لائق، نفیس مزاج، امیر دل، خلیق، علم و ہنر کے قدردان اور بڑے نوک پلک والے آدمی ہین۔ کھجوری کا شیوالہ اور تالاب اچھا بنا ہے، جو ٹھاکر رام بخش سنگھ صاحب کی یادگار ہے۔ بازار بھی قرب وجوار مین مشہور ہے۔

قیام پور۔ دریاباد سے شمال و مشرق ڈھائی میل۔ یہان ٹھاکر امان سنگھ، ٹھاکر اہرن سنگھ بڑے لائق، منتظم اور رعایا پرور تھے۔ ٹھاکر اورنگ سنگھ بھی اچھے تھے۔ ان سے راجہ مان سنگھ صاحب سے خاص مراسم تھے۔ اس تعلقہ مین ہمیشہ اچھے اچھے پہلوان، بانک، پٹے کے کھیلنے والے بڑی بڑی تنخواہون پر نوکر رہا کئے۔ انگریزی عملداری مین نفاق باہمی اور مقدمہ بازی کے باعث تعلقداری کی فہرست سے خارج ہوکر آٹھ پائیون مین تقسیم ہوگیا۔ آج کل یہان کے ٹھاکر لوگ بجائے تعلقدار کے زمیندار و پٹی دار کہلاتے ہین۔ چھ آنے کے مالک منشی بالک رام صاحب وکیل (فیض آباد) جنھون نے اس قدر حصہ مختلف زمانہ مین حاصل کیا تھا، دس آنے ٹھاکر لوگون کے قبضہ مین ہین، جس مین کئی ایک حصہ دار ہین۔ ان ٹھاکرون مین ٹھاکر انگد سنگھ صاحب بات کے بڑے دھنی اور نوک پلک والے بزرگ تھے، جن کا ابھی حال ہی مین انتقال ہوا ہے۔ اولاد مین صاحب بخش سنگھ و رام سنگھ بقید حیات۔ آج کل ٹھاکر انگد سنگھ کے حقیقی بھتیجے ٹھاکر راج بہادر سنگھ صاحب (ولد بجرنگ سنگھ) بڑے آن بان والے، خلیق، ملنسار، نوجوان، علم دوست مشہور ہین۔ تعلقداران قیام پور بھی سورج ونش اور ریاست ٹرا کی ایک شاخ تھے۔

تیسری فصل مشہور دیہات و مقامات کے بیان مین

ٹکیت نگر - آباد کردہ مہاراجہ ٹکیت رائے، دریاباد سے دو کوس کے فاصلہ پر بجانب شمال، خوشنما آبادی -
چارون طرف بلند اور پختہ دیوارین تھین، جسکے نشانات اب بھی باقی - پورب پچھم دو عالی شان دو منزلے پھاٹک تھے
جن مین مغربی پھاٹک اس وقت تک موجود اور مشرقی عرصہ سے منہدم ہو کر کھنڈر کی صورت مین نمودار - اُتر، دکھن
کے پھاٹک معمولی برائے نام - بازار خوبصورت چوپٹر کا ہے - جو ضلع کے مشہور بازارون مین شمار کیا جاتا ہے - یہان پیتل
اور پھول کے برتن نفیس بنتے ہین - پختہ مکانات بھی اچھے اچھے ہین - مندرون مین کنھئی ساہ، ٹلیے ساہ، سھو بھاٹ کے
ٹھاکردوارے اور جین مندر مشہور - ان مندرون مین ساون کے مہینے مین اچھی بھیڑ بھاڑ ہو جاتی ہے - راجہ نرمل داس
اور راجہ بھوانی دین یہین رہتے تھے، جو فیاضی مین آج تک مشہور ہین اور جن کے وقت مین یہ بستی بہت گلزار تھی - مولچند ساہ
اور لالہ گلزاری لال سیتل ساہ اچھے مہاجن گذرے ہین - مولچند ساہ کے بیٹے دھنپت ساہ وغیرہ اور سیتل ساہ کے بھائی لالہ
پربھودیال عرف پربھو ساہ، گلزاری ساہ کی اولاد مین دھرم داس و بیچے چند بقید حیات - لالہ سکری پرشاد عرف سکری ساہ
بڑے اولو العزم، حکام رس، فیاض اور بات کے دھنی تھے - اُنھون نے بصرف کثیر پہلے پہل دو مرتبہ اس قصبہ مین رتھ
جاترا کی رسم ادا کر کے اپنی مذہبی عقیدتمندی کا اظہار کیا - ایک پورہ بسایا اور ایک پھلواری قایم کی، جو اب تک اُن
کے نام سے مشہور و موجود - آج کل لالہ دھن کمار داس، سیتارام ساہ، لالہ مانک چند ساہ، دھنپت ساہ یہان کے نامور
لوگون مین سے ہین - **دھن کمار** ساہ بہت بڑے مہاجن و زمیندار - انھون نے ایک عالی شان کوٹھی نما مکان (مراد
نشستگاہ) بطرز جدید تعمیر کرایا - دھوم دھام سے رتھ جاترا کا فرض ادا کیا - اس سے ان کی اولو العزمی و مذہبی عقیدتمندی
ثابت ہوتی ہے - **مانک چند** ساہ امیر دل اور فیاض - دھن کمار داس کے بیٹے **نیم داس** صاحب آنریری مجسٹریٹ
دھنپت ساہ مہاجن و زمیندار، ٹون ایریا و جین پاٹ شالہ وغیرہ کے ممبر - مُہر مندرون مین آنندی ٹھٹھیرا ڈھول خوب
بجاتا تھا، پرشاد خرادی بھی اپنے فن مین اوستاد تھا - اس وقت عبد السلام ٹین ساز اور بُدّھو عرف اوستاد خرادی
مشہور - ٹکیت نگر مین غلّہ اور روئی کا روزگار بھی ہوتا ہے - ڈاک خانہ، مدرسہ، جین سنسکرت پاٹ شالہ، تھانہ،
کانجی ہوس، ہوس ٹیکس کا دفتر، اسکول نسوان اور کولھو کا کارخانہ بھی ہے - اس کارخانہ مین بارہ ہزار کولھو
ہین، جسکی شاخین گورکھپور وغیرہ تک پھیلی ہوئی ہین - بحیثیت مجموعی ٹکیت نگر ایک اچھا قصبہ ہے جس کا انتظام
ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۵۶ع کے بموجب ہوتا ہے - آبادی مین ہندوؤن کی تعداد مسلمانون سے کچھ نہ کچھ زیادہ معلوم ہوتی ہے
جس کا کثیر حصّہ بنیون سے آباد ہے - دسٹرکٹ گزٹ بارہ بنکی مین اس قصبہ کا ذکر ہے -

ایچولی - معروف بہ قصبۂ ایچولی - ٹکیت نگر سے متصل اُتر طرف - چار محلے، اٹھارہ سو مکانات جس مین سو گھر
پختہ، تخمیناً چار یا پانچ ہزار کے قریب آبادی - اس بستی کا کثیر حصہ مسلمانون سے آباد، جس مین جولاہون کی تعداد غالب
ہے - بارہ بنکی گزیٹیر مین لکھا ہے کہ "ایچولی پرانے زمانے مین بھارون کے سردار اچیا کا صدر مقام تھا" سنہ ۱۸۴۲ء مین

سیف الدین (قاضی کبیرالدین) جوکہ سید سالار مسعود غازی کے ساتھیوں میں سے تھے، اُنھوں نے بھاروں کو شکست دیکر قلعہ کو توڑ ڈالا، رائس کے قریب ہی ایک دوسرا مقام اُسی نام سے آباد کیا جس کے باشندے اُنھیں کے ہمراہیوں میں سے تھے، جن کی نسل ابتک قایم ہے۔ لیکن بعض بزرگون کی زبانی سُنا گیا ہے کہ مہاراجہ ٹکیت رائے کے زمانے میں ایچولی اسے ایک موضع ٹکیت نگر سے تھوڑے سے دور پر آباد تھا جب مہاراجہ صاحب نے ایچولی کے قریب ہی شمال رویہ ایک جدید بستی کی بنیاد ڈالی اور ذاتی مکان بنوا کر سکونت بھی اختیار کی تو ایچولی کے بہت سے باشندے اُس میں آباد ہوگئے اور کچھ باشندون نے ٹکیت نگر میں اپنے گھر بنا لیے، اس طرح ایچولی ویران ہوکر بے نشان ہوگئی اور راجہ صاحب کی آباد کردہ بستی کا نام بھی کچھ دنون ایچولی اور بعد کو قصبہ ایچولی مشہور رہ گیا۔ یہان نامی نامی بزرگ گذرے ہین شیخ غلام مرتضیٰ صاحب زمیندار ہر کس وناکس کی مصیبت مین بلاتفریق مذہب شریک ہوکر مدد دینا ان کا خاص فرض تھا۔ شیخ محمد پناہ صاحب زمیندار بات کے دھنی اخلاقی خوبیون مین لایقِ تعریف۔ محی الدین ہندی کے نامی شاعر تھے، معرفت مین کلام بہت مقبول اور دلچسپ ہے منشی ایشری پرشاد صاحب۔ کائستھ شری واستو یہ دوسرے، فارسی کے زبردست ماہر، ناظم و ناثر، ۱۹۱۵ء کے قبل فوت ہوئے، ایک سو سال سے زائد عمر تھی۔ شیخ عباس علی صاحب نمبردار۔ فیاضی مین قابل ذکر، تخمیناً دو ڈھائی سو بیگھہ آراضی ہندو مسلمانون کو معافیون اور جاگیرون کے ذریعہ دے ڈالی اور بہا یا، کو بہت سی آراضی باغ لگانے کے لیے بخشدی، غالباً ۱۹۱۰ء کے قبل موجود تھے۔ لالہ گوکل چند صاحب، شری واستو یہ دوسرے کائستھ، دھرم ماتما بزرگ، یادگار مین ایک پختہ ٹھاکر دوارا اور سدابرت (دوامی خیرات مانند) موجود۔ میان خادم علی صاحب نمبردار اعلیٰ فارسی دان، ناظم و ناثر۔ ایک سو برس سے زائد عمر پائی غالباً ۱۹۱۶ء کے قبل فوت ہوئے۔ کنور راستی کمار صاحب زمیندار، شری واستو یہ دوسرے کائستھ، کنور ایشری سہائے صاحب چکلہ دار ولد راجہ بھوانی بخش صاحب دہلوی کے اکلوتے بیٹے، راجہ جیالال صاحب گلشن دیوان سلطنت اودھ و رئیس لکھنؤ کے حقیقی بھتیجے۔ ان کے دم سے زمینہ مین لکھنؤ کا خربوزہ پیدا ہوکر پرگنہ دریاباد وغیرہ کے بازارون مین بافراط بکنے لگا۔ ان کے لڑکے لال بہادر صاحب، تخلص ذکی فارسی کے اچھے شاعر، عربی کے بھی ماہر، پتنگ بازی مین مشہور۔ اولاد مین بخت بہادر سنگرام بہادر، گوبند بہاری، شیام بہاری بہ قید حیات۔ پنڈت درگا پرشاد سنسکرت کے ماہر، نگر ویاکرن مین خاص طور پر مشہور، عربی و فارسی اور بنگلہ زبان سے بھی آشنا۔ شیخ محمد احمد صاحب ایم۔ اے۔ تھوڑا عرصہ ہوا ایل ایل بی کا امتحان دینے کے وقت فوت ہوئے۔ ہنرمندون اور پیشہ ورون مین امام بخش جولاہا اور جھنگو کبڑیا بانک پٹے مین استاد اُتری برہمن اور مدار اچوڑی فروش نامی پہلوان، محبوب لال و بنجیم فن نجاری مین ہوشیار۔ **زمانۂ حال کے نامور اصحاب** شیخ علی احمد صاحب، نایب ریاست راجہ رائے رایان، (حیدرآباد دکن) انگریزی تعلیم یافتہ، وکالت پاس۔ خان بہادر شیخ مہدی حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر فیض آباد۔ ماسٹر امتیاز احمد صاحب کے بیٹے مہتمم احمد صاحب بی۔ اے ضلع فیض آباد مین سب انسپکٹر۔ سید محمد رضی صاحب قابل طبیب، ملازم ریاست رام نگر دھمیڑی، وطن

مین کسی سے فیس نہین لیتے۔ پیشہ ورون مین دیال و بتیسر نجار، مہابل لوہار، لالو معمار، سرجو دُمری ستار ہر ایک اپنے اپنے فن مین قابلِ ذکر۔ ایجولی کا جہلم مشہور ہے۔ دسہرہ دُو دھنش یگیہ، محرم کے میلے بھی اچھے ہوتے ہین۔ یہان مدرسہ ڈاکخانہ، اور سیوا سمتی کا دفتر قایم ہے۔ ٹکیت رائے کا پختہ تالاب ٹکیت رائے کی پھلواری دُور دُور تک مشہور رہی تالاب ایک عظیم الشان پنج منزلی اور سہ منزلی عمارت کے اندر واقع ہی، جس کے دو منزل شکستہ اور ناگفتہ بہ حالت مین مین اب بھی قایم۔ کسی وقت یہ تالاب دیکھنے کے قابل تھا۔ صوبہ اودھ مین اس شان کا کوئی دوسرا تالاب دیکھنے سُننے مین نہین آیا۔ پھلواری کا رقبہ تخمیناً ۱۶ بیگھہ پختہ۔ چارون طرف پختہ اور بلند دیوار، پورب عالی شان دو منزلہ پھاٹک۔ اندرونی عمارتین عرصہ سے بے نام و نشان۔ اس باغ کی اگرچہ اگلی رونق برائے نام باقی رہگئی ہے، تاہم اب بھی سیر و تفریح کے قابل ہی۔ اس پھلواری کے کٹھل بہت مشہور ہین، بعض بعض کٹھل ۱۸ بار پختہ سے کم نہین ہوتے

رامپور۔ مشہور بازار اور دیسی کپڑے کی بہت بڑی منڈی۔ یہان تخمیناً ڈھائی تین سو جولاہے آباد ہین۔ اچھے اچھے متمول ان صنعتیون کے گھرنے ہوئے ہین۔ ہندوستان کے بڑے بڑے تجارتی شہرون کے لئے یہان سے کپڑون کا چالان ہوتا ہے۔

رائے گنج۔ آباد کردہ مہاراجہ ٹکیت رائے، آباد اور مشہور بازار ہی جو ٹکیت نگر سے دوسرے درجہ پر ہے۔ یہان لالہ جگناتھ پرشاد صاحب نگم کایستھ اور انھین کے خاندان مین لالہ نراین دین قابلِ ذکر بزرگ تھے۔ جگناتھ پرشاد نامی مہاجن، حکام رس، اور کٹر ہندو۔ انکی ذات سے میلا رائے گنج مین گاؤ کشی ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی ۱۹۱۰ء مین فوت ہوئے رام نراین دین نے ایک دھوم دھامی برم بھوج کر کے قرب و جوار مین نام کر دیا۔ خاندان مین بھگوان دین صاحب، تحصیل بہاری صاحب، بابو لچھمن پرشاد صاحب انگریزی تعلیم یافتہ، خلیق، ملنسار صاحب اولاد، مہاجنی کا کاروبار بدستور۔ رائے گنج مین ڈاکخانہ بھی ہے۔

غازی پور۔ مشہور اور بہت بڑا موضع۔ غالباً تحصیل ستہی گھاٹ مین اس کے برابر کوئی دوسرا موضع ہوگا جو بلحاظِ آمدنی و رقبہ ایک اچھے تعلقہ سے کم نہین۔ یہان سرکاری مدرسہ بھی ہے اور بازار بھی۔

کسفر۔ بلحاظ آبادی قابلِ ذکر۔ ٹھاکر امیر سنگھ صاحب یہان کے نفیس مزاج، شوقین زمیندار تھے، جنھین عطر کی شناخت مین خاص ملکہ حاصل تھا۔ یہان لکھنؤ کا خربوزہ پہلے بہت پیدا ہوتا تھا، لیکن، اب کم بویا جاتا ہے۔ تھوڑے زمانہ سے مہابیرجی کا میلہ ہونے لگا ہے، جسکی وجہ سے ہر منگل کو کسفر مین ایک رونق پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میلے کے بانی ایک ست نامی سادھو ہین، جن کا آج کل دُور دُور تک خوب شہرہ ہو رہا ہے۔

متھرا نگر۔ بانی ماتھر کایستھ، جو رائے صاحب دریاباد کے بزرگون مین سے تھے، اور جنکی یادگار مین قلعہ نما بہت بڑا پختہ مکان اس وقت تک موجود۔ نسل مین عبدو راج بلی صاحب وغیرہ زمیندار بہ قید حیات۔ اس موضع مین گمان کورمی بہت متمول آدمی ہے، جس کا پختہ باڑہ اور اسٹیشن کا کارخانہ قرب و جوار مین مشہور ہے۔ گڑ بہت کا ذرا اپنے خاص فن مین دُور دُور تک اپنا جواب نہین رکھتا۔ یہان مدرسہ بھی ہے۔

محمود آباد - دریاباد سے پچھم طرف چار کوس کے فاصلہ پر۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شاہی میں کسی وقت چکلہ کا صدر مقام تھا۔ قلعہ میں عامل رہتا تھا۔ یہاں فوج بھی تعینات تھی۔ آج کل محمود آباد میں صرف ایک اپر پرائمری اسکول قائم ہے۔

زمینہ - ٹکیت نگر سے متصل۔ یہاں لکھنؤ کا خربوزہ بہت پیدا ہوتا ہے اور قرب وجوار میں بہت مشہور ہے اس موضع کی شہرت کا باعث یہی خربوزے ہیں۔ زمینہ کا خربوزہ کسفر کے خربوزے سے زیادہ شیرین اور مزیدار ہوتا ہے

سکرورھا - بانی بھر قوم کے لوگ۔ ٹھاکر عجب سنگھ صاحب کی ملکیت اور انھین کے دم سے سورجپور، ہرا ہا، کمیار وغیرہ نامی ریاستون کے مقابل مین مشہور۔ ٹھاکر صاحب کا خاندانی سلسلہ تعلقداران رانی مئو سے تعلق رکھتا ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ یہ تلوار کے دھنی اور بڑے دلیر تھے۔ ایک مرتبہ بیکا کی لڑائی مین، جبکہ توپ کے منھ مین فلیتہ دیکر آگ لگا دی گئی، انھون نے دھاوا بول دیا اور خود توپ کے قریب پہونچ گئے کہ دفعتہً توپ نے گولا اُگل دیا۔ نتیجہ یہ کہ دشمن کی فوج بھاگ نکلی اور انھین فتح نصیب ہوئی۔ اس سے ان کی اقبالمندی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ ایک موقع پر شاہی فوج کے مقابلہ مین جب تلوارون نے کام نہ دیا تو بندوق سے مارے گئے جسے سُن کر راجہ مان سنگھ بہادر قایم جنگ (ناظم دریاباد) کو سخت افسوس ہوا تھا۔ ان کی نسل مین پرتاب سنگھ اور مہابیر بخش سنگھ بڑے نامی بزرگ ہوئے **ٹھاکر پرتاب سنگھ** صاحب، اعلیٰ شجاع۔ دلونا کی لڑائی مین رائیصاحب کی فتح انھین کی ذات سے ہوئی تھی۔ اولاد مین چندر پال سنگھ کے بیٹے بند لیشری پرشاد سنگھ وغیرہ موجود۔ **ٹھاکر مہابیر بخش سنگھ** صاحب۔ ٹھاکر پرتاب سنگھ صاحب کے حقیقی بھتیجے، ٹھاکر شیام سنگھ صاحب کے بیٹے، بڑے نوک پلک والے، نہایت نیک دل، بہت بڑے خلیق بڑے بڑے تعلقدارون چودھری وزیر علی صاحب بڑولی، ٹھاکر شیر بہادر سنگھ صاحب کمیار، ٹھاکر رگھبیر سنگھ صاحب دھنانوان، ٹھاکر رتیج بخش سنگھ صاحب شاہ پور، بابو سکھراج سنگھ صاحب آٹا، رائے نارائین بلی صاحب دریاباد وغیرہ سے خاص مراسم تھے۔ ۱۹۱۰ء مین انتقال ہوا۔ تخمیناً ۸۰ سال کی عمر نصیب ہوئی۔ اولاد مین رام پال سنگھ صاحب اولاد بہ قید حیات، بہت بڑے منتظم، اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلنے مین کامیاب۔ یادگار مین پختہ وخام عالی شان حویلی، ایک بہت بڑی وسیع اور کشادہ عمدہ چوپال، ایک پھلواری، ایک آمون کا باغ۔

میان گنج - بانی رکن الدولہ میان الماس علی خان منظور نظر نواب آصف الدولہ بہادر بادشاہ اودھ۔ یہ گنج پہلے بہت آباد تھا۔ اس مین شریفون اور پیشہ ورون کے بکثرت گھر تھے۔ گنج کے پچھم طرف سوبیگہ مین پختہ عمارتون کا سلسلہ قایم تھا، بیچ مین ایک عظیم الشان وسیع بارہ دری کی تعمیر ہوئی تھی، بہت سے کنوئین بھی تھے۔ میان الماس علی خان اکثر جب لکھنؤ سے آتے تو یہین قیام فرماتے تھے۔ بارہ دری کا نشان اور ایک پختہ کنوان ابتک موجود، اور یہ سوبیگھ کا خطہ "بارہ دری والی آراضی" کے نام سے مشہور۔

کوٹوا - بابا جگ جیون داس یہان بہت بڑے مشہور ومعروف کامل بزرگ گذرے ہین، جن کی وجہ سے ہر ماہ معمولی اور کاتک بیساکھ مین بڑا زبردست دھوم دھامی میلہ ہوتا ہے۔ جگ جیون داس بھاشا کے شاعر بھی تھے

تصنیفات مین شبد ساگر، اگھ وناش، برہم گرنتھ، مہا پرسنے، اگیان پرباس موجود، جس مین سے صرف اول الذکر پوتھی چھپ کر شایع ہو چکی ہے۔ اِن پوتھیون کی نظمین اخلاق پر اچھا اثر ڈالتی ہین۔ اِن کے باپ گنگا رام چندیل ٹھاکر ضلع بارہ بنکی کے ساکن تھے۔ سَرِدہا کے زمیندار تھے۔ جگ جیون داس کی پیدایش ماگھ سدی ستمی سمبت ۱۷۲۷ بکرمی، وفات بیساکھ بدی ستمی سمبت ۱۸۱۷ بکرمی ۹۰ برس کی عمر مین سردہا چھوڑ کر کوٹوا مین سکونت اختیار کی تھی۔ اِن کے گرو بشیشر پوری موضع گوبری پرگنہ گوارچ ضلع گونڈہ کے رہنے والے تھے۔ خاندان مین شادیان تعلقدارون کے یہان ہوتی ہین اور جہنت کا لقب ہے مہا تما جی کی پختہ سمادھ (مزار) ایک شاندار مکان کے اندر بنی ہوئی ہے، جسے رائے نہال چند پسر راجہ نرمل داس (راجہ ٹکیت رائے کے بھانجے) نے بہ عہد نواب آصف الدولہ بہادر تعمیر کرایا تھا۔ بابا جگ جیون داس کی نسل اتبک موجود۔ ازگزٹیر بارہ بنکی

گوکلا گھاٹ - ہر کاتک کی پورنماشی کو اِس مقام پر ایک اچھا خاصا میلا ہوتا ہے۔ یہ گھاٹ کلیانی ندی سے تعلق رکھتا ہے، جو دریاباد سے ۱۳ میل کے فاصلہ پر دکھن طرف واقع ہے۔ میلے کے بانی رائے نارائن بلی صاحب تعلقدار دریاباد۔

چوتھی فصل نامور اصحاب کے بیان مین

راجہ ٹکیت رائے صاحب۔ سِری واستو پردوسرے کائستھ، جائے مل کے بیٹے، بہ عہد نواب آصف الدولہ بہادر سلطنت اودھ کے دیوان یعنی وزیر مال، سخاوت و فیاضی مین مشہور زمانہ۔ تاریخون مین انھین مہاراجہ ہرشچندر، راجہ کرن، اور حاتم کا خطاب دیا گیا ہے۔ قوم پروری کی بابت یہ روایت ضرب المثل ہے کہ ٹکیت رائے نے کیتھے کے درخت کو دوشالہ اُڑھادیا۔ سخاوت کے بارہ مین اتبک زبان زد خاص و عام ہے کہ "اوپر خدائے، تلے ٹکیت رائے"۔ راجہ صاحب کی یادگار مین ٹکیت گنج، تالاب پختہ بازار راجہ (لکھنؤ) ٹکیت گنج (پرگنہ کرسی) ٹکیت نگر، رائے گنج (پرگنہ دریاباد) تالاب پختہ، شیوالہ مندر، پھلواری کنوئین (قصبۂ اِچولی) بازار (لکھنؤ)، دو پختہ دھرم شالے (رائے بریلی) راجہ بازار (کلکتہ) اتبک موجود۔ علاوہ اِس کے صوبۂ متحدہ و اودھ اور بنگال کے اکثر مقامات مین جابجا پُل، دریا کے گھاٹ، شیوآلے، مندر، مسجدین، سرائین، دھرم شالے، مسافر خانے، کنوئین، باولیان تالاب پختہ، باغات، گنج، بازار، سڑکون کے کنارے سایہ دار درخت وغیرہ تاہنوز قایم، جائداد وقف۔ راجہ صاحب کا اصلی وطن لاڈپور[1] سرکار جونپور، جائے سکونت قصبۂ اِچولی و ٹکیت نگر (پرگنہ دریاباد) وفات ۱۲۲۳ھ کے بعد۔

بھیا رام سنگھ صاحب۔ از خاندان راجہ صاحب ٹڑاہا، سورج ونش مشہور سپاہی اور سیف پور کے رئیس، اقبالمند تعلقداران اودھ مین نامزد۔ غدر کے زمانے مین انگریزون کو پناہ دینے کے باعث برٹش راج کے

---

[1] لیکن گردرداس، جو جگ جیون داس کے پوتے تھے، اپنی تصنیف "بھگت بنود" مین لکھتے ہین کہ جگ جیون داس ماگھ سدی ستمی سمبت ۱۷۲۷ بکرمی منگل کے دن، پیدا ہوئے تھے۔ یہ پوتھی ٹھاکر مولا بخش سنگھ صاحب رئیس کھموری کے کتب خانہ مین موجود ہے۔

[2] و [3] از الکار منثور دمن قلمی، مصنفہ بینی کوی مصاحب خاص راجہ صاحب ممدوح، ساکن بینتی ضلع رائے بریلی یہ کتاب ٹھاکر مولا بخش سنگھ صاحب رئیس کھموری کے کتب خانہ مین موجود ہے ۱۲۔

خیر خواہ ہو کر تازندگی گورنمنٹی دربارون مین برابر شریک ہوتے رہے اور تعلقدارون کے زمرہ مین اعزازی کرسی ملتی رہی۔ بہت دن تک ریاست بٹرہا مین ذی اختیار نائیب رہے۔ چار پانچ مواضعات کے مالک تھے۔ لاولد وفات پائی۔

ٹھاکر اوتار سنگھ صاحب، رئیس کھوری، بیس ٹھاکر، بڑے ذی علم سنسکرت کے متعلق دیاکرن، جوتش مین خاص طور پر مشہور تھے۔ زمانۂ حیات اب سے ۳۰ برس قبل۔

پنڈت گیا پرشاد، شوکل، شاستری **پنڈت بندھیا پرشاد** جوتشی، ہر ایک قابل، سکونت نیما پور۔ ٹھاکر **ہردت سنگھ** صاحب۔ سکونت چیلا۔ بھاشا کے اعلیٰ شاعر، ویدک مین بھی لائق اور ہر فن کے متعلق صاحب تصنیف۔ سمبت ۱۹ بکرمی مین بہ قید حیات تھے۔ بھیا **ہمت بہادر سنگھ** صاحب۔ ٹھاکر ہیرن سنگھ صاحب تعلقدار قیام پور کے بیٹے، رعب دار، سور بیر، سنسکرت دان، نجوم کے ماہر، بھاشا کے اچھے شاعر، جبر شعر کہتے تھے۔ ۵۰ برس کی عمر مین غالباً سنہ ۱۹ء کے قبل وفات پائی۔ اولاد مین مُنّا سنگھ وغیرہ۔ مدار پور سکونت۔ **بہاری لال پاٹھک**، زمیندار تاراپور، بہادر و پہلوان، ملنسار، نوک پلک والے سنہ ۱۹۰ء کے قبل زندہ، سو برس کی عمر۔ اولاد مین بھولا ناتھ موجود۔ **بیچن سنگھ** صاحب۔ ویدک مین اچھی شہرت تھی، مگر دستِ شفا حاصل نہ تھا۔ اب سے ۳۰ برس قبل زندہ۔ بریٹھی سکونت، نسل مین بھیا اُودرت سنگھ، بید موجود۔ **حسن خان** صاحب۔ محکمۂ انجنیری کے مشہور ٹھیکہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ پختہ اینٹون کے کارخانہ دار بھی تھے۔ حال مین فوت ہوئے۔ نیک، خوش مزاج، خلیق، اولاد مین علی شیر خان وغیرہ۔ یادگار مین عمدہ دو منزلہ پختہ مکان۔ سکونت سرائے سنگی۔

ہمیار سنگھ نامی سپاہی، بریٹھی سکونت۔ ان کے پوتے **بھیکم سنگھ**۔ بیس ٹھاکر، بہت بڑے زبردست پہلوان، اور بے مثل شجاع، نہایت نیک اور منکسر المزاج تھے۔ **بھیرون سنگھ** بھیکم سنگھ کے بیٹے، خوبصورت پہلوان اور اعلیٰ سپاہی ہونے کے علاوہ فن موسیقی مین بھی کامل تھے گانے اور ڈھول بجانے مین لکھنؤ تک شہرت حاصل کی تھی۔ موسیقی کا فن کسی اوستاد سے سیکھا تھا۔ لکھنؤ کی شاہی فوج مین ملازم تھے۔ غدر کے زمانہ مین کسی انگریز کو قتل کرنے کی وجہ سے پھانسی دیگئی تھی۔ **راحدت سنگھ جمعدار**، سہریلیا ٹھاکر، دنیا سنگھ کے بیٹے، دولت مند، خوبصورت، بہت بڑے نامی پہلوان۔ کانپور کی پلٹن مین جمعدار تھے۔ گورنمنٹ سے ایک طلائی کڑا، نقرئی آنڈو زنجیر (جسے پہلوان لوگ فخریہ پہنتے ہین) معہ تمغہ و سارٹیفکیٹ مرحمت ہونے کے ساتھ ہی یہ حکم بھی مشتہر کر دیا گیا تھا کہ اگر آج سے کوئی راحدت سنگھ جمعدار سے کشتی لڑنے پر آمادہ ہوگا تو چھ مہینے کی سزا دیجائیگی یہ عزت جمعدار صاحب کو اُس وقت حاصل ہوئی تھی جبکہ پلٹن مین کوئی جوان اِن سے کشتی مین جیت نہ سکا۔ اب سے پچاس برس قبل زندہ بنگوپو سکونت۔ **رامداس**۔ برہمن، شوکل زبردست پہلوان، فن کشتی مین اوستاد۔ راجہ صاحب بانسی کے یہان علاوہ خوراک اور کپڑے کے تین سو روپیہ ماہوار پر نوکر تھے۔ ذراسی بات پر ناراض ہو کر گھر چلے آئے، پھر عمر بھر کسی کی نوکری نہین کی۔ اب سے نصف صدی قبل زندہ۔ ۸۰ سال کی عمر، سرائے سیعت وطن۔ **رام بھجن**، **رام سنیہی**، **رام کرشن**۔ بڑے بہادر اور سپاہی

ریاست رانی مئو کے دلی خیرخواہ، برہمن، بسنت پور جائے سکونت، اب سے نصف صدی قبل زندہ **جیت سنگھ** رعب دار، دلیر، قول وفعل کے پابند۔ اِن کے نام سے "پورہ جیت" علاقہ کمیار میں ابتک موجود، اب سے ایک صدی قبل زندہ۔ **بھوانی بخش** ۔ برہمن، تیواری، مشہور و معروف پہلوان۔ ایک مرتبہ کسی جیکلہ دار کے نامی پہلوان کو شجاع گنج کے مقام پر کشتی کے وقت نہ صرف پچھاڑ دیا تھا، بلکہ اُس کے کلّے بھی پھاڑ ڈالے تھے۔ ریاست لسکا ڈکیا رمیں بڑی قدر و منزلت تھی۔ زمانۂ حیات اب سے ایک صدی قبل۔ کوٹی سکونت۔ **گنگا مکندا** ۔ برہمن، تیواری، بڑے بہادر، دلیر اور قول وفعل کے دھنی۔ کمیار اور لسکا سے گھر بیٹھے معقول تنخواہیں پاتے، ضرورت کے وقت ہاتھی سواری کو ملتا۔ کوٹی سکونت اب سے نصف صدی قبل موجود **بُدھی** ۔ دوبے، رود پور سکونت، بات کے دھنی اور "تلوار بہادر" کے لقب سے مشہور تھے۔ ریاست کمیار سے تین سو بیگھہ آراضی خام بطور معافی عنایت ہوئی تھی **سیتل** بھاٹ، جیول سکونت غیر معمولی بہادر اور طاقتور۔ تیمار رائے (مورث اعلیٰ رائے صاحب دریاباد) کے وقت میں اُن کے حکم سے ایک مرتبہ ایک چھوٹی سی شکستہ توپ کے منھ میں ہاتھ ڈال کر اُسے اٹھالی تھی۔ زمانۂ حیات ۲۰۰ برس قبل۔ **غریب شاہ** ۔ ٹھاکر، سرائے ڈولولیا سکونت، دلیری اور بہادری میں مشہور ایک مرتبہ ایک مادہ شیر کے کلّے پھاڑ ڈالے تھے۔ زمانۂ حال کے مُطابق سات آٹھ سیر پختہ خوراک تھی۔ اب سے ۷۰ برس قبل زندہ **خوشحال وبشارت** ۔ سیّخ، جیول سکونت، اپنی جوانمردی اور داد شجاعت کی بدولت تازندگی شاہ پور، کمیار، دھنانوان وغیرہ ریاستوں سے گھر بیٹھے معقول تنخواہیں لیا کیے اور وقت پر حاضر ہوکر اپنی طاقت و جانبازی کے جوہر دکھایا کیے۔ اب سے ۸۰ برس قبل زندہ۔ **کریا** ۔ برہمن، دوبے، سکروردھا سکونت بڑے پہلوان، بڑے خوراکی، بڑے طاقت ور۔ ایک مرتبہ گھڑے بھر ریوڑی کے تیل میں (تیلی راب سمجھ کے) ستو ڈال کر چڑھا گئے اور معدہ کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ اب سے ۹۰ برس یعنی تخمیناً ۱۸۴۲ء کے قبل موجود۔ **رامدین** ۔ زبردست سپاہی بے مثل بہادر، تلوار اور بندوق کے فنون میں برق، بات کا دھنی، ساتھ ہی اس کے اعلیٰ چور اور بدمعاش۔ چوری میں وہ کمال کہ شرط لگا کر چیز غائب کر دیتا تھا۔ تیام پور، ملکھرہ، منگروتڈہ، کمیار وغیرہ ریاستوں سے معقول تنخواہ مقرر تھی۔ ایک موقع پر ٹھاکر سیہ کرن سنگھ صاحب (تعلقدار کمیار) کے سات سو سپاہیوں میں سے کسی ایک سپاہی کو بھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ تن تنہا تلوار سے رامدین کا مقابلہ کرتا۔ اس واقعہ کی بنا پر ٹھاکر صاحب نے تین سو بیگھہ خام آراضی بطور معافی عنایت فرمائی تھی۔ رامدین کا باپ ٹھاکر تھا اور ماں کرمن تھی، اس لئے اس کے بعض غیر شریفانہ افعال چنداں تعجب خیز نہیں، جو دو علے پن کی خاص دلیلیں ہیں۔ پورہ رام کشن، مزرعہ بانس گانوں سکونت۔ اب سے ایک صدی قبل موجود۔

جانکی ساہ ۔ بمتوبی، لکھ پتی مہاجن، قول وفعل پر قائم، بات کے دھنی۔ بالکل معمولی حیثیت سے ایمانداری اور نیک نیتی کے ساتھ ترقی کرکے لکھ پتی مہاجنوں میں مشہور ہو گئے۔ تازندگی نہ کسی کی آبرو بگاڑی نہ ڈگری و قرقی کے ذریعہ کسی کو تباہ کیا، ہمیشہ باہمی سمجھوتے پر رضامند رہے۔ یادگار میں دو پختہ شیوالے، ایک چاہ پختہ، شیوالے کا استھان پابری

دھوم دھام سے کیا گیا تھا- اس سے جانکی ساہ کی اُولوالعزمی، مذہبی عقیدتمندی، فیاضی بھی ظاہر ہوتی ہے- سنہ ١٩٠٦ء مین فوت ہوئے- حویلی سکونت- اولاد بدنام کنندۂ خاندان-

مشری بجار (اُستولی) **بہاری** بڑھئی (سونک پور) **کالی** لوہار (کمیار) **بہاری** آہن گر (نیسا پور) ہر ایک اپنے اپنے آبائی فن مین نہایت ہوشیار اور مشہور- **بھگن** پٹوا، اپنے فن مین اوستاد- اولاد مین گھورے موجود اور آبائی ہنر مین اپنے باپ کا یادگار- **خوشحال** خیاط، اپنے فن مین بے مثل- تمام عمر لکھنؤ مین بسر کی- ایک مرتبہ ایک چولی کی سلائی مین ڈھائی سو روپیہ انعام ایک بیگم صاحبہ سے حاصل کیا- بھگن اور خوشحال کی سکونت رانی مئو- کالی اور بہاری لوہار غالباً سنہ ١٩١٠ء تک زندہ باقی کاریگر غدر کے قبل موجود-

ننکئو کتھک- مشہور سارنگی نواز- اولاد مین **بجرنگ**- قانون سارنگی اور اصول نغمہ سرائی سے بخوبی واقف تا حال زندہ- **عیدن جان** گانے، ناچنے مین لائق تعریف- **مغل جان**- خوبصورت، رقاصی و نغمہ سرائی مین ہوشیار مگر ننگی تلوارین لیکر پھری گدکے کے ہاتھ دکھلاتی ہوئی ناچنے مین خاص طور پر مشہور- یہ سب رانی مئو کے باشندے اور آخر نوابی تک زندہ-

بابادین- برہمن، بہت بڑے مشہور مہاجن و زمیندار- اس وقت بابادین کی حیثیت باعتبار دولتمندی و زمینداری تحصیل نہی گھاٹ کے سربرآوردہ مہاجنوں مین کسی مہاجن سے دوسرے درجہ پر نہین- دناپور سکونت، صاحب اولاد- پنڈت **رام سرن** اسسٹنٹ منیجر- پنڈت شیو شنکر دوبے کے بیٹے- پہلے پولیس مین- بعد اسکے ریاست ڈیرہ مین معزز عہدہ پر مامور ہوئے- پھر کورٹ آف وارڈس مین آگئے اور مختلف جگہون پر کام کرتے ہوئے بلند شہر تبدیل کئے گئے، جہان آج کل اسسٹنٹ منیجری کے عہدہ کا کام انجام دے رہے ہین- سن اس وقت ۴۳ سال کا ہے- ولادت سنہ ١٨٨١ء- جبیاری سکونت- خلیق، ملنسار، مگر ذرا دبنگ اور ناعاقبت اندیش- پنڈت **رام سوچیت** وکیل بی. اے، ایل. بی، بھردواج گوتر، بہت بڑے معزز، عالی خاندان، سرویہ برہمن کھوریا کے اُپادھیا، رام ادھین کے بیٹے سنہ ١٩١٠ء مین سنٹرل ہندو کالج بنارس مین ایف. اے پاس کیا- سنہ ١٩١٩ء مین بحالت ملازمت (بہ عہدۂ ماسٹری) گورکھپور سے پرائیویٹ طور پر بی. اے کی سند حاصل کی- سنہ ١٩٢٢ء مین "لا کالج" الہ آباد سے ایل. ایل. بی کی ڈگری ملی- آج کل بارہ بنکی مین وکالت کر رہے ہین- آدمی ملنسار، نیک، خلیق، محنتی، عمر تخمیناً ٣٨ سال، صاحب اولاد- ولادت غالباً سنہ ١٨٨٦ء- کھٹولی سکونت- **رام ناتھ** کوی، بھاشا زبان کے مشہور شاعر، تلمیذ شنکر سہائے (دریابادی) و پنڈت جوگل کشور مشر گندھولی (سیتاپور)۔ شاعری مین سورج کنور پرکاش، سورج کنور بنود (مطبوعہ) شمبھو شتک، کالکا استت (غیر مطبوعہ) کے مصنف- سکونت دلسرائے متعلقہ ریاست ہڑاہا- عمر تخمیناً ۴۰ سال سن ولادت غالباً سنہ ١٨٨٤ء- ٹھاکر **گلو سنگھ** صاحب از خاندان راجہ صاحب ہڑاہا، سورج دنش، مشہور رئیس و زمیندار، علاوہ جنگرا پیادن پور کے ریاست ہڑاہا کے ماتحت دار چھہ مواضعات کے مالک، بہت نیک، امیر دل، خوش مزاج، قدردانِ علم و ہنر، ورزش کے شوقین، عمر تخمیناً

۳۸ سال، صاحب اولاد، سن ولادت غالباً ۱۸۸۶ء۔ **پنڈت رام سوچیت** باجپئی، اسٹیشن ماسٹر رُدولی، محنت و مشقت مین قابل ذکر، جبیٹھوتی سکونت۔ **پنڈت سنت پرشاد** ہیڈ ماسٹر گوپال کے تیواری، کانکبج برہمن، کشیپ گوتر، **مشری** لال تیواری کے بیٹے۔ ۱۸۹۱ء مین اُردو مڈل کلاس، ۱۸۹۵ء نارمل اسکول لکھنؤ مین سینیر پاس کیا۔ آج کل نواب گنج بارہ بنکی کے اسکول مین ہیڈ ماسٹر، ساٹھ روپیہ ماہوار مشاہرہ۔ خلیق، محنتی، اپنے کام متعلقہ مین ہوشیار، صاحبِ اولاد۔ ولادت ۱۸۷۵ء۔ اٹورا سکونت۔



قطعہ تاریخ اختتام کتاب ہذا نتیجہ فکر رسا سید حضا محمد علی صاحب فراقی رئیس دریاباد

حالات لکھے اہل وطن کے محب نے خوب
کیا شستہ روزمرّہ، عبارت ہی صاف صاف
پہونچی جو اختتام پہ ہاتف نے یہ کہا

مقبول خاص و عام مین یا رب ہو یہ کتاب
ہر حرف و لفظ اس کا ہے اک حسن انتخاب
تاریخ ہے محب کی بےمثل ولاجواب
۱۹۲۴ء

مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ ستمبر ۱۹۲۵ء

دریاباد کی قابل تعریف فیاضی اور اخبارات کی رائین

اخبار تنظیم، امرتسر، ۱۲- جولائی ۱۹۲۵ء "دریاباد"، ۸ جولائی - مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی نے مولانا شوکت علی صاحب کو دعوت دی تھی - ہزارہا آدمی آپ کے نیاز حاصل کرنے کے لیے آئے اور شہر سے باہر اللہ اکبر کے نعرون کے ساتھ آپ کا استقبال کیا گیا - سات سو پچاس روپیہ کی ایک تھیلی آپ کے نذر کی گئی - مقامی ہنود نے تمام باتون مین حصہ لیا، ان مین سے اکثرون نے ہلالی نشان لگائے تھے -

ہمدرد دہلی، ۱۴ جولائی ۱۹۲۵ء "دریاباد کی دریادلی" دریاباد کے دریادل مسلمانون نے مولانا شوکت علی صاحب کی خدمت مین اڈریس کے ہمراہ ساڑھے سات سو روپیہ کی نذر پیش کی - دریاباد مین مسلمانون کی جو آبادی ہے وہ تعداد مین کم ہونے کے ساتھ ہی افلاس مین بہت بڑھی ہوئی ہے ایسی حالت مین اتنی رقم کا فراہم ہوجانا اس امر کی دلیل ہے کہ دریاباد اور اُس کے نواح کے مسلمان اعلیٰ اور مذہبی ضروریات کا اپنے دل مین کافی احساس رکھتے ہین - مولانا شوکت علی صاحب کے ورود پہ جو غیر متوقع کثیر اجتماع ہوا اُس سے بھی اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ عوام کے دلون مین اتبک صحیح جذبہ وطن دوستی اور ملت پرستی موجود ہے - ہم مولانا عبدالماجد صاحب اور قصبے کے تمام باشندون کو مبارکباد دیتے ہین اور اُمید کرتے ہین کہ دوسرے مقامات کے لوگ بھی مولانا موصوف کے آم کے دورے کو جو حقیقت مین کام کا دورہ ہے کامیاب بنائین گے -

اخبار خلافت بمبئی، ۱۷ جولائی ۱۹۲۵ء "زندہ باد دریاباد" دریاباد کی کل اسلامی آبادی ہزار ڈیڑھ ہزار سے زیادہ نہین ہے - مگر مولانا شوکت علی کے آم کے دورہ پر اسلامی و قومی جذبات کا جو مظاہرہ دریاباد مین ہوا، اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحیح جذبات کی فراوانی سے تعداد کی قلت کی تلافی ہو جاتی ہے - ساڑھے سات سو کی تھیلی دریاباد کے لحاظ سے ساڑھے سات لاکھ کے برابر ہے - جس نسبت سے مسلمانان دریاباد نے قومی امداد مین حصہ لیا، اس نسبت سے اگر بڑے بڑے شہرون سے بھی چندہ وصول ہو تو قومی تنظیم کا عظیم الشان کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام پا جائے اور قومی مسائل کی نہ سلجھنے والی گتھیان نہایت آسانی سے سلجھ جائین موجودہ دور سرد مہری مین "دریاباد" نے جو مثال قائم کی ہے وہ بلاشک دوسرون کے لئے بہترین ہدایت کی سرمایہ دار ہے - دریاباد کی دریادلی نے ثابت کردیا کہ قوم کی تحریک کا مرتبہ اب بھی عوام کے قلوب مین اتنا ضرور ہے کہ وہ اسے مٹنے نہین دینگے - دریاباد مین "بڑے بھائی" کی آمد کے محرک مولوی عبدالماجد صاحب قابل مبارکباد ہین کہ اُنھون نے آم کے دورے کو کام کا دورہ بنانے مین بہترین کوشش کی اور الحمدللہ کہ اُن کی مساعی جمیلہ سے اعلیٰ ترین کامیابی حاصل ہوئی اُنھون نے ہمین یہ سبق دیدیا کہ دنیائے علم و ادب کے بہترین و سرگرم خادم بھی تعلیم و تعلم اور تحقیق و تدقیق کی خاموش خدمات کے ساتھ ساتھ تھوڑا وقت ہنگامہ خیز قومی خدمات کے لئے بھی نکال سکتے ہین -

تاریخ دریاباد ملنے کا پتہ منشی مگن بہاری لال صاحب آنریری سکریٹری گئوشالہ
دریاباد ضلع بارہ بنکی